اِزالۃ الاوہام

جلد ۲

متکلمِ اسلام، محققِ مذاہبِ عالم، مجاہدِ حق حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی ردِّ عیسائیت پر فارسی زبان میں سب سے پہلی نایاب کتاب جو موصوف نے ۱۲۶۹ھ ۱۸۴۸ء میں تصنیف کی جس میں عیسائیت کے بڑے اعتراضات کے الزامی تحقیقی، عقلی و نقلی، مکمل و مدلل، جامع و مسکت جوابات دیے گئے ہیں نیز مسئلہ تثلیث اور بشاراتِ محمدی ﷺ پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔



تالیف

متکلمِ اسلام حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ

اُردو ترجمہ و تقدیم شرح و تحقیق

مولانا ڈاکٹر محمد اسماعیل عارفی

تقریظ پسند فرمودہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴

اِزالۃ الاوہام

جلد ۲

متکلمِ اسلام، محقق مذاہبِ عالم، مجاہدِ حق حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی ردِ عیسائیت پر فارسی زبان میں سب سے پہلی نایاب کتاب جو موصوف نے ۱۲۶۹ھ ۱۸۴۹ء میں تصنیف کی جس میں عیسائیت کے بڑے اعتراضات کے الزامی تحقیقی، عقلی ونقلی، مکمل ومدلل، جامع ومسکت جوابات دیے گئے ہیں نیز مسئلہ تثلیث اور بشارات محمدی ﷺ پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

تالیف

متکلمِ اسلام حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ وتقدیم شرح وتحقیق

مولانا ڈاکٹر محمد اسماعیل عارفی

تقریظ پسند فرمودہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴

فہرست مضامین

جلد دوم

فصلِ اول

فصلِ دوم

فصلِ سوم

عہدِ عتیق سے الوہیتِ مسیحؑ پر دلائل کا ابطال

باب سوم

فصلِ اول

قومِ بنی اسرائیل کا انبیاءِ عظام سے سلوک

فصلِ دوم

حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بائبل کی بشارات

فصلِ سوم

حضرت مسیحؑ کی پیشینگوئیاں

باب چہارم

فصلِ اول (چار ضروری فوائد)

فصلِ دوم

خیر الوریٰ ﷺ پر مطاعن واعتراضات کا جواب

فصلِ سوم

صحفِ سابقہ سے بشاراتِ نبوی ﷺ کا بیان، رسالتِ محمدی ﷺ کے دلائل



فصل اوّل

(از باب دوم)

اس فصل میں حضرت مسیح علیہ السلام اور آنجناب کے حواریوں کے ارشادات کی روشنی میں یہ ثابت کرنا منظور ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صرف انسان اور اللہ کے رسول تھے (۱)۔

عقیدۂ تثلیث اقوالِ مسیح علیہ السلام کی روشنی میں

جاننا چاہیئے کہ اس بارے میں جناب مسیح علیہ السلام کے ارشادات تو بہت ہیں لیکن بقدر ضرورت چند ایک کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۱) جب شیطان نے آنجناب علیہ السلام سے پہلا سوال کیا کہ اگر آپ خدا کے بیٹے

---

(۱) وہ رسول سے بڑھ کر خدا یا خاص معنوں میں خدا کے بیٹے نہ تھے۔ مصنف علامؒ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے بیس (۲۰) ارشادات ذکر فرمائے ہیں جن سے توحید خداوندی کا اثبات اور عقیدۂ تثلیث کا بطلان ثابت ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے تینتیس سالہ قیامِ ارضی کے دوران ایک بار بھی اشارۃً یہ نہیں فرمایا کہ "میں خدا ہوں" انہوں نے گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے طریقے پر خالص توحید کی دعوت دی اور تثلیث یا اقانیم ثلثہ کے متعلق ایک حرف بھی نہ کہا۔ اس موضوع پر سیر حاصل بحث کیلئے ملاحظہ ہو "عیسائیت تجزیہ و مطالعہ" مصنفہ پروفیسر ساجد میر، مطبوعہ دار السلام ص ۳۵ تا ۱۶۰

ہیں تو اپنے آپ کو پہاڑ سے نیچے گرا دیجئے فرشتے آپکو اپنے ہاتھوں میں اٹھالیں گے پھر دوسرا سوال کرتے ہوئے کہا کہ اگر مجھے سجدہ کروگے تو سب دنیا تمہیں بخش دونگا ان دونوں سوالوں کے جو جواب آنجناب علیہ السلام نے دیئے وہ متی باب ۴ آیت ۷، ۱۰ الوقا باب ۴ آیت ۸، ۱۲ میں اس طرح مذکور ہیں "یسوع نے اس سے کہا یہ بھی لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کی آزمائش نہ کر" .... "اے شیطان دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر" انتہی

غور فرمایئے! جناب مسیح علیہ السلام شیطان کے جواب میں فرماتے ہیں کہ خدا کی آزمائش کرنا اور خدا کے غیر کی عبادت کرنا درست نہیں۔ اب اگر جناب مسیح علیہ السلام خود خدا ہیں تو خدا کی آزمائش کرنے کا کیا مطلب؟ اور اگر وہ خدا ہوتے تو فرماتے کہ میں خود خدا ہوں کسی اور کو معبود کیوں بناؤں؟ علاوہ ازیں شیطان تو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے خوب واقف تھا وہ آنجناب علیہ السلام سے اس طرح کے سوالات کیسے کرسکتا ہے؟ اصل بات یہ تھی کہ آنجناب علیہ السلام ایک انسان اور اللہ کے رسول تھے تبھی تو شیطان لعین امتحان کیلئے آیا اور اپنے سوالوں کا جواب پا کر لوٹ گیا۔

(۲) صرف انجیل متی میں پندرہ مقامات پر آنجناب علیہ السلام نے اپنے آپ پر "ابن آدم" ہونے کا اطلاق کیا ہے اور آپنے آپکو انسان کے بیٹے سے تعبیر کیا ہے(۱) جنکی تفصیل یہ ہے کہ متی باب ۸ آیت ۲۰ ، باب ۹ آیت ۶ ،باب ۱۶ آیت ۱۳، ۲۷ ،باب ۱۷ آیت ۹، ۱۲، ۲۲ ،باب ۱۸ آیت ۱۱ ، باب ۱۹ آیت ۲۸، باب ۲۰ آیت ۱۸، ۲۸، باب ۲۴

(۱) یہ صرف انجیل متی کا شمار ہے ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بائبل میں ۷۸ مرتبہ "ابن آدم" انسان کا بیٹا کہا گیا بلکہ بائبل تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یوسف کا بیٹا اور حضرت آدم علیہ السلام کو "خدا کا بیٹا" بتاتی ہے (لوقا باب ۳ آیت ۲۳، ۳۸)

آیت ۲۷، باب ۲۶ آیت ۲۴، ۴۵، ۶۴'۔ اب ظاہر ہے کہ انسان کا بیٹا انسان ہی ہو سکتا ہے۔

(۳) متی باب ۱۰ آیت ۴۰، مرقس باب ۹ آیت ۳۷، لوقا باب ۹ آیت ۴۸' یوحنا باب ۱۳ آیت ۲۰ ان سب جگہوں پر مذکور ہے ''جو مجھے قبول کرتا ہے وہ میرے بھیجنے والے کو قبول کرتا ہے'' اس ارشاد میں آنجناب علیہ السلام اپنے آپکو اللہ کا فرستادہ اور رسول بتاتے ہیں اور اپنے قبول کرنے کو خدا کا قبول کرنا قرار دیتے ہیں (۱) اب اگر حضرت مسیح علیہ السلام اور خدا ایک ہیں تو پھر بھیجا کس کو تھا؟

(۴) آنجناب علیہ السلام کا اپنے اہلِ زمانہ اور منکرین کی مذمت وشکایت کرتے ہوئے متی باب ۱۱ آیت ۱۸، ۱۹' لوقا باب ۷ آیت ۳۴ میں اس طرح ارشاد ہے'' کیونکہ یوحنا نہ کھاتا آیا نہ پیتا اور وہ کہتے ہیں کہ اُس میں بدروح ہے۔ ابنِ آدم کھاتا پیتا آیا اور وہ کہتے ہیں دیکھو! کھاؤ اور شرابی محصول لینے والوں اور گناہ گاروں کا یار!''

دیکھئے! اس ارشاد میں حضرت مسیح علیہ السلام اپنے آپکو ''ابنِ آدم'' قرار دیکر کھانا پینا وغیرہ اوصاف انسانی اپنے لئے ثابت کر رہے ہیں۔

(۵) جب آنجناب علیہ السلام اپنے وطن واپس تشریف لائے اور مسجد میں تعلیم دینے لگے تو لوگوں نے ازراہِ تعجب کہا یہ حکمت اور معجزے کہاں سے آئے؟ اس پر آنجناب علیہ السلام کا جواب متی باب ۱۳ آیت ۵۷، مرقس باب ۶ آیت ۴، یوحنا باب ۴ آیت ۴۴ میں اس طرح مذکور ہے'' مگر یسوع نے ان سے کہا کہ نبی اپنے وطن اور اپنے گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں ہوتا'' اسی طرح لوقا باب ۴ آیت ۲۴ میں ہے'' اور اس نے ان سے کہا میں تم سے سچ

---

(۱) یعنی جو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور جو میرے رسول ہونے پر ایمان نہیں لاتا اُسکے خدا پر ایمان کا بھی اعتبار نہیں۔ یہی مضمون حضرت محمد ﷺ کے بارے میں قرآن مجید میں کئی جگہ مذکور ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے کسی ایک پیغمبر کا بھی انکار کرتا ہو اُسکا اللہ تعالیٰ کو ماننا معتبر یا باعثِ نجات نہیں ہو سکتا۔

کہتا ہوں کوئی نبی اپنے وطن میں مقبول نہیں ہوتا‘‘

اس جگہ پر بڑی صراحت کیساتھ آنجناب علیہ السلام اپنے آپکو ’اللہ کا نبی‘ بتاتے ہیں۔

(۶) متی باب ۱۹ آیت ۱۶، ۱۷ مرقس باب ۱۰ آیت ۱۷، ۱۸ لوقا باب ۱۸ آیت ۱۸، ۱۹ میں مذکور ہے ’’ناگاہ ایک شخص آیا اور آنجناب سے کہا اے نیک استاذ! میں کون سا نیک عمل کروں تا کہ حیات جاوید پاؤں اس نے کہا تم نے کس وجہ سے مجھے نیک کہا؟ حالانکہ سوائے ایک ذات کے کوئی نیک نہیں ہے اور وہ صرف خدا کی ذات ہے لیکن اگر تو زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے تو حکموں پر عمل کر‘‘ (۱)

اس جگہ پر غور فرمایئے! جناب مسیح علیہ السلام نے کس خوبی کیساتھ تثلیث کی جڑ اکھاڑ پھینکی ہے اور نہایت احسن طریقے سے اللہ تعالی کی وحدانیت کو ثابت کیا ہے اب اگر وہ خود خدا ہوتے تو اپنے آپ سے نیک ہونے کی نفی کیوں کرتے؟ غالب یہی ہے کہ قائل کا آنجناب کو نیک وصالح کہنے سے مراد مطلق اور کامل نیک کہنا ہوگا ورنہ انبیاء کرام تو صفات

---

(۱) اللہ اکبر! تواضع‘ عبدیت‘ بندگی کی انتہاء دیکھئے کہ اپنے حق میں لفظِ نیک وصالح {good} سننا بھی گوارا نہیں کرتے اور فرماتے ہیں کہ نیک کہلانے کے لائق تو خدا کی ذات ہے۔ ہر طرح کی تعریف کا استحقاق اسکی ہستی کو ہے۔ خوب غور فرمایئے! جو شخص اپنے متعلق ’’نیک‘‘ کہلانا پسند نہیں کرتا اور اسکو خدا کا حق قرار دیتا ہے وہ خود کو خدا کہلانا کیسے گوارا کریگا؟ جو انسان اپنے متعلق لفظ good قبول نہیں کرتا وہ لفظ God کہنے کی کیسے اجازت دے سکتا ہے؟ حضرت عیسی علیہ السلام اپنی مدح میں ذرا سا لفظ بھی گوارا نہیں کرتے مبالغہ تو دور کی بات ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا یہی مقام ہوتا ہے کہ وہ ہر تعریف کو تعریفوں والے خدا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اپنے آپکو خدا کا بندہ ہونا قابل فخر اعزاز سمجھتے ہیں۔ قرآن عزیز کیا خوب فرماتا ہے لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ یَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیَسْتَكْبِرْ فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ جَمِیْعًا (القرآن ۴:۱۷۲) ’’مسیح (علیہ السلام) نے کبھی اس بات کو عار نہیں سمجھا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ مقرب ترین فرشتے اِسکو اپنے لئے عار سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی اللہ کی بندگی کو اپنے لئے عار سمجھتا ہے اور تکبر کرتا ہے تو ایک وقت آیگا جب اللہ سب کو گھیر کر اپنے سامنے حاضر کریگا‘‘

نیکی کیساتھ متصف ہوتے ہیں پھر ظاہر ہے کہ زندگی میں داخل ہونے کیلئے احکام پر عمل کرنے کا حکم فرمایا۔ اب اگر عقیدہ تثلیث کا نجاتِ انسانی میں دخل ہوتا تو اسکا بھی ضرور حکم دیتے خواہ مخاطب تسلیم کرتا یا نہ کرتا جیسا کہ اس آنے والے شخص کو جب جناب مسیح علیہ السلام نے سارا مال صدقے کرنا اور اپنی اتباع کا حکم دیا تو اس نے قبول نہیں کیا۔

(۷) جب جناب مسیح علیہ السلام سامریہ کے ایک شہر سوخار میں تشریف لے گئے تو وہاں انکے شاگردوں نے چاہا کہ آنجناب علیہ السلام کچھ تناول فرمالیں تو وہ جواب میں فرماتے ہیں ''میرے پاس کھانے کیلئے ایسا کھانا ہے جسے تم نہیں جانتے۔ پس شاگردوں نے آپس میں کہا کیا کوئی اسکے لئے کچھ کھانے کو لایا ہے؟ یسوع نے ان سے کہا میرا کھانا یہ ہے کہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی کے موافق عمل کروں اور اسکا کام پورا کروں'' (یوحنا ۴:۳۱)

اس ارشاد میں آنجناب علیہ السلام بڑی صراحت کیساتھ اپنا ''رسول'' ہونا بتاتے ہیں اور احکام الٰہی کی تعلیم و تبلیغ کو جو تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا فریضہ ہے اپنی غذا قرار دیتے ہیں۔ اب اگر وہ خود خدا ہوتے تو کسی دوسرے سے حاصل کرنے اور اسکے احکام کی بجا آوری کا کیا مطلب ہے؟

(۸) ایک مرتبہ جب لوگوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے سوال کیا کہ وہ کیا کریں تا کہ خدا کے کام انجام دیں اس پر آنجناب علیہ السلام نے جو جواب دیا وہ یوحنا باب ۶ آیت ۲۹ میں اس طرح مذکور ہے ''خدا کا کام یہ ہے کہ جسے اس نے بھیجا ہے اس پر ایمان لاؤ''

اس قول میں بھی آنجناب علیہ السلام اپنے آپکو رسول بتاتے ہیں اور اپنی رسالت کے قبول کرنے کو خدا کا کام قرار دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ یہ بات سن کر اثباتِ رسالت کیلئے آنجناب علیہ السلام سے معجزہ طلب کرتے ہیں چنانچہ اسی جگہ آیت ۳۰ میں مذکور ہے ''پس انہوں نے اس سے کہا پھر تو کونسا نشان دکھاتا ہے تا کہ ہم دیکھ کر تیرا یقین کریں؟ اب اگر وہ

خدا ہوتے تو صاف فرماتے کہ میں خدا ہوں اور مجھ پر ایمان لاؤ۔

(۹) جب زبدی کے بیٹوں کی ماں نے اپنی خواہش کے مطابق آنجناب علیہ السلام سے استدعا کی کہ آنجناب علیہ السلام اپنی بادشاہی میں اسکے دو بیٹوں میں سے ایک کو دائیں اور دوسرے کو بائیں طرف بٹھائیں تو آنجناب علیہ السلام اس طرح جواب دیتے ہیں ''لیکن اپنے دہنے یا بائیں کسی کو بٹھانا میرا کام نہیں ہے مگر جن کیلئے میرے باپ کی طرف سے تیار کیا گیا انہی کیلئے ہے'' (متی باب ۲۰ آیت ۲۳، مرقس باب ۱۰ آیت ۴۰)

اس قول میں آنجناب علیہ السلام کسی کو اپنی بادشاہی میں دائیں بائیں بٹھانے کی قدرت سے صاف انکار کر رہے ہیں۔ اب اگر وہ خود خدا ہوتے تو پھر یہ انکار کرنا تو محض لغو ہو جاتا کیونکہ خدائے تعالیٰ کا تو ارشاد اپنے بارے میں صحیفہ یسعیاہ میں اس طرح مذکور ہے جس کا حوالہ مقدمہ میں پہلی بات کے تحت بھی گذر چکا ''میں کام کروں گا کون ہے جو اسے رد کر سکے''(۱)

(۱۰) مرقس باب ۱۲ آیت ۲۸' متی باب ۲۲ آیت ۳۵ میں ہے ''اور فقیہوں میں سے ایک نے انکو بحث کرتے سن کر جان لیا کہ اس نے انکو خوب جواب دیا ہے۔ وہ پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ سب حکموں میں اول کونسا ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ اول یہ ہے اے اسرائیل سن خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔ دوسرا یہ ہے کہ تو اپنے پڑوسی سے اپنے برابر محبت رکھ۔ ان سے بڑا اور کوئی حکم نہیں'' متی باب ۲۲ آیت ۴۰ میں تو یہ بھی ہے ''انہی دو حکموں پر تمام توریت اور انبیاء کے صحیفوں کا مدار

(۱) یسعیاہ باب ۴۳ آیت ۱۳

ہے ”پھر جب اس شخص نے ان باتوں کو قبول کرلیا تو آنجناب علیہ السلام اسکے متعلق فرماتے ہیں ”جب یسوع نے دیکھا کہ اس نے دانائی سے جواب دیا تو اس سے کہا کہ تو خدا کی بادشاہی سے دور نہیں“ انتہیٰ (۱) (مرقس باب ۱۲ آیت ۳۴)

چونکہ سائل بھی توریت کے حق ہونے کا معتقد تھا اس وجہ سے آنجناب علیہ السلام نے اس حکم کا توریت میں مندرج ہونا بیان فرمایا اور تمام اعمال قربانی سے ان دو حکموں کا اعلیٰ ہونا اور توریت وصحفِ انبیاء کا اسی پر مدار ہونا ارشاد فرمایا اور چونکہ یہ معاملہ ہیکل میں دورانِ وعظ پیش آیا تو اسی وقت اسی جگہ پر انہوں نے علماءِ یہود کی علی الاعلان بے خوف ہوکر انتہائی زیادہ مذمت بھی فرمائی جیسا کہ مقدمہ باب میں گذر چکا ہے۔ اب اگر آنجناب علیہ السلام خود منصب الوہیت پر فائز ہوتے تو صاف ارشاد فرماتے کہ احکام میں سے سب سے اول حکم یہ ہے کہ میں خدا ہوں میری عبادت کرو توحید فی التثلیث کا اعتقاد رکھو! نجات اسکے بغیر ممکن نہیں ہوسکتی۔

(۱۱) متی باب ۲۳ آیت ۹ میں جناب مسیح علیہ السلام کا اپنے شاگردوں سے اس طرح

---

(۱) اس مکالمہ میں سائل ایک یہودی فقیہ ہے جو نہ تو الوھیت میں کسی اقنوم کا قائل ہے۔ نہ وہ اللہ تعالیٰ کیساتھ روح القدس یا بیٹے کی شمولیت کا قائل ہے نہ وہ تثلیث کے لفظ وعقیدہ سے آشنا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسکے سوال پر تثلیث کی تھیوری نہیں سمجھائی۔ انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ باپ کامل خدا ہے' بیٹا کامل خدا ہے' روح پاک کامل خدا ہے اور سب ملکر ”ایک“ خدا ہے۔ بلکہ یہ فرمایا ”اے اسرائیل سن۔ خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے“ یہودی فقیہ نے توحید بلا تثلیث کو سنا اور سچ جانا جس کی وجہ سے حضرت مسیح علیہ السلام اسکی دانائی پر داد دیتے ہیں۔ اسی عقیدہ کو نجات کیلئے کافی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”تو خدا کی بادشاہی سے دور نہیں“ جنت تیرا ٹھکانہ اور خدا کی رضا تیری منزل ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آپکو خدا' یا خدا کا تجسم یا خدا کا خاص معنوں میں بیٹا ہونے کا نہ کبھی خود خیال کیا نہ دوسروں سے کبھی اسکا اظہار کیا بلکہ انہوں نے گذشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح اصول اسلام یعنی توحید' رسالت' آخرت کی تعلیم دی۔ چنانچہ قیامت کے دن تثلیثیوں کے مقدمہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس طرح اپنی صفائی دیکر اظہار برأت کریں گے (المائدہ آیت ۱۱۶)

خطاب ہے ''اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو کیونکہ تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمان پر ہے اور نہ تم ''مرشد'' کہلاؤ کیونکہ تمہارا مرشد ایک ہی ہے یعنی ''مسیح''

اس قول میں بڑی صراحت کیساتھ وہ اللہ تعالیٰ کو خدائے واحد اور اپنے آپکو ''مرشد'' جو رسول ہونے سے عبارت ہے ارشاد فرما رہے ہیں۔

(۱۲) یہودا اسخریوطی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے یوحنا باب ۱۴ آیت ۲۴ میں آنجناب علیہ السلام کا ارشاد اس طرح مذکور ہے ''جو کلام تم سنتے ہو وہ میرا نہیں بلکہ باپ کا ہے جس نے مجھے بھیجا''

یعنی یہ کلام خدا تعالیٰ کی طرف سے ''وحی'' ہے اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ پس جناب مسیح علیہ السلام اس کلام کو وحی ہونے کی بنا پر اپنی قدرت سے خارج اور خدائے تعالیٰ کی قدرت کے تحت داخل ہونا ظاہر فرماتے ہیں اور اپنے آپکو اللہ کا رسول ہونا بتاتے ہیں۔ اب اگر وہ خود خدا ہیں تو اپنے آپ سے قدرت کی نفی کرنے کا کیا مطلب؟ جیسا کہ حوالہ نمبر ۹ میں بھی گذرا۔

(۱۳) یوحنا باب ۱۴ آیت ۲۸ میں ہے ''باپ مجھ سے بڑا ہے''

یہاں بھی آنجناب علیہ السلام اپنے آپ سے الوہیت کی نفی فرما رہے ہیں کیونکہ اللہ کے برابر کوئی نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ اس سے بڑا ہو جیسا کہ مقدمہ کے پہلی بات کے تحت گذرا۔

(۱۴) یوحنا باب ۱۷ آیت ۸، ۱۸، ۲۱، ۲۳، ۲۵ میں آنجناب کا اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہوئے اس طرح ارشاد مذکور ہے ''تو نے مجھے بھیجا''

ان اقوال میں انکا اپنے متعلق ''رسول اللہ'' ہونے کا اقرار محتاج وضاحت نہیں ہے۔

(۱۵) مرقس باب ۱۳ آیت ۳۲، متی باب ۲۴ آیت ۳۶ میں آنجناب کا قیامت کے متعلق اس طرح ارشاد ہے ''لیکن اس دن یا اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا نہ آسمان کے

فرشتے نہ بیٹا مگر باپ''

یہ ارشاد ببانگ دہل عقیدہ تثلیث کا فاسد اور باطل ہونا بتارہا ہے۔ کیونکہ یہاں آنجناب علیہ السلام اپنی ذات سے علمِ قیامت کی صاف نفی فرمارہے ہیں اور اس لاعلمی میں اپنے آپکو فرشتوں اور دیگر لوگوں کے مساوی قرار دے رہے ہیں جو یقیناً خدا کے بندے ہیں ظاہر ہے کہ علم جسم کی صفات میں سے نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ علاّم الغیوب ہے کوئی چیز اس پر مخفی نہ ہے۔ اب اگر حضرت مسیح علیہ السلام خدا ہیں تو علمِ قیامت کے انکار کا کوئی مطلب نہیں۔ پس جس طرح آنجناب علیہ السلام الوہیت کا اعتقاد رکھنے والوں کے نزدیک جسم کے اعتبار سے خدا نہیں ہیں بالکل اسی طرح کسی اور اعتبار سے بھی خدا نہیں ہیں۔

(۱۶) یوحنا باب ۱۷ آیت ۳ میں ہے ''اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں''

اس مضمون عالی کی تیز ہوا تو مسئلہ تثلیث کے تمام اوراق ہوا میں بکھیر کے رکھ دیتی ہے اور توحید حقیقی کو درجہ ثبوت تک پہنچادیتی ہے کیونکہ اس آیت کے مقتضاء کے مطابق اللہ تعالیٰ واحد حقیقی اور آنجناب علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وحدتِ حقیقی اور آنجناب علیہ السلام کی رسالت کا اعتقاد رکھنا ہی حیاتِ ابدی ہے۔ پس لامحالہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کثرت، شرکت اور ترکیب قطعاً ممکن نہیں خواہ اجزاء ذہنیہ یا اجزاء خارجی کے اعتبار سے ہو ورنہ وحدتِ حقیقی نہ رہے گی بلکہ اضافی ہوجائیگی نیز چونکہ مرسل اور مرسَل الیہ میں تغایر ہونا بدیہی ہے تو آنجناب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا غیر ہو کر محض رسول ہوئے۔ اسکے علاوہ کسی اور بات کا اعتقاد رکھنا ابدی خسران اور حیاتِ ابدی اور جنت سے دائمی محرومی کا باعث ہوگا۔

(۱۷) متی باب ۲۶ آیت ۳۶ مرقس باب ۱۴ آیت ۳۲ میں ہے ''اس وقت یسوع

انکے ساتھ گتسمنی نامی ایک جگہ میں آیا اور اپنے شاگردوں سے کہا یہیں بیٹھے رہنا جب تک میں وہاں جا کر دعا کروں اور پطرس اور زبدی کے دونوں بیٹوں کو ساتھ لیکر غمگین اور بے قرار ہونے لگا۔ اس وقت اس نے ان سے کہا میری جان نہایت غمگین ہے۔ یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ! اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے تو بھی نہ جیسا میں چاہتا ہوں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے ویسا ہی ہو......... پھر دوبارہ اس نے جا کر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ! اگر یہ میرے پیے بغیر نہیں ٹل سکتا تو تیری مرضی پوری ہو.......... اور انکو چھوڑ کر پھر چلا گیا اور پھر وہی بات کہہ کر تیسری بار دعا کی‘‘

غور فرمایئے! اس موقعہ پر انکا غمگین بے حال و بے ہوش ہونا اور انتہائی بے قرار ہونا اور اس غم سے تین بار اپنی رہائی کیلئے دعا کرنا اور دعا میں بھی رضاءِ الٰہی کو اپنی رضا پر مقدم جاننا یہ تمام امور انکے خدا ہونے کو نہیں بلکہ ’’انسان‘‘ ہونا بتاتے ہیں۔ پس اگر وہ عینِ خدا ہوتے تو ان باتوں کی کہاں گنجائش ہو سکتی ہے اور مقدمہ کی پہلی بات کے تحت گذر چکا ہے کہ ’’عاجزی و درماندگی کا انکی ذات سے کوئی تعلق نہیں‘‘

(۱۸) متی باب ۲۷ آیت ۴۶ اور مرقس باب ۱۵ آیت ۳۴ میں مذکور ہے ’’نویں گھڑی کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلاّ کر کہا ’’ایلی ایلی لما شبقتنی‘‘ یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا.......... اور یسوع نے پھر بڑی آواز سے چلاّ کر جان دیدی‘‘ انتہی جبکہ لوقا باب ۲۳ آیت ۴۶ میں ہے ’’پھر یسوع نے بڑی آواز سے پکار کر کہا اے باپ! میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں اور یہ کہہ کر دم دیدیا‘‘

اس قول سے آنجناب علیہ السلام کے خدا ہونے کا نام و نشان ہی مٹ جاتا ہے ورنہ (اگر وہ خود خدا ہیں) وہ دوسرے خدا سے فریاد کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ مجھے چھوڑ دیا‘ اور

اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں۔ خدا کی ذات پر موت تو ویسے ہی عقلی اور شرعی اعتبار سے محال ہے جیسا کہ مقدمہ میں پہلی بات کے تحت حضرت یرمیاہ اور حبقوق علیہما السلام کے اقوال گذر چکے ہیں۔

(۱۹) آنجناب علیہ السلام کے مصلوب ہونے کے بعد جب اتوار کو مریم مجدلی انکی قبر پر گئی اور آنجناب علیہ السلام کا جسد قبر میں نہ پایا تو قبر کے پاس کھڑی ہو کر رونے لگی۔ اچانک پیچھے نگاہ کی تو حضرت یسوع علیہ السلام کو کھڑے دیکھا مگر پہچان نہ سکی پھر جب آنجناب علیہ السلام کے بتانے پر پہچان لیا تو اسکے بعد جناب مسیح علیہ السلام نے جو کچھ اس سے فرمایا وہ اس طرح ہے ''یسوع نے اس سے کہا مجھے نہ چھو کیونکہ میں ابتک باپ کے پاس اوپر نہیں گیا لیکن میرے بھائیوں کے پاس جا کر ان سے کہہ کہ میں اپنے باپ اور تمہارے باپ اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں'' (یوحنا باب ۲۰ آیت ۱۷)

حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ ''میں اپنے باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں'' اس بات پر قطعی دلیل ہے کہ جس طرح وہ اپنے مصلوب ہونے سے قبل اپنے آپکو اللہ کا بندہ اور رسول جانتے تھے اسی طرح مصلوب ہونے کے بعد بھی اپنے آپکو اللہ کا بندہ اور رسول ہونے کا ہی اعتقاد رکھتے تھے۔ یہ صاف وشفاف مضمون اس قرآنی آیۂ بیّنہ کے ہو بہو مطابق ہے جسے اللہ تعالی نے حضرت عیسی علیہ السلام کی زبانی حکایت فرمایا ہے ماقلت لھم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ ربی وربکم الخ (المائدہ آیت ۱۱۷) ''میں نے ان سے کچھ نہیں کہا بجز اسکے جسکا آپ نے مجھے حکم دیا ہے وہ یہ کہ تم خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے''

(۲۰) باب اول کی فصل دوم میں اعتراض چہارم میں گذرا ہے کہ آنجناب علیہ السلام نے چالیس دن روزہ رکھا' جنگلوں میں اکیلے نماز میں مشغول رہتے اور عبادت کیلئے پہاڑ پر

تشریف لے جاتے تو پوری رات دعا میں گذار دیتے اور غروب کے وقت اکیلے پہاڑ پر رہتے''

نوٹ: اس فصل میں جہاں دو یا تین اناجیل کا ایک ساتھ حوالہ دیا گیا ہے تو وہاں جس انجیل کا نام سب سے پہلے آیا ہے اگلے حوالہ کی عبارت بعینہ اس سے منقول ہوگی۔

خلاصہ کلام

الغرض حضرت مسیح علیہ السلام کے ارشادات سے صاف واضح ہوگیا کہ آنجناب علیہ السلام اپنے عروجِ آسمانی تک خود کو اللہ کا بندہ اور رسول سمجھتے تھے، اپنی ذات پر سینکڑوں بار انہوں نے ''ابنِ آدم'' کا اطلاق کیا' کئی مرتبہ اپنے اوپر خدا کا رسول' نبی' پیغمبر ہونے کا اطلاق کیا اور کبھی کبھی اپنے آپ پر کھانے پینے والا اطلاق کرتے ہیں۔ اخلاقِ فاضلہ حسنہ سے متصف ہونے کے باوجود بھی اپنی ذات پر لفظ ''صالح'' کا اطلاق گوارا نہیں کرتے بلکہ منع کرتے ہیں، اپنے آپ سے قدرت وعلمِ ذاتی کی صاف نفی فرماتے ہیں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نماز روزہ وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں بے قراری و بے ہوشی غمگینی عجز و درماندگی وغیرہ جیسی جسمانی صفات اور بشری لوازمات انکے وجودِ مبارک پر بھی واقع ہوتے ہیں۔ وہ عوام وخواص کے سامنے اللہ تعالیٰ کو سب سے اعلیٰ اور اپنا خدا ارشاد فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کو واحدِ حقیقی اور اپنی ذاتِ والا صفات کو اللہ کا رسول ماننا حیاتِ ابدی قرار دیتے ہیں۔ علیٰ ھذا القیاس اس مضمون پر آنجناب علیہ السلام کے دیگر ارشادات بینات بھی ہیں۔ جب آپ نے اس مسئلہ کو حضرت مسیح علیہ السلام کے اقوال کی روشنی میں دیکھ لیا تو اب حواریوں کے اقوال ملاحظہ فرمایئے۔ مگر چونکہ انکے اقوال بھی بکثرت ملتے ہیں لہٰذا ہم اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف نو اقوال پیش کرتے ہیں

عقیدہ تثلیث حواریوں کے اقوال کی روشنی میں

(۱) رسولوں کے اعمال باب ۱۷ آیت ۲۴،۳۰ میں پولوس کا قول اس طرح مذکور ہے ''جس خدا نے دنیا اور اسکی سب چیزوں کو پیدا کیا وہ آسمان اور زمین کا مالک ہوکر ہاتھ کے بنائے ہوئے مندروں میں نہیں رہتا نہ کسی چیز کا محتاج ہوکر آدمیوں کے ہاتھوں سے خدمت لیتا ہے کیونکہ وہ تو خود سب کو زندگی اور سانس اور سب کچھ دیتا ہے .... پس خدا جہالت کے وقتوں سے چشم پوشی کر کے اب سب آدمیوں کو ہر جگہ حکم دیتا ہے کہ توبہ کریں کیونکہ اس نے ایک دن ٹھہرایا ہے جس میں وہ راستی سے دنیا کی عدالت اس آدمی کی معرفت کریگا جسے اس نے مقرر کیا ہے اور اسے مُردوں میں سے جلا کر یہ بات سب پر ثابت کردی ہے''

مذکورہ بالا عبارت کی آیت ۲۴،۲۵ میں پولوس صاف طور پر بتاتے ہیں کہ خدا تعالٰی مکان سے منزہ اور لوگوں کی خدمت یا کسی اور چیز کے محتاج ہونے سے پاک ہے۔ اسی طرح آیت ۳۱ میں خدا تعالٰی کو روزِ جزا کا مالک اور جناب مسیح علیہ السلام کو واسطہ قرار دیتے ہیں اور اللہ تعالٰی کا انکو مُردوں میں سے اٹھانے کو آنجناب علیہ السلام پر اعتقاد کی دلیل بتاتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ پولوس نے جو ''اوصاف خدا'' بیان کیے ہیں ان میں سے ایک بات بھی جناب مسیح علیہ السلام میں نہیں پائی جاتی کیونکہ جناب مسیح علیہ السلام مکان سے منزہ نہ تھے، لوگوں کے ذریعے انکی خدمت ہوتی تھی، وہ کھانے پینے وغیرہ کے محتاج تھے جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے اقوال کے ذیل میں دلیل چہارم کے تحت گذرا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالٰی کا انکو مُردوں میں سے اٹھانا اور واسطہ بنانا اس پر کھلی دلیل ہے کہ ان میں اور ذاتِ الٰہی میں تغایر ہے۔

(۲) رومیوں کے نام خط باب ۳ آیت ۳۰ میں ہے ''کیونکہ ایک ہی خدا ہے جو مختونوں کو بھی ایمان سے اور نامختونوں کو بھی ایمان ہی کے وسیلہ سے راستباز ٹھہرائے گا''

پھر اسی خط کے بالکل آخر میں مذکور ہے ”اسی واحد حکیم خدا کی یسوع مسیح کے وسیلہ سے ابد تک تمجید ہوتی رہے آمین“

یہاں دو جگہ پر اللہ تعالیٰ کو خدائے واحد اور حضرت مسیح علیہ السلام کو واسطہ بنایا گیا ہے اور یہ صریح دلیل ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور ذاتِ خدا میں تغایر ہے۔

(۳) پولوس کا کرنتھیوں کے نام پہلا خط باب ۳ آیت ۲۱ میں ہے ”پس آدمیوں پر کوئی فخر نہ کرے کیونکہ سب چیزیں تمہاری ہیں..........اور تم مسیح کے ہو اور مسیح خدا کا ہے“

اس عبارت میں تین تعلیلیہ جملے اور تقابلی فقرے ذکر ہوئے ہیں کہ جن میں تمام چیزوں کا مخاطب لوگوں کی ملکیت ہونا اور مخاطبین کا مسیح علیہ السلام کی ملکیت ہونا اور مسیح علیہ السلام کا خدا کی ملکیت ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ جس طرح اس پر اتفاق ہے کہ تمام چیزوں اور مخاطبین میں اتحاد وعینیت نہیں ہے اور مخاطبین بھی عینِ مسیح نہیں ہیں اسی طرح جناب مسیح علیہ السلام بھی خدا کے عین نہ ہونگے کیونکہ مملوک اور مالک میں فرق ہونا ظاہر ہے نیز تقابل بھی اسی کو چاہتا ہے۔

(۴) کرنتھیوں کے نام پہلا خط باب ۱۱ آیت ۳ میں ہے ”پس میں تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہر مرد کا سر مسیح کا اور عورت کا سر مرد اور مسیح کا سر خدا ہے“

یہاں بھی تین تقابلی جملے آئے ہیں چنانچہ جس طرح واقع کے اعتبار سے اس پر اتفاق ہے کہ عورت مرد کا اور مرد مسیح کا عین نہیں ہے اسی طرح مسیح علیہ السلام بھی خدا کا عین نہیں ہے۔

(۵) افسیوں کے نام خط باب ۴ آیت ۶ میں ہے ”اور سب کا خدا اور باپ ایک ہی ہے جو سب کے اوپر اور سب کے درمیان اور سب کے اندر ہے“

مجازات سے پُر ہونے کے باوجود اس آیت میں توحیدِ خداوندی کا مضمون اس قدر واضح ہے کہ محتاجِ بیان نہیں۔

(۶) تیمتھیس کے نام پہلا خط باب ۱ آیت ۱۷ میں پولوس خدا تعالیٰ کی تعریف میں لکھتا ہے ”زمانوں کا بادشاہ یعنی غیر فانی اور نادیدنی خدائے واحد کی عزت اور تمجید ابد الآباد تک ہوتی رہے آمین“

خدا تعالیٰ کا غالب ہونا، فناء ورویت سے مبرا ہونا ”اتحادِ مسیح بخدا“ کی صورت میں باقی نہیں رہتا کیونکہ توحید کے برعکس تثلیث کا اقرار ہوا اور ظاہر ہے کہ جب آنجناب علیہ السلام مصلوب ہو کر مرے تو سب لوگوں نے آنجناب علیہ السلام کو دیکھا ہوگا اب فنا ورویت سے مبرا ہونا کیسے صادق آسکتا ہے“

(۷) تیمتھیس کے نام پہلا خط باب ۲ آیت ۵ میں ہے ”کیونکہ خدا ایک ہے اور خدا اور انسان کے بیچ میں درمیانی بھی ایک یعنی مسیح یسوع جو انسان ہے“

اس قول سے یہ بات کھلے طور پر ظاہر ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور خدا کی ذات میں اتحاد نہیں ہے، جناب مسیح علیہ السلام انسان ہیں اور اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے درمیان واسطہ ہیں۔

(۸) پطرس کا پہلا عام خط باب ۱ آیت ۲۱ میں ہے ”کہ اسکے وسیلے سے خدا پر ایمان لائے ہو جس نے اسکو مُردوں میں سے جلایا اور جلال بخشا تا کہ تمہارا ایمان اور امید خدا پر ہو“ انتہی

یہ عبارت اس بات پر صریح نص ہے کہ آنجناب علیہ السلام اور ذاتِ خداوندی میں اتحاد نہیں ہے اسی طرح آنجناب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کیلئے واسطہ اور وسیلہ ہیں۔ رسول ہونے کا مطلب بھی اسکے سوا کچھ نہیں ورنہ اگر جناب مسیح علیہ السلام اور ذاتِ خداوندی میں اتحاد قرار دیا جائے تو آنجناب علیہ السلام کا مُردوں میں سے اٹھانا اور وسیلہ و واسطہ بننے کا کیا مطلب؟

(۹) یوحنا کا پہلا عام خط باب ۲ آیت ا میں ہے ''اے میرے بچو! یہ باتیں میں تمہیں اس لئے لکھتا ہوں کہ تم گناہ نہ کرو اور اگر کوئی گناہ کرے تو باپ کے پاس ہمارا ایک مددگار موجود ہے یعنی یسوع مسیح راستباز''

غور فرمائیے! یہاں پر یوحنا حواری جناب مسیح علیہ السلام کی ذاتِ گرامی کو اللہ تعالیٰ کے ہاں وکیل و مددگار قرار دیتے ہیں انکو خدا یا خدا کا عین نہیں بتاتے۔

خلاصہ کلام

مذکورہ بالا اقوال سے یہ بات مدلل اور مبرہن ہوگئی کہ آنجناب علیہ السلام کے حواری بھی آپکو انسان ہی سمجھتے ہیں آپکی ذات کو خالق ومخلوق کے درمیان واسطہ ووکیل سمجھتے ہیں جسکا مطلب رسول ہونا ہی ہے یہ تمام حضرات عقیدۂ تثلیث کے شائبہ سے بھی پاک ہیں جو کہ شرک کو مستلزم ہے اگرچہ مسیحی حضرات زبانی وظاہری طور پر جھوٹا موٹا اقرار توحید بھی کرتے ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان حواریوں کے بہت زمانہ بعد یہ لوگ بعض متشابہ آیات سے استدلال کر کے اس عقیدۂ فاسدہ میں گرفتار ہوئے۔ اگرچہ ان آیاتِ متشابہ سے اپنے مدعا پر ان حضرات کا استدلال کوئی مفید مطلب نہیں جیسا کہ اسی باب کی فصل دوم میں معلوم ہو جائے گا۔ اسی طرح یہ لوگ ابدی فلاح اور دائمی زندگی سے دور جا پڑے۔ الحمدللہ حیاتِ ابدی اور فلاحِ حقیقی طبقہ اہلِ اسلام کے سوا کسی کو حاصل نہیں کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو واحدِ حقیقی اور جناب مسیح علیہ السلام کو رسول جانتے ہیں کیونکہ نصاریٰ اس عقیدۂ تثلیث کی وجہ سے حریمِ توحید سے دور جا پڑے ہیں اور یہود آنجناب علیہ السلام کی رسالت کے انکار کی وجہ سے ایک درست عقیدہ کی حد سے دور جا پڑے اس طرح یہ لوگ فلاح کی نعمتِ عظمیٰ سے محروم ہیں۔ جب ان دو آسمانی کتاب و دین کے حاملین کا یہ حال ہے تو دیگر غیر سماوی

مذاہب اور فرقِ باطلہ کا کیا حال ہوگا۔ حق یہ ہے کہ الاسلام یعلو ولا یعلیٰ علیہ (۱)

....

(۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے رفع آسمانی سے قبل زمین پر جتنا عرصہ رہے انہوں نے ایک مرتبہ بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں خدا ہوں۔ انکے معجزات خدا ہونے کی دلیل نہیں بلکہ انکی نبوت ورسالت کی دلیل ہیں۔ کیونکہ انہوں نے دوسرے پیغمبروں کی طرح محض خدا کی قدرت سے معجزات دکھائے چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کرسکتا جیسا حکم پاتا ہوں کرتا ہوں اپنے بھیجنے والے کی مرضی چاہتا ہوں (یوحنا ۵: ۳۰) میں خدا کی قدرت سے بدروحوں کو نکالتا ہوں اور شفا دیتا ہوں (لوقا ۱۱: ۲۰) جب کوئی معجزہ ہوجاتا تھا تو خدا کا شکر ادا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انکی سن لی (یوحنا ۱۱: ۴۱) پطرس بڑی واضح گواہی اور صاف صاف ریمارکس دیتے ہیں ''اے اسرائیلیو! یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری ایک شخص تھا جسکا خدا کی طرف سے ہونا تم پر ان معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے اسکی معرفت تم میں دکھائے۔ چنانچہ تم آپ ہی جانتے ہو'' (اعمال ۲: ۲۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام انسان ہی تھے۔ نو ماہ تک ماں کے پیٹ میں رہے۔ عام بچوں کی طرح انکی پیدائش ہوئی۔ آٹھویں روز انکا ختنہ ہوا (لوقا ۲: ۲۱) نسطوریس نے صحیح کہا تھا کہ ''خدا ایک یا دو تین ماہ کا بچہ نہیں ہوسکتا'' مگر کلیسیا نے اسے مرتد قرار دے کر عیسائیت سے خارج کردیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بائبل میں ۸۷ مرتبہ ''ابن آدم'' انسان کا بیٹا کہا گیا ہے بلکہ بائبل تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یوسف کا بیٹا اور حضرت آدم علیہ السلام کو ''خدا کا بیٹا'' بتاتی ہے (لوقا ۳: ۲۳، ۳۸) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بن باپ پیدا ہونا اُنکے خدا ہونے کی دلیل نہیں کیونکہ اس میں انکی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ حضرت آدمؑ و عیسیٰؑ کے علاوہ بھی ایسا ہوا ہے چنانچہ لکھا ہے ''اور یہ ملکِ صدق سالم کا بادشاہ۔ خدا تعالیٰ کا کاہن ہمیشہ کاہن رہتا ہے۔ جب ابراہام بادشاہوں کو قتل کرکے واپس آتا تھا تو اسی نے اسکا استقبال کیا اور اسکے لئے برکت چاہی۔ اسی کو ابراہام نے سب چیزوں کی دہ یکی دی۔ یہ اول تو اپنے نام کے معنی کے موافق راستبازی کا بادشاہ ہے اور پھر سالم یعنی صلح کا بادشاہ۔ یہ بے باپ بے ماں بے نسب نامہ ہے۔ نہ اسکی عمر کا شروع نہ زندگی کا آخر بلکہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہرا'' (عبرانیوں ۷: ۱ تا ۳) حقیقت یہ ہے کہ ''ملکِ صدق'' خدا کے بیٹے (یسوع) کے مشابہ نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ہے کیونکہ خدا کے بیٹے کا اغلاط سے بھرا نسب نامہ بتایا جاتا ہے جبکہ یہ شخص نسب نامہ سے پاک ہے۔ خدا کے بیٹے کی ماں (مریمؑ) ہے جبکہ یہ شخص بے ماں ہے۔ اسکی عظمت کا کون مقابلہ کرسکتا ہے کیونکہ جو عورت سے پیدا ہوا ہے وہ کیونکر پاک ہوسکتا ہے (ایوب ۲۵: ۴) ...... (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر......)

(بقیہ حاشیہ) اصل گناہ گار تو عورت ہے اسی نے فریب کھایا' گناہ میں پڑ گئی مرد کو بھی گناہ میں مبتلا کیا (ا۔ تیمتھیس ۲:۱۴) گویا عورت ڈبل مجرم تھی۔ جو شخص گناہ کے مرکزی کردار "عورت" سے پیدا ہو وہ کتنا عیب دار ہوگا؟ لیکن ہمارا کہنا یہ ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام ایک عظیم شخصیت' معصوم رسول' صاحب عزیمت پیغمبر تھے۔ انہوں نے ہمیشہ اللہ تعالی کی وحدانیت کی دعوت دی وہ خود کو خدا کہلانا سوچ بھی نہیں سکتے۔ یہاں ایک سوال تشنہ جواب رہ جاتا ہے کہ جب بائبل میں تثلیث کا بیان نہیں ہے۔ حضرت عیسی علیہ السلام کے ارشادات میں اسکا ذکر نہیں ہے تو پھر یہ ناقابل فہم فلسفہ آیا کہاں سے؟ اسکا جواب مسیحیت کے مستند محققین کی زبانی سنیئے "لفظ تثلیث کتاب مقدس میں موجود نہیں اصطلاح تثلیث فی التوحید پہلی مرتبہ دوسری صدی عیسوی کے آخری عشرہ میں بزرگ طرطلیان نے استعمال کی اور یہ مسئلہ مسیحی علم الٰہی میں اس شکل میں چوتھی صدی عیسوی میں بیان کیا گیا۔ تاہم یہ مسیحی مذہب کا بنیادی' امتیازی اور جامع مسئلہ ہے جسکا صاف اشارہ کلام پاک کے پہلے صفحہ سے آخری صفحہ تک کئی مرتبہ آیا ہے" (قاموس الکتاب ۲۳۲) پہلی بات یہ معلوم ہوئی کہ بائبل میں تثلیث کا بیان تو دور کی بات ہے لفظ تک موجود نہیں۔ ہاں البتہ قرآن مجید میں تثلیث کا صاف لفظوں میں رد موجود ہے وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انْتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ (القرآن ٤: ١٧١) "اور یہ نہ کہو کہ (خدا) تین ہیں (اس سے) باز آجاؤ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے اللہ تو بس ایک ہی معبود ہے وہ پاک ہے اس سے کہ اسکے بیٹا ہو" دوسری بات یہ ہے کہ تثلیث حضرت عیسی علیہ السلام سے ثابت نہیں بلکہ اس اصطلاح کا موجد "بزرگ" طرطلیان ہے۔ مسیحی لٹریچر میں اسکا تعارف اس طرح آیا ہے ان شہیدوں کی بے ریا شہادت اور ثابت قدمی سے جہاں اور بھی بہت سے حق کے متلاشی خداوند کی آغوش رحمت میں آئے۔ وہاں ان میں ایک رومی وکیل بھی تھا۔ جو اپنے زمانہ کا زبردست قانون دان' منطق کا ماہر اور علم و فضل کا پتلہ تھا۔ اس مجسمہ فہم و فراست کا نام ترتولیاں (طرطلیان) تھا۔ وہ لاطینی نسل سے متعلق تھا اور ایک متمول خاندان کا فرد تھا۔ اسکا والد شاہی صوبہ دار تھا۔ اسکی پرورش ناز و نعمت میں ہوئی تھی۔ رومی امرا کی طرح اسکے اوقات کا بہتر مصرف تفریح گاہیں تھیں۔ اسکے ہم جلیس اوباش اور بے فکرے لوگ تھے۔ چونکہ تیز فہم اور زود حس انسان تھا۔ اس لئے مسیحیوں کی بے لوث قربانی نے اسکے دل پر گہرا اثر کیا۔ وہ انکی پاکیزگی اور ایثار کا گرویدہ ہو گیا اور مشرف بہ مسیحیت ہوا۔ مسیحیت نے اسکی زندگی کو یک قلم بدل دیا اور وہ مسیحیت کا سب سے بڑا حامی بن گیا۔ مسیحیت کی حمایت میں اس نے ایسے دلائل پیش کیے کہ مخالفین چپ ہو گئے۔ وہی منطق اور فلسفہ جو اس سے پیشتر وہ دنیاوی مقاصد کیلئے پیش کیا کرتا تھا۔ اسی کو اس نے دین حق کے ثابت کرنے میں پیش کرنا شروع کر دیا......

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر......)

....

(بقیہ حاشیہ) ایمان کے ضمن میں ایک جوہر اور تین اقانیم اسی کی ایجاد کردہ اصطلاح ہے۔ مگر ساتھ ہی وہ اقنوم یا شخص کے غلط مفہوم سے بھی آگاہ کرتا ہے کہ مبادا اس سے خدائے ثلاثہ کا عقیدہ اخذ کیا جائے۔ اس لئے وہ اس سے اجتناب کرتا ہوا ''تثلیث'' کا عام طور پر استعمال کرتا ہے۔ وہ واضح طور پر کہتا ہے۔ باپ خدا ہے بیٹا خدا ہے۔ اور رُوح القدس خدا ہے اور ان اقانیم میں سے ۲ ہر ایک خدا ہے۔ اس نے اس بات کی بھی تعلیم دی کہ مسیح کی ذات میں الوہیت اور انسانیت کا کامل اتحاد تھا اور اس کا ایمان تھا کہ خدا میں بہترین صنعت جو پائی جاتی ہے وہ نجات کی ہے۔ تقریباً پچاس سال کی عمر یعنی ۲۰۲ء میں مونطانیت خیال کا حامی ہوگیا۔ اور جس ہمت اور جوش سے اس نے غیر مذاہب کی مذمت کی۔ اسی طرح اس نے اس وقت کے نظام کلیسیا کی مخالفت کی۔ اسکے خیال میں بپتسمہ کے بعد کلیسیا مجاز نہیں کہ گناہوں کی مخلصی دے۔ خادم الدینوں کے نکاح ثانی کی بھی اس نے مذمت کی۔ ان امور میں اسکی چپقلش پوپ سالسیطاس سے ہوگئی۔ اسکے خیال میں محض رُوحانی اور حق پرست فرقہ مونطانی تھا۔ اس لئے اس فرقہ کی حتی المقدور امداد کی اور کلیسیائے مسلط کی مخالفت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اس فرقہ کا ہادی مونطانیس مشرف بہ مسیحیت ہونے سے پیشتر سبل دیوتا کے معبد کا پوجاری تھا۔ (آبائے کلیسیا۔ ص ۲۱'۲۳۔ مصنفہ فیروز خاں تارڑ۔ شائع کردہ۔ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور) طرطلیان موصوف کے اس تفصیلی تعارف سے جو کچھ معلوم ہوا اسکا حاصل یہ ہے کہ یہ شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی شاگرد یا صحبت یافتہ آدمی نہ تھا بلکہ انکے آسمان پر اٹھائے جانے کے دوسو سال بعد دوسری صدی میں جب روم میں مسیحیوں نے عیسائیت کی تبلیغ کیلئے بے لوث قربانیاں دیں تو اس نے متاثر ہوکر عیسائیت قبول کرلی۔ یہ شخص شاہی صوبہ دار کا بیٹا تھا اسکے اوقات کا بہتر مصرف ''تفریح گاہیں'' تھیں۔ اسکے ساتھی بھی اوباش قسم کے لوگ تھے۔ یہ شخص منطق وفلسفہ کا ماہر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے عیسائی دنیا کو ''ایک جوہر تین اقانیم اور تثلیث'' کا فلسفیانہ عقیدہ بخشا۔ یہ شخص مونطانیت خیال کا حامی ہوگیا تھا اور اس فرقہ کو رُوحانی وحق پرست سمجھتا تھا جبکہ اس فرقہ کا ہادی وبانی مونطانیس نامی شخص تھا جو قبول عیسائیت سے پہلے سبل دیوتا کے معبد کا پجاری تھا۔ اس طرح بت پرستی کے قدیم ذوق اور منطق وفلسفہ کی فنی مہارت سے تثلیث کی معجونِ مرکب تیار ہوئی جس میں دونوں چیزوں کا ذائقہ برابر موجود ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں یا انکے شاگردوں یا شاگردوں کے شاگردوں کے زمانے میں موجود نہ تھا بلکہ انکے رفع آسمانی کے چار سو سال بعد بیان کیا گیا اور مختلف عقیدہ ساز کونسلوں' حکمرانوں کی سرتوڑ کوششوں سے ترقی پاکر موجودہ شکل میں لایا گیا۔ چوتھی بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ مسیحی مذہب کا بنیادی' امتیازی اور جامع مسئلہ ہے تاہم پاک کلام میں اسکا واضح ذکر نہیں بلکہ ''اشارے'' ملتے ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر......)

(بقیہ حاشیہ) ان نادان محققوں کو یہ خبر نہیں کہ مذہب کے بنیادی، امتیازی اور جامع مسئلہ کو گونگوں کے اشاروں سے نہیں سمجھایا جاتا بلکہ صاف صاف لفظوں میں بار بار دہرایا جاتا ہے تاکہ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے اور اتمامِ حجت ہو جائے۔ یہ عجیب بات ہے کہ بائبل ایک ضخیم کتاب ہے اس میں دنیا جہاں کی اوٹ پٹانگ باتوں کا تذکرہ ہے جیسا کہ اسکے کئی نمونے آپ دیکھ آئے ہیں مگر تثلیث جو مسیحی عقائد کا اساسی نکتہ ہے اسکا ذکر نہیں ہے۔ کیا اس عقیدہ کے بطلان کیلئے صرف یہی دلیل کافی نہیں؟ پانچویں بات یہ ہے ان محققین کے بقول تثلیث کا مسئلہ بائبل میں اشاروں سے سمجھایا گیا ہے اور توحید کا مسئلہ کھول کھول کر کئی بار بتایا گیا ہے لہٰذا عوام کا تو کیا ذکر خود مسیحی علماء و فضلاء کیلئے بھی اسکا سمجھنا از حد دشوار ہو گیا ہے۔ وہ بڑی بے بسی کیساتھ اس عقیدہ کے سمجھ نہ آنے کا اور خلاف عقل یا ماوراء عقل ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔ چنانچہ مسیحیت کے مایہ ناز عالم لوئیس برک ہاف لکھتے ہیں ”خدا کا جسم میں ظاہر ہونا یہ نہ صرف بائبل کے معنوں ہی میں ایک بھید ہے جسے پرانے عہد نامہ میں پورے طور پر ظاہر نہیں کیا گیا بلکہ ان معنوں میں بھی کہ یہ انسان کی سمجھ سے بالکل باہر ہے۔ اس مسئلے کے بارے میں بہت سے مختلف خیالات ہیں۔ لیکن اب تک کوئی ایسا خیال پیش نہیں کیا گیا جو اسکو پورے طور پر حل کر سکے۔ جو خیالات پیش کئے جاتے ہیں ان میں سے چند ایک ایسے ہیں جو مسیح کی دونوں ذاتوں کو پورے طور پر پیش نہیں کرتے، جبکہ دیگر مسیح کی شخصیت کی وحدت کو پورے طور پر پیش نہیں کرتے“ (مسیحی علم الٰہی کی تعلیم۔ ص ۲۳۴)

مسیحی قارئین کو برا نہ لگے تو ہم معذرت کیساتھ ایک لطیفہ سنانا چاہتے ہیں۔ مشہور ہے کہ تین آدمیوں نے عیسائی مذہب قبول کیا۔ ایک قابل پادری صاحب کو انکی تعلیم پر مامور کیا گیا۔ یہ تینوں عیسائی ہر وقت پادری صاحب کی خدمت میں حاضر باش رہتے اور وہ بھی انکو مسیحی عقائد سمجھانے کیلئے کمربستہ رہتے۔ اتفاقاً ایک روز پادری صاحب کا ایک دوست ملاقات کیلئے آ گیا۔ پادری صاحب نے ان تینوں شاگردوں کو اپنے دوست کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے عیسائیت قبول کر کے ہمارے مذہب کی ضروری باتیں سیکھ لی ہیں آپ امتحان لے سکتے ہیں۔ پادری صاحب کا خیال تھا کہ اس طرح اُنکی محنت و کارکردگی سامنے آئے گی۔ اس دوست نے ایک شاگرد کو بلایا اور اس سے پوچھا عقیدہ تثلیث کے بارے میں تم نے کیا سمجھا؟ اس نے جواب دیا کہ پادری صاحب نے مجھے اس طرح بتایا ہے کہ خدا تین ہیں ایک آسمان میں، دوسرا کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہونے والا اور تیسرا وہ جو کبوتر کی شکل میں دوسرے خدا پر تیس سال کی عمر میں نازل ہوا۔ پادری بڑا غضبناک ہوا اور اُسے ”اُلّو کا چرخہ“ کہہ کر ہٹا دیا۔ پھر دوسرے کو بلایا اور یہی سوال کیا۔ اس نے جواب دیا مجھے بتایا گیا ہے کہ خدا تین تھے جن میں سے ایک کو سولی دے دی گئی اب صرف دو خدا باقی رہ گئے ہیں۔ پادری صاحب نے غصہ ہو کر اسے بھی نکال دیا پھر تیسرے کو بلایا جو زیادہ ہوشیار تھا اور اس سے بھی یہی سوال کیا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فصل دوم (از باب دوم)

نصاریٰ کے دلائل پر ایک نظر

اس فصل میں عہدِ جدید انجیل کی وہ آیات جن سے الوہیتِ مسیح علیہ السلام پر استدلال کیا جاتا ہے انکے ابطال کا بیان ہے۔ یہ امر مخفی نہ رہے کہ عقیدۂ الوہیت مسیح علیہ السلام پر مسیحی حضرات کے تمام دلائل نقلی وسمعی ہیں کیونکہ عقل تو ہزار بار ایسے عقائدِ فاسدہ سے اظہارِ برأت کرتی ہے بلکہ خود مسیحی علماء کا اعتراف اس پر شاہد ہے کہ اس عقیدہ کے اثبات پر کوئی عقلی دلیل نہیں ہے جیسا کہ مقدمہ باب کی تیرہویں بات کے تحت معلوم ہو چکا۔ الوہیتِ مسیح علیہ السلام پر اِن حضرات کے تمام دلائلِ نقلیہ کا اجمالی جواب بر سبیلِ تسلیم یہ ہے کہ یہ تمام دلائل ان صریح اور قطعی نصوص کے معارض ہیں جو آنجناب علیہ السلام کے انسان ہونے پر، انکے لوازمِ بشریہ سے متصف ہونے پر اور الوہیت کے منافی امور پائے جانے پر دلالت کرتی ہیں جو اس باب کی فصلِ اول میں گذری ہیں۔ لہٰذا مقدمہ کے قاعدہ نمبر ۱۰ کے تحت یہ دونوں

(بقیہ حاشیہ) اس نے جواب دیا مائی ڈیئر فادر! آپ نے جو کچھ سکھایا میں نے خوب اچھی طرح یاد کیا اور خداوند یسوع مسیح کی مہربانی سے پوری طرح سمجھ گیا ہوں۔ تثلیث یہ ہے کہ ایک تین اور تین ایک۔ ان میں سے ایک کو سولی دے دی گئی وہ مر گیا اور بوجہ اتحاد سب کے سب مر گئے لہٰذا اب کوئی خدا باقی نہیں رہا ورنہ تینوں میں اتحاد کی نفی لازم آئے گی۔ ان جواب دینے والوں کو جہالت و ناسمجھی کا الزام دینا ٹھیک نہیں کیونکہ بڑے بڑے دانشوروں کا بھی یہی حال ہے وہ بھی حیران ہو کر اقرار کرتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ کوئی عقیدہ ہے ہی نہیں حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک کسی نبی نے اپنی امت کو ایسی کوئی تعلیم نہیں دی۔ یہ تو ایک خلافِ عقل مفروضہ ہے، بے حقیقت خواب ہے، بے معنی فلسفہ ہے اور بس!

قسم کے دلائل درجہء اعتبار سے ساقط ہو جائینگے یا انکے درمیان اس طرح تطبیق دی جائیگی کہ کوئی خلافِ واقع بات یا امرِ محال لازم نہ آئے۔ یاد رہے کہ یہ تطبیق دینا کہ حضرت مسیح علیہ السلام میں اوصافِ انسانی اور اوصافِ الوہیت دونوں علیٰ وجہ الکمال موجود ہیں یہ تو بالکل صریح البطلان ہے جیسا کہ قریب ہی مقدمہء باب میں معلوم ہو چکا۔ اب آپ انکے ہر استدلال کا بالترتیب تفصیلی جواب ملاحظہ فرمایئے۔

پہلی دلیل اور اُسکا بطلان

انکا کہنا ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا انکے خدا ہونے کی دلیل ہے یہ تو بالکل لچر اور بے ہودہ بات ہے کیونکہ جناب آدم علیہ السلام اور تمام فرشتے بغیر باپ کے پیدا ہوئے تو یہ سب بغیر ماں باپ پیدا ہونے کے وصف میں حضرت مسیح علیہ السلام سے بھی فائق ہوئے اسی طرح ''ملکِ صدق'' جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کا کاہن تھا جسکی عمر کا آغاز و اختتام نہ تھا پولس اسکو خدا کے بیٹے کے مشابہ اور ابدی کاہن قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں ''اور یہ ملکِ صدق سالم کا بادشاہ خدا تعالیٰ کا کاہن ہمیشہ کاہن رہتا ہے جب ابراہام بادشاہوں کو قتل کر کے واپس آتا تھا تو اسی نے اسکا استقبال کیا اور اسکے لئے برکت چاہی اسی کو ابراہام نے سب چیزوں کی دہ یکی دی۔ یہ اول تو اپنے نام کے معنی کے موافق راستبازی کا بادشاہ ہے اور پھر سالم یعنی صلح کا بادشاہ۔ یہ بے باپ بے ماں بے نسب نامہ ہے نہ اسکی عمر کا شروع نہ زندگی کا آخر بلکہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہرا۔ پس غور کرو کہ یہ کیسا بزرگ تھا جسکو قوم کے بزرگ ابرہام نے لوٹ کے عمدہ سے عمدہ مال کی دہ یکی دی''

(عبرانیوں کے نام خط باب ۷ آیت ۱)

پس آیت ۳ سے اسکا بغیر ماں باپ کے پیدا ہونا' اسکی عمر کی ابتداء وانتہا کا نہ ہونا'

اسکا خدا کے بیٹے کے مشابہ ہونا اور ابدی کاہن ہونا معلوم ہوا اور آیت ۴ سے اسکی عظمتِ شان معلوم ہوتی ہے اور بغیر ماں کے پیدا ہونے میں اور عمر کا آغاز واختتام نہ ہونے میں انکو حضرت مسیح علیہ السلام پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے کیونکہ وہ حضرت مریمؑ سے پیدا ہوئے ۳۳ سال عمر پائی آخر کار مصلوب ہوکر وفات پائی اور اگر بعد از موت آنجناب علیہ السلام کی حیات کا اعتقاد بھی کرلیا جائے تو اس صورت میں بھی اگرچہ اختتام کے اعتبار سے مساوات تو ہے تاہم آغاز کے اعتبار سے پھر بھی ملکِ صدق کو تفوق حاصل ہے۔

دوسری دلیل اور اُسکی تردید

دوسری دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح علیہ السلام اور حواریوں کے کلام میں کہیں کہیں آنجناب پر ''ابنِ خدا'' کا اطلاق ہوا ہے مثلاً متی باب ۳ آیت ۱۷ میں ہے ''اور دیکھو آسمان سے یہ آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں'' ایک مرتبہ آنجناب علیہ السلام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ایلیاہ ظاہر ہوکر کلام فرمارہے تھے تو اس بارے میں متی باب ۱۷ آیت ۵ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں اس طرح مذکور ہے ''وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ دیکھو ایک نورانی بادل نے ان پر سایہ کرلیا اور دیکھو اس بادل میں سے آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں اسکی سنو'' ایک موقعہ پر آنجناب علیہ السلام کا حواریوں سے اس طرح خطاب ہے ''اس نے ان سے کہا مگر تم مجھے کیا کہتے ہو؟ شمعون پطرس نے جواب میں کہا تو زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے یسوع نے جواب میں اس سے کہا مبارک ہے تو شمعون بریوناہ کیونکہ یہ بات گوشت اور خون نے نہیں بلکہ میرے باپ نے جو آسمان پر ہے تجھ پر ظاہر کی ہے'' (متی باب ۱۶ آیت ۱۵) اسی طرح آنجناب علیہ السلام کا ایک اندھے سے اس طرح مکالمہ مذکور ہے ''یسوع نے سنا کہ انہوں نے اسے باہر نکال دیا اور جب اس سے

ملا تو کہا کیا تو خدا کے بیٹے پر ایمان لاتا ہے؟ اس نے جواب میں کہا اے خداوند وہ کون ہے کہ میں اس پر ایمان لاؤں؟ یسوع نے اس سے کہا تو نے تو اسے دیکھا ہے اور جو تجھ سے باتیں کرتا ہے وہی ہے'' (یوحنا باب ۹ آیت ۳۵)

ان عبارات سے واضح ہے کہ دوبار آسمان سے آنجناب علیہ السلام کے متعلق آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے۔ اور جب پطرس حواری نے آنجناب علیہ السلام پر ''بیٹے'' کا اطلاق کیا تو آپ نے منع نہیں فرمایا بلکہ پسند کیا اور تعریف فرمائی اور اندھے سے بات کرتے ہوئے تو خود انہوں نے اپنے اوپر بیٹے کا اطلاق کیا ہے۔ اسی طرح حواریوں کے کلام اور دیگر کئی جگہوں پر بھی لفظ ''ابن'' کا اطلاق ہوا ہے اور یوحنا کے کلام میں بھی کئی جگہوں میں آنجناب علیہ السلام پر ''اکلوتا بیٹا'' کا اطلاق ہوا ہے۔ اب جب خدا تعالیٰ واحد حقیقی ہے تو مسیح علیہ السلام بھی عین خدا ہوئے۔

جواب

اگرچہ ان لوگوں کے حسبِ زعم تو یہ برھان قاطع ہے لیکن حقیقت میں بہت ہی کمزور ہے کیونکہ پہلی بات یہ ہے کہ یہ عبارات ان تمام حوالوں کے معارض ہیں جن میں آنجناب علیہ السلام نے اپنی ذات پر کئی مرتبہ ''ابنِ آدم'' کا اطلاق کیا ہے جیسا کہ باب ھذا کی فصل اول دلیل دوم کے تحت گذرا۔ دوسری بات یہ ہے کہ کتبِ سماویہ میں مجاز کا استعمال بہت ہی زیادہ ہے جیسا کہ باب ھذا کے مقدمہ میں تیسری بات تا چھٹی بات تک اس بارے میں مکمل تشریحی نوٹ آچکے ہیں۔ بالخصوص ابن وغیرہ جیسے الفاظ میں تو مجاز کا استعمال بنسبت دیگر الفاظ کے اور بھی زیادہ ہے حتی کہ مسیحی علماء کو بھی اس سے انکار نہیں ہے تاہم ہم اپنے اسلوب کے موافق ناظرین کی سہولت کیلئے چند مثالیں حوالہ قلم کرتے ہیں۔

بائبل میں لفظِ ''بیٹا'' کا استعمال

(۱) خروج باب ۴ آیت ۲۲ میں اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس طرح ارشاد ہے ''اور تو فرعون سے یوں کہنا کہ خداوند نے یوں فرمایا ہے کہ اسرائیل میرا پہلوٹھا بیٹا ہے۔ سو میں تجھ سے کہتا ہوں کہ میرے بیٹے کو جانے دے تاکہ وہ میری بندگی کرے اور اگر اسے نہیں جانے دیتا تو دیکھ میں تیرے پہلوٹھے بیٹے کو مار ڈالوں گا''

یہاں اسرائیل پر دو جگہ ''بیٹے'' کا اور ایک جگہ ''پہلوٹھے'' کا اطلاق ہوا ہے۔

(۲) زبور ۸۹ آیت ۱۹۔۲۶ میں حضرت داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''اس وقت تو نے رویا میں اپنے مقدسوں سے کلام کیا اور فرمایا کہ میں نے ایک زبردست کو مددگار بنایا ہے اور قوم میں سے ایک کو چن کر سرفراز کیا ہے۔ میرا بندہ داؤد مجھے مل گیا اور اپنے مقدس تیل سے میں نے اسے مسح کیا ہے......... وہ مجھے پکار کر کہے گا تو میرا باپ میرا خدا اور میری نجات کی چٹان ہے اور میں اسکو اپنا پہلوٹھا بناؤں گا اور دنیا کا شاہنشاہ''

یہاں حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں برگزیدہ از قوم 'مسیح' بندہ کے علاوہ پہلوٹھا بیٹا اور شاہنشاہ کا خطاب بارگاہ خداوندی سے عنایت ہوا ہے۔

(۳) یرمیاہ باب ۳۱ آیت ۹، ۲۰ میں ہے ''میں اسرائیل کا باپ ہوں اور افرائیم میرا پہلوٹھا ہے......... کیا افرائیم میرا پیارا بیٹا ہے؟ کیا وہ پسندیدہ فرزند ہے؟ کیونکہ جب میں اسکے خلاف کچھ کہتا ہوں تو اسے جی جان سے یاد کرتا ہوں۔ اس لئے میرا دل اسکے لئے بے تاب ہے میں یقیناً اس پر رحمت کرونگا خداوند فرماتا ہے'' انتہی

اس قول میں اللہ تعالیٰ افرائیم کو اپنا پہلوٹھا بیٹا، عزیز و پسندیدہ فرزند قرار دیکر اس

کے حق میں رحمت وشفقت کے کلمات ارشاد فرماتے ہیں اور اسرائیل کی نسبت سے اپنے آپکو "باپ" سے تعبیر فرمایا۔ اب اگر ابن اللہ وغیرہ جیسے الفاظ کا اطلاق مستلزم الوہیت ہو تو اسرائیل، داؤد اور افرائیم جناب مسیح علیہ السلام سے مقدم اور زائد طور پر مستحقِ الوہیت ہیں۔

(۴) لوقا نے اپنی انجیل باب ۳ آیت ۳۷ میں حضرت آدم علیہ السلام کو "خدا کا بیٹا" لکھا ہے۔ واقعی لوقا نے انصاف سے کام لیا ہے کیونکہ متی اپنی عبارت کے موافق مسیح علیہ السلام کو جو بغیر باپ کے ماں سے پیدا ہوئے انکو "یوسف کا بیٹا" لکھتا ہے اور آدم جو بغیر ماں باپ پیدا ہونے کے وصف میں مسیح علیہ السلام سے فائق ہیں انکو "خدا کا بیٹا" لکھتا ہے۔

(۵) جب حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے گھر بنانے کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے ناتن نبی کے ذریعے حضرت داؤد علیہ السلام کو یوں ارشاد فرمایا "اور جب تیرے دن پورے ہو جائیں گے اور تو اپنے باپ دادا کیساتھ سو جائیگا تو میں تیرے بعد تیری نسل کو جو تیرے صلب سے ہوگی کھڑا کر کے اسکی سلطنت کو قائم کرونگا۔ وہی میرے نام کا ایک گھر بنائے گا اور میں اسکی سلطنت کا تخت ہمیشہ کیلئے قائم کرونگا اور میں اسکا باپ ہونگا اور وہ میرا بیٹا ہوگا" انتہی بعبارتہ سموئیل دوم باب ۷ آیت ۱۲ نیز تواریخ اول باب ۱۷ آیت ۱۲، باب ۲۲ آیت ۹، ۱۰، باب ۲۸ آیت ۶ میں بھی یہی عبارت ہے۔

اس قول میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر "بیٹے" کا اور اپنی ذات پر "باپ" کا لفظ اطلاق کیا ہے۔ جب آدم وسلیمان علیہما السلام جناب مسیح علیہ السلام سے پہلے گذرے ہیں اور انکے آباؤ واجداد میں سے ہیں اگر بیٹا کہہ دینے سے الوہیت کا استحقاق ہو جاتا ہے تو یہ دونوں بزرگ جناب مسیح علیہ السلام سے پہلے اس اعزاز کے مستحق ہیں۔

(۶) پیدائش باب ۶ آیت ۱، ۴ میں ہے "جب روئے زمین پر آدمی بہت بڑھنے لگے اور انکے بیٹیاں پیدا ہوئیں تو خدا کے بیٹوں نے آدمی کی بیٹیوں کو دیکھا کہ وہ خوبصورت

ہیں اور جنکو انہوں نے چنا ان سے بیاہ کرلیا........ان دنوں زمین پر جبار تھے اور بعد میں جب خدا کے بیٹے انسان کی بیٹیوں کے پاس گئے تو ان کیلئے ان سے اولاد ہوئی یہی قدیم زمانہ کے سورما ہیں جو بڑے نامور ہوئے ہیں"

(۷) استثناء باب ۱۴ آیت ۱ میں ہے "تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو تم مُردوں کے سبب سے اپنے آپ کو زخمی نہ کرنا اور نہ اپنے ابرو کے بال منڈوانا"

دیکھئے! پیدائش کے حوالے کے مطابق قدیم زمانہ کے نامور سورماؤں کے آباء پر "بیٹوں" کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے اور استثناء میں تمام بنی اسرائیل پر "خدا کے بیٹے" کا لفظ آیا ہے۔

(۸) استثناء باب ۳۲ میں ایک جگہ بنی اسرائیل کا غیر اللہ کی عبادت کے حوالے سے نافرمانیوں کا ذکر کرنے کے بعد اس طرح مذکور ہے "خداوند نے یہ دیکھ کر ان سے نفرت کی کیونکہ اسکے بیٹوں اور بیٹیوں نے اسے غصہ دلایا" (استثناء باب ۳۲ آیت ۱۹)

(۹) ایک جگہ یوں ارشاد ہے "جب صبح کے ستارے مل کر گاتے تھے اور خدا کے سب بیٹے خوشی سے للکارتے تھے" (ایوب باب ۳۸ آیت ۷)

ہندی مترجم اس موقعہ پر "خدا کے بیٹوں" کی جگہ "خدا کے انبیاء" لکھتا ہے۔

(۱۰) ایک جگہ اللہ تعالیٰ کی توصیف کرتے ہوئے اس طرح مذکور ہے "خدا اپنے مقدس مکان میں یتیموں کا باپ اور بیواؤں کا دادرس ہے" (زبور ۶۸ آیت ۵)

(۱۱) یسعیاہ باب ۱ آیت ۲ میں ہے "سن اے آسمان اور کان لگا اے زمین کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ میں نے لڑکوں کو پالا اور پوسا پر انہوں نے مجھ سے سرکشی کی"

(۱۲) یسعیاہ باب ۳۰ آیت ۱ میں ہے "خداوند فرماتا ہے ان باغی لڑکوں پر افسوس جو

ایسی تدبیر کرتے ہیں جو میری طرف سے نہیں‘‘

(۱۳) یسعیاہ باب ۶۳ آیت ۷، ۸، ۱۶ میں ہے ’’میں خداوند کی شفقت کا ذکر کروں گا خداوند ہی کی ستائش کا اس سب کے مطابق جو خداوند نے ہم کو عنایت کیا ہے اور اس بڑی مہربانی کا جو اس نے اسرائیل کے گھرانے پر اپنی خاص رحمت اور فراوان شفقت کے مطابق ظاہر کی ہے۔ کیونکہ اس نے فرمایا یقیناً وہ میرے ہی لوگ ہیں ایسی اولاد جو بے وفائی نہ کریگی چنانچہ وہ انکا بچانے والا ہوا‘‘ .... یقیناً تو ہمارا باپ ہے اگرچہ ابرہام ہم سے ناواقف ہو اور اسرائیل ہم کو نہ پہچانے۔ تو اے خداوند ہمارا باپ اور فدیہ دینے والا ہے تیرا نام ازل سے یہی ہے‘‘

(۱۴) یسعیاہ باب ۶۴ آیت ۸ میں ہے ’’تو بھی اے خداوند! تو ہمارا باپ ہے ہم مٹی ہیں اور تو ہمارا کمہار ہے اور ہم سب کے سب تیری دستکاری ہیں‘‘

(۱۵) ہوسیع باب ۱ آیت ۱۰ میں ہے ’’تو بھی بنی اسرائیل دریا کی ریت کی مانند بے شمار و بے قیاس ہونگے اور جہاں ان سے یہ کہا جاتا تھا کہ تم میرے لوگ نہیں ہو زندہ خدا کے فرزند کہلائینگے‘‘

(۱۶) حواریوں سے خطاب کرتے ہوئے جناب مسیح علیہ السلام کے اقوال میں بھی اس طرح کے الفاظ مثلاً تمہارا باپ وغیرہ آئے ہیں جن سے مراد خدا تعالیٰ ہے جیسا کہ اناجیلِ اربعہ کے ناظرین سے مخفی نہیں ہے اور اسکی کچھ مثالیں تو اسی باب کے مقدمہ چوتھی بات کے ذیل میں گذری بھی ہیں۔

(۱۷) متی باب ۵ آیت ۹ میں ہے ’’مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائینگے‘‘ اسی باب کی آیت ۴۴ میں ہے ’’لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں

سے محبت رکھواور اپنے ستانے والوں کیلئے دعا کروتا کہ تم اپنے باپ کے جو آسمان پر ہے بیٹے ٹھہرو کیونکہ وہ اپنے سورج کو بدوں اور نیکوں دونوں پر چمکاتا ہے اور راستبازوں اور ناراستوں دونوں پر مینہ برساتا ہے‘‘

(۱۸) یوحنا باب ا آیت ۱۲ میں ہے ’’لیکن جتنوں نے اسے قبول کیا اس نے انہیں خدا کے فرزند بننے کا حق بخشا یعنی انہیں جو اسکے نام پر ایمان لاتے ہیں وہ نہ خون سے نہ جسم کی خواہش سے نہ انسان کے ارادے سے بلکہ خدا سے پیدا ہوئے‘‘

(۱۹) یوحنا کا پہلا عام خط باب ۳ آیت ۱، ۱۰ میں ہے ’’دیکھو باپ نے ہم سے کیسی محبت کی ہے کہ ہم خدا کے فرزند کہلائے اور ہم ہیں بھی۔ دنیا ہمیں اس لیے نہیں جانتی کہ اس نے اسے بھی نہیں جانا۔ عزیزو! ہم اس وقت خدا کے فرزند ہیں اور ابھی تک یہ ظاہر نہیں ہوا کہ ہم کیا کچھ ہونگے الخ .... جو شخص گناہ کرتا ہے وہ ابلیس سے ہے کیونکہ ابلیس شروع ہی سے گناہ کرتا رہا ہے۔ خدا کا بیٹا اسی لئے ظاہر ہوا تھا کہ ابلیس کے کاموں کو مٹائے جو کوئی خدا سے پیدا ہوا ہے وہ گناہ نہیں کرتا کیونکہ اسکا تخم اسمیں بنا رہتا ہے بلکہ وہ گناہ کر ہی نہیں سکتا کیونکہ خدا سے پیدا ہوا ہے۔ اسی سے خدا کے فرزند اور ابلیس کے فرزند ظاہر ہوتے ہیں جو کوئی راستبازی کے کام نہیں کرتا وہ خدا سے نہیں اور وہ بھی نہیں جو اپنے بھائی سے محبت نہیں رکھتا‘‘

(۲۰) یوحنا کا پہلا عام خط باب ۴ آیت ۷ کے ذیل میں ہے ’’جو کوئی محبت رکھتا ہے وہ خدا سے پیدا ہوا ہے اور خدا کو جانتا ہے‘‘

(۲۲) اسی خط کے باب ۵ آیت ۱، ۲، ۱۸ میں ہے ’’جسکا یہ ایمان ہے کہ یسوع ہی مسیح ہے وہ خدا سے پیدا ہوا ہے .... جب ہم خدا سے محبت رکھتے اور اسکے حکموں پر عمل کرتے ہیں تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ خدا کے فرزندوں سے بھی محبت رکھتے ہیں .... ہم جانتے ہیں کہ جو کوئی خدا سے پیدا ہوا ہے وہ گناہ نہیں کرتا بلکہ اسکی حفاظت وہ کرتا ہے جو خدا

سے پیدا ہوا اور وہ شریر اسے چھونے نہیں پاتا'' انتہی ملخصاً

(۴۳) پولوس کا رومیوں کے نام خط باب ۸ آیت ۱۴ میں ہے ''اس لئے کہ جتنے خدا کی روح کی ہدایت سے چلتے ہیں وہی خدا کے بیٹے ہیں''

(۴۴) فلپیوں کے نام خط باب ۲ آیت ۱۴ میں ہے ''سب کام شکایت اور تکرار بغیر کیا کرو تا کہ تم بے عیب اور بھولے ہو کر ٹیڑھے اور کجرو لوگوں میں خدا کے بے نقص فرزند بنے رہو''

تجزیہ مصنفؒ

پس جناب مسیح علیہ السلام صلح کرنے والوں اور اپنے دشمنوں سے احسان کرنے والوں کو خدا کے بیٹے قرار دے رہے ہیں، یوحنا حواری جناب مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کو خدا کے بیٹے فرما رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ وہ خون سے یا جسم کی خواہش سے یا انسان کے ارادے سے نہیں بلکہ خدائے رحمان سے پیدا ہوئے ہیں اسی طرح وہ خود کو اور تمام مسیحیوں کو خدا کے بیٹے اور معصوم بتا رہے ہیں اسی طرح وہ محبت رکھنے والے کو خدا کا متولد اور فرزند جبکہ گناہ گار کو شیطان کا متولد اور فرزند قرار دے رہے ہیں۔ پولوس نیکوں کو خدا کے بیٹے اور خالص فرزند بتاتے ہیں لہٰذا ان عبارات کے مطابق تو لازم آتا ہے کہ بے شمار خداؤں کا اعتقاد کر لیا جائے اور حضرت مسیح علیہ السلام کی کوئی تخصیص نہ رکھی جائے۔

لفظِ اب، ابن وغیرہ کا صحیح معنی

حالانکہ اس طرح کے الفاظ مثلاً اب' ابن وغیرہ میں تحقیقی اور فیصلہ کن بات یہ ہے کہ اصل قاعدہ تو یہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے لفظ کو حقیقی معنی پر محمول کیا جائے ہاں اگر حقیقی

معنی پر محمول کرنے کی صورت میں کوئی مانع پیش آئے تو اس صورت میں مقام اور قرینہ کا لحاظ کرتے ہوئے مجازی معنی مراد لیا جائے گا۔ دنیا کی تمام لغات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ لفظ ابن، فرزند (Son) حقیقی معنی کے اعتبار سے اسکو کہتے ہیں جو ماں باپ کے نطفہ سے رحمِ مادر میں قرار پائے پھر فطری طریقے پر پیدا ہو۔ اس بات پر اہلِ اسلام کیساتھ ساتھ مسیحی حضرات کا بھی اتفاق ہے کہ اس معنی حقیقی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کو کسی کا ''باپ'' کہنا یا کسی کو اللہ تعالیٰ کا ''بیٹا'' کہنا یا کسی کو اللہ تعالیٰ کی ''بیوی'' قرار دینا صریح کفر ہے۔ مسیحی اقوام کے مذہبی رسائل میں اسکی تصریحات موجود ہیں۔ اب جب لفظِ ابنُ اللّٰہ وغیرہ کا حقیقی معنی کے اعتبار سے کسی پر اطلاق کرنا صحیح نہیں ہے تو لامحالہ مجازی معنی مراد لینا چاہیئے۔ کتبِ سماویہ کے محاورہ اور اسلوب کے مطابق لفظ ابن وغیرہ کبھی کبھی مجازی طور پر عزیز' پیارا' مستحقِ شفقت' لائقِ تربیت کے معنی میں آتا ہے۔ اسی طرح لفظ اب وغیرہ مجازی طور پر مہربان' مربّی' وغیرہ کے معنی میں آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسی معنی کے اعتبار سے اسرائیل' افرائیم اور داؤد پر پہلوٹھا کا اطلاق ہوا۔ اسی طرح اسرائیل' افرائیم، سلیمان پر بیٹے کا بلکہ تمام بنی اسرائیل کے حق میں بیٹوں کا اطلاق کتاب یسعیاہ اور ہوسیع میں ہوا ہے۔ اسی طرح مذکورہ لوگوں کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ پر ''اب'' کا اطلاق اور زبور ۶۸ کے مطابق یتیموں کے حوالہ سے خدا تعالیٰ کے حق میں باپ کا اطلاق اسی معنی میں کیا جا سکتا ہے۔ اسی معنی مجازی کا لحاظ کرتے ہوئے حکام وسلاطین کی نسبت سے رعایا کو بیٹوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کبھی کبھی مجازاً ایسے شخص پر بھی اس لفظ ابن اللہ کا اطلاق کر دیا جاتا ہے جسکو مخلوق میں اپنی نوع کے افراد میں سے ذات باری تعالیٰ کیساتھ ایک زائد، خاص نسبت اور تعلق ہو جیسا کہ لوقا کے کلام میں نسب نامہء مسیح علیہ السلام کے بیان کے ذیل میں حضرت آدم علیہ السلام پر ''خدا کے بیٹے'' کا اطلاق ہوا ہے کیونکہ انکو بنی نوعِ انسانی میں بغیر ماں باپ کے پیدا ہونے میں ایک زائد

خصوصیت حاصل ہے۔ اب اگر مسیحی حضرات بھی محاورہ اوّل یا سوم (۱) کے اعتبار سے لفظ ابن یا اب کا اطلاق جناب مسیح علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ پر کر لیں تو اسکی گنجائش ہے۔ کبھی کبھی اس لفظ ابن وغیرہ کا اطلاق مجازی طور پر اس شخص پر کر دیا جاتا ہے جو کسی کا تابع فرمان ہو اور اسکے متبوع آقا پر لفظ اب کا اطلاق ہو جاتا ہے پھر لفظ ابن وغیرہ کو اس متبوع آقا کی جانب مضاف کر دیا جاتا ہے۔ اب اگر لفظ ابن کا متبوع و مضاف الیہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہوں تو اس جگہ لفظ ابن تابع کے حق میں تو صالح و برگزیدہ نیکوکار وغیرہ کے معنی میں ہو جائے گا اور متبوع کے حق میں لفظ اب کو بھی اسی کے مناسب معنی آقا' حاکم' سلطان' مالک وغیرہ پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ جناب مسیح علیہ السلام یوحنا اور پولوس وغیرہم کے اقوال میں صلح کرنے والوں' احسان کرنے والوں' محبت رکھنے والوں' نیکوکاروں وغیرہ پر ابن اللہ کا اطلاق ہوا ہے۔ یہی وجہ تو ہے کہ ہندی مترجم نے ایوب باب ۳۸ آیت ۷ میں ''فرزندان خدا'' کا ترجمہ ''انبیاءُ اللہ'' سے کیا ہے اور بعض عربی مترجمین نے استثناء باب ۱۴ آیت ۱ میں ''تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو'' کا ترجمہ ''اذانتم اولیاء اللّٰہ ربکم'' سے کیا ہے اور اگر لفظ ابن کا متبوع' مضاف الیہ شیطان یا اسکے گروہ'' ہوں تو اس جگہ پر یہ لفظ تابع کے حق میں شریر' فاسق وغیرہ کے معنی میں ہوگا اور متبوع کے حق میں لفظ ''اب'' مضِل اور مغوی یعنی گمراہ کرنے والا' بھٹکانے والا وغیرہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے چنانچہ یوحنا کے پہلے خط باب ۳ آیت ۸' ۱۰ میں گناہ گار' کا غیر راستباز' محبت نہ رکھنے والوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ

---

(۱) محاورہ اوّل کا لحاظ کرتے ہوئے حضرت مسیح علیہ السلام پر ''خدا کے بیٹے'' کا اطلاق اس معنی میں کریں کہ وہ خدا کے محبوب، پیارے اور بندوں میں سے خاص مستحق شفقت ہیں تو اسکی گنجائش ہے۔ محاورہ سوم کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام پر ''خدا کے بیٹے'' کا اطلاق اس معنی میں کریں کہ انکو نوع انسانی میں ایک خصوصیت حاصل ہے اور اس خصوصیت کے حوالے سے وہ ذات باری تعالیٰ کی قدرت خاصہ کا مظہر ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے انکو پیدا فرمایا تو اس معنی کے لحاظ سے بھی بیٹے کے لفظ کا اطلاق کرنے کی گنجائش ہے۔

''شیطان سے ہیں'' لہٰذا یہ لوگ شیطان کے بیٹے کہلائے۔ اور اسی قبیل سے جناب مسیح علیہ السلام کا وہ قول ہے جس میں انہوں نے یہود کو عتاب کرتے ہوئے کہا ہے ''تم اپنے باپ ابلیس سے ہو اور اپنے باپ کی خواہشوں کو پورا کرنا چاہتے ہو وہ شروع ہی سے خونی ہے اور سچائی پر قائم نہیں رہا کیونکہ اس میں سچائی ہے نہیں۔ جب وہ جھوٹ بولتا ہے تو اپنی ہی سی کہتا ہے کیونکہ وہ جھوٹا ہے بلکہ جھوٹ کا باپ ہے'' (یوحنا باب ۸ آیت ۴۴)

غور فرمایئے! اسی معنی کے اعتبار سے جناب مسیح علیہ السلام فساق و فجار یہود کو جو ابلیس کے نقشِ قدم پر چل رہے تھے ''ابلیس کے بیٹے'' قرار دے رہے ہیں ورنہ یہ تو صاف ظاہر ہے کہ وہ شیطان لعین کی اولاد نہیں بلکہ آدم و یعقوب علیہما السلام کے بیٹے ہیں۔

لفظِ ابن، اب وغیرہ کا ایک اور استعمال

(۱) کبھی کبھی ایک گونہ مناسبت اور ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ ادنیٰ تعلق کی وجہ سے اب ابن وغیرہ کا اطلاق ہو جاتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا عبارت میں شیطان کے متعلق کہا گیا کہ وہ ''جھوٹ کا باپ'' ہے۔

(۲) متی باب ۲۳ آیت ۱۵ میں ہے ''اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس! کہ ایک مرید کرنے کیلئے تری اور خشکی کا دورہ کرتے ہو اور جب وہ مرید ہو چکتا ہے تو اسے اپنے سے دونا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو۔

(۳) متی باب ۲۳ آیت ۳۷ میں ہے ''اے یروشلیم! اے یروشلیم! تو جو نبیوں کو قتل کرتی اور جو تیرے پاس بھیجے گئے انکو سنگسار کرتی ہے! کتنی بار میں نے چاہا کہ جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے جمع کر لیتی ہے اسی طرح میں بھی تیرے لڑکوں کو جمع کر لوں مگر تم نے نہ چاہا!

(۴) لوقا باب ۲۰ آیت ۳۵ میں ہے ”لیکن جو لوگ اس لائق ٹھہریں گے کہ اس جہان کو حاصل کریں اور مُردوں میں سے جی اٹھیں ان میں بیاہ شادی نہ ہوگی کیونکہ وہ پھر مرنے کے بھی نہیں اس لئے کہ فرشتوں کے برابر ہونگے اور قیامت کے فرزند ہو کر خدا کے بھی فرزند ہونگے۔

(۵) تھسلنیکیوں کے نام پولوس رسول کا پہلا خط باب ۵ آیت ۵ میں ہے ”کیونکہ تم سب نور کے فرزند اور دن کے فرزند ہو ہم نہ رات کے ہیں نہ تاریکی کے“

ان عبارت میں غور فرمایئے کس طرح ایک ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے شیطان کو جھوٹ کا باپ کہا گیا ہے۔فقیہ اور فریسیوں کو جہنم کا فرزند کہا گیا ہے اسی طرح یروشلیم کے بیٹے' قیامت کے فرزند' نور کے فرزند اور دن کے بیٹے کا اطلاق کیا گیا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام پر لفظِ ”ابن“ کا اطلاق

اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں لفظِ ابن کا جو اطلاق ہوا ہے یا تو اسے ”عزیز' پیارا' کے معنی میں لے لیا جائے جیسا کہ افرائیم' اسرائیل' داؤد علیہ السلام اور دیگر لوگوں پر ہوا ہے یا اس لفظ کو صالح وغیرہ کے معنی میں لے لیا جائے جیسا کہ صلح کرنے والے والوں کے حق میں اسی معنی کے اعتبار سے اس لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے۔اسی موخر الذکر معنی کی تائید صحفِ اربعہ کی ان بعض عبارات سے ہوتی ہے جن میں جناب مسیح علیہ السلام پر ”خدا کے بیٹے“ کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے اور بعض نسخوں میں جناب مسیح علیہ السلام کے حق میں لفظ ”راستباز“ آیا ہے چنانچہ ایک فارسی نسخہ مطبوعہ ۱۸۲۸ء و ۱۸۴۱ء میں اس صوبہ دار کے متعلق جو جناب مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہوتے وقت موجود تھا اس طرح آیا ہے ”چون آن یوزباشی کہ مقابل وی نزدیک وی ایستادہ بود او را دید کہ چنان فریاد برآوردہ روح را تسلیم نمود گفت بدرستی کہ این

مرد فرزند خدا بود"(۱) انتہی (مرقس ۱۵:۳۹) اسی عبارت کا عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۱ء اس طرح ہے:۔

فلما رای قائد المئة الذی کان قائما قدّامه انه صارخاً کذا اسلم الروح فقال حقا انّ ہذا الانسان ہو ابن اللّٰہ۔(۲)

اور ہندی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۹ء ۱۸۴۰ء مذکورہ دونوں ترجموں کے موافق ہے(۳) یہ واقعہ دوسری جگہ اس طرح مذکور ہے "پھر یسوع نے بڑی آواز سے پکار کر کہا اے باپ! میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں اور یہ کہہ کر دم دے دیا یہ ماجرا دیکھ کر صوبہ دار نے خدا کی تمجید کی اور کہا بے شک یہ آدمی راستباز تھا" (لوقا باب ۲۳ آیت ۴۶،۴۷) یہاں بھی عربی ترجمہ اس طرح ہے:۔

ولما رأی قائد المئة ماکان فمجّد اللّٰہ وقال حقاً ان ہذا الانسان صدیق۔(۴)

اور ہندی ترجمہ میں لفظ صدیق کی جگہ "نیک کار" آیا ہے۔ غور فرمایئے! اس جگہ تینوں تراجم کے لحاظ سے مرقس "خدا کا بیٹا" کا لفظ اطلاق کرتا ہے ٹھیک اسی واقعہ کو بیان

---

(۱) موجودہ فارسی بائبل میں اس طرح ہے "وچون یوزباشی کہ مقابل وی ایستادہ بود دید کہ بدین طور صدا زدہ روح را سپرد گفت فی الواقع این مرد پسر خدا بود"

(۲) موجودہ عربی بائبل مطبوعہ لبنان میں اس طرح ہے "وکان قائد الحرس واقفاً تجاه الصلیب فلما رأی کیف اسلم یسوع الروح قال بالحقیقة کان ہذا الرجل ابن اللّٰہ

(۳) موجودہ اردو بائبل میں اس طرح ہے "اور جو صوبہ دار اُسکے سامنے کھڑا تھا اُس نے اُسے یوں دَم دیتے ہوئے دیکھ کر کہا بے شک یہ آدمی خدا کا بیٹا تھا" (مرقس باب ۱۵ آیت ۳۹)

(۴) موجودہ عربی بائبل میں اس طرح ہے "فلما رأی قائد الحرس ماجری مجد اللّٰہ وقال بالحقیقة ہذا الرجل کان صالحاً"

کرتے ہوئے اسی جگہ پر لوقا کی عبارت میں تینوں تراجم کے لحاظ سے راستباز، صدیق نیکوکار کا لفظ آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ آنجناب علیہ السلام کے حق میں خدا کے بیٹے کا اطلاق راستباز، صدیق یا نیکوکار وغیرہ کے معنی میں آیا ہے اور بمطابق قاعدہ کلام اللہ یُفسّر بعضہ بعضا (۱) کے تحت دیگر آیات میں بیٹے کے لفظ کو اسی معنی مجازی پر محمول کرنا چاہیئے اور جہاں حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں اکلوتا بیٹا کا لفظ استعمال ہوا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بیٹے کو مجازی معنی میں نہ لیا جائے ورنہ تو ''پہلوٹھا وغیرہ'' کے الفاظ جو دیگر لوگوں کے حق میں آتے ہیں وہ معنی مجازی کا تقاضا نہ کریں گے (۲) کما لا یخفی۔ اسی طرح آنجناب علیہ السلام کا پطرس حواری کے کلام کو پسند فرما کر تعریف کرنے سے یہ کیسے لازم آجاتا ہے کہ وہاں ''بیٹا'' اپنے حقیقی معنی پر واقع ہے کیونکہ اس سے پہلے کلام میں اس طرح مذکور ہے ''جب یسوع قیصریہ فلپی کے علاقہ میں آیا تو اس نے اپنے شاگردوں سے یہ پوچھا کہ لوگ ابن آدم کو کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ بعض یوحنا بپتسمہ دینے والا کہتے ہیں اور بعض ایلیاہ اور بعض یرمیاہ یا نبیوں میں سے کوئی'' الخ (۳) (متی باب ۱۶ آیت ۱۳) پس آنجناب علیہ السلام کا اپنے کلام میں ''ابن آدم'' کے الفاظ کا اضافہ کرنا صرف اس لئے ہے کہ وہ حاضرین کے ذہنوں میں اپنے انسان ہونے کو جاگزین کرنا چاہتے ہیں ورنہ صرف یہ کہہ دینا کافی تھا کہ لوگ مجھے کیا کہتے ہیں اور جناب مسیح علیہ السلام کا اس سوال سے اصل مقصود معتقدین اور غیر معتقد لوگوں کے خیال کو معلوم کرنا تھا چنانچہ حاضرین نے جواب دیا کہ دیگر لوگ آنجناب علیہ السلام کو مسیح موعود نہیں جانتے بلکہ بارگاہِ الٰہی کا ایک مقرب بندہ سمجھ کر تردد میں

---

(۱) مطلب یہ ہے کہ کلامِ الٰہی کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی توضیح وتفسیر کرتا ہے۔
(۲) بلکہ حقیقت پر محمول ہونگے۔
(۳) یہی واقعہ مرقس باب ۸ آیت ۲۷، لوقا باب ۹ آیت ۲۰ میں بھی تغیرات کیساتھ مذکور ہے۔

ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یحیٰ ہے بعض کہتے ہیں ایلیاہ ہے اور بعض یرمیاہ سمجھتے ہیں اور بعض لوگ نبیوں میں سے کوئی نبی خیال کرتے ہیں۔ شمعون اور پطرس نے عرض کیا کہ ہم آنجناب علیہ السلام کو ''مسیح'' سمجھتے ہیں۔ چونکہ امرِ واقعی کا اظہار کیا لہٰذا آنجناب علیہ السلام نے انکی تعریف فرمائی کہ تم نے توفیقِ الٰہی سے معلوم کرلیا ورنہ تم جیسے لوگ میرے مسیح ہونے میں شک کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنجناب علیہ السلام نے پطرس کی اس بنا پر تعریف فرمائی کہ اس نے آپکے مسیحِ موعود ہونے کو پہچان لیا نہ اس وجہ سے کہ اس نے آنجناب علیہ السلام پر لفظ ''ابن اللہ'' کا اطلاق کیا۔ یہی وجہ ہے کہ پطرس حواری کے جواب کو مرقس کے باب ۸ آیت ۲۹ میں اسی طرح ذکر کیا ہے کہ ''تُو مسیح ہے'' اور لوقا نے باب ۹ آیت ۲۰ میں اس جگہ پر ''خدا کا مسیح'' نقل کیا ہے اور ''ابن اللہ'' کا لفظ چھوڑ دیا ہے۔ اور اس معنی (۱) کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آنجناب علیہ السلام نے مخاطبین کے ذہن میں اپنی بشریت کو ذہن نشین کرنے کیلئے بڑی وضاحت کیساتھ اپنے دکھ اٹھانے' مصلوب ہونے وغیرہ کی خبر دی یہ سب امور بشری لوازمات ہیں اور جب پطرس نے ان امور کو جناب مسیح علیہ السلام کے حق میں مستبعد جانا تو کہا کہ خدا آپ پر رحمت کرے اسی طرح کے حادثات آپ پر واقع نہ ہوں۔ پطرس کا یہ کہنا کہ خدا آپ پر رحمت کرے اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ پطرس آنجناب علیہ السلام کے انسان ہونے کے باوجود محض آپ کے بارگاہِ ایزدی میں مقرب نبی ہونے کی وجہ سے ان امور کو آپ کے حق میں بعید از عقل سمجھا۔ چونکہ یہ خیال بھی پیغمبر کے قول کی تکذیب کا موجب تھا لہٰذا جناب مسیح علیہ السلام نے اس پر زجر فرمائی اور اس سے کہا اے شیطان میرے سامنے سے دور ہو تمھاری فطرت الٰہیاتی نہیں ہے جیسا کہ متی باب ۱۶ آیت ۲۱ میں پوری صراحت اور وضاحت ہے۔

(۱) یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کا انسان ہونا اور بیٹے کا لفظ عزیز، محبوب، پیارے کے معنی میں مراد ہونا۔

تیسری دلیل اور اُسکا ابطال

یوحنا باب ۸ آیت ۲۳ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا یہود سے گفتگو کرتے ہوئے اپنے متعلق یوں ارشاد ہے "پس اس نے ان سے کہا کہ تم نیچے کے ہو میں اوپر کا ہوں تم دنیا کے ہو میں دنیا کا نہیں ہوں" انتہی

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس قول سے جناب مسیح علیہ السلام کا یہی مقصود ہے کہ میں خدا ہوں اور آسمان سے مجسم ہو کر اترا ہوں ورنہ اپنی ذات سے اس جہاں کی نفی کرنا جو محض انسان ہونے سے کنایہ ہے اسکا کوئی مطلب نہیں رہتا۔

جواب

حق یہ ہے کہ مسیحیوں کا اس آیت سے استدلال بھی خطاءِ محض ہے کیونکہ خود آنجنابؑ کا اپنے پیرو کاروں کے متعلق اس طرح ارشاد ہے "اگر تم دنیا کے ہوتے تو دنیا اپنوں کو عزیز رکھتی لیکن چونکہ تم دنیا کے نہیں بلکہ میں نے تم کو دنیا میں سے چن لیا ہے اس واسطے دنیا تم سے عداوت رکھتی ہے" (یوحنا باب ۱۵ آیت ۱۹) دوسری جگہ ارشاد ہے "میں نے تیرا کلام انہیں پہنچا دیا اور دنیا نے ان سے عداوت رکھی اس لئے کہ جس طرح میں دنیا کا نہیں وہ بھی دنیا کے نہیں.........جس طرح میں دنیا کا نہیں وہ بھی دنیا کے نہیں....." انتہی

(یوحنا باب ۱۷ آیت ۱۴، ۱۶)

دیکھئے! ان اقوال میں کہ "اگر تم دنیا کے ہوتے الخ اور "جس طرح میں دنیا کا نہیں وہ بھی دنیا کے نہیں الخ کس صراحت کیساتھ اپنے پیرو کاروں کی اس دنیا والا ہونے سے نفی کی گئی ہے۔ اب اگر اس طرح کی نفی خدا ہونے کو مستلزم ہے تو پھر تو کہنا پڑے گا کہ یہ سب لوگ بھی خدا ہوں بلکہ انکے ارشاد "تم نیچے کے ہو میں اوپر کا ہوں" کا صحیح مطلب حقیقت

میں یہ ہے کہ تم لوگ فانی دنیا کے طالب ہو تمہیں رضاء الٰہی کی پرواہ نہیں ہے آخرت کی فکر نہیں۔ میں اس طرح نہیں ہوں بلکہ اُس جہاں کا طالب ہوں، اللہ کی رضا' آخرت کی فکر میرا مطمح نظر ہے جیسا کہ جناب مسیح علیہ السلام کا مذکورہ باب میں اسی ارشاد کیساتھ ہی آگے مذکور ہے ''جس نے مجھے بھیجا وہ سچا ہے اور جو میں نے اس سے سنا وہی دنیا سے کہتا ہوں......... میں وہی ہوں اور اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتا بلکہ جس طرح باپ نے مجھے سکھایا اسی طرح یہ باتیں کہتا ہوں اور جس نے مجھے بھیجا وہ میرے ساتھ ہے اس نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑا کیونکہ میں ہمیشہ وہی کام کرتا ہوں جو اسے پسند آتے ہیں'' انتھی بتلخیص بعض الایات۔

(یوحنا باب ۸ آیت ۲۶'۲۸'۲۹)

اِن اقوال میں آنجناب علیہ السلام نے اپنا رسول ہونا' اپنے کلام کا منجانب وحی الٰہی ہونا' اللہ تعالیٰ پر اظہارِ اعتماد کرنا اور علی الدوام اطاعت کو رضاءِ الٰہی کا موجب ہونا بیان فرمایا ہے اور اولوالعزم انبیاء کرام علیہم السلام کا یہی شیوہ ہے۔ تعجب ہے کہ یہ لوگ آنجناب علیہ السلام کے قول مذکور میں اپنے مزعومہ عقیدہ کی تائید کیلئے کس طرح خلافِ عقل ونقل تاویل کرتے ہیں حالانکہ یہ محاورہ کہ فلاں شخص تو دنیا کا ہے یعنی طالبِ دنیا ہے آخرت کی فکر نہیں رکھتا یہ تو تمام زبانوں میں شائع ذائع ہے۔

چوتھی دلیل اور اُسکا رد

حضرت مسیح علیہ السلام کا یہود سے خطاب کرتے ہوئے اس طرح ارشاد ہے ''یسوع نے ان سے کہا میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ پیشتر اس سے کہ ابرہام پیدا ہوا میں ہوں'' (یوحنا باب ۸ آیت ۵۸) دوسری جگہ اپنے حق میں دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''اور اب اے باپ! تو اس جلال سے جو میں دنیا کی پیدائش سے پیشتر تیرے ساتھ رکھتا تھا مجھے اپنے

ساتھ جلالی بنادے‘‘ (یوحنا باب ۱۷ آیت ۵) ان دونوں اقوال سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے بلکہ تمام جہان سے پہلے موجود ہیں لہٰذا قدیم اور ازلی ہوئے یہ صفتِ الوہیت ہے۔

جواب

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہونا ازلی ہونے کو مستلزم نہیں کیونکہ زمین، آسمان، فرشتے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہیں لیکن اسکے باوجود ازلی نہیں (۱) اور اگر ہم جناب مسیح علیہ السلام کا ازلی ہونا مان لیں تب بھی انکی الوہیت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ خدا جس طرح ازلی ہے اسی طرح ابدی بھی ہے جیسا کہ مقدمہ باب کے پہلی بات کے تحت گذرا حالانکہ جناب مسیح علیہ السلام نے بے بسی کیساتھ مصلوب ہوکر جان دی جیسا کہ باب کی فصل اول میں دلیل نمبر ۱۸ کے تحت گذرا اور اس سے بھی قطع نظر خود اسی باب ۸ کی آیات ۱۶، ۲۶، ۲۸، ۲۹ وغیرہ میں جناب مسیح علیہ السلام کی زبانی رسول اللہ ہونے کا اقرار ہے نہ کہ خدا ہونے کا۔ علاوہ ازیں آنجناب علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ ’’میں ابراہیم سے پہلے ہوں‘‘ خود عیسائیوں کے ہاں بھی محتاجِ تاویل ہے کیونکہ جناب مسیح علیہ السلام ولادت وجسم کے حوالے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دو ہزار سال متاخر ہیں اس پر وہ تاویل گھڑتے ہیں کہ چونکہ مسیح خدائے کامل اور انسانِ کامل ہے لہٰذا انسانیت کے اعتبار سے متاخر ہیں اور الوہیت کے اعتبار سے مقدم ہیں مگر اس عقیدہ کی قباحت پہلے ذکر کی جاچکی لہٰذا صحیح توجیہ یوں ہے کہ اس عبارت کا مطلب یہ ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس جہاں میں ظہور سے قبل اللہ تعالیٰ نے میرے نبی بنانے کا ارادہ و وعدہ فرمالیا تھا اور ابراہیم علیہ السلام نے اس بارے میں معلوم ہونے پر اپنی

---

(۱) بلکہ حادث، مخلوق اور مسبوق بالعدم ہیں۔

قوتِ ایمانی سے سچا وعدہ خیال کیا اور امرِ واقعی قرار دیکر خوش ہوئے۔ صاحب دافع البہتان نے اگرچہ اپنی کتاب کی فصلِ ہشتم میں جناب مسیح علیہ السلام کے قولِ مذکور کو انکی الوہیت کے اثبات کیلئے ذکر کیا ہے لیکن فصل نہم میں اسی تاویل کی طرف رجوع کیا ہے (۱) یا اس جملہ کا دوسرا درست مطلب یہ لیا جاسکتا ہے کہ آنجناب علیہ السلام کی روح کی تخلیق ایجادِ عالم سے مقدم ہے اس اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تقدم حاصل ہے۔ (۲) اور باب ۱۷ کی آیت ۵ سے استدلال بھی عجیب ہے جسکی چند وجوہ ہیں۔ اوّل: یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول خود اپنے بارے میں دعا کرتے ہوئے آیا ہے۔ دعا تو انسان کا خاصا ہے نہ کہ الوہیت کا وصف۔ دوم: یہ کہ انکا یہ کہنا "اس جلال سے جو میں دنیا کی پیدائش سے پیشتر تیرے ساتھ رکھتا تھا مجھے اپنے ساتھ جلالی بنادے" یہ جملہ تو صاف دلالت کرتا ہے کہ ان میں اور ذاتِ الٰہی میں تغایر ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں انکا مرتبہ پست ہے اور آنجناب علیہ السلام کی ذات محتاج اور حادث ہے۔ ظاہر ہے کہ ان باتوں میں اور اتحاد و قدم و ازلیت میں کھلا تضاد ہے۔ سوم: یہ کہ اسی باب کی آیت ۳ میں آنجناب علیہ السلام نے ہمیشہ کی زندگی یہ بتائی ہے کہ خدائے تعالیٰ کیلئے وحدتِ حقیقی اور آنجناب علیہ السلام کے رسول ہونے کا اعتقاد کیا جائے اور اسی باب میں متعدد جگہوں پر وہ اپنے آپ کو "اللہ کا رسول" بتاتے ہیں جیسا کہ ناظرین پر مخفی نہ ہے اور اس باب میں اقرارِ انسانیت ہی دیگر ابواب کیلئے مدار ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جب یہود کے ہاتھوں گرفتار ہوکر دوسرے جہان منتقل ہونے کا انکو یقین ہوگیا تو انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کی جیسا کہ اسی باب ۱۷ آیت ۱۱ میں ہے "میں آگے دنیا میں نہ ہونگا" اس پس منظر کی

---

(۱) کہ ابراہیم علیہ السلام کے ظہور سے قبل حضرت مسیح علیہ السلام کے نبی بنانے کا ارادہ ہوا۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ روحِ عیسوی کی تخلیق روحِ ابراہیمی کی تخلیق سے مقدم ہے۔ مصنفؒ کے مطابق اس تقدم سے تقدمِ شرافت بھی مراد ہوسکتا ہے یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے۔

رعایت کرتے ہوئے محلِ استدلال آیت ''اس جلال سے جو میں دنیا کی پیدائش......الخ''
کا صحیح مطلب یہ بن جاتا ہے کہ چونکہ آپکا مجھے اس جہاں میں بھیجنا از روئے رحمت تھا تو اب
اس جہاں سے منتقل ہونے کے بعد وہاں جوارِ رحمت میں رکھیں۔

پادری فنڈر کا رد

باقی جو ''حل الاشکال در جواب کشف الاستار'' کے باب دوم میں مذکور ہے کہ ''عالمِ
اجسام کے بنانے سے قبل ارواح کا ہونا باطل اور توریت وانجیل کے خلاف ہے'' تو میں
اسکے جواب میں کہتا ہوں کہ توریت وانجیل کے خلاف ہونے کا کیا مطلب ہے؟ آیا یہ مراد
ہے کہ توریت وانجیل میں اسکی نفی وارد ہوئی ہے یا یہ مراد ہے کہ توریت وانجیل میں اسکا ذکر
نہیں ہے؟ اگر پہلی صورت ہے تو مدعی کا فرض ہے کہ ثابت کرے آخر کتبِ عہدِ عتیق وجدید
میں کہاں نفی کی گئی ہے؟ کیونکہ عہدِ عتیق وجدید کے تراجم میں تو یہ بات نظر سے نہیں گذری اور
اگر یہ مراد ہے کہ توریت وانجیل میں اسکا ذکر نہیں ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ کسی چیز
کا عدمِ ذکر عدمِ وجود کو مستلزم نہیں ہے جیسا کہ باب اول کی فصلِ دوم میں معلوم ہو چکا۔

پانچویں دلیل اور اُسکا انجام

متی باب ۱۱ آیت ۲۷ میں ہے ''میرے باپ کی طرف سے سب کچھ مجھے سونپا گیا''
متی باب ۲۸ آیت ۱۸ میں مذکور ہے ''آسمان اور زمین کا کُل اختیار مجھے دیا گیا ہے'' یوحنا
باب ۵ آیت ۱۷ میں ہے ''لیکن یسوع نے ان سے کہا کہ میرا باپ ابتک کام کرتا ہے اور
میں بھی کام کرتا ہوں .... میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ بیٹا آپ سے کچھ نہیں کرسکتا سوا
اسکے جو باپ کو کرتے دیکھتا ہے کیونکہ جن کاموں کو وہ کرتا ہے انہیں بیٹا بھی اسی طرح کرتا

ہے .... کیونکہ جس طرح باپ مُردوں کو اٹھاتا ہے اور زندہ کرتا ہے اسی طرح بیٹا بھی جنہیں چاہتا ہے زندہ کرتا ہے کیونکہ باپ کسی کی عدالت بھی نہیں کرتا بلکہ اس نے عدالت کا سارا کام بیٹے کے سپرد کیا ہے........ اس سے تعجب نہ کرو کیونکہ وہ وقت آتا ہے کہ جتنے قبروں میں ہیں اسکی آواز سن کر نکلیں گے جنہوں نے نیکی کی ہے زندگی کی قیامت کے واسطے ۔اور جنہوں نے بدی کی ہے سزا کی قیامت کے واسطے‘‘

(یوحنا باب ۵ آیت ۱۷،۱۹،۲۱،۲۲،۲۸،۲۹)

ان آیات میں جنابِ مسیح علیہ السلام نے علم وقدرت جیسی صفات کو اپنے حق میں بڑی خوبی کیساتھ آشکارا کیا ہے اب جب ایسا ہے کہ جو کام خدا کرے وہ بھی وہی کرے اور آسمان وزمین کا اختیار بھی انکے پاس ہے تو لامحالہ انہیں قادرِ مطلق ہونا چاہیئے ۔اسی طرح جو ذات روزِ قیامت کو تمام مخلوقات کیلئے ایوانِ عدالت قائم کرے اور انکے افکار واعمال سے باخبر ہو تو لامحالہ انکو علمِ کلی کی صفت بھی حاصل ہے ۔ثابت ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا ہیں یہی وجہ ہے کہ اسی موقع پر اگلی آیات سے انکی الوہیت کا اشارہ مفہوم کیا جاسکتا ہے کہ جب یہود نے ان کلمات کو سنا تو انکے قتل کا ارادہ کرنے لگے جیسا کہ اسی موقع پر یوحنا باب ۵ آیت ۱۸ میں ہے ’’اس سبب سے یہودی اور بھی زیادہ اسے قتل کرنے کی کوشش کرنے لگے کیونکہ وہ نہ فقط سبت کا حکم توڑتا تھا بلکہ خدا کو خاص اپنا باپ کہہ کر اپنے آپکو خدا کے برابر بتاتا تھا‘‘

جواب

جاننا چاہیئے کہ باری تعالٰی کی صفاتِ کمالیہ علم، قدرت، حیات، صفاتِ مطلقہ نہیں بلکہ صفاتِ ذاتیہ ہیں لہٰذا جب تک حضرت مسیح علیہ السلام کیلئے علمِ ذاتی اور قدرتِ ذاتیہ کا اثبات نہ ہو جائے اس وقت تک فریقِ مخالف کا دعوٰی مفیدِ مطلب نہیں ہوسکتا اور اسکا ثبوت نہ صرف

یہ کہ مشکل بلکہ ناممکن ہے اس لئے کہ دلیل نمبر ۹، ۱۲، ۱۷ فصل ایں باب میں آپ جان چکے ہیں کہ خود جناب مسیح علیہ السلام نے اپنی ذات سے قدرتِ ذاتیہ کی نفی فرمائی ہے۔ اسی فصل کی دلیل نمبر ۱۵ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آنجناب علیہ السلام نے اپنی ذات سے علمِ ذاتی کے وصف کا انکار کیا ہے بلکہ مذکورہ بالا اقوال (۱) صراحتہً دلالت کرتے ہیں کہ آنجناب علیہ السلام ذاتی طور پر بالاصالۃ حکمرانی کی قدرت نہ رکھتے تھے اور آیاتِ مذکورہ کے سیاق وسباق پر نظر کرنے سے یہ بات مخفی نہیں رہتی کہ متی باب ۱۱ آیت ۱۹ میں آنجناب علیہ السلام اپنے کو ابنِ آدم، کھانے پینے والا انسان قرار دیتے ہیں اور اسی باب کی آیت ۲۵، ۲۶ میں وہ بارگاہِ الٰہی میں سراپا دعا بن کر اپنے آپکو تقدیر پر راضی رہنے والا بندہ بتاتے ہیں اور یوحنا باب ۵ کی بعض آیات کو استدلال کرنے والوں نے مُخلِ مطلب ہونے کی وجہ سے ساقط کردیا ہے جو اس طرح ہے ”اس لئے کہ باپ بیٹے کو عزیز رکھتا ہے اور جتنے کام خود کرتا ہے اسے دکھاتا ہے بلکہ ان سے بھی بڑے کام اُسے دکھائے گا تاکہ تم تعجب کرو........تاکہ سب لوگ بیٹے کی عزت کریں جس طرح باپ کی عزت کرتے ہیں جو بیٹے کی عزت نہیں کرتا وہ باپ کی جس نے اسے بھیجا عزت نہیں کرتا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو میرا کلام سنتا اور میرے بھیجنے والے کا یقین کرتا ہے ہمیشہ کی زندگی اسکی ہے اور اس پر سزا کا حکم نہیں ہوتا بلکہ وہ موت سے نکل کر زندگی میں داخل ہوگیا ہے.......کیونکہ جس طرح باپ اپنے آپ میں زندگی رکھتا ہے اسی طرح اس نے بیٹے کو بھی یہ بخشا کہ اپنے آپ میں زندگی رکھے بلکہ اسے عدالت کرنے کا بھی اختیار بخشا اس لئے کہ وہ آدم زاد ہے.......میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کرسکتا جیسا سنتا ہوں عدالت کرتا ہوں اور میری عدالت راست ہے کیونکہ میں اپنی مرضی نہیں بلکہ اپنے بھیجنے والی کی مرضی چاہتا ہوں (یوحنا باب ۵ آیت ۲۰، ۲۳، ۲۴، ۲۶، ۲۷، ۳۰)

(۱) مثلاً باپ کی طرف سے مجھے سب کچھ سونپا گیا، کل اختیار مجھے دیا گیا ہے۔

پس جنابِ مسیح علیہ السلام ان آیات میں یہی فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے مجھے ان کاموں کی قدرت عطا فرمائی ہے میری بات سننا اور اللہ پر ایمان لانا حیاتِ جاودانی کا ذریعہ ہے اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا وہ موت سے نکل کر زندگی میں داخل ہو گیا اور حکمرانی وعدالت کا عہدہ مجھے اس لئے مرحمت فرمایا گیا کہ میں ابنِ آدم ہوں اور میں ذاتی طور بالاصالۃ کوئی قدرت نہیں رکھتا اور میں بھی جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ہمیشہ رضاءِ الٰہی کو اپنے پیشِ نظر رکھتا ہوں۔ پس ان آیات سے حضرت مسیح علیہ السلام کیلئے علم وقدرتِ ذاتی کا استدلال کرنا جو خالص خدا تعالیٰ کا وصف ہے یہ تو صرف ان مسیحی ''دانشوروں'' سے ہی متصور ہو سکتا ہے انکے علاوہ کسی اور کا کام نہیں کیونکہ ان میں بعض عقلاء کی کمالِ دانش کا یہ عالم ہے کہ انکے خیال کے مطابق مروجہ عشاءِ ربانی میں استعمال ہونے والی روٹی اور شراب حقیقۃً مسیح علیہ السلام کے جسم وخون میں تبدیل ہو جاتی ہے اور انجیل کی کوئی عبارت بطورِ دلیل پیش کر کے اسکو جائز اور ممکن قرار دیتے ہیں اور اس وجہ سے کہ وہ اس روٹی اور شراب کو معبودِ حقیقی تصور کر کے اسکے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

معترض کی ذکر کردہ آیات کا صحیح مطلب

میرے خیال میں تو متی باب ۱۱؍۲۸ کی آیات کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جس طرح قضاء وقدر کے فرشتے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قدرت کیساتھ امورِ عالم میں اسکی مشیت کے مطابق تصرف کرتے ہیں اسی طرح ممکن ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام کو بھی اس طرح کا اختیار دیا گیا ہو اور یہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کے اس ارشاد سے کیوں آنکھیں بند کر لیتے ہیں جو وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے اپنے حواریوں کے متعلق فرماتے ہیں ''اور وہ جلال جو تو نے مجھے دیا ہے میں نے انہیں دیا ہے تا کہ وہ ایک ہوں جیسے ہم ایک ہیں'' (یوحنا باب ۱۷

آیت۲۲) اس قول میں اگرچہ صراحت ہے کہ جو جلال تو نے مجھے دیا ہے میں نے انہیں دیا ہے لیکن اسکے باوجود کوئی شخص بھی یہ اعتقاد نہیں رکھتا کہ حواریوں اور حضرت مسیح علیہ السلام کا جلال ایک ہی ہے اور انکا رتبہ حضرت مسیح علیہ السلام کے رتبہ کے برابر ہے۔ ہاں ہاں کیوں نہیں حاکم اور محکوم کس طرح ایک ہو سکتے ہیں دینے والا اور لینے والا کہاں برابر ہو سکتے ہیں کسی نے کیا خوب کہا:

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

بالکل اسی طرح جناب مسیح علیہ السلام کی قدرت کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مساوی اعتقاد کرنا ممکن نہیں بالخصوص اس صورت میں کہ وہ خود اعتراف کر رہے ہیں کہ یہ سب کچھ مجھے باپ نے سونپا ہے اور عطا کیا ہے اور مزید یہ کہ اچھی خاصی تعداد میں انکے وہ ارشادات ہیں جن میں انہوں نے اپنے آپ سے قدرتِ ذاتیہ کی صاف نفی فرمائی ہیں۔

انجیلِ یوحنا کی آیات کی درست توجیہ

یوحنا باب پنجم کی آیات میں آنجناب علیہ السلام کے کلام کی درست توجیہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سبحانہ وتعالیٰ ہفتہ کے روز اپنی سنتوں مثلاً تخلیق کرنا، رزق دینا، زندگی وموت دینا وغیرہ کو منقطع نہیں کرتے تو میں اس روز اپنے فرائض دعوت وارشاد، مخلوق کی رہنمائی، مریضوں کو شفا دینا وغیرہ سے کیوں باز رہوں جن میں مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم اور اجازت ملی ہے۔ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کر سکتا صرف وہی کرتا ہوں جو وہ مجھے حکم دیتا ہے۔ چونکہ مجھے اللہ تعالیٰ عزیز اور دوست رکھتے ہیں میرے ہاتھوں بڑے بڑے کام ظاہر فرمائیںگے اور میں مُردوں کو زندہ کروں گا اور چونکہ میں خدا کا رسول ہوں لہٰذا میری عزت وتکریم خدا تعالیٰ کا ادب واحترام ہے۔ میری بات سننا اور خدا پر ایمان لانا حیاتِ جاودانی

ہے اور عذاب سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے عدالت وقضا کا اختیار بخشا گیا ہے تو میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کر سکتا بلکہ جو سنتا ہوں وہ کہتا ہوں اور رضاء الٰہی میرے پیشِ نظر رہتی ہے۔ اسی طرح یہ آیت کہ ''جن کاموں کو خدا کرتا ہے انہیں بیٹا بھی اسی طرح کرتا ہے'' جس سے استدلال کیا گیا ہمارے لئے چنداں مضر نہیں بلکہ قابلِ تسلیم ہیں کیونکہ اگر قادر سے مراد قادر بالذات لیا جائے تو اسکا تسلیم نہ ہونا بدیہی ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہو گیا اور اگر قادر سے مطلق قادر ہونا مراد ہے تو اسکا ہمیں انکار نہیں لیکن اس صورت کو اصلِ دعویٰ سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح قائل کا اس بات سے استدلال کرنا کہ جو روزِ قیامت جمیع خلائق کی عدالت کریگا اسکے لئے ضروری ہے کہ اُسے صفتِ ''علم'' حاصل ہو۔ یہ استدلال بھی محلِ نظر ہے کیونکہ اگر علم سے علمِ ذاتی مراد لیا جائے تو ہم قطعاً اسے تسلیم نہیں کرتے اور کیوں تسلیم کریں جبکہ آنجناب علیہ السلام نے خود اپنی ذات سے علمِ ذاتی کی نفی فرمائی ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو گیا اور اگر مطلق علم مراد لیا جائے تو ہم بھی اتفاق کرتے ہیں مگر اس صورت میں انکا گوہر مطلوب ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ اسی طرح اگر کوئی آنجناب علیہ السلام کے اس قول سے کہ ''جن کاموں کو وہ کرتا ہے بیٹا بھی اسی طرح کرتا ہے'' یہ سمجھتا ہے کہ باپ بیٹے میں مساوات ہے اور ان میں فرقِ مرتبہ نہیں ہے تو یہ منہ کے بل ٹھوکر کھا کر گرنے اور صریح غلطی کے سوا کچھ نہیں کیونکہ آنجناب علیہ السلام کا اپنے حواریوں اور عام مؤمنین کے متعلق اس طرح ارشاد ہے ''میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو میں کرتا ہوں وہ بھی کریگا بلکہ ان سے بھی بڑے کام کرے گا'' (یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۲) اب اگر قائل اس قول سے باپ بیٹے میں مساوات کا قائل ہے تو اسے چاہیئے کہ اس آیت کی روشنی میں یہ اعتقاد بھی رکھے کہ آنجناب علیہ السلام، عام مؤمنین اور خدا تعالیٰ میں بھی مساوات ہے کیونکہ مشہور قاعدہ ہے شے کے مساوی کا مساوی اصل شے کے بھی مساوی ہوتا ہے بلکہ ''ان سے

بھی بڑے بڑے کام کریگا'' کا تو تقاضا یہ ہے کہ عام مؤمنین کا درجہ خدا سے بھی بڑھ جائے۔ نعوذ باللہ من امثال ھذہ الھذلیات۔

مسیحی پادریوں کے ایک شبہ کا جواب

یہاں ایک اور بات قابلِ بحث رہ جاتی ہے جسے مسیحی علماء آنجناب علیہ السلام کی الوہیت کیلئے بزعمِ خود نصِ قطعی اور بڑی مضبوط دلیل تصور کرتے ہیں ان حضرات کا کوئی رسالہ ایسا نہیں جس میں الوہیتِ مسیح کا بیان ہو اور اس دلیل کا تذکرہ نہ ہو بلکہ بالواسطہ اور براہِ راست بھی سنا گیا ہے کہ انکے علماء اس بات کو بڑی مضبوط دلیل سے تعبیر کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر یوحنا باب ۵ آیت ۱۷ سے آنجناب علیہ السلام کی الوہیت مفہوم نہیں ہوتی تو اس بات کو سن کر یہود انکے قتل کی تدبیر کیوں کرنے لگے اور انہوں نے یہ کیوں کہا کہ تو اپنے آپکو خدا کہتا ہے جیسا کہ یوحنا باب ۵ آیت ۱۸ میں ہے جسکا حوالہ ابھی گذرا اور یوحنا باب ۱۰ آیت ۳۲ میں بھی مذکور ہے ''یسوع نے انہیں جواب دیا کہ میں نے تم کو باپ کی طرف بہتیرے اچھے کام دکھائے ہیں ان میں سے کس کام کے سبب سے مجھے سنگسار کرتے ہو؟ یہودیوں نے اسے جواب دیا کہ اچھے کام کے سبب سے نہیں بلکہ کفر کے سبب سے تجھے سنگسار کرتے ہیں اور اس لئے کہ تو آدمی ہوکر اپنے آپکو خدا بناتا ہے'' یہاں جناب مسیح علیہ السلام نے کیوں منع نہ کیا کہ میں خدا نہیں ہوں بلکہ انسان ہوں اور اپنے آپکو اللہ کا بیٹا مجازی معنی کے اعتبار سے کہتا ہوں۔

یہودیوں کا رویہ اور مزاج

سبحان اللہ! اتنے بڑے عظیم الشان عقیدہ پر کیا بھاری دلیل پیش کی ہے اور یہود کے ''فہم'' کو دلیل قوی قرار دے بیٹھے ہیں اور اتنا بھی نہیں جانتے کہ یہ لوگ دنیا کی محبت اور

رومیوں کے ہاتھوں اپنے جاہ واقتدار کے زوال کے خوف سے شب وروز اسی کام میں رہتے ہیں کہ سچ ہو یا جھوٹ بہر حال کسی طرح سے کوئی ثبوت ہاتھ آجائے اور اسکے بہانے آنجناب علیہ السلام کو یا انکے حواریوں میں سے کسی کو گرفتار کرکے قتل کردیں اس کام کیلئے انکی ہر وقت مشاورت رہتی اور افتراء پردازی سے بھی گریز نہ کرتے اور جھوٹے گواہ تیار کرتے چنانچہ آنجناب علیہ السلام نے جب العاذر نامی شخص کو زندہ کرنے کا معجزہ ظاہر کیا تو اس بارے میں یوحنا باب ۱۱ آیت ۴۷ میں ہے ''پس سردار کاہنوں اور فریسیوں نے صدر عدالت کے لوگوں کو جمع کرکے کہا ہم کرتے کیا ہیں؟ یہ آدمی تو بہت معجزے دکھاتا ہے اگر ہم اسے یوں ہی چھوڑ دیں تو سب اس پر ایمان لے آئینگے اور رومی آکر ہماری جگہ اور قوم دونوں پر قبضہ کرلینگے'' ایک دوسری جگہ یہود کی حواریوں سے متعلق شرارتوں کا اس طرح بیان ہے ''آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ ہم اِن آدمیوں کیساتھ کیا کریں؟ کیونکہ یروشلیم کے سب رہنے والوں پر روشن ہے کہ ان سے ایک صریح معجزہ ظاہر ہوا اور ہم اسکا انکار نہیں کرسکتے لیکن اس لئے کہ یہ لوگوں میں زیادہ مشہور نہ ہو ہم انہیں دھمکائیں کہ پھر یہ نام لیکر کسی سے بات نہ کریں'' (رسولوں کے اعمال ۴ آیت ۱۶) اسی طرح جب یہود نے ستفنس سے مباحثہ کے بعد اسے گرفتار کرلیا تو اس بارے میں یوں مذکور ہے ''اس پر انہوں نے بعض آدمیوں کو سکھا کر کہلوا دیا کہ ہم نے اسکو موسیٰ اور خدا کے برخلاف کفر کی باتیں کرتے سنا پھر وہ عوام اور بزرگوں اور فقیہوں کو ابھار کر اس پر چڑھ گئے اور پکڑ کر صدر عدالت میں لے گئے اور جھوٹے گواہ کھڑے کیے جنھوں نے کہا کہ یہ شخص اس پاک مقام اور شریعت کے برخلاف بولنے سے باز نہیں آتا کیونکہ ہم نے اسے یہ کہتے سنا ہے کہ وہی یسوع ناصری اس مقام کو برباد کردیگا اور ان رسموں کو بدل ڈالیگا جو موسیٰ نے ہمیں سونپی ہیں'' (رسولوں کے اعمال باب ۶ آیت ۱۱) بہر حال یہ یہود کی ہمیشہ عادت رہی جیسا کہ باب سوم کی فصل اول میں مزید معلوم

ہوگا چنانچہ یہ معاندین از راہِ حسد اسی کوشش میں رہتے کہ جہاں تک ہو سکے آنجناب ؑ کے کلام کو ایسے معنی پر محمول کریں کہ انکو تکلیف پہچانے کا بہانہ ہاتھ آجائے۔ ایسی صورت میں ان لوگوں کے قول یا فہم کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے یہاں بھی اسی طرح ہوا کہ آنجناب ؑ کے کلام میں حسبِ عادت اجمال تھا جیسا کہ مقدمہ باب کی ساتویں بات میں گذرا ہے مگر اِن لوگوں نے اپنے خبث باطن کی وجہ سے اس معنی پر محمول کیا کہ تُو اپنے آپکو خدا کہتا ہے۔

یہ سوال بھی غلط ہے کہ آنجناب ؑ نے کیوں ظاہر نہ کیا کہ میں خدا نہیں ہوں اور میں اپنے آپکو ''اللہ کا بیٹا'' مجازاً کہتا ہوں کیونکہ یوحنا باب ۱۰ آیت ۳۴ میں ہے ''یسوع نے انہیں جواب دیا کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ ''میں نے کہا کہ تم خدا ہو'' جبکہ اس نے انہیں خدا کہا جن خدا سے ہمکلام ہوا (اور نوشتہ باطل نہیں ہو سکتا) پھر تم اس سے جسے باپ نے مقدس کر کے دنیا میں بھیجا ہے کیونکر کہتے ہو کہ تُو کفر بکتا ہے اس لئے کہ میں نے کہا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں'' یعنی جب دوسرے لوگوں پر لفظِ خدا کا اطلاق مجازاً ہو سکتا ہے اور کفر لازم نہیں آتا تو اگر میں جو خدا کا رسول ہوں اپنے آپکو مجازاً ابن اللہ کہوں تو یہ کیسے کفر ہو جاتا ہے۔ حضرت مسیح ؑ کا یہ کلام معجز نظام بڑی خوبی کیساتھ اس حقیقت کو آشکارا کرتا ہے کہ آنجناب ؑ خود کو اللہ کا بیٹا مجاز کے طور پر فرماتے ہیں اور یہ کلام یہود سے دورانِ مباحثہ کیا گیا ہے اور یہود اپنی تمام تر عداوت وعناد کے باوجود اسکا انکار نہیں کر سکے۔

پادری فنڈر کی ایک عبارت کارد

پادری فنڈر اپنی کتاب حل الاشکال بجوابِ کشف الاستار کے باب دوم میں لکھتے ہیں کہ مذکورہ آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہاری شریعت میں حکام اور بزرگوں کو اللہ یا خدا کہا گیا ہے اور میری ذات جسکو خدا تعالیٰ نے مقدس کیا یعنی ''مسیح'' بنایا' لوگوں کی نجات کیلئے دنیا

میں بھیجا، ان لوگوں سے بھی اعلیٰ مرتبت بزرگ بنایا، خدا مجھ میں ہے اور میں خدا میں ہوں یعنی نسبتِ باطنی کے اعتبار سے میں خدا کیساتھ متحد ہوں تو تم میری باتوں کو کیوں کفر کہتے ہو بلکہ مجھے تو حقیقی معنوں میں اللہ اور اللہ کا بیٹا کہنا بھی درست ہے'' انتہی

میں کہتا ہوں کہ یہ صراحۃً گمراہی ہے کیونکہ یہود تو آنجناب علیہ السلام کی الوہیت تو درکنار انکی رسالت کے بھی قائل نہ تھے تو اس کلام کو یہود کیلئے مسکت جواب کیسے قرار دیا جاسکتا ہے بلکہ یہود تو صاف کہہ رہے تھے کہ جو دلیل آپ ذکر کر رہے ہیں وہ آپکو مفیدِ مطلب نہیں کیونکہ وہاں تو لفظِ خدا کا اطلاق حکام اور بزرگوں پر بطورِ مجاز ہے اور چونکہ آپ خلافِ واقع طور پر اپنے بارے میں حقیقتاً خدا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لہٰذا ہم اسے کفر ہی قرار دینگے اور سنگسار کرینگے۔ علاوہ ازیں پادری صاحب کا یہ کہنا کہ ''خدا مجھ میں ہے اور میں خدا میں ہوں الخ'' یہ جملہ جنابِ مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں کہاں ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے پادری صاحب نے اپنی جیب سے اسکا اضافہ فرمایا ہے مزید یہ کہ خود پادری فنڈر اپنی کتاب مفتاح الاسرار کے باب اول کی فصلِ اول میں لکھتے ہیں کہ ''آنجنابؑ نے اپنی الوہیت کو یہود کے سامنے ایک معمہ کی شکل میں گول مول کر کے ذکر کیا ہے لیکن اسکے باوجود یہود نے کئی بار انکو گرفتار کر کے رجم کرنے کا ارادہ کیا۔ علاوہ ازیں اس تعلقِ الوہیت کو آنجنابؑ کے زمانۂ قیام بلکہ عروجِ آسمان تک کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا اس وجہ سے انہوں نے صاف بے نقاب نہ کہا کہ میں خدا ہوں'' انتہی ملخصاً

اب اگر یوحنا باب ۱۰ آیت ۳۴ کا مطلب وہی ہو جو پادری صاحب نے کیا اور ہمارا بیان غلط ہو تو پھر بات معمہ کہاں رہی؟ اور پھر یہ کہنا کیسے درست ہے کہ انہوں نے صاف صاف یہود سے نہیں کہا کہ میں خدا ہوں؟

تنبیه

یاد رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام میں جو آیا ہے کہ ’’تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا‘‘ اس سے مراد حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب ہے کیونکہ زبور ۸۲ آیت ۶ میں ہے ’’میں نے کہا تم خدا ہو اور تم سب حق تعالیٰ کے فرزند ہو‘‘ بائبل کے ایک فارسی نسخہ جس کیساتھ بائبل کے دیگر تراجم بھی منضم ہیں کے مترجم نے اس آیت کا ترجمہ کرتے وقت اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے خوب دادِ تحریف دی ہے اور ترجمہ کیا ہے ’’من گفتم کہ شما ملائک ہستید و ہمگی شما چون فرزندان باری تعالیٰ‘‘ یعنی ’’میں نے کہا تم فرشتے ہو اور تم سب خدا کے بیٹوں جیسے ہو‘‘

غور فرمایئے! کہاں وہ جملہ کہ ’’تم خدا کے بیٹے ہو‘‘ اور کہاں یہ جملہ کہ ’’تم خدا کے بیٹوں جیسے ہو۔ اور کہاں وہ بات کہ ’’تم خدا ہو‘‘ اور کہاں یہ کہ ’’تم فرشتے ہو‘‘ شاید مترجم کو تحریف کی یہ زحمت اس لئے اٹھانا پڑی کہ چونکہ جناب مسیح علیہ السلام پر بعض جگہ ’’خدا کا بیٹا‘‘ اور بعض جگہ ’’خدا‘‘ کا اطلاق ہوا ہے اب اگر کسی اور پر بھی ’’خدا‘‘ کا اطلاق ہو جائے تو وہ جناب مسیح علیہ السلام کیساتھ شریک ہو جائے گا مگر بے خبر کو یہ علم نہیں رہا کہ اس سے خود انجیل کی بھی تکذیب ہو جاتی ہے مگر ہندی مترجم نے اس جگہ بالکل صحیح ترجمہ کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ کا خوف آڑے آ گیا ہو اور انجیل کی تکذیب کے ڈر سے ایسا نہ کیا ہو۔

چھٹی دلیل اور اُسکا جواب

متی باب ۱۸ آیت ۲۰ میں ہے ’’کیونکہ جہاں دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہیں وہاں میں انکے بیچ میں ہوں‘‘ متی باب ۲۸ آیت ۱۹ میں ہے ’’بس تم جا کر سب قوموں کو

شاگرد بناؤ......... دیکھو میں دنیا کے آخر تک ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں'' انتہی ملخصاً یوحنا باب ۳ آیت ۱۳ میں ہے ''اور آسمان پر کوئی نہیں چڑھا سوا اسکے جو آسمان سے اترا یعنی ابن آدم جو آسمان میں ہے''

حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے ان اقوال میں ہر جگہ حاظر ناظر ہونے کے وصف کی اپنی طرف نسبت کی ہے جو فی الحقیقت خاصہ خداوندی ہے لہذا آنجناب علیہ السلام ''خدا'' ہوئے۔

جواب

چونکہ ان حضرات کے نزدیک بھی حضرت مسیح علیہ السلام بلاشبہ جسم رکھتے تھے اور یہ بات بدیہی ہے کہ آنجناب کا لوگوں کی مجلس مشاورت میں حاضر ہونا اور اپنے معتقدین کیساتھ ہونا عروجِ آسمانی کے بعد اور آسمان میں ہوتے ہوئے ان سے مکالمہ کرنا جسم وصورت کے اعتبار سے تو نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اگر اُنکے قول ''اور آسمان پر کوئی نہیں چڑھا'' میں کوئی تاویل نہ کی جائے تو وجہ مذکور کے علاوہ ایک اور وجہ سے بھی یہ بظاہر کھلا جھوٹ ہے۔ کیونکہ اس آیت سے حصر مفہوم ہوتا ہے کہ صرف جنابِ مسیح علیہ السلام ہی آسمان پر چڑھے حالانکہ فرشتے بھی آسمان میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح حضرت ایلیاہ پیغمبر بھی آسمان پر چلے گئے ہیں جیسا کہ انکا آسمان پر چڑھنا سلاطینِ دوم باب دوم میں مفصلاً آیا ہے۔ لہذا مسیحی حضرات ان تینوں اقوال میں اس بات کے محتاج ہیں کہ تینوں جگہ حضور ومعیت سے ''روحانی معیت'' مراد لیں۔ تیسری آیت میں حصر کے معنی کو درست کرنے کیلئے انہیں کچھ کرنا پڑے گا بہر حال دونوں فریق کو آیت کے معنی میں تاویل کرنا ہوگی۔

معترض کی ذکر کردہ آیات کا صحیح مطلب

جاننا چاہیئے کہ متی باب ۱۸ آیت ۲۰ کا تو صحیح مطلب یہ ہے کہ جس جگہ دو یا تین لوگ

مجھ پر صحیح اعتقاد رکھتے ہوئے جمع ہوں تو گویا کہ میں انکے درمیان میں ہوں اور تمہارے درمیان حقیقۃً موجود ہونے کی صورت میں جو نصرتِ الٰہی تم پر نازل ہوتی ہے اس حالت میں بھی اللہ کی طرف سے ویسی ہی نصرت تم پر نازل ہوگی اور اس جگہ معیت روحانی مراد لینے میں بھی کوئی ضرر نہیں کیونکہ ابدان سے مفارقت کے بعد ارواح باقی رہتی ہیں اور عالم برزخ میں ایک دوسرے سے محبت کا تعلق رکھتی ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے اگر حضرت مسیح علیہ السلام کی ذات مبارک کا حواریوں یا دیگر بزرگوں کی ارواح سے تعلق مان لیا جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

انکے دوسرے قول ''میں دنیا کے آخر تک تمہارے ساتھ ہوں'' کا درست مطلب یہ ہے کہ میں دنیا کے ختم ہونے تک زندہ رہوں گا اور اس کلام سے مقصود روزِ قیامت (۱) اپنے آپکا زندہ رہنے کی خبر دینا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں بھی مذکورہ بالا توجیہ کر لی جائے کہ ''بقاء روحانی'' مراد ہے۔ بہر حال اس سے الوہیت کا مطلب سمجھنا تو صاف غلط ہے کیونکہ جناب مسیح علیہ السلام کا یہ کلام مر کر دفن ہو کر دوبارہ زندہ ہونے کے وقت ہے تو خدا کی ذات کا موت سے کیا تعلق؟

انکے تیسرے قول ''اور آسمان پر کوئی نہیں چڑھا الخ'' میں درحقیقت انہوں نے امرِ مستقبل کو حال سے تعبیر فرمادیا ہے اور عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ''ابن آدم جو آسمان میں ہوگا'' اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے کلام میں خبر اگرچہ زمانہ مستقبل کی ہوتی ہے مگر اسکا وقوع یقینی ہوتا ہے۔ لہٰذا کتب سماویہ اور بالخصوص آنجناب علیہ السلام

---

(۱) روزِ قیامت سے مراد قُربِ قیامت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قُربِ قیامت میں زمین پر نزول اجلال فرمائیں گے یہ انکی ''آمدِ ثانی'' ہوگی۔ ایک عرصہ زمین پر رہنے اور اپنے کام انجام دینے کے بعد روزِ قیامت سے پہلے ان پر بھی موت آئے گی۔

کے کلام میں ان امورِ مستقبلہ کو حال یا قریب الوقوع ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے خواہ اُنکا وقوع نزدیک نہ بھی ہو بلکہ بعض جگہوں پر تو امرِ مستقبل کیلئے صیغہ ماضی لایا گیا ہے اور یہ تعبیر اس قدر متداول اور شائع ذائع ہے کہ محتاجِ بیان نہیں یوحنا کے صحیفہ اور اسکے مکاشفہ کے ناظرین اسے بخوبی جانتے ہیں تاہم یہاں بطورِ توضیح صرف چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

امرِ مستقبل کو حال سے تعبیر کرنے کی مثالیں

(۱) توریت مطبوعہ لندن ۱۸۳۹ء میں پیدائش باب ۶ آیت ۱۷ میں جب حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم دیا تو اس طرح ارشادِ الٰہی ہے "من اینک طوفان را بر زمین می آرم.........الخ" اور ہندی ترجمہ اِسکے مطابق ہے(۱)

(۲) اسرائیلی شہروں میں یاجوج ماجوج کی آمد اور انکے برباد ہونے کی پیشگوئی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "دیکھ وہ پہنچا اور وقوع میں آیا خداوند خدا فرماتا ہے یہ وہی دن ہے جسکی بابت میں نے فرمایا تھا" (حزقی ایل باب ۳۹ آیت ۸)

(۳) جناب مسیح علیہ السلام کا حواریوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے "جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں" (متی باب ۷ آیت ۱۵)

(۴) ایک اور جگہ حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد ہے "میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ وقت آتا ہے بلکہ ابھی ہے کہ مُردے خدا کے بیٹے کی آواز سنیں گے اور جو سنیں گے وہ جئیں گے" (یوحنا باب ۵ آیت ۲۵)

---

(۱) موجودہ اُردو ترجمہ بھی اسکے موافق ہے "اور دیکھ میں خود زمین پر پانی کا طوفان لانے والا ہوں"

(۵) متی باب ۲۵ آیت ۱۳ میں ہے ''پس جاگتے رہو کیونکہ تم نہ اس دن کو جانتے ہو نہ اس گھڑی کو جس میں ابن آدم آتا ہے'' (۱)

(۶) یعقوب کا عام خط باب ۵ آیت ۸ میں ہے ''خداوند کی آمد قریب ہے''

تجزیہ مصنفؒ

مذکورہ بالا عبارات کو دیکھئے! اُن عبارات میں طوفان کا تذکرہ ہے جو یقیناً کشتی کے تیار ہونے کے بعد آئے گا اور ظاہر ہے کہ کشتی کے تیار ہونے میں بھی وقت صرف ہوگا ظاہر ہے کہ یہ مستقبل کی بات ہے اور یہاں لفظ ''لاؤں گا'' آنا چاہیئے مگر اسکے بجائے ''لانے والا ہوں'' (۲) لایا گیا ہے۔ اسی طرح متی باب ۷ آیت ۱۵ میں حضرت مسیح علیہ السلام نے جھوٹے نبیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ''آئیں گے'' کی جگہ ''آتے ہیں'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اسی طرح متی باب ۱۵ آیت ۱۳ میں آنجناب علیہ السلام نے اپنے نزول آسمانی کا تذکرہ کرتے ہوئے لفظ ''آئے گا'' کی جگہ ''آتا ہے'' استعمال فرمایا ہے حالانکہ انکے وقتِ ارشاد سے لیکر آج تک دو ہزار سال کا عرصہ تو گزر ہی چکا ہے۔ ان تمام جگہوں پر واضح طور پر استقبال کی جگہ حال کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالی کے ارشاد میں حضرت حزقی ایل کی معرفت یاجوج ماجوج کی آمد کا تذکرہ ہے اور جناب حزقیل حضرت عیسی علیہ السلام کی ولادت سے چھ سو سال قبل منصب نبوت پر فائز ہوئے ہیں۔ اُس وقت کی پیشینگوئی سے لیکر اب تک تقریباً دو ہزار چار سو پچاس سال کا عرصہ بیت گیا اور انتظار ہے کہ مزید کتنا عرصہ گذرے گا اسکے باوجود ''دیکھو وہ پہنچا اور وقوع میں آیا الخ استعمال فرمایا ہے۔

---

(۱) یہ ترجمہ متنِ مصنفؒ کے مطابق ہے۔ موجودہ اردو نسخوں میں آیت کا آخری جملہ ''جس میں ابن آدم آتا ہے'' موجود نہیں تاہم عربی اور انگریزی بائبل میں موجود ہے۔

(۲) یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے جو زمانہ حال بتاتا ہے جیسا کہ عربی عبارت میں ''آت'' کا لفظ آیا ہے۔

اسی طرح یوحنا باب ۵ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے کلام میں روزِ محشر کا تذکرہ ''وہ وقت آتا ہے بلکہ ابھی ہے'' سے کیا گیا ہے حالانکہ اس ارشاد کے وقت سے لیکر اب تک اٹھارہ سو سال گذر چکے ہیں اور آئندہ بھی دیکھئے کہ کتنا زمانہ گذرتا ہے اور صیغہ حال کا کیا ذکر یہاں تو ان امورِ مستقبلہ کو صیغہ ماضی کے ساتھ تعبیر ہونا بھی واقع ہے۔ اسی طرح یعقوب حواری کے کلام میں نزولِ مسیح علیہ السلام کے دن کے متعلق یوں آیا کہ ''خداوند کی آمد قریب ہے'' حالانکہ انکے اس قول کے وقت سے لیکر اب تک دو ہزار سال تو گذر ہی چکے ہیں۔ الحاصل ان عبارات میں وقائع مستقبلہ کو جنکا وقوع بہت بعید ہے مگر نزدیک وقریب سے تعبیر کیے گئے ہیں اور صیغہ حال و ماضی لائے گئے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جناب مسیح علیہ السلام کا محلِ استدلال کلام جو یوحنا باب ۳ آیت ۱۳ میں مندرج ہے جو کہ عروجِ آسمانی سے ڈیڑھ سال قبل ارشاد فرمایا اگر اسمیں ''آسمان میں ہونگے'' کی جگہ ''آسمان میں ہے'' آگیا ہے تو کیا حرج ہے؟ کیونکہ کئی مذکورہ بالا زمانہ مستقبل کے واقعات کو بھی حال و ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں مستقبل کا قریب الوقوع واقعہ ہے مگر اسکو ماضی سے تعبیر کر دیا گیا ہے یہ تعبیر اگر چہ مجاز ہے مگر ایک حقیقت کے درجہ پر اعتبار کر سکتے ہیں۔ (۱)

ساتویں دلیل اور اُسکی حقیقت

یوحنا باب ۱۰ آیت ۳۰ میں ہے ''میں اور باپ ایک ہیں'' یہ قول صریح دلیل ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور ذات خدا میں اتحاد ہے۔ یوحنا باب ۱۴ آیت ۹ میں فلپس کو خطاب کرتے ہوئے آنجناب علیہ السلام کا قول ہے ''اے فلپس! میں اتنی مدت سے تمہارے ساتھ ہوں کیا تو مجھے نہیں جانتا؟ جس نے مجھے دیکھا اس نے باپ کو دیکھا تو کیونکر کہتا ہے کہ باپ

(۱) کیونکہ ایک متداول اور مروّج محاورہ حقیقتِ واقعیہ کے قریب قریب ہوتا ہے۔

کو ہمیں دکھا؟ کیا تو یقین نہیں کرتا کہ میں باپ میں ہوں اور باپ مجھ میں ہے؟ یہ باتیں جو میں تم سے کہتا ہوں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ باپ مجھ میں رہ کر اپنے کام کرتا ہے میرا یقین کرو کہ میں باپ میں ہوں اور باپ مجھ میں‘‘

ان آیات میں یہ عبارات کہ ’’جس نے مجھے دیکھا اس نے باپ کو دیکھا‘ میں باپ میں ہوں اور باپ مجھ میں ہے‘ باپ مجھ رہ کر الخ‘‘ حضرت مسیح علیہ السلام اور ذات الٰہی میں اتحاد پر دلالت کرتی ہیں اور اقوالِ اخیرہ سے ملتا جلتا ایک قول پولوس کا بھی ہے ’’کہ خدا نے مسیح میں ہوکر اپنے ساتھ دنیا کا میل ملاپ کرلیا‘‘ (۲۔کرنتھیوں باب ۵ آیت ۱۹) ثابت ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا ہیں۔

جواب

چونکہ جناب مسیح علیہ السلام جسمانی اعتبار سے یقیناً ذاتِ خداتعالیٰ کے مغایر اور حادث ہیں اور اس جہاں میں خداتعالیٰ کا آنکھوں سے دیکھنا محال ہے خود مسیحیوں کو بھی یہ بات تسلیم ہے جیسا کہ اسی باب کے مقدمہ میں پانچویں بات کے ذیل میں معلوم ہوگیا اور اس پر تمام مسیحی علماء کا اعتراف ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام کی الوہیت وانسانیت کے درمیان جو تعلق ہے وہ مجہول الکنہ اور نامعلوم الکیفیت ہے اور وہ تعلق حلول یا اتحاد کے علاوہ کوئی اور ہے جیسا کہ مقدمہ میں چودھویں بات کے ذیل میں معلوم ہو چکا۔ لہٰذا ان آیات کے درست مفہوم کیلئے مسیحی حضرات بھی تاویل کرنے پر مجبور ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ جناب مسیح علیہ السلام بیک وقت کامل خدا اور کامل انسان ہیں لہٰذا الوہیت کے تعلق سے انکا خدائے واحد کیساتھ اتحاد ہے اور اسی اعتبار سے وہ فرمارہے ہیں کہ ’’میں خدا ہوں‘‘ اور انسانیت کے تعلق سے وہ خدا کے مغایر ہیں اور یہاں دیکھنے سے مراد جسم کی آنکھوں سے دیکھنا نہیں ہے بلکہ دل کی

آنکھوں سے دیکھنا مراد ہے یعنی جس نے مجھے پہچانا اس نے باپ کو پہچانا کیونکہ میں اور خدا متحد ہیں۔ اسی طرح دیگر اقوال بھی جو ظاہری اعتبار سے حلول کی طرف مشعر ہیں ان میں بھی اس سے ملتی جلتی تاویل کرتے ہیں مثلاً اس قول کا مطلب ''میں باپ میں ہوں اور باپ مجھ میں ہے'' یہ ہے کہ باطنی اعتبار سے میں خدا کیساتھ متحد ہوں۔ (۱) مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام تاویلات بالکل باطل ہیں اول اس وجہ سے کہ یہ سب اس اصول پر مبنی ہیں کہ جناب مسیحؑ کی ہستی خدائے کامل اور انسان کامل کا مجموعہ ہے اور یہ بالکل درست نہیں جیسا کہ مقدمہءِ باب میں گذرا۔ ظاہر ہے کہ جو تاویلات اس باطل اصول پر متفرع ہیں وہ بھی یقیناً باطل ہونگی۔ دوم اس وجہ سے کہ تاویلات کے تکلف کے باوجود یہ پیچیدہ گرہ نہیں کھلتی اور استدلال کرنے والوں کو دعویٰ اتحاد پر کوئی مفید بات نہیں ملتی کیونکہ معرفتِ مسیحؑ کا معرفتِ خدا ہونا اتحاد کو ثابت نہیں کرتا۔ اس سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی معرفت خدا کی معرفت کو مستلزم ہے اور یہ اس لئے کہ اگر ایک شخص کا دوسرے شخص سے سفارت یا ملازمت یا کسی اور نوعیت کا تعلق ہو تو شخص مذکور کا پہچان لینا یا مذکورہ تعلق کی بنا پر اس سے کوئی معاملہ کرنا گویا اصل شخص کی معرفت اور اس سے معاملہ کرنا ہوتا ہے اور یہ بہت بدیہی سی بات ہے تلاش کرنے والوں کو عہدِ عتیق وجدید میں اسکے بے شمار ثبوت مل جائیں گے جیسا کہ باب اول کی فصل سوم میں اعتراض اول کے جواب کے تحت اسکی کچھ مثالیں معلوم ہوچکی ہیں مثلاً:۔

(۱) جناب مسیحؑ فرماتے ہیں ''جو کوئی میرے نام پر ایسے بچوں میں سے ایک کو قبول کرتا ہے وہ مجھے قبول کرتا ہے'' (مرقس باب ۹ آیت ۳۷)

(۲) اصحاب الیمین کو بھوکوں، پیاسوں، پردیسیوں، ننگوں، بیماروں، قیدیوں کیساتھ

(۱) پادری فنڈر نے اپنی کتاب حل الاشکال کے باب دوم صفحہ ۳۷ میں یہ تاویل ذکر کی ہے۔

اچھا سلوک کرنے پر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائینگے ''میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا کھلایا' میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا' میں پردیسی تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں اتارا' ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا پہنایا' بیمار تھا تم نے میری خبر لی' قید میں تھا تم میرے پاس آئے'' پھر اصحاب الشمال جنہوں نے مذکورہ لوگوں کیساتھ اچھا سلوک نہ کیا تھا انکے بارے میں ارشاد ہوگا ''کیونکہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا' پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہ پلایا' پردیسی تھا تم نے مجھے گھر میں نہ اتارا' ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا نہ پہنایا' بیمار اور قید میں تھا تم نے میری خبر نہ لی''(۱) (متی باب ۲۵ آیت ۳۴ تا ۴۴)

(۳) بخت نصر بادشاہ بابل نے بنی اسرائیل کو جو تکالیف پہنچائیں اللہ تعالیٰ انکو اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے حضرت یرمیاہ کی زبانی فرماتا ہے ''شاہ بابل بنوکدرضر نے مجھے کھالیا اس نے مجھے شکست دی ہے اس نے مجھے خالی برتن کی مانند کردیا' اژدہا کی مانند وہ مجھے نگل گیا اس نے اپنے پیٹ کو میری نعمتوں سے بھرلیا'' (یرمیاہ باب ۵۱ آیت ۳۴)

ان آیات کا کوئی شخص بھی یہ مطلب نہ لے گا کہ بچوں' بھوکوں' پیاسوں وغیرہ کا جناب مسیح علیہ السلام سے اتحادِ ذات ہے یا بنی اسرائیل اور ذاتِ خداوندی متحد ہوکر ایک ہوگئے۔ یاد رہے کہ معترض کا محلِ استدلال آیات سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ''میں اور خدا متحد ہیں'' محض اپنی طرف سے اضافہ ہے آیت کے کسی لفظ کا یہ مدلول ہرگز نہیں ہے۔ لہٰذا اس ''متاع گراں مایہ'' کو اپنے پاس ہی رکھیں ہم تو اسے ایک جو کے بدلے بھی خریدنے کو تیار نہیں۔

پولوس کے قول سے استدلال کا جواب

تیسرے قول ''کہ خدا نے مسیح میں ہوکر اپنے ساتھ دنیا کا میل ملاپ کرلیا'' سے

---

(۱) بعض احادیثِ نبوی ﷺ میں بھی اسی قسم کا مضمون وارد ہے۔

استدلال پر تو یہ کہنا مناسب ہے کہ ۔ المعنیٰ فی بطن الشاعر (۱) تعجب ہے کہ اسی طرح کی عبارات تو عہدِ عتیق و جدید میں بے شمار ہیں اب اگر ایک دو جگہوں پر حضرت مسیحؑ کے حق میں اس قسم کی عبارت آ جائے تو اس سے کیوں مغالطہ ہونے لگتا ہے؟ اور ایسے موقعہ پر گذشتہ عبارت کی روشنی میں صحیح مطلب کیوں نہیں لے لیا جاتا؟ یہاں ہم بطورِ نمونہ چند مثالیں ذکر کرتے ہیں۔

(۱) کتابِ پیدائش باب ۲ آیت ۲۴ میں ہے ''اس واسطے مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑے گا اور اپنی بیوی سے ملا رہیگا اور وہ ایک تن ہونگے''

(۲) جنابِ مسیحؑ کا اسی طرح کا قول میاں بیوی کے حق میں بھی آیا ہے فرماتے ہیں ''اور وہ اور اسکی بیوی دونوں ایک جسم ہونگے پس وہ دو نہیں بلکہ ایک جسم ہیں'' انتہی بعبارت مرقس (مرقس باب ۱۰ آیت ۸، متی باب ۱۹ آیت ۵)

(۳) حضرت مسیحؑ حواریوں کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں ''تا کہ وہ سب ایک ہوں یعنی جس طرح اے باپ! تو مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں وہ بھی ہم میں ہوں اور دنیا ایمان لائے کہ تو ہی نے مجھے بھیجا اور وہ جلال جو تو نے مجھے دیا ہے میں نے انہیں دیا ہے تا کہ وہ ایک ہوں جیسے ہم ایک ہیں میں ان میں اور تو مجھ میں تا کہ وہ کامل ہو کر ایک ہو جائیں'' (یوحنا باب ۱۷ آیت ۲۱)

(۴) پولوس اپنے خط میں لکھتے ہیں ''کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے بدن مسیح کے اعضاء ہیں؟ پس کیا میں مسیح کے اعضاء لیکر کسبی کے اعضاء بناؤں؟ ہرگز نہیں! کیا تم نہیں جانتے کہ جو کوئی کسبی سے صحبت کرتا ہے وہ اسکے ساتھ ایک تن ہوتا ہے؟ کیونکہ وہ فرماتا ہے

(۱) مطلب یہ ہے کہ شعر کا حقیقی معنیٰ تو شاعر کو معلوم ہوتا ہے ورنہ لوگ تو اُسکے کئی مطلب بتا دیتے ہیں جبکہ اُن مطالب کا شاعر کی مراد سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔

کہ وہ دونوں ایک تن ہونگے اور جو خداوند کی صحبت میں رہتا ہے وہ اسکے ساتھ ایک روح ہوتا ہے" (ا۔کرنتھیوں باب ۶ آیت ۱۵)

(۵) اسی طرح ایک اور جگہ لکھتے ہیں "اسی طرح تم ملکر مسیح کا بدن ہو اور فرداً فرداً اعضاء ہو" (ا۔کرنتھیوں باب ۱۲ آیت ۲۷)

(۶) یوحنا اپنے خط میں لکھتے ہیں "جو کچھ ہم نے دیکھا اور سنا ہے تمہیں بھی اسکی خبر دیتے ہیں تا کہ تم بھی ہمارے شریک ہو اور ہماری شراکت باپ کے ساتھ اور اسکے بیٹے یسوع مسیح کے ساتھ ہے" (ا۔یوحنا باب ۱ آیت ۳)

صاف سی بات ہے کہ اگر کوئی شخص باپ کو چھوڑ کر بیوی سے مل جائے یا کوئی شخص کسی فاحشہ و کسبی سے صحبت کرے تو حقیقت میں تو وہ ایک جسم، ایک تن نہیں ہو جاتے، نہ ہی کسی مسیحی کے اعضاء حقیقۃً اعضاءِ مسیح ہوتے ہیں۔ اسی طرح حواریوں کا آپس میں، نہ انکا اور دیگر بزرگوں کا خدائے تعالیٰ یا حضرت مسیح علیہ السلام سے حقیقی اتحاد ممکن ہے۔

(۷) حضرت مسیح علیہ السلام کا حواریوں وغیرہ کے متعلق اس طرح ارشاد ہے "اس روز تم جانو گے کہ میں اپنے باپ میں ہوں اور تم مجھ میں اور میں تم میں"

(یوحنا باب ۱۴۔ آیت ۲۰)

(۸) دوسری جگہ یوں ارشاد ہے "تم مجھ میں قائم رہو اور میں تم میں .... اسی طرح تم بھی اگر مجھ میں قائم نہ رہو تو پھل نہیں لا سکتے ..... جو مجھ میں قائم رہتا ہے اور میں اس میں وہی بہت پھل لاتا ہے ...... اگر کوئی مجھ میں قائم نہ رہے تو وہ ڈالی کی طرح پھینک دیا جاتا اور سوکھ جاتا ہے .... اگر تم مجھ میں قائم رہو اور میری باتیں تم میں قائم رہیں تو جو چاہو مانگو وہ تمہارے لئے ہو جائیگا ...... انتھی بتلخیص الآیات (یوحنا باب ۱۵ آیت ۴) اور

یوحنا باب ۱۷ آیت ۲۱ کی آیات ابھی حوالہ نمبر ۳ میں گزری ہیں۔

(۹) یوحنا باب ۱۷ آیت ۲۶ میں ہے "تا کہ جو محبت تجھ کو مجھ سے تھی وہ ان میں ہو اور میں ان میں ہوں"

(۱۰) پولوس لکھتے ہیں "کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارا بدن روح القدس کا مقدس ہے جو تم میں بسا ہوا ہے" (۱۔ کرنتھیوں باب ۶ آیت ۱۹)

(۱۱) ایک اور جگہ اپنے متعلق لکھتے ہیں "اور میں سمجھتا ہوں کہ خدا کا روح مجھ میں بھی ہے" (۱۔ کرنتھیوں باب ۷ آیت ۴۰)

(۱۲) پولوس ایک جگہ فرماتے ہیں "اس لئے اگر کوئی مسیح میں ہے تو وہ نیا مخلوق ہے پرانی چیزیں جاتی رہیں" (۲۔ کرنتھیوں باب ۵ آیت ۱۷) یاد رہے کہ معترض نے اسی باب کی آیت ۱۹ سے استدلال کیا تھا۔ پولوس خود ہی اپنے اس قول کا مطلب یوں بتاتے ہیں انہی کے الفاظ میں سنیئے! "مطلب یہ ہے کہ خدا نے مسیح میں ہو کر اپنے ساتھ دنیا کا میل ملاپ کر لیا" (۲۔ کرنتھیوں باب ۵ آیت ۱۹)

(۱۳) پولوس اپنے خط میں لکھتے ہیں "کیونکہ ہم زندہ خدا کا مقدس ہیں۔ چنانچہ خدا نے فرمایا کہ میں ان میں بسوں گا اور ان میں چلوں پھروں گا اور میں انکا خدا ہوں گا اور وہ میری امت ہونگے" (۲۔ کرنتھیوں باب ۶ آیت ۱۶)

(۱۴) ایک اور جگہ لکھتے ہیں "کیا تم اپنی بابت یہ نہیں جانتے کہ یسوع مسیح تم میں ہے؟" (۲۔ کرنتھیوں باب ۱۳ آیت ۵)

(۱۵) پولوس افسیوں کے نام خط میں لکھتے ہیں "اور سب کا خدا اور باپ ایک ہی ہے جو سب کے اوپر اور سب کے درمیان اور سب کے اندر ہے"

(افسیوں باب ۴ آیت ۶)

(۱۶) یوحنا اپنے پہلے خط میں لکھتے ہیں ''جو تم نے شروع سے سنا ہے وہی تم میں قائم رہے جو تم نے شروع سے سنا ہے اگر وہ تم میں قائم رہے تو تم بھی بیٹے اور باپ میں قائم رہو گے'' (ا۔یوحنا باب۲ آیت ۲۴)

چونکہ عیسائیوں کے نزدیک روح القدس یا روح خدا سے مراد ''ذات خدا'' ہے لہٰذا کسی شے میں روح القدس یا روح خدا کا آجانا گویا اس شے میں اصل ذاتِ خدا کا آجانا ہے لہٰذا ان آیات میں بھی غور کرنا چاہئے کہ یہاں حلول کا کون سا معنی مراد ہے؟

معترض کی ذکر کردہ عبارات کا صحیح مطلب

بلکہ حق و تحقیق ان تینوں عبارات میں یہ ہے کہ کبھی دو چیزوں میں تغایر حقیقی کے باوجود کسی خاص تعلق کی بنا پر ان دونوں کو ایک ہی کہہ دیا جاتا ہے۔ یہاں اہلِ ایمان کے درمیان خاص تعلق ''محبت'' کا ہے بالکل اسی طرح اہلِ ایمان اور حضرت مسیح ؑ کے درمیان یا اہلِ ایمان اور خدا تعالیٰ کے درمیان محبتِ کامل اور برضا و رغبت خلوص کیساتھ کامل اطاعت کا تعلق ہے۔ اہلِ ایمان ہوں حواریین یا حضرت مسیح ؑ نفسِ محبت میں تو سب برابر ہیں پھر انکے درمیان تفاوت قوت و ضعف کے اعتبار سے ہے۔ یعنی احکامِ الٰہیہ کا برضا و رغبت بجالانا بنسبت حواریوں اور عام مؤمنین سے حضرت مسیح ؑ میں علی وجہ الاکمل پایا جاتا ہے اسی طرح حواریوں کی اطاعتِ الٰہی بہ نسبت عام مؤمنین کے اعلیٰ درجہ پر ہے۔ نفسِ محبت و اطاعت میں تمام حضرات مساوی تعلق رکھتے ہیں اسی کا مصداق حضرت مسیح ؑ کا وہ ارشاد ہے جو یوحنا باب ۱۷ آیت ۲۲ میں گذرا ''تا کہ وہ ایک ہوں جیسے ہم ایک ہیں'' ورنہ اگر اتحاد حقیقی مراد لیا جائے پھر تو لازم آتا ہے کہ حواریوں کے درمیان بھی اتحاد حقیقی ہو کیونکہ حواریوں کے اتحاد کو خدا تعالیٰ اور آنجناب ؑ کے اتحاد کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور یہ

بات ہر چھوٹے بڑے کے نزدیک صریح البطلان خود مسیحیوں کے نزدیک ناقابلِ تسلیم ہے اس میں حقیقۃً اجتماعِ نقیضین بھی لازم آتا ہے۔ لامحالہ یہاں ’’اتحاد وحدت‘‘ کا وہی معنی مراد لیا جائے گا جو ذکر ہوا۔ ورنہ تشبیہ درست نہ رہے گی۔ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی معرفت کا معرفتِ خداوندی ہونے سے مراد یہ ہے کہ انکی اطاعت وفرمانبرداری درحقیقت اطاعتِ خداوندی ہے اسی طرح خدا اور مسیح کا کسی میں ہونا یا کسی کا مسیح اور خدا میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ادنیٰ وتابع اعلیٰ ومتبوع پر ایمان لائے اور اسکی فرمانبرداری بجالائے یہی بات فلاحِ دارین اور سعادتِ کونین کا مدار ہے۔

ان تینوں توجیہات کی دلیل بگوشِ ہوش سننی چاہیئے۔ یوحنا اپنے پہلے عام خط میں باب ا آیت ۵ میں لکھتے ہیں ’’اس سے سن کر جو پیغام ہم تمہیں دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ خدا نور ہے اور اسمیں ذرا بھی تاریکی نہیں اگر ہم کہیں کہ ہماری اسکے ساتھ شراکت ہے اور پھر تاریکی میں چلیں تو ہم جھوٹے ہیں اور حق پر عمل نہیں کرتے لیکن اگر ہم نور میں چلیں جس طرح کہ وہ نور میں ہے تو ہماری آپس میں شراکت ہے‘‘ غور فرمایئے! کہ یوحنا نے اپنے وعدۂ خیر کی جو اسی باب کی آیت ۳ میں ہے اور ماقبل میں دلیل اتحاد کی بحث میں گذرا وضاحت مذکورہ بالا آیات میں اس طرح کی کہ نور میں چلنا یہ حضرت مسیح علیہ السلام سے اتحاد، شراکت اور رفاقت کا ذریعہ ہے اور بدیہی بات ہے کہ نور میں چلنے سے مراد ایمان اور اعمال حسنہ ہیں لہٰذا انکے کلام اول (۱) میں جہاں یہ کہا گیا کہ ہماری شراکت باپ اور بیٹے یسوع مسیح کیساتھ ہے اسکا مطلب بھی نور میں چلنا یعنی ایمان لانا اور نیک عمل کرنا ہے۔ اسکے سوا کچھ نہیں کیونکہ اسی خط میں لکھتے ہیں ’’جو کوئی کہتا ہے کہ میں اسے جان گیا ہوں اور اسکے حکموں پر عمل نہیں کرتا وہ جھوٹا ہے اور اسمیں سچائی نہیں ہاں جو کوئی اسکے کلام پر عمل کرے اسمیں یقیناً خدا کی محبت کامل

(۱) کلام اول سے مراد یوحنا باب ایک آیت ۳ ہے جس کا ذکر ابھی ابھی حوالہ نمبر ۶ کے ذیل میں گذرا۔

ہوگئی ہے ہمیں اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم اسمیں ہیں جو کوئی یہ کہتا ہے کہ میں اسمیں قائم ہوں تو چاہیئے کہ یہ بھی اسی طرح چلے جس طرح وہ چلتا ہے'' (یوحنا کا پہلا عام خط باب ۲ آیت ۴تا۶) ان آیات سے صاف واضح ہوتا ہے کہ کسی ''اعلیٰ ذات'' کو پہچاننا اور اسمیں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسکے احکام کی بجا آوری کی جائے ورنہ معرفت اور جان پہچان کا دعویٰ جھوٹ ہے۔ اسی مفہوم کو حضرت مسیح علیہ السلام کا وہ کلام اور بھی واضح کر دیتا ہے جو انہوں نے یہود کو عتاب کرتے ہوئے فرمایا ''تم نے اسے نہیں جانا لیکن میں اسے جانتا ہوں'' (یوحنا باب ۸ آیت ۵۵) کیونکہ یہود احکامِ الٰہی کی اطاعت نہ کرتے تھے اس لئے انکے حق میں یہ بات پوری طرح صادق ہے کہ انہوں نے خدا کو نہیں پہچانا اور جناب مسیح علیہ السلام کا اصل وظیفہ اور خصوصی امتیاز حق تعالیٰ کی اطاعتِ کامل ہی تھا چنانچہ وہ اپنے متعلق فرماتے ہیں ''کیونکہ میں ہمیشہ وہی کام کرتا ہوں جو اسے پسند آتے ہیں'' (یوحنا باب ۸ آیت ۲۹) ایک جگہ فرماتے ہیں ''میرا کھانا یہ ہے کہ اپنے بھیجنے والے کی مرضی کے موافق عمل کروں اور اسکا کام پورا کروں'' (یوحنا باب ۴ آیت ۳۴) لہٰذا آنجناب علیہ السلام کے حق میں یہ بات پوری طرح صادق آتی ہے کہ ''میں اسے جانتا ہوں'' یوحنا اپنے خط میں لکھتے ہیں ''اور جو اسکے حکموں پر عمل کرتا ہے وہ اسمیں اور یہ اسمیں قائم رہتا ہے اور اسی سے یعنی اس روح سے جو اس نے ہمیں دیا ہے ہم جانتے ہیں کہ وہ ہم میں قائم رہتا ہے'' (یوحنا کا پہلا عام خط باب ۳ آیت ۲۴) اسی خط میں دوسری جگہ لکھتے ہیں ''اگر ہم ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں تو خدا ہم میں رہتا ہے اور اسکی محبت ہمارے دل میں کامل ہوگئی ہے چونکہ اس نے اپنے روح میں سے ہمیں دیا ہے اس سے ہم جانتے ہیں کہ ہم اسمیں قائم رہتے ہیں اور وہ ہم میں'' ....جو کوئی اقرار کرتا ہے کہ یسوع خدا کا بیٹا ہے خدا اسمیں رہتا ہے اور وہ خدا میں جو محبت خدا کو ہم سے ہے اسکو ہم جان گئے اور ہمیں اسکا یقین ہے خدا محبت ہے اور جو محبت میں قائم

رہتا ہے وہ خدا میں قائم رہتا ہے اور خدا اسمیں قائم رہتا ہے'' (یوحنا کا پہلا عام خط باب ۴ آیت ۱۲، ۱۳، ۱۵، ۱۶) ان آیات کی دلالت ہمارے دعویٰ پر محتاج بیان و وضاحت نہیں آیت ۱۵ میں مسیح علیہ السلام پر جو ''خدا کے بیٹے'' کا اطلاق ہوا ہے وہ راستباز، نیکوکار کے معنی میں ہے۔ یوحنا نے آیت ۱۶ میں خدا تعالیٰ پر محبت کا اطلاق کیا ہے ان دونوں باتوں کی تحقیق باب دوم کے مقدمہ میں پانچویں بات کے تحت اور فصلِ دوم میں دلیلِ دوم کے جواب کے تحت اس پر سیر حاصل بحث ہو چکی۔

خلاصہ کلام

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اعتراض میں مذکور آیتِ اول ''میں اور باپ ایک ہیں'' کا مطلب یہ ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کیساتھ مجھے اس طرح کا اتحاد حاصل ہے کہ احکامِ الٰہی کی اطاعت اور انکی بجا آوری میں کوشاں ہوں۔ اور آیت دوم ''جس نے مجھے دیکھا اس نے باپ کو دیکھا الخ'' کا مطلب یہ ہے کہ جو مجھ پر ایمان لایا اور میرے فرمودات بجالایا اس نے خدا کو دیکھا یعنی اس پر ایمان لایا اور اسکے احکام بجالایا کیونکہ جن احکام کا رسول حکم دیتا ہے حقیقت میں یہ احکامِ الٰہی ہوتے ہیں جو رسول کے واسطے سے دیے جاتے ہیں۔ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے اس ارشاد ''کیا تو یقین نہیں کرتا کہ میں باپ میں ہوں اور باپ مجھ میں ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ کیا تجھے یقین نہیں کہ میں اسکے احکام کو بجالاتا ہوں وغیرہ۔ آیت سوم ''کہ خدا نے مسیح میں ہو کر اپنے ساتھ دنیا کا میل ملاپ کر لیا'' میں پولوس کے قول کا مطلب یہ ہے کہ خدا مسیح کے واسطے سے جو دل و جان سے احکامِ الٰہی پر راضی و مطیع تھے دنیا کو اپنے ساتھ ملا لیتا ہے یعنی ایسے رسول کے ذریعے مخلوق کو ہدایت دیتا ہے۔

آٹھویں دلیل اور اُسکا اِزالہ

چونکہ جناب مسیح علیہ السلام نے اپنی زندگی کے ان ایام میں جنکا تذکرہ گذشتہ دلائل میں ہوا اپنے آپکو صفاتِ الوہیت سے متصف گردانتے ہیں لہٰذا اس طرح انہوں نے نوعِ انسانی پر واجب کیا کہ باپ کی طرح انکی عبادت وسجدہ کریں چنانچہ انکا قول ہے ''تاکہ سب لوگ بیٹے کی عزت کریں جس طرح باپ کی عزت کرتے ہیں جو بیٹے کی عزت نہیں کرتا وہ باپ کی جس نے اسے بھیجا عزت نہیں کرتا'' (یوحنا باب ۵ آیت ۲۳) اس قول میں بیٹے کی عزت وسجدہ کو ''باپ'' کی عزت وسجدہ کرنے کے مساوی قرار دیا گیا ہے (۱) اب جب باپ کی عزت کرنا، سجدہ کرنا حقیقۃً ہے تو بیٹے کیلئے بھی عزت وسجدہ حقیقی ہوگا۔ نیز یہ کہ جب آنجناب علیہ السلام کے شاگردوں نے ''توما'' سے کہا ہم نے مسیح کو دوبارہ زندہ ہونے کے بعد دیکھا ہے تو ''توما'' نے یقین نہیں کیا۔ پھر جب آٹھ دن کے بعد آنجناب علیہ السلام نے شاگردوں اور ''توما'' پر اپنے آپکو ظاہر کیا تو ''توما'' نے کہا ''اے میرے خداوند! اے میرے خدا'' جیسا کہ یوحنا باب ۲۰ آیت ۲۸ میں اس واقعہ کی تفصیل وصراحت ہے۔ اس موقعہ پر آنجناب علیہ السلام نے ''توما'' کو لفظ ''خدا وخداوند'' کے اطلاق سے منع نہیں فرمایا اس سے صاف پتہ چلا کہ آنجناب علیہ السلام نے اپنی الوہیت کی جانب اشارہ فرمایا اور اپنے آپکو لفظ ''خدا'' سے مخاطب کرنے میں کوئی تعدی یا ناانصافی نہیں سمجھی۔

جواب

مشہور محاورہ ہے۔ ''الشجرۃ تنبیء عن الثمرۃ'' (۲) اس استدلال کا

(۱) آیت میں تو صرف عزت کرنے کی بات تھی استدلال کرنے والے نے سجدہ کا لفظ اپنی طرف سے بڑھالیا۔

(۲) اُردو میں کہتے ہیں ''درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے''

کمزور ہونا بھی محتاج وضاحت نہیں اور یہ دراصل سابقہ دلائل پر ایک تفریع ہی ہے اور کچھ نہیں۔ ان دلائل کے جوابات میں آپ نے خوب جان لیا کہ جناب مسیح علیہ السلام کا علم وقدرت وغیرہ صفاتِ کمالیہ الہیہ سے متصف ہونا ذاتی اور حقیقی نہیں بلکہ آنجناب علیہ السلام کے ارشادات کی نصوصِ قطعیہ ظاہر کرتی ہیں کہ انہوں نے تو اپنی ذات سے علمِ ذاتی، قدرتِ ذاتی اور مطلق نیک ہونے کی نفی فرمائی ہے جیسا کہ باب دوم کی فصلِ اول میں خوب تفصیل سے معلوم ہوا لہٰذا ان سابقہ دلائل پر نظر کرتے ہوئے جناب مسیح علیہ السلام جو سلسلہ رسالت کے دیگر رسولوں کی طرح ایک رسول اور پیغمبر ہیں انکی عبادت کو خدا کی عبادت کی طرح واجب جاننا شرکِ صریح اور کفرِ قبیح ہے اور یوحنا کی مذکورہ بالا عبارت میں آنجناب علیہ السلام کے قول سے انکی عبادت کرنے کا کوئی اشارہ نہیں ملتا اس لئے کہ کتب سماوی میں جہاں کسی نبی یا غیر نبی کو اوصافِ خداوندی میں سے کسی وصف کیساتھ تشبیہ دی گئی ہو وہاں مشبہ ومشبہ بہ کے درمیان مساواتِ حقیقی سمجھنا انتہائی نادانی ہے صحیح بات یہ ہے کہ وہاں تشبیہ مطلقاً نفسِ وصفیت میں مراد لی جائے اور وہ وصف اللہ تعالیٰ کی نسبت سے حقیقی معنی پر اور دوسری جانب غیر حقیقی معنی پر سمجھنا چاہیئے جیسا کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کا اپنے معتقدین کو تعلیم دیتے ہوئے ارشاد ہے ''پس چاہیئے کہ تم کامل ہو جیسا تمہارا آسمانی باپ کامل ہے'' (متی باب ۵ آیت ۴۸) اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے ''جیسا تمہارا باپ رحیم ہے تم بھی رحم دل ہو'' (لوقا باب ۶ آیت ۳۶) دیکھئے! ان عبارات میں وہ اپنے معتقدین کو خدا کی طرف کامل اور رحم دل ہونے کی تعلیم دے رہے ہیں اور یقینی بات ہے کہ ان لوگوں کا خدا تعالیٰ کی طرح کامل اور رحم دل ہونا ممتنع اور محال ہے بلکہ اس طرح کا اعتقاد رکھنا بھی کفر وضلال ہے۔ بدیہی سی بات ہے کہ یہاں مطلق کمال ورحم میں تشبیہ مراد ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے حقیقی اور ہر اعتبار سے کامل ہے جبکہ دوسری جانب میں اسکا عکس ہے۔ ٹھیک اسی طرح محلِ استدلال

آیت میں مطلق عزت میں تشبیہ دی گئی ہے گو اسکے حقیقی وغیر حقیقی ہونے میں کتنا ہی تفاوت ہو اور آنجناب ﷺ کے اس قول کہ ''جو بیٹے کی عزت نہیں کرتا وہ باپ کی جس نے اسے بھیجا ہے عزت نہیں کرتا'' سے بھی اسکی خوب تائید ملتی ہے کیونکہ صاف طور پر اپنے آپکو اللہ کا رسول، خدا کا فرستادہ بتاتے ہیں اور آنجناب ﷺ کی عزت نہ کرنا خدا تعالٰی کی عزت نہ کرنے کو مستلزم ہے اس سے اتحادِ ذاتی نہ سمجھنا چاہیئے گویا ایک شخص جو دوسرے شخص کیساتھ رسول یا سفیر یا اس طرح کی کسی اور نوعیت کا تعلق رکھتا ہو تو ایک کی توہین کو دوسرے کی توہین قرار دیا جاتا ہے اور اسکی پوری وضاحت باب اول فصل سوم میں اعتراض اول کے جواب میں گذر چکی ہے۔ پولوس رسول اپنے خط میں لکھتے ہیں ''اس واسطے جو ان باتوں کی حقارت کرتا ہے وہ آدمی کی نہیں بلکہ خدا کی حقارت کرتا ہے جس نے تم کو اپنا روح القدس بھی دیا ہے'' (ا۔تسالونیکیوں باب ۴ آیت ۸) ''توما'' کے کلام میں لفظ ''خدا'' کو حقیقی معنوں پر محمول کرنا نا سمجھی ہے بلکہ یہاں لفظِ خدا کا مطلب مرشد و استاد وغیرہ ہے چونکہ اس زمانہ کے محاورہ اور کتب سماویہ میں لفظِ خدا کا اطلاق مرشد وغیرہ کے حق میں رائج و متداول تھا جیسا کہ مقدمہ باب دوم میں پانچویں بات کے تحت کما حقہ بیان ہو چکا اس وجہ سے ''توما'' نے بھی اسی معنی کے اعتبار سے اس لفظ کا آنجناب ﷺ کے حق میں اطلاق کر دیا اور ٹھیک اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے بھی اس سے منع نہ فرمایا کیونکہ اسکا کہنا تھا ''جب تک میں اسکے ہاتھوں میں میخوں کے سوراخ نہ دیکھ لوں اور میخوں کے سوراخوں میں اپنی انگلی نہ ڈال لوں اور اپنا ہاتھ اسکی پسلی میں نہ ڈال لوں ہرگز یقین نہ کرونگا'' (یوحنا باب ۲۰ آیت ۲۵) یہ عبارت صراحت کرتی ہے کہ ''توما'' آنجناب ﷺ کے متعلق یہی اعتقاد رکھتا تھا کہ وہ ایک نبی اور جسم و روح سے مرکب انسان ہیں اسی وجہ سے ان امور کا مطالبہ کر رہا ہے اور اسی وجہ سے جناب مسیح ﷺ اسکے جواب میں فرماتے ہیں ''اپنی انگلی پاس لا کر میرے ہاتھوں کو دیکھ

اور اپنا ہاتھ پاس لا کر میری پسلی میں ڈال اور بے اعتقاد نہ ہو بلکہ اعتقاد رکھ" (یوحنا باب ۲۰ آیت ۲۷) یعنی میں وہی جسم وروح سے مرکب ہوں جیسا کہ تو نے دیکھا تھا اور جس طرح تو کہتا تھا ویسا دیکھ لے کہ میں اسی طرح ہوں' اب دیکھ لے اور ایمان لا! معلوم ہوا کہ آنجناب علیہ السلام اپنے دوبارہ اٹھنے کے بعد بھی معتقدین کے دلوں میں اپنے انسان ہونے کا اعتقاد راسخ کر رہے تھے اسی وجہ سے جب توما کے علاوہ دوسرے لوگوں کو اشتباہ ہوا کہ شاید ہم کسی روح کو دیکھ رہے ہیں اور نظر آنے والا مسیح نہ ہو اس پر آنجناب علیہ السلام نے فرمایا کہ "میرے ہاتھ اور میرے پاؤں دیکھو کہ میں وہی ہوں مجھے چھو کر دیکھو کیونکہ روح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی جیسا مجھ میں دیکھتے ہو اور یہ کہہ کر اس نے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے" (لوقا باب ۲۴ آیت ۳۹) آباؤ اجداد کی اندھی تقلید دیکھئے کہ ان میں سے ایک آدمی بھی اس حقیقت پر توجہ دینے کیلئے تیار نہیں۔

بلکہ یہیں پر آنجناب علیہ السلام دوبارہ جی اٹھنے کے بعد اپنے معتقدین کو اس سے بھی زیادہ صراحت کیساتھ فرماتے ہیں "میں اپنے باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں" (یوحنا باب ۲۰ آیت ۱۷) اس عبارت سے کئی نکات صراحۃً معلوم ہوتے ہیں۔ اول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے بارے میں محض بندہ ہونے کا اقرار۔ دوم اب اور ابن کا مجازی معنی میں اطلاق۔ سوم خدا تعالیٰ کو اپنا اور تمام مخلوق کا معبود ہونے کا اعتراف۔ چہارم دیگر مخلوق کی طرح اپنے آپکو ایک فردِ بشر ہونے کا اعتراف۔

صاحب مفتاح الاسرار نے اپنی قوم کے حسب مزاج یہاں خوب دادِ تحریف دیتے ہوئے لکھا ہے "توما نے سجدہ کیا اور کہا اے میرے خداوند! اے میرے خدا" حالانکہ یہاں سجدہ کرنے کا ذکر تک نہیں ہے اور اس اضافہ وتحریف کے باوجود بات نتیجہ خیز نہیں بنتی کیونکہ اگر بالفرض "سجدہ کیا" کا لفظ موجود بھی ہو تو بھی اس سے مراد سجدۂ تعظیمی ہوگا نہ کہ سجدۂ

عبادت اور سجدۂ تعظیمی کا ثبوت تو عہدِ عتیق میں انبیاء وغیر انبیاء میں سے ہزاروں افراد کیلئے ثابت ہے جیسا کہ باب اول کی فصلِ دوم میں اعتراضِ سوم کے جواب کے تحت معلوم ہو چکا۔

نویں دلیل اور اُسکا دفعیہ

یوحنا صاحب الہام حواری اپنی انجیل کے شروع میں لکھتے ہیں ''ابتداء میں کلمہ تھا اور کلمہ خدا کیساتھ تھا اور کلمہ خدا تھا۔ یہی ابتداء میں خدا کیساتھ تھا اسی سے سب کچھ پیدا ہوا ایک بھی چیز جو پیدا ہوئی اسکے بغیر پیدا نہ ہوئی'' ....اور کلمہ متجسد ہوا۔ اور ہم میں سکونت پذیر ہوا۔ اور ہم نے اسکا جلال دیکھا۔ باپ کے وحید کا جلال۔ فضل اور سچائی سے معمور''(۱) (یوحنا کی انجیل باب ۱ آیت ۱ تا ۳، ۱۴) پھر اپنے نامہ اول میں لکھتے ہیں ''اور یہ بھی جانتے ہیں کہ خدا کا بیٹا آگیا ہے اور اس نے ہمیں سمجھ بخشی ہے تا کہ اسکو جو حقیقی ہے جانیں اور ہم اسمیں جو حقیقی ہے یعنی اسکے بیٹے یسوع مسیح میں ہیں حقیقی خدا اور ہمیشہ کی زندگی یہی ہے''

(یوحنا کا پہلا عام خط باب ۵ آیت ۲۰)

مسیحی علماء مذکورہ بالا آیتِ اول کی تقریر اس طرح کرتے ہیں کہ بناءِ عالم سے جو عالمِ ازل سے عبارت ہے کلمہ تھا۔ کلمہ خدا تھا اور خدا کے ساتھ تھا۔ سب چیزیں اسکے واسطے سے پیدا ہوئیں پھر وہ کلمہ مجسم ہوا یعنی مریم مطہرہ کے بطن میں قرار پایا۔ بدن اور انسانی جسم کو قبول کیا' ہمارے درمیان موجود ہوا، ہم نے اسکا جلال دیکھا الخ حاصلِ استدلال یہ ہے کہ

---

(۱) پروٹسٹنٹ اردو بائبل ''کتاب مقدس'' میں کلمہ کی جگہ کلام کا لفظ آیا ہے پوری عبارت اس طرح ہے ''ابتداء میں کلام تھا اور کلام خدا کیساتھ تھا اور کلام خدا تھا۔ یہی ابتداء میں خدا کیساتھ تھا۔ سب چیزیں اُسکے وسیلہ سے پیدا ہوئیں اور جو کچھ پیدا ہوا ہے اُس میں سے کوئی چیز بھی اُسکے بغیر پیدا نہیں ہوئی ......اور کلام مجسم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اسکا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال''

ان آیات میں جناب مسیح علیہ السلام پر کلمۃ اللہ ٗابن اللہ اور خدا کا اطلاق ہوا ہے لہٰذا آیات کے مضمون کا مفاد یہی ہوا کہ مسیح علیہ السلام فی الحقیقت خدا ہیں۔

جواب

مسیحی علماء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ کلمہ سے مراد ''علم'' ہے اور یہ بھی قدرت ٗ ارادہ ٗ کلام وغیرہ کی طرح خدا تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ میں سے ایک صفت ہے اور صفاتِ خدا عینِ خدا ہیں جیسا کہ حکماء اور بعض متکلمینِ اسلام کا مذہب ہے یا وہ صفات غیر ذاتِ خدا ہیں چنانچہ اکثر متکلمین اسلام اسی طرف گئے ہیں۔ پہلی صورت میں (۱) اُن مسیحیوں کا مسلک باطل ہو جاتا ہے جو تثلیثِ حقیقی اور امتیازِ حقیقی کے قائل ہیں کیونکہ اِس صورت میں صفات کا ذات سے تغایر مفہوم اعتباری کے علاوہ نہیں۔ پس لامحالہ دوسرا احتمال (۲) مراد ہوگا۔ اور اسی کی تائید یوحنا کی دو عبارات سے ہوتی ہے کہ ''اور کلمہ خدا کے نزدیک تھا'' اِس سے تو صاف تغایر معلوم ہوتا ہے اور اس صورت میں یوحنا کا یہ قول کہ ''اور کلمہ مجسد ہوا اور ہم میں سکونت پذیر ہوا'' خود مسیحیوں کے نزدیک بھی محتاجِ تاویل ہو جائیگا اس لئے کہ صفتِ علم کے مجسم ہونے سے تو بظاہر قدیم کا حادث سے بدل جانا لازم آتا ہے۔ علاوہ ازیں اِس صورت میں صفتِ علم کا ذاتِ خدا سے عینیت کا اعتقاد بھی باطل ہو جاتا ہے جو اِس آیت کا ظاہری مدلول ہے کہ ''وہ کلمہ خدا تھا'' نیز یہ یوحنا کے دو جگہوں پر مذکور اقوال سے بھی متصادم ہے۔ اور یہ کہنا کہ اس کلمہ نے مریم مطہرہ کے بطن میں قرار پکڑا انسانی بدن اور روح کو قبول کر کے ہمارے درمیان سکونت پذیر رہا جیسا کہ اِن حضرات کی تحریر و تقریر میں اکثر یہ بات جاری رہتی ہے یہ تو بالکل صریح البطلان ہے کیونکہ جب وہ تثلیث و امتیازِ حقیقی کے قائل ہوئے تو لازم آئے گا

---

(۱) جب صفات کو ذاتِ خدا کا عین قرار دیا جائے۔

(۲) جب صفات کو ذاتِ خدا کا غیر قرار دیا جائے۔

کہ اِس صورت میں ذاتِ الٰہی علم سے خالی ہو کیونکہ صفتِ واحدہ کا دو موصوف کے ساتھ قائم ہونا یعنی عرضِ واحد کا دو معروض کو عارض ہونا محالات میں سے ہے نیز اللہ تعالیٰ کیلئے مکان وشکل کا ہونا بھی لازم آتا ہے اور خدائے پاک اِن تمام باتوں سے پاک ہے جیسا کہ اِسی باب دوم کی فصلِ اول میں معلوم ہو چکا لہٰذا صحیح مطلب یہی ہے کہ دوسری شق اختیار کی جائے اور یہ جملہ ’’اور کلمہ خدا تھا۔

اور کلمہ متجسد ہوا‘‘ حذفِ مضاف پر محمول کیا جائے یعنی ’’وہ کلمہ صفتِ خدا تھا اور اس کلمہ کا معلوم متجسد ہوا‘‘ یا آیاتِ مذکورہ میں کلمہ سے مراد کلمہ ’’کن‘‘ لیا جائے اور چونکہ اللہ تعالیٰ فاعل ومختار، حکیم وعلیم ہے اور حسبِ عادت اپنی مخلوقات کو کلمہ کن سے پیدا کیا ہے تو یقیناً علم اور کلمہ کن کے مخلوقات پر تقدم کو بدیہیات میں شمار کر سکتے ہیں اور اس شق (۱) میں بھی حسبِ سابق مذکورہ عبارات میں حذفِ مضاف کا قول کرنا چاہیئے یعنی وہ کلمہ ’’کن‘‘ خدا کا امر اور حکم تھا۔ اس کلمہ ’’کن‘‘ کا معلول اور مسبّب مجسم ہوگیا۔ اگر چہ تمام مخلوقات کا صدور فاعلِ مختار علیم وحکیم جلّ جلالہ سے بواسطہ علم ہوا ہے اور وہ کلمہ ’’کن‘‘ ہے تاہم جناب مسیح علیہ السلام کا ’’کلمۃ اللہ‘‘ کے لقب سے ملقب ہونا خاص طور پر اس وجہ سے ہے کہ آنجناب علیہ السلام بغیر باپ کے خرقِ عادت نوعِ انسانی میں پیدا ہوئے ہیں۔ اِن دونوں توجیہات کی صورت میں عبارت بھی خوب حل ہو جاتی ہے اور کوئی عقلی یا نقلی استحالہ بھی لازم نہیں آتا اور کتبِ سماویہ بالخصوص کلامِ یوحنا میں مجاز کا استعمال اِس قدر غالب ہے کہ محتاجِ بیان نہیں جیسا کہ مقدمہ کے فائدہ نمبر ۳، ۴، ۵، ۶ میں تفصیل سے معلوم ہوا۔ خاص طور پر قرائن کی صورت میں حذفِ مضاف ہونا تو اِن کتب میں اس قدر ہے کہ کلام میں اسکا اعتراف کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ اِسی طرح لفظ کلمہ کا امر اور کلام کے معنیٰ میں استعمال ہونا بھی کثیر الوقوع ہے۔ بائبل

(۱) اگر کلمہ سے کلمہ کن مراد لیا جائے۔

کے ناظرین اِس سے بخوبی واقف ہیں تاہم اس پر چند حوالے سپردِ قلم کیے جاتے ہیں تاکہ کسی کو مغالطہ دینے کا موقعہ باقی نہ رہے۔

بائبل میں حذفِ مضاف کی مثالیں

(۱) جان لے ’’خدا تجھ کو دارین میں سلامت رکھے‘‘ جس وقت بنی اسرائیل موآب کے میدان میں پہنچے اور شاہِ موآب نے چند قاصدوں کو بلعم بن باعور کے پاس بھیجا اور اس سے درخواست کی کہ یہاں آکر اس قوم پر بددعا کرے بلعم بن باعور نے وہاں پہنچ کر الہامِ الٰہی سے جو کچھ کہا وہ اِس طرح ہے ’’بلق نے مجھے ارام سے یعنی شاہِ موآب نے مشرق کے پہاڑوں سے بلوایا کہ آجا اور میری خاطر یعقوب پر لعنت کر .... میں اس پر لعنت کیسے کروں جس پر خدا نے لعنت نہیں کی؟ .... یعقوب کی گرد کے ذروں کو کون گن سکتا ہے اور بنی اسرائیل کی چوتھائی کو کون شمار کرسکتا ہے؟ .... وہ یعقوب میں بدی نہیں پاتا اور نہ اسرائیل میں کوئی خرابی دیکھتا ہے خداوند اسکا خدا اسکے ساتھ ہے اور بادشاہ کی سی للکار ان لوگوں کے بیچ میں ہے‘‘ (گنتی باب ۲۳ آیت ۷، ۸، ۱۰، ۲۱) اسی قصہ میں آگے اس طرح ہے ’’جب بلعام نے دیکھا کہ خداوند کو یہی منظور ہے کہ اسرائیل کو برکت دے تو وہ پہلے کی طرح شگون دیکھنے کو ادھر ادھر نہ گیا بلکہ بیابان کی طرف اپنا منہ کرلیا اور بلعام نے نگاہ کی اور دیکھا کہ بنی اسرائیل اپنے اپنے قبیلہ کی ترتیب سے مقیم ہیں اور خدا کی روح اس پر نازل ہوئی اور اس نے اپنی مثل شروع کی اور کہنے لگا بعور کا بیٹا بلعام کہتا ہے .... اے یعقوب تیرے ڈیرے اے اسرائیل تیرے خیمے کیسے خوشنما ہیں .... یعقوب میں سے ایک ستارہ نکلے گا اور اسرائیل میں سے ایک عصا اٹھے گا اور موآب کی نواحی کو مار مار کر صاف کردیگا .... اور اسرائیل دلاوری کریگا‘‘ (گنتی باب ۲۴ آیت ۱، ۲، ۳، ۵، ۱۷، ۱۸)

اس عبارت میں دس جگہوں پر حذفِ مضاف ہوا ہے۔ اسرائیل اور یعقوب سے مراد بنی اسرائیل اور بنی یعقوب ہیں۔

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے قربِ وفات میں بنی اسرائیل کی قوموں کے حق میں دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”روبِن جیتا رہے اور نہ مرے اگرچہ اسکے مرد تھوڑے ہوں اور یہودہ کے حق میں اس نے یوں کہا اے خداوند! یہودہ کی سن .... اور لاوی کے حق میں اس نے کہا لاوی کے پاس تیرا تمیم ہو تیرے اس مرد پسندیدہ کے پاس تیرا اُوریم ہو .... وہ یعقوب کو تیرے احکام اور اسرائیل کو تیری شریعت سکھاتے ہیں .... اور بنیامین کے حق میں اس نے کہا خداوند کا محبوب بنیامین ہے سلامتی سے اسکے ہاں وہ رہے گا .... اور یوسف کے حق میں اس نے کہا کہ اسکی سرزمین خداوند کی طرف سے مبارک ہو .... یوسف کے سر پر نازل ہوں بلکہ اسکے سر کی چاندی پر جو اپنے بھائیوں میں رئیس ہے ...... اور زبلون کے حق میں اس نے کہا اے زبلون تو اپنے باہر جانے میں اور اے یسا کر، تو اپنے خیموں میں خوش رہ .... اور جاد کے حق میں اس نے کہا مبارک ہے وہ جو جاد کو بڑھائے .... اور دان کے حق میں اس نے کہا دان شیر کا وہ بچہ ہے جو باشان سے کود کر آتا ہے اور نفتالی کے حق میں اس نے کہا اے نفتالی تو جو خوشنودی سے سیر اور خداوند کی برکت سے معمور ہے وہ مغرب اور جنوب کا مالک ہے اور آشیر کے حق میں اس نے کہا آشیر بیٹوں کے درمیان سب سے مبارک ہو وہ اپنے بھائیوں میں زیادہ مقبول ہو وہ اپنے پاؤں تیل میں ڈبوئے .... سو اسرائیل سلامتی سے اور یعقوب کا چشمہ اکیلا گیہوں اور مے کی سرزمین میں بسے گا۔ مبارک ہے تو اے اسرائیل! خداوند کی بچائی ہوئی قوم .... کون تیری مانند ہے“ انتہی ملخصاً (استثناء باب ۳۳ آیت ۶ تا ۲۹)

اس دعا میں بھی بائیس مقامات پر حذفِ مضاف ہوا ہے کیونکہ روبِن، یہودہ، لاوی،

شمعون یساکر' زبلون' یوسف' بنیامین' دان' نفتالی' جاد' آشیر وغیرہ یہ سب حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے نام ہیں جیسا کہ پیدائش باب ۳۵'۴۶'۴۹ میں اور خروج باب اول میں اسکی صراحت ہے اور یہاں پورا مطلب یوں ہے آلِ روبین جیتے رہیں الخ آلِ یہودہ کے حق میں اس نے یوں کہا الخ

(۳) یوشع باب ۷ آیت ۱۳ میں ہے ''خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تمہارے درمیان کوئی ملعون ہے تم اپنے دشمنوں کے سامنے قائم نہ رہ سکو گے جب تک کہ تم ملعون کو اپنے درمیان سے دفع نہ کرو'' انتہی

دیکھئے! یہاں ارشاد خداوندی ''اے اسرائیل تمہارے درمیان الخ'' میں مضاف حذف ہوا ہے۔ تقدیرِ عبارت یوں ہے ''اے بنی اسرائیل''

(۴) حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''پس خداوند سن کر غضبناک ہوا اور یعقوب کے خلاف آگ بھڑک اٹھی اور اسرائیل پر قہر ٹوٹ پڑا اس لئے کہ وہ خدا پر ایمان نہ لائے اور اسکی نجات پر بھروسہ نہ کیا'' (زبور ۷۸ آیت ۲۱'۲۲) دوسری جگہ کفار پر بددعا کرنے کا سبب یہ بتاتے ہیں ''کیونکہ انہوں نے یعقوب کو کھالیا اور اسکے مسکن کو اجاڑ دیا ہے'' (زبور ۷۹ آیت ۷) زبور ۱۳۰ آیت ۷ میں ہے ''اے اسرائیل! خداوند پر اعتماد کر کیونکہ خداوند کے ہاتھ میں شفقت ہے اسی کے ہاتھ میں فدیہ کی کثرت ہے'' زبور ۱۳۱ آیت ۳ میں فرماتے ہیں ''اے اسرائیل! اب سے ابد تک خداوند پر اعتماد کر''

ان آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کا کلام خاص طور پر زبور ۷۸ میں حذفِ مضاف پر محمول ہے۔

(۵) یسعیاہ باب ۱ آیت ۳ میں ہے ''بیل اپنے مالک کو اور گدھا اپنے مالک کی

چربی کو جانتا ہے مگر اسرائیل نے نہ جانا‘‘ یسعیاہ باب ۱۷ آیت ۴ میں ہے ’’اس روز یعقوب کی شوکت سبک اور اسکا فربہ گوشت دبلا ہو جائیگا‘‘ یسعیاہ باب ۴۰ آیت ۲۷ میں ہے ’’پس اے یعقوب! تو کس لئے کہتا ہے اور اے اسرائیل! تو کس واسطے بولتا ہے؟ کہ میری راہ خداوند سے پوشیدہ ہے اور میرا دعویٰ میرے خدا سے گذر گیا‘‘ یسعیاہ باب ۴۲ آیت ۲۴ میں ہے ’’کس نے یعقوب کو لُوٹ اور اسرائیل کو غنیمت بنایا؟ کیا خداوند نے نہیں جسکا ہم نے گناہ کیا؟ کیونکہ ہم نے اسکی راہوں میں چلنے سے اور اسکی شریعت کے شنوا ہونے سے انکار کیا‘‘ یسعیاہ باب ۴۳ آیت ۲۲، ۲۴، ۲۸ میں ہے ’’لیکن اے یعقوب! تو نے مجھے نہیں پکارا۔ اور اسرائیل! تو مجھ سے بیزار ہوا.........تو نے میرے لئے قیمت دیکر خوشبودار نیشکر نہ خریدا۔ اور نہ تو نے اپنے ذبیحوں کی چربی سے مجھے سیر کیا بلکہ تو نے اپنے گناہوں سے مجھے تکلیف دی اور اپنی بدیوں سے مجھے تنگ کیا...........اس لئے میں مقدس کے مخصوص شدہ رئیسوں کو بے حرمت کروں گا اور یعقوب کو ہلاکت اور اسرائیل کو ملامت کے سپرد کرونگا‘‘

(۶) یرمیاہ باب ۳ آیت ۶ میں ہے ’’خداوند نے مجھے فرمایا کہ آیا تو نے دیکھا کہ مرتدہ اسرائیل نے کیا کیا؟ کیسے وہ ہر ایک اونچے پہاڑ پر اور ہر ایک سبز درخت کے نیچے گئی اور وہاں زنا کیا اور بعد اسکے جب وہ یہ سب کچھ کر چکی تو میں نے کہا میرے پاس واپس آ۔ مگر وہ واپس نہ آئی اور اسکی بہن بے وفا یہودہ نے دیکھا کہ مرتدہ اسرائیل کے زنا کے باعث میں نے اسکو نکالا اور اسکو طلاق نامہ دیا مگر اسکی بہن بے وفا یہودہ نہ ڈری بلکہ وہ بھی گئی اور اس نے بھی زنا کیا......اور خداوند نے مجھ سے کہا۔ کہ مرتدہ اسرائیل نے اپنے آپکو بے وفا یہودہ سے زیادہ پاک ٹھہرایا......اے مرتدہ اسرائیل! (خداوند فرماتا ہے) واپس آ۔ تو میں تجھ پر اپنا غضب نازل نہ کروں گا‘‘

(۷) ہوسیع باب ۴ آیت ۱۵ میں ہے ’’اے اسرائیل اگرچہ تو بدکاری کرے تو بھی

ایسا نہ ہو کہ یہوداہ بھی گناہ گار ہو تم جلجال میں نہ آؤ........ کیونکہ اسرائیل نے سرکش بچھیا کی مانند سرکشی کی ہے .... افرائیم بتوں سے مل گیا ہے اسے چھوڑ دو‘‘ ہوسیع باب ۵ آیت ۳ میں ہے ’’میں افرائیم کو جانتا ہوں اور اسرائیل بھی مجھ سے چھپا نہیں کیونکہ اے افرائیم تو نے بدکاری کی ہے۔ اسرائیل نجس ہوا........ اور فخر اسرائیل اسکے منہ پر گواہی دیتا ہے اور اسرائیل اور افرائیم اپنی بدکرداری میں گریں گے اور یہوداہ بھی انکے ساتھ گرے گا‘‘ یاد رہے کہ اسی باب ۵ کی آیت ۹‘۱۰‘ ۱۱‘ ۱۳‘ ۱۴ میں بھی حذفِ مضاف ہے۔ ہوسیع باب ۷ آیت ۱۰ میں ہے ’’اور فخر اسرائیل اسکے منہ پر گواہی دیتا ہے تو بھی وہ خداوند اپنے خدا کی طرف رجوع نہیں لائے اور باوجود اس سب کے اسکے طالب نہیں ہوئے‘‘ یاد رہے کہ اس باب کی آیت ا‘ ۸‘ ۱۱ میں بھی حذفِ مضاف ہے۔ ہوسیع باب ۸ آیت ۳‘ ۸‘ ۱۴ میں ہے ’’اسرائیل نے بھلائی کو ترک کر دیا دشمن اسکا پیچھا کریں گے........ اسرائیل نگلا گیا۔ اب وہ قوموں کے درمیان ناپسندیدہ برتن کی مانند ہونگے .... اسرائیل نے اپنے خالق کو فراموش کر کے بت خانے بنائے ہیں‘‘

مذکورہ بالا عبارات جو زبور‘ یسعیاہ‘ یرمیاہ‘ ہوسیع سے منقول ہیں ان تمام میں حذفِ مضاف ضروری ہے بالخصوص درج ذیل اقوال میں کہ ’’یعقوب کے خلاف آگ بھڑک اٹھی اور اسرائیل پر قہر ٹوٹ پڑا‘‘ الخ ’’اے اسرائیل! تو مجھ سے بیزار ہوا‘‘ الخ ’’یعقوب کو ہلاکت اور اسرائیل کو ملامت کے سپرد کرونگا‘‘ الخ ’’اے اسرائیل! اگرچہ تو بدکاری کرے‘‘ الخ ’’اسرائیل نجس ہوا‘‘ الخ ’’فخر اسرائیل اسکے منہ پر گواہی دیتا ہے‘‘ الخ ’’اسرائیل نے بھلائی کو ترک کر دیا‘‘ الخ ’’اسرائیل ناپسندیدہ برتن کی طرح ہو گیا‘ اپنے خالق کو فراموش کیا‘‘ الخ وغیرہ وغیرہ۔ ورنہ لازم آئے گا کہ العیاذ باللہ حضرت یعقوب علیہ السلام ایمان نہ لانے کیوجہ سے اور اسکی نجات پر بھروسہ نہ کرنے کی وجہ سے خدا کے غضب کا نشانہ بنے۔ خداوند

کے حق ناشناس اور سرکشی میں بیل گدھے سے بڑھے ہوئے ہیں اور یہ دعویٰ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو علمِ غیب نہیں ہے میرے گناہ اس سے پوشیدہ ہیں۔ اس طرح انکا گناہ گار ہونا' شریعت کا بجا نہ لانا' ملعون ہونا۔ خدا تعالیٰ کی جانب سے موردِ ملامت ہونا اور غیرِ خدا کا نام لینے والا ہونا' اللہ سے بے زار' متکبر وزنا کار ہونا' اللہ تعالیٰ کی طرف سے طلاق یافتہ ہونا' فاسق' فاجر' ناپاک' غرور کرنے والا' خدا تعالیٰ کی طرف رجوع نہ کرنے والا' نیک کاموں سے پھرنے والا' ناپسندیدہ برتن اور خدا کو بھولنے والا' بت خانے بنانے والا ہونا لازم آتا ہے۔ نعوذ باللہ من کل ھذہِ اللّغویات والکفریات۔

(۸) پولوس لکھتے ہیں ''کیا تم نہیں جانتے کہ کتابِ مقدس ایلیاہ کے ذکر میں کیا کہتی ہے؟ کہ وہ خدا سے اسرائیل کی یوں فریاد کرتا ہے......پس نتیجہ کیا ہوا؟ یہ کہ اسرائیل جس چیز کی تلاش کرتا ہے وہ اسکو نہ ملی مگر برگزیدوں کو ملی اور باقی سخت کیے گئے .... اسرائیل کا ایک حصہ سخت ہو گیا اور جب تک غیر قومیں پوری پوری داخل نہ ہوں وہ ایسا ہی رہیگا اور اس صورت سے تمام اسرائیل نجات پائے گا چنانچہ لکھا ہے کہ فدیہ دہندہ صیہون سے نکلے گا اور بے دینی کو یعقوب سے دفع کرے گا'' (رومیوں کے نام باب ۱۱ آیت ۲' ۷' ۲۶)

(۹) پولوس لکھتے ہیں ''اور مسیح یسوع میں نہ تو ختنہ کچھ کام کا ہے نہ نامختونی مگر ایمان جو محبت کی راہ سے اثر کرتا ہے'' (گلتیوں کے باب ۵ آیت ۶) اسی خط کے باب ۶ آیت ۱۵ میں ہے ''مسیح یسوع میں نہ ختنہ کوئی چیز ہے اور نہ نامختونی بلکہ نئے سرے سے مخلوق ہونا''(۱)

دیکھیے! اِن عبارات میں بھی حذفِ مضاف ہوا ہے کیونکہ ''وہ خدا سے اسرائیل کی یوں فریاد کرتا ہے'' سے مراد بنی اسرائیل کی شکایت کرنا ہے۔ اِسی طرح ''اسرائیل جس چیز

(۱) یہ ترجمہ عبارتِ متن کا ہے۔ فارسی بائبل میں ہو بہو اسی طرح ہے۔ اردو تراجم میں مسیح یسوع کا لفظ نہیں۔ عربی بائبل میں بھی ''مسیح یسوع'' کا لفظ موجود ہے۔

کی تلاش کرتا ہے‘‘ سے بنی اسرائیل کا تلاش کرنا مراد ہے۔ اِسی طرح ’’اسرائیل کا ایک حصہ سخت ہوگیا‘‘ سے مراد بنو اسرائیل کی ایک جماعت کا سخت ہونا ہے۔ اِس طرح ’’اس صورت سے تمام اسرائیل نجات پائے گا‘‘ سے مراد بنی اسرائیل کا نجات پانا ہے اور بے دینی کا یعقوب سے دفع ہونے سے مراد آلِ یعقوب سے بے دینی کا دفع ہونا ہے۔ اِسی طرح ’’یسوع مسیح میں نہ تو ختنہ کا کچھ کام ہے‘‘ سے مراد ملتِ یسوع مسیح ہے۔ مذکورہ بالا مثالیں تو قطرہ از دریا و ذرہ از صحرا کی مانند ہیں ورنہ کتبِ سماویہ خصوصاً کتاب یرمیاہ یسعیاہ اور ہوسیع علیہم السلام میں دو تین مقامات کے استثناء کے ساتھ تقریباً ہر جگہ حذفِ مضاف ہوا ہے۔ ناظرین کی تسلی کیلئے صرف چند وہ مقامات جو بندۂ عاجز کو سرِ دست محفوظ ہیں نقلِ عبارت کیے بغیر محض حوالوں کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ قارئین اگر چاہیں تو انکی مدد سے اصل عبارات کی طرف مراجعت فرمالیں۔ (۱) زبور ۱۰۵ آیت ۵ (۲) یسعیاہ باب ۹ آیت ۱۲، ۲۱ (۳) یسعیاہ باب ۱۰ آیت ۲۰، ۲۱ (۴) یسعیاہ باب ۴۴ آیت ۱، ۲۱، ۲۳ (۵) یسعیاہ باب ۴۸ آیت ۱۲ (۶) یرمیاہ باب ۴ آیت ۱ (۷) یرمیاہ باب ۳۰ آیت ۷، ۹، ۱۰، ۱۸ (۸) یرمیاہ باب ۳۱ آیت ۲، ۷، ۱۰، ۱۱ (۹) یرمیاہ باب ۳۶ آیت ۲ (۱۰) یرمیاہ باب ۴۶ آیت ۲۷، ۲۸ (۱۱) یرمیاہ باب ۴۹، آیت ۱، ۲ (۱۲) یرمیاہ باب ۵۰ آیت ۱۷، ۲۰ (۱۳) یرمیاہ باب ۵۱ آیت ۵، ۱۹ (۱۴) نوحہ باب ۱ آیت ۸، ۱۷ (۱۵) نوحہ باب ۲ آیت ۲، ۳، ۵ (۱۶) حزقی ایل باب ۱۹ آیت ۱ (۱۷) حزقی ایل باب ۲۱ آیت ۱۲، ۲۵ (۱۸) حزقی ایل باب ۲۲ آیت ۶ (۱۹) حزقی ایل باب ۲۵ آیت ۱۴ (۲۰) حزقی ایل باب ۲۷ آیت ۱۷ (۲۱) حزقی ایل باب ۳۴ آیت ۲، ۲۴ (۲۲) حزقی ایل باب ۳۷ آیت ۲۴، ۲۵ (۲۳) حزقی ایل باب ۳۸ آیت ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹ (۲۴) حزقی ایل باب ۳۹ آیت ۱۷، ۲۵ (۲۵) حزقی ایل باب ۴۴ آیت ۲۹ (۲۶) حزقی ایل باب ۴۵ آیت ۱۶ (۲۷) ہوسیع باب ۶ آیت ۴، ۱۰، ۱۱

(۲۸) ہوسیع باب ۹ آیت ۱، ۳، ۴، ۷، ۸، ۱۰، ۱۱، ۱۳، ۱۲، (۲۹) ہوسیع باب ۱۰ آیت ۱، ۲، ۶، ۸، ۹، ۱۱، ۱۵، (۳۰) ہوسیع باب ۱۱ آیت ۱، ۳، ۴، ۸، ۹، ۱۲، (۳۱) ہوسیع باب ۱۲ آیت ۱، ۸، ۱۳، ۱۴، (۳۲) ہوسیع باب ۱۳ آیت ۱، ۹، ۱۲، (۳۳) ہوسیع باب ۱۴ آیت ۱، ۸، (۳۴) عاموس باب ۲ آیت ۴، ۵، ۶، (۳۵) عاموس باب ۳ آیت ۱۴ (۳۶) عاموس باب ۴ آیت ۱۲ (۳۷) عاموس باب ۵ آیت ۲، ۶، ۱۵ (۳۸) عاموس باب ۶ آیت ۸ (۳۹) عاموس باب ۷ آیت ۲، ۵، ۹، ۱۱، ۱۵، ۱۶، ۱۷ (۴۰) عاموس باب ۹ آیت ۱۴ (۴۱) میکاہ باب ۱ آیت ۵، ۱۴ (۴۲) میکاہ باب ۲ آیت ۱۲ (۴۳) میکاہ باب ۳ آیت ۱، ۸ (۴۴) میکاہ باب ۵ آیت ۱، ۲، ۴، ۷، ۸ (۴۵) صفنیاہ باب ۳ آیت ۱۲، ۱۳ (۴۶) زکریاہ باب ۱۱ آیت ۱۹ (۴۷) زبور باب ۳۳ آیت ۶

لفظ ''کلمہ'' کا ''امر اور کلام'' کے معنی میں استعمال ہونے کے دلائل

(۱) زبور ۳۳ آیت ۶ میں ہے بکلمة الرب تثبت السموات وبروج فیه جمیع جنودها'' اِس آیت کا فارسی ترجمہ اِس طرح ہے ''از کلامِ خداوندی آسمان ساختہ شدہ وہمہ فوج آنہا از نفس دہانش'' اور ہندی ترجمہ فارسی کے مطابق ہے(۱) دیکھئے عربی مترجم نے لفظ کلمہ استعمال کیا جبکہ

فارسی وہندی مترجمین نے اسکو کلام سے تعبیر کیا۔

(۲) تواریخ اول باب ۱۷ آیت ۳ میں ہے ''فلما کان فی تلك اللیلة حلت کلمة الله علی ناثان النبی'' فارسی ترجمہ میں اس طرح ہے ''درہمان شب چناں اتفاق

---

(۱) موجودہ عربی ترجمہ میں اس طرح ہے ''بکلمته صنعت السموات وبنسمة من فمه کل افلا کها'' موجودہ فارسی ترجمہ میں اس طرح ہے ''بکلام خداوند آسمانہا ساختہ شدہ وکل جنود آنہا بنفخہ دہان او'' موجودہ اردو ترجمہ میں اس طرح ہے ''آسمان خداوند کے کلام سے اور اسکا سارا لشکر اسکے منہ کے دم سے بنا'' مولانا کی ذکر کردہ عربی عبارت موجودہ عربی ترجمہ سے مختلف ہے تاہم اصل استدلال پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

افتاد کہ کلامِ خداوند بناتان رسید‘‘(۱) یہاں بھی کلمۃ اللہ اور کلام اللہ سے مراد وحی اور حکمِ الٰہی ہے۔

(۳) ہوسیع باب ۱ آیت ۱ میں ہے ’’کلمۃ الرّب التی صارت الی هوشع الخ بدؤ کلمۃ الرّب هوشع کذا کذا‘‘ فارسی ترجمہ میں اس طرح ہے ’’اینست کلامِ خداوند الخ وشروع کلامِ خداوند بوساطت ہوسیع اینست‘‘ اور ہندی ترجمہ فارسی ترجمہ کے مطابق ہے۔(۲) یہاں پر کلمۃ الرّب اور کلامِ خداوند سے وہی اللہ تعالیٰ کی وحی مراد ہے۔

(۴) لوقا باب ۳ آیت ۲ میں ہے ’’حلت کلمۃ الرّب علی یوحنا بن زکریا فی البریہ‘‘ فارسی ترجمہ میں اسی طرح ہے ’’کلام خدا نازل شد بہ یحیٰی بن زکریا در بیابان‘‘ ہندی ترجمہ فارسی کے مطابق ہے۔(۳)

(۵) اعمال باب ۴ آیت ۳۱ میں ہے ’’فلما صلوا تزلزل المکان الذی کا نوافیہ مجتمعین وامتلوا باجمعھم من روح القدس وطفقوا یتکلمون بکلمۃ اللہ بطمانیۃ‘‘ فارسی ترجمہ میں اس طرح ہے ’’چون ایں دعا را نمودند آں مقامی کہ دراں مجتمع بودند بجنبش در آمدہ ہمگی بروح القدس مملو گشتند وکلام خدا را بجرأت می گفتند‘‘ ہندی ترجمہ میں

---

(۱) موجودہ عربی ترجمہ میں اس طرح ہے ’’لکن فی تلک اللیلۃ قال الرب لناتان‘‘ موجودہ فارسی ترجمہ میں اس طرح ہے ’’وکلامِ خداوند بروے ناتان نازل شدہ گفت‘‘ موجودہ اردو ترجمہ میں اس طرح ہے ’’اور اسی رات ایسا ہوا کہ خدا کا کلام ناتن پر نازل ہوا‘‘

(۲) موجودہ عربی ترجمہ میں اس طرح ہے ’’ھذہ کلمۃ الرّب التی کلم بھا ھوشع‘‘ الخ فارسی میں یوں ہے ’’کلامِ خداوند بر ہوشع بن بیری نازل شدہ‘‘ اردو ترجمہ میں اس طرح ہے ’’خداوند کا کلام ہوسیع بن بیری پر نازل ہوا‘‘

(۳) موجودہ عربی ترجمہ میں اس طرح ہے ’’کانت کلمۃ اللہ الی یوحنا بن زکریا فی البریہ‘‘ موجودہ فارسی ترجمہ میں اس طرح ہے ’’کلام خدا بیحیی بن زکریا در بیابان نازل شدہ‘‘ اردو ترجمہ میں اس طرح ہے ’’اس وقت خدا کا کلام بیابان میں زکریا کے بیٹے یوحنا پر نازل ہوا‘‘

کلمۃ اللہ کی جگہ پر خدا کی بات سے ترجمہ کیا گیا ہے۔(۱)

(۶) اعمال باب ۶ آیت ۲ اور ۷ میں ہے:۔

فدعا الاثنا عشر جميع محفل التلاميذ وقالواليس بحسن ان نترك نحن كلمة الله ونخدم الموائد" ...... وكانت كلمة الرب تنشر وكان عدد التلاميذ يكثر۔

فارسی ترجمہ میں اس طرح ہے:۔

پس آں دوازدہ نفر گروہ مریداں را طلب نمودہ گفتند کہ شائستہ نیست کہ ما کلام خدا را ترک کردہ وخدمت خوان را نمائیم" ....وکلام خدا وسعت بھم رسانیدہ الخ ہندی ترجمہ میں کلمۃ الرّب اور کلمۃ اللہ کی جگہ پر "سخنِ خدا" لایا گیا ہے۔(۲)

---

(۱) موجودہ عربی ترجمہ اس طرح ہے" وبینما ہم یصلون اہتز المکان الذی کانوا مجتمعین فیہ وامتلأوا کلھم من الروح القدس فاخذوا یعلنون کلمۃ اللہ بجرأۃ" موجودہ فارسی ترجمہ اس طرح ہے "چوں ایشاں دعا کردہ بودند مکانے کہ در آں جمع بودند بحرکت آمدہ وہمہ بروح القدس پر شدہ کلام خدا را بدلیری مے گفتند" موجودہ اردو ترجمہ اس طرح ہے "جب وہ دعا کر چکے تو جس مکان میں جمع تھے وہ ہل گیا اور وہ سب روح القدس سے بھر گئے اور خدا کا کلام دلیری سے سناتے رہے"

(۲) موجودہ عربی ترجمہ میں اس طرح ہے "فدعا الرسل الاثنا عشر جماعة التلاميذ وقالوا لهم لا يليق بنا ان نهمل كلام الله لنهتم بامور المعيشه .... وكان كلام الله ينتشر وعدد التلاميذ يزداد كثيراً "موجودہ فارسی ترجمہ اس طرح ہے "پس آں دوازدہ جماعتِ شاگرداں را طلبیدہ گفتند شائستہ نیست کہ ما کلامِ خدا را ترک کردہ مائدہ ھا را خدمت کنیم ....وکلامِ خدا ترقی نمود وعددِ شاگرداں در اورشلیم بغایت می افزود" موجودہ اردو ترجمہ میں اس طرح ہے "اور اُن بارہ نے شاگردوں کی جماعت کو اپنے پاس بلا کر کہا مناسب نہیں کہ ہم خدا کے کلام کو چھوڑ کر کھانے پینے کا انتظام کریں......اور خدا کا کلام پھیلتا رہا اور یروشلیم میں شاگردوں کا شمار بہت ہی بڑھتا گیا"

(۷) اعمال باب ۸ آیت ۴، ۱۴ میں ہے:۔

اولئك الذین تفرقوا کا نوایجوزون وبنا دون بکلمة الله"

...... فلما سمع الرسل الذین فی اورشلیم ان اھل

السامرہ قد قبلوا کلمة الله ارسلوا الیھم بطرس ویوحنا۔

فارسی ترجمہ میں اس طرح ہے:۔

انہا متفرق شدہ بہر جا میرفتند ومژدہ کلام رامیداند.......... وچوں حواریاں کہ در یروشالم

مے بودند معلوم شد کہ سمریہ کلام خدا را قبول کردہ است" الخ (۱)

(۸) اعمال باب ۱۲ آیت ۲۴ میں ہے:۔

کلمة الله کانت تزاع تنشؤ" فارسی ترجمہ میں اس طرح ہے

"کلام خدا ترقی نمودہ وزیادہ شد" ہندی ترجمہ فارسی ترجمہ کے موافق

ہے۔ (۲)

(۹) اعمال باب ۱۳ آیت ۵، ۷، ۴۴، ۴۶، ۴۸ میں ہے:۔

فلما انتھیاالیٰ سلامیس جعلا یبشران بکلمة الله الخ الذی

(۱) موجودہ عربی ترجمہ میں اس طرح ہے "واخذ المومنون الذین تشتتوایتنقلون من مکان الی آخر مبشرین بکلام الله .... وسمع الرسل فی اورشلیم ان السامرین قبلوا کلام الله فارسلوا الیھم بطرس ویوحنا" موجودہ فارسی ترجمہ میں اس طرح ہے "پس آنانیکہ متفرق شدند بہر جائیکہ میرسیدند بکلام بشارت میدادند....... اما رسولان کہ در اورشلیم بودند چون شنیدند کہ اہل سامرہ کلام خدا را پذیرفتہ اند پطرس ویوحنا را نزد ایشان فرستادند" اردو ترجمہ میں اس طرح ہے "پس جو پراگندہ ہوئے تھے وہ کلام کی خوشخبری دیتے پھرے........ جب رسولوں نے جو یروشلیم میں تھے سنا کہ سامریوں نے خدا کا کلام قبول کر لیا تو پطرس اور یوحنا کو اُنکے پاس بھیجا"

(۲) موجودہ عربی ترجمہ میں اس طرح ہے "وکان کلام الله ینتشر ویثمر" فارسی میں اس طرح ہے "اما کلام خدا نمو کردہ ترقی یافت" اردو ترجمہ میں اس طرح ہے "مگر خدا کا کلام ترقی کرتا اور پھیلتا گیا"

کان مع الوالی سرجیوس بولس رجل عاقل وانه دعا برنابا وشاؤل وکان یرید ان یسمع کلمة الله ...... ولما کانت السبت الاخر اجتمعت نحو کل المدینه لیسمعوا کلمة الله ...... فقالا لهم بولوس وبرنابا انه کان ینبغی ان یقال کلمة الله لکم اوّلاً الخ ...... فلما سمع الامم فقرحوا وجعلوا یمجدون کلمة الرّب" الخ

فارسی ترجمہ میں اس طرح ہے

"بہ سلیمن رسیدہ در مجامع یہود بکلام خداوند ندامی کردند ...... باوزیر سرجیہ پولس کہ مرد صاحب فہم بود ہماں شخص برناباہ وساؤل راطلب نمودہ خواست کہ کلام خدارا استماع نماید ......ودر سبت دیگر قریب بتمام شہر جمع آمدند کہ کلام خدارا استماع نمایند ......وساؤل وبرناباہ بجرأت گفتند کہ واجب بود کہ کلام خدا نختسین بشما القاء شود ......وقبائل از شنیدن ایں سخنان مسرور شدہ کلمہ خدارا تحسین کردند" الخ ہندی ترجمہ فارسی ترجمہ کے مطابق ہے۔(۱)

(۱۰) اعمال باب ۱۶ آیت ۶ میں ہے:

"فمنعهما روح القدس ان یتکلموا بکلمة الله فی آسیا"

---

(۱) موجودہ اردو ترجمہ میں اس طرح ہے "اور سلیمس میں پہنچ کر یہودیوں کے عبادت خانوں میں خدا کا کلام سنانے لگے......وہ سرگیس پولس صوبہ دار کیساتھ تھا جو صاحب تمیز آدمی تھا۔ اس نے برنباس اور ساؤل کو بلا کر خدا کا کلام سننا چاہا......دوسرے سبت کو تقریباً سارا شہر خدا کا کلام سننے کو اکٹھا ہوا...... پولس اور برنباس دلیر ہو کر کہنے لگے کہ ضرور تھا کہ خدا کا کلام پہلے تمہیں سنایا جائے......غیر قوم والے یہ سن کر خوش ہوئے اور خدا کے کلام کی بڑائی کرنے لگے"

فارسی ترجمہ میں اس طرح ہے ’’روح القدس آنہارا منع کرد کہ در آسیہ اظہار کلام رانہ نمایند‘‘(۱)

(۱۱) اعمال باب ۱۷ آیت ۱۳ میں ہے:۔

فلما علم الیهود بتسالونیکی ان کلمة الله قدنادی بها بولس الخ

فارسی ترجمہ میں اس طرح ہے:

’’چوں یہودیاں تسلیمقی را معلوم شد کہ پولس در شہر بریہ نیز بکلام خداوند ندا مے کنند....الخ‘‘(۲)

(۱۲) یوحنا کا پہلا عام خط باب ۲ آیت ۱۴ میں ہے:

کتبت الیکم ایها الشباب انکم اشداء وکلمة الله حالّة فیکم

فارسی ترجمہ میں اس طرح ہے:۔

نوشتم بشما اے جوانان از آنجا کہ زور آورے باشید وکلام خدا در شما قرار گرفتہ است.....الخ‘‘ ہندی مترجم نے کلمۃ اللہ کی جگہ ’’خدا کی بات‘‘ لکھا ہے۔(۳)

(۱۳) مکاشفہ یوحنا باب ۱ آیت ۲،۹ میں ہے:۔

الذی شهد بکلمة الله وشهادة یسوع المسیح کل الامور التی رآها........ انا یوحنا اخوکم وشریککم فی

(۱) اردو بائبل میں اس طرح ہے ’’روح القدس انہیں آسیا میں کلام سنانے سے منع کیا‘‘

(۲) اردو بائبل میں اس طرح ہے ’’جب تھسلنیکے کے یہودیوں کو معلوم ہوا کہ پولس بیریہ میں بھی خدا کا کلام سناتا ہے‘‘

(۳) اردو بائبل میں اس طرح ہے ’’اے جوانو! میں نے تمہیں اس لئے لکھا ہے کہ تم مضبوط ہو اور خدا کا کلام تم میں قائم رہتا ہے‘‘

الشدائد والملك والصبر بيسوع المسيح كنت بالجزيرة التي تدعى بطمس لاجل كلمة الله وشهادة يسوع۔

فارسی ترجمہ میں اس طرح ہے:۔

اوست آنکس کہ شہادت داد بہ کلام خدا و بر مقدمہ یسوع مسیح و ہر آنچہ دید........من کہ یوحنا و برادر شمایم در مصیبت و ملکوت و انتظار یسوع مسیح رفیق شما ہستم بجہت کلام خدا و شہادت بر یسوع مسیح وارد بجزیرہ کہ مسمیٰ بپطمس است گردیدم‘‘(۱)

(۱۴) مکاشفہ یوحنا باب ۲۰ آیت ۴ میں ہے:۔

’رایت نفوس الذین قتلوا لاجل شهادة یسوع ولاجل کلمة الله‘‘ الخ

فارسی ترجمہ میں اس طرح ہے:۔

دیدم نفوس آنانی را کہ بسببِ شہادت بر یسوع و بعلتِ کلام خدا سر بریدہ شدہ بودند‘‘ ان دونوں حوالوں میں ہندی ترجمہ فارسی کے مطابق ہے۔(۲) ان آیات کی طرح عہد جدید میں بھی کئی مقامات پر ’’کلمۃ اللہ‘‘ کا لفظ ’’کلام خدا‘‘ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

---

(۱) اردو بائبل میں اس طرح ہے ’’جس نے خدا کے کلام اور یسوع مسیح کی گواہی کی یعنی اُن سب چیزوں کی جو اُس نے دیکھی تھیں شہادت دی........میں یوحنا جو تمہارا بھائی اور یسوع کی مصیبت اور بادشاہی اور صبر میں تمہارا شریک ہوں خدا کے کلام اور یسوع کی نسبت گواہی دینے کے باعث‘‘ الخ

(۲) موجودہ اردو بائبل میں اس طرح ہے ’’اور ان کی روحوں کو بھی دیکھا جن کے سر یسوع کی گواہی دینے اور خدا کے کلام کے سبب سے کاٹے گئے تھے‘‘

الحاصل! کلمۃ اللہ کے معنی مذکور میں کثرتِ استعمال اور مضاف کے حذفِ کثیر کی بناپر جو توجیہ ہم نے پیش کی وہ دلائلِ عقلیہ ونقلیہ کے عین مطابق ہے۔ اب اسے چھوڑ کر کلامِ یوحنا کو ایک جگہ پر اپنے ظاہری مفہوم پر رکھنا اور تین جگہوں پر بے سروپا تاویلات کرنا خود فریبی اور بدعقلی کے سوا کچھ نہیں۔

دوسرے استدلال کا جواب

یہاں تک تو آپ نے یوحنا کے کلام اوّل سے اِن حضرات کے استدلال کا انجام دیکھ لیا اب انکے استدلال دوم یعنی یوحنا کے پہلے عام خط کا باب ۵ آیت ۲۰ کو ملاحظہ فرمائیے۔ جسکا عربی ترجمہ اس طرح ہے:۔

قد علمنا انّ ابن الله قد جاء وقد اعطانا عقولا کی ما نعرف الله الحق ونثبت فی ابنه الحق وھذا ھو اله الحق (۱)

دیکھئے وہ لفظ جسکو مترجمِ فارسی نے ''خدائے حقیقی'' سے تعبیر کیا ہے (۲) اسی لفظ کو عربی مترجم نے ''اله الحق'' ذکر کیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ لفظ اللہ اور لفظ اله میں فرق ظاہر ہے کیونکہ لفظ اللہ ذاتِ واجب الوجود جل شانہ کا علم ذاتی ہے اور غیر پر اسکا اطلاق درست نہیں بخلاف لفظ اله کے کہ وہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس جیسے الفاظ کا نیک

---

(۱) موجودہ عربی ترجمہ میں اس طرح ''ونعرف ان ابن اللہ جاء وانہ اعطانا فہما تدرک بہ الحق ونحن فی الحق ھذا ھو الالہ الحق''

(۲) موجودہ فارسی ترجمہ میں اس طرح ہے ''اما آگاہ ہستیم کہ پسر خدا آمدہ است وبما بصیرت دادہ است تا حق راشناسیم ودر حق یعنی در پسر او عیسی مسیح ہستیم اوست خدائے حق وحیاتِ جاودانی''

وبرگزیدہ ہستیوں حتی کہ عوام الناس پر اطلاق کتب سماویہ میں شائع وذائع ہے چنانچہ توریت میں حضرت موسی علیہ السلام کے حق میں کہا گیا ہے "قد جعلتك الٰهاً لفرعون" کتاب قضاۃ میں فرشتے کو دیکھنے پر اسکے بارے میں اس طرح مذکور ہے کہ ''ہم نے خدا کو دیکھا'' زبور ۸۲ میں عوام کے حق میں اس طرح مذکور ہے کہ ''تم سب خدا ہو'' اور پولوس کے کلام میں شیطان مردود کے حق میں ''خدائے این جہان'' کہا گیا ہے یہ فارسی ترجمہ ہے جبکہ عربی ترجمہ میں "الـه العالم" استعمال ہوا ہے۔ یہی یوحنا اپنے خط میں لکھتے ہیں ''خدا عین محبت ہے' خدا خود محبت ہے۔ الغرض اس طرح کی اور بھی بہت مثالیں ہیں جیسا کہ مقدمہ بابِ دوم میں پانچویں بات کے تحت تفصیل بمالا مزید علیہ کے ساتھ گذر چکا ہے نیز جب ساؤل بادشاہِ بنی اسرائیل ایک نجومی عورت کے پاس گئے اور اس سے مطالبہ کیا کہ سموئیل نبی جو فوت ہو گئے ہیں انکو بذریعہ سحر زندہ کر کے بلاؤ۔ جب اس نے ایسا کیا تو بلند آواز سے چلائی ساؤل نے کہا تو کیا دیکھتی ہے؟ تو وہ جواب میں سموئیل کے حق میں جو جملہ کہتی ہے وہ عربی بائبل میں اس طرح ہے "رایت الٰهاً تصعد من الارض" (۱)

---

(۱) موجودہ عربی ترجمہ اس سے ذرا مختلف ہے یعنی "رأیت روحاً یطلع من الارض" موجودہ فارسی ترجمہ میں اس طرح ہے ''خدائے را می بینم کہ از زمین بر می آید'' موجودہ اردو بائبل میں اس طرح ہے ''میں معبودوں کو زمین میں سے اوپر چڑھتا دیکھتی ہوں''

دسویں دلیل اور اُسکا حشر

پولوس لکھتے ہیں ”جو جسم کے اعتبار سے تو داؤد کی نسل سے پیدا ہوا لیکن پاکیزگی کی روح کے اعتبار سے مُردوں میں سے جی اٹھنے کے سبب سے قدرت کے ساتھ خدا کا بیٹا ٹھہرا“ (رومیوں کے نام خط باب ا آیت ۳،۴) دوسری جگہ لکھتے ہیں ”کہ خدا نے مسیح میں ہوکر اپنے ساتھ دنیا کا میل ملاپ کرلیا اور انکی تقصیروں کو انکے ذمہ نہ لگایا“ (کرنتھیوں کے نام دوسرا خط باب ۵ آیت ۱۹) ایک اور جگہ اس سے بھی زیادہ وضاحت کیساتھ اِس مضمون کو لکھتے ہیں ”اسی نے ہم کو تاریکی کے قبضہ سے چھڑا کر اپنے عزیز بیٹے کی بادشاہی میں داخل کیا۔ جس میں ہم کو مخلصی یعنی گناہوں کی معافی حاصل ہے۔ وہ اَن دیکھے خدا کی صورت اور تمام مخلوقات سے پہلے مولود ہے۔ کیونکہ اسی میں سب چیزیں پیدا کی گئیں۔ آسمان کی ہوں یا زمین کی۔ دیکھی ہوں یا اندیکھی۔ تخت ہوں یا ریاستیں یا حکومتیں یا اختیارات۔ سب چیزیں اسی کے وسیلہ سے اور اسی کے واسطے پیدا ہوئی ہیں۔ اور وہ سب چیزوں سے پہلے ہے اور اسی میں سب چیزیں قائم رہتی ہیں۔ اور وہی بدن یعنی کلیسیا کا سر ہے۔ وہی مبدا ہے اور مُردوں میں سے جی اٹھنے والوں میں پہلوٹھا تاکہ سب باتوں میں اسکا اول درجہ ہو۔ کیونکہ باپ کو یہ پسند آیا کہ ساری معموری اسی میں سکونت کرے۔ اور اسکے خون کے سبب سے جو صلیب پر بہا صلح کرکے سب چیزوں کا اسی کے وسیلہ سے اپنے ساتھ میل کرلے۔ خواہ وہ زمین کی ہوں خواہ آسمان کی“ (کلسیوں کے نام خط باب ا آیت ۱۳ تا ۲۰) پولوس ایک اور جگہ لکھتے ہیں ”اگلے زمانہ میں خدا نے باپ دادا سے حصہ بحصہ اور طرح بطرح نبیوں کی معرفت کلام کرکے اس زمانہ کے آخر میں ہم سے بیٹے کی معرفت کلام کیا جسے اس نے سب چیزوں کا وارث ٹھہرایا اور جسکے وسیلہ سے اس نے عالم بھی پیدا کیے۔ وہ اسکے جلال کا پرتو اور

اسکی ذات کا نقش ہو کر سب چیزوں کو اپنی قدرت کے کلام سے سنبھالتا ہے۔ وہ گناہوں کو دھو کر عالمِ بالا پر کبریا کی دہنی طرف جا بیٹھا'' (عبرانیوں کے نام خط باب ۱ آیت ۱ تا ۳) ایک اور جگہ لکھتے ہیں ''اس میں کلام نہیں کہ دینداری کا بھید بڑا ہے یعنی وہ جو جسم میں ظاہر ہوا اور روح میں راستباز ٹھہرا اور فرشتوں کو دکھائی دیا اور غیر قوموں میں اسکی منادی ہوئی اور دنیا میں اس پر ایمان لائے اور جلال میں اوپر اٹھایا گیا'' (تیمتھس کے نام پہلا خط باب ۳ آیت ۱۶) ایک اور جگہ لکھتے ہیں ''اور جسم کے رو سے مسیح بھی ان ہی میں سے ہوا جو سب کے اوپر اور ابد تک خدائے محمود ہے آمین'' (رومیوں کے خط باب ۹ آیت ۵)

جواب

پولوس کے قول اوّل کو دلیل بنانا تو عجائبات میں سے ہے بلکہ انکا یہ کہنا کہ ''مردوں میں سے جی اٹھنے الخ تو اس بات پر صریح دلیل ہے کہ پولوس جناب مسیح علیہ السلام کو صرف ایک رسول سمجھتے ہیں اور انکے کلام میں جو ''خدا کا بیٹا'' کا لفظ آیا ہے تو وہ خدا کا پیارا یا صالح ومقبول عنداللہ کے معنی میں ہے جیسا کہ دلیلِ دوم کے ذیل میں اس بات کی کما حقہ تحقیق اور کافی وشافی بحث ہو چکی۔

انکے قول دوم کا جواب دلیل ہفتم کے جواب میں گذر گیا۔ رہا تیسرے اور چوتھے قول سے استدلال تو یہ بھی بے حقیقت ہے بلکہ انکا یہ کہنا کہ ''تمام مخلوقات سے پہلے مولود ہے......اور عالم بالا پر کبریا کی دہنی طرف جا بیٹھا'' یہ تو انکے مدعی کے بالکل خلاف ہے جیسا کہ مخفی نہیں کیونکہ اس جہاں میں رویت خداوندی کا ناممکن ہونا خود عیسائیوں کو بھی تسلیم ہے جیسا کہ مقدمہ باب دوم میں پانچویں بات کے تحت سن چکے اور اس باب کی فصل اول میں بھی گذرا ہے کہ پولوس بھی خدا کو عیوب سے پاک اور رویت سے مبرّا بیان کرتے ہیں

اور کلسیوں کے نام خط باب ا آیت ۱۳ کا عربی ترجمہ اس طرح کرتے ہیں "الذی ھو صورۃ اللہ الذی لا یری" الخ اور ہندی مترجم بھی رویت کی بجائے لفظِ صورت لائے ہیں جبکہ خدا تعالیٰ شکل وصورت سے بالاتفاق منزہ ہیں جیسا کہ اس باب کے مقدمہ میں پہلی بات کے تحت گذرا۔ لامحالہ یہاں "صورت" سے مراد وہی مفہوم ہوسکتا ہے جو توریت میں حضرت آدم علیہ السلام اور بنی آدم کے حق میں وارد ہوا ہے کہ "خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت پر اپنی شبیہ کی مانند بنائیں.......اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا خدا کی صورت پر پیدا کیا جیسا کہ اسی باب کے مقدمہ میں تیسری بات کے تحت جان چکے اور کائنات کا آپکے وسیلہ سے موجود ہونا یا آپکی وساطت سے نجات کا حاصل ہونا آنجناب علیہ السلام کی الوہیت کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ یہ تو صریحاً اس پر دلالت کرتا ہے کہ خالق اور نجات دہندہ کوئی اور ذات ہے۔

اسی طرح انکے قول پنجم سے استدلال کرنا بھی ناحق ہے کیونکہ اگر اسکا ظاہری معنی لیا جائے تو وہ تو حلول پر دلالت کرتا ہے اس بات کو خود مسیحی بھی نہیں مانتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ پولوس اسی خط میں باب ا آیت ۱۷، باب ۲ آیت ۴ میں خدا کو عیوب سے پاک، رویت سے مبرہ، واحد اور حضرت مسیح علیہ السلام کو واسطہ اور انسان ہونا بتاتے ہیں جیسا کہ اس باب کی فصل اول میں معلوم ہو چکا لہٰذا اس عبارت کا صحیح مطلب یوں بنتا ہے "دینداری کا بھید بڑا ہے کہ جلالِ خداوندی جسم میں ظاہر ہوا" الخ اور مضاف کا حذف ہونا تو کتب سماویہ میں اس قدر کثرت سے ہے کہ ناظرین پر مخفی نہیں اور اسکے کچھ شواہد مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر دلیل نہم کے جواب میں گذرے ہوئے آپ کو یاد ہونگے اور اس طرح کی عبارات توریت میں بھی واقع ہیں مگر وہاں بالاتفاق اتحادِ ذاتی کا مفہوم قطعاً مراد نہیں مثلاً پیدائش باب ۱۸ آیت ا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے وارد ہے "پھر خدا ممرے کے

بلوطوں میں اسے نظر آیا'' خروج باب ۱۹ آیت ۱۸ میں ہے ''اور کوہ سینا اوپر سے نیچے تک دھوئیں سے بھر گیا کیونکہ خداوند شعلہ میں ہو کر اس پر اترا'' ان عبارات میں تو وہ اس بات کے قائل نہیں کہ خدا تعالیٰ اور ممرے کے بلوطوں اور آگ میں عینیت ہے اور دونوں میں اتحاد ذات ہو کر ایک ہی ہیں۔

اسی طرح انکے قول ششم سے استدلال بھی ناروا ہے کیونکہ اس مقام پر یعنی رومیوں کے نام خط باب ۹ آیت ۵ کا عربی مترجم نے لفظ خدا کی جگہ ''الہ'' کا لفظ ذکر کیا ہے اور دلیل نہم کے جواب میں آپ نے معلوم کر لیا کہ لفظ اللہ اور الہ میں فرق محتاجِ بیان نہیں اور جوابِ مذکور سے قطع نظر اس باب کے مقدمہ میں پانچویں بات کے تحت معلوم ہو چکا کہ لفظ الہ وغیرہ کا استعمال استاد و مرشد وغیرہ کے معنی میں ہونا شائع ہے جیسا کہ توریت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق اور کتاب اول سموئیل میں حضرت سموئیل کے حق میں لفظ ''الہ'' استعمال ہوا ہے۔ اسی معنی کے اعتبار سے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق پولوس کے کلام میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

یہاں تک مسیحیوں کے متاخرین علماء کے دلائل تمام ہوئے جو وہ بزعم خود عہدِ جدید سے لیتے ہیں اور انکو بہت مضبوط خیال کرتے ہیں جبکہ انکے متقدمین علماء عہد جدید سے ان دلائل کے علاوہ مزید کچھ دلائل رکھتے ہیں مگر چونکہ متاخرین نے انکے ضعف و رکاکت کی وجہ سے ان ''دلائل'' سے استدلال ترک کر دیا ہے لہٰذا ہم بھی انکا ذکر موقوف کرتے ہیں اور ان میں سے صرف ایک دلیل کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اسی سے ناظرین دوسرے دلائل کو بھی قیاس فرمالیں۔ اگر کوئی شخص ان تمام دلائل اور جوابات کے جاننے کا خواہشمند ہو تو ''براہین ساباطیہ'' دیکھنی چاہیئے جس میں یہ سب کچھ مذکور ہے۔

گیارہویں دلیل اور اُسکا رد

مسیحی احباب کہتے ہیں کہ جناب مسیح علیہ السلام کے خوارقِ عجیبہ مثلاً بہرے اندھے اور مجنون کو درست کردینا جیسا کہ مرقس باب ۷، ۸، ۹ میں بالترتیب ذکر ہے اسی طرح العاذر کو زندہ کردینا جسکا ذکر یوحنا باب ۱۱ میں ہے۔ یہ سب امور آنجناب علیہ السلام کے خدا ہونے کی دلیل ہیں۔

جواب

معجزاتِ عیسوی کی حقیقت

اِن امور کا خرقِ عادت ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں مگر یہ تو نبوت کی دلیل بھی نہیں بن سکتے چہ جائیکہ الوہیت پر دلیل ہوں چنانچہ باب اوّل کی فصل سوم میں اعتراض اوّل کے جواب کے تحت خوب وضاحت سے گذر چکا اور ایسے واقعات تو امتِ محمدی ﷺ کے کئی افراد سے بھی واقع ہوئے ہیں جیسا کہ کتب تاریخ وسیرت میں مفصل مذکور ہے۔ علاوہ ازایں بہرے کو شفا دینے کا جو واقعہ مرقس باب ۷ آیت ۳۴ میں ہے وہ اس طرح ہے ”اور آسمان کی طرف نظر کر کے ایک آہ بھری اور اس سے کہا اِفتح یعنی کھل جا“ مجنون کو شفا دینے کا واقعہ یوں ہے ”جب وہ گھر میں آیا تو اسکے شاگردوں نے پوشیدگی میں اس سے پوچھا کہ ہم اسے کیوں نہ نکال سکے؟ اس نے ان سے کہا کہ یہ جنس سوائے دعا اور روزہ کے کسی طرح سے نکل نہیں سکتی...... کیونکہ وہ اپنے شاگردوں کو تعلیم دیتا اور ان سے کہتا تھا کہ ابن انسان آدمیوں کے ہاتھ حوالہ کیا جائیگا اور وہ اسے قتل کریں گے اور قتل ہونے کے بعد تیسرے دن وہ جی اٹھے گا ......اور جو کوئی مجھے قبول کرتا ہے مجھے نہیں بلکہ جس نے مجھے بھیجا ہے اسے قبول کرتا ہے“

(مرقس باب ۹ آیت ۲۷، ۳۰، ۳۶)

ملاحظہ فرمایئے! آنجناب علیہ السلام کا آسمان کی طرف نگاہ کر کے ٹھنڈی آہ بھرنا' مجنون کے جن نکلنے کا سبب دعا اور روزہ بتانا کہ خود بھی اسی کی برکت سے مجنون سے جن نکالا' اپنے قتل ہونے' دوبارہ مُردوں میں سے جی اٹھنے کا بیان اور اپنے رسول اللہ ہونے کا اقرار یہ سب امور تو انسان ہونے پر اور الہ و معبود نہ ہونے پر صاف دلیل ہیں۔

اسی طرح عازر کے قصہ میں ہے ''مرتھا نے یسوع سے کہا اے خداوند! اگر تو یہاں ہوتا تو میرا بھائی نہ مرتا اور اب بھی میں جانتی ہوں کہ جو کچھ تو خدا سے مانگے گا وہ تجھے دے گا ...... جب یسوع نے اسے اور ان یہودیوں کو جو اسکے ساتھ آئے تھے روتے دیکھا تو دل میں نہایت رنجیدہ ہوا...... یسوع کے آنسو بہنے لگے ...... یسوع پھر اپنے دل میں نہایت رنجیدہ ہو کر قبر پر آیا...... یسوع نے اس سے کہا کیا میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ اگر تو ایمان لائیگی تو خدا کا جلال دیکھے گی؟ ...... پھر یسوع نے آنکھیں اٹھا کر کہا اے باپ میں تیرا شکر کرتا ہوں کہ تو نے میری سن لی اور مجھے تو معلوم تھا کہ تو ہمیشہ میری سنتا ہے مگر ان لوگوں کے باعث جو آس پاس کھڑے ہیں میں نے یہ کہا تا کہ وہ ایمان لائیں کہ تو ہی نے مجھے بھیجا ہے'

(یوحنا باب ۱۱ آیت ۲۱ تا ۴۲ بتلخیص بعض الآیات)

معلوم ہوا کہ مرتھا آنجناب علیہ السلام کے صرف انسان اور رسول ہونے کا اعتقاد رکھتی تھی اور انکا حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق خدا ہونے کا اعتقاد نہ تھا ورنہ وہ اس طرح کہتی کہ تو خدا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور یہ نہ کہتی کہ ''جو کچھ تو خدا سے مانگے گا وہ تجھے دے گا'' اسی طرح انکا دوبار ٹھنڈی آہ بھرنا' غمگین ہونا' رونا یہ کہنا کہ تو خدا کا جلال دیکھے گی' خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنا' بارگاہِ الٰہی سے قبولیتِ دعا کی درخواست کرنا تا کہ انکے رسول ہونے کا اعتقاد کر لیں یہ سب امور بانگِ دہل ہر خاص و عام کو حضرت مسیح علیہ السلام کے انسان ہونے کی خبر دیتے ہیں لیکن اگر بصیرت سے محروم' دل کے مردہ، عقل کے اندھے لوگ پھر بھی ان دلائل

سے غافل رہیں اور مسلسل آنجناب علیہ السلام کی الوہیت کی مجنونانہ باتیں کرتے ہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

مرقس باب ۷ آیت ۳۶ میں آنجناب علیہ السلام بہرے کو شفا دینے کے بعد اپنے ساتھیوں سے فرماتے ہیں کہ ''کسی سے نہ کہنا'' اسی طرح نابینا کو درست کر دینے کے بعد آنجناب علیہ السلام کا قول مرقس باب ۸ آیت ۲۶ میں اس طرح ہے ''گاؤں میں داخل نہ ہونا اور کسی سے نہ کہنا'' اس کا سبب اسکے سوا کچھ نہیں کہ انہوں نے پیغمبرانہ فراست اور لوگوں کی صورتحال دیکھ کر یہ اندیشہ کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس بستی کے ناسمجھ لوگ اپنے کمزور اعتقاد کی وجہ سے اِن معجزات کو اس طرح فعلِ خداوندی سمجھ لیں گے کہ مجھ اللہ کے رسول کو ہی براہِ راست خدائی کے ساتھ موصوف کر کے گمراہ ہونگے وگرنہ ذاتِ واجب الوجود کہ عدم ونقصان کا انکی ذات میں شائبہ تک نہیں انکو اپنے شایانِ شان کمالاتِ قدرت کے ظہور کو پوشیدہ رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہی وجہ ہے کہ جہاں جناب مسیح علیہ السلام کو اس طرح کا اندیشہ نہ ہوا وہاں انہوں نے ظاہر کرنے کی اجازت دے دی چنانچہ جس وقت انہوں نے گراسینوں کے علاقہ میں ایک قبرستان میں ایک شدید آسیب زدہ کو شفا بخشی اور اس نے ارادہ کیا کہ وہ آنجناب علیہ السلام کے ساتھ ہی ہے تو آپ علیہ السلام نے اسے منع کیا اور فرمایا ''اپنے لوگوں کے پاس اپنے گھر جا اور انکو خبر دے کہ خداوند نے تیرے لئے کیسے بڑے کام کیے اور تجھ پر رحم کیا چنانچہ مرقس باب ۵ میں اسکی صراحت ہے۔

انبیاءِ بنی اسرائیل کے معجزات

اس طرح کے معجزات تو دیگر انبیاءِ بنی اسرائیل سے بھی ظاہر ہوئے ہیں جیسا کہ سلاطین اول باب ۱۷ آیت ۲۱ میں حضرت الیاس علیہ السلام کا ایک بیوہ کے بیٹے کو زندہ کرنے کا

معجزہ اس طرح مذکور ہے ''اور اس نے اپنے آپکو تین بار اس لڑکے پر پسار کر خداوند سے فریاد کی اور کہا اے خداوند میرے خدا میں تیری منت کرتا ہوں کہ اس لڑکے کی جان اسمیں پھر آجائے اور خداوند نے ایلیاہ کی فریاد سنی اور لڑکے کی جان اسمیں پھر آگئی اور وہ جی اٹھا'' اسی طرح سلاطین دوم باب ۴ آیت ۳۲ میں حضرت یسع علیہ السلام کا اپنی ایک معتقد خدمت گزار عورت کے بیٹے کو زندہ کرنے کا واقعہ اس طرح مذکور ہے ''جب الیشع اس گھر میں آیا تو دیکھو وہ لڑکا مرا ہوا اسکے پلنگ پر پڑا تھا سو وہ اکیلا اندر گیا اور دروازہ بند کر کے خداوند سے دعا کی اور اوپر چڑھ کر اس بچے پر لیٹ گیا اور اسکے منہ پر اپنا منہ اور اسکی آنکھوں پر اپنی آنکھیں اور اسکے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ لیے اور اسکے اوپر پسر گیا۔ تب اس بچے کا جسم گرم ہونے لگا پھر وہ اٹھ کر اس گھر میں ایک بار ٹہلا اور اوپر چڑھ کر اس بچے کے اوپر پسر گیا اور وہ بچہ سات بار چھینکا اور بچے نے آنکھیں کھول دیں'' اسی سلاطینِ دوم باب ۵ آیت ۱۰ میں حضرت یسعؑ کا نعمان سپہ سالار کو شفا دینے کا واقعہ اس طرح مذکور ہے ''اور الیشع نے ایک قاصد کی معرفت کہلا بھیجا جا اور یردن میں سات بار غوطہ مار تو تیرا جسم پھر بحال ہو جائیگا اور تو پاک صاف ہوگا .... تب اس نے اتر کر مردِ خدا کے کہنے کے مطابق یردن میں سات غوطے مارے اور اسکا جسم چھوٹے بچے کے جسم کی مانند ہو گیا اور وہ پاک صاف ہوا'' بلکہ حضرت یسع علیہ السلام نے تو اپنی وفات کے بعد بھی ایک مردہ کو زندہ کرنے کا معجزہ ظاہر کیا جسکی تفصیل سلاطینِ دوم باب ۱۳ آیت ۲۰ میں اس طرح آئی ہے ''اور الیشع نے وفات پائی اور انہوں نے اسے دفن کیا اور نئے سال کے شروع میں موآب کے جتھے ملک میں گھس آئے اور ایسا ہوا کہ جب وہ ایک آدمی کو دفن کر رہے تھے تو انکو ایک جتھا نظر آیا سو انہوں نے اس شخص کو الیشع کی قبر میں ڈال دیا اور وہ شخص الیشع کی ہڈیوں سے ٹکراتے ہی جی اٹھا اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا'' اسی طرح حضرت حزقی ایل کا ہزاروں لوگوں کو جنکی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی تھیں زندہ کرنے کا معجزہ

صحیفہ حزقی ایل باب ۳۷ میں بڑی تفصیل سے مذکور ہے۔ لہٰذا معجزات کے صدور کو دلیل الوہیت بنانا انتہا درجے کی نادانی ہے۔ مسیحیوں کے عہدِ جدید سے جو استدلال تھے وہ مکمل ہوئے۔

صاحبِ تفسیرِ کشافؒ کا ایک واقعہ

یہاں ہم اس بحث کو ایک لطیف قصہ پر ختم کرتے ہیں جو صاحبِ کشاف نے سورۃ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ کے ارشادِ اِن مثل عیسیٰ عند اللّٰہ کمثل آدم الخ کی تفسیر میں ایک عالم سے نقل کیا ہے جو روم میں قید تھے تو انہوں نے ان سے پوچھا کہ تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ عیسائیوں نے جواب دیا کہ وہ بن باپ ہیں۔ اس عالم نے کہا کہ اِس اعتبار سے تو حضرت آدم علیہ السلام بڑھ کر ہیں کیونکہ بن ماں باپ ہیں۔ عیسائیوں نے کہا کہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے انہوں نے کہا پھر حزقی ایل اِس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ انکی عبادت کی جائے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف چار آدمیوں کو زندہ کیا اور حضرت حزقی ایلؑ نے آٹھ ہزار آدمیوں کو زندہ کیا۔ عیسائیوں نے کہا کہ کوڑھ اور برص کے بیمار کو تندرست کردیتے تھے انہوں نے کہا کہ پھر تو جرجیس اِس اعتبار سے زیادہ مستحقِ عبادت ہیں کیونکہ انکو پکایا گیا اور جلایا گیا پھر بھی وہ صحیح سالم زندہ ہو کر کھڑے ہو گئے“ انتہی بلفظہٖ

فصلِ سوم (از بابِ دوم)

مسیحی حضرات عہد عتیق سے الوہیتِ مسیح علیہ السلام پر جو دلائل لاتے ہیں اس فصل میں اُنکا ابطال کیا جائیگا۔

دلیلِ اوّل اور اُسکا رد

یسعیاہ باب ۷ آیت ۱۴ میں ہے ''لیکن خداوند آپ تم کو ایک نشان بخشے گا دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا پیدا ہوگا اور اسکا نام عمانوایل رکھے گی'' ''عمانوایل'' عبرانی لفظ ہے، جس کا معنی ہے ''خدا ہمارے ساتھ ہے'' لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ ''خدا کا بیٹا'' کہلائے گا اور چونکہ یہ آیت حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ہے جیسا کہ متی باب اوّل میں صراحت ہے لہٰذا جناب مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے ٹھہرے۔

جواب

لفظِ ''عمانوایل'' سے خدائی کا اثبات بھی عجیب بات ہے کیونکہ یہ قول کہ ''دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی الخ اس بات پر صریح دلیل ہے کہ وہ لڑکا حادث ہوگا اسکے ساتھ ہی آیت ۱۵ میں ہے کہ ''وہ مکھن (۱) اور شہد کھائے گا جب تک وہ نیکی اور بدی کے ردّ و قبول کے قابل نہ ہو'' یہ آیت اس مولود کے انسان ہونے پر صاف دلیل ہے کیونکہ مکھن اور شہد کھانا، ابتدا میں اچھائی و برائی کی تمیز کا نہ ہونا اور بعد میں تمیز کا آجانا یہ ایسے امور ہیں جو

(۱) پروٹسٹنٹ اردو بائبل میں ''مکھن'' کی جگہ ''دہی'' مذکور ہے۔

الوہیت کے منافی ہیں اور ان الفاظ کو بڑھانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ وہ مولود ایک انسان ہے۔ اس سے قطع نظر نام رکھنے میں لفظ کے معنیٰ ترکیبی کی رعایت شرط نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے یہاں پر بھی ایسی بات ہو۔

معیتِ خداوندی کا مطلب

اگر معنیٰ ترکیبی کو باقی بھی رکھا جائے تو ان لوگوں کیلئے مفیدِ مطلب نہیں کیونکہ اس لفظ کا مطلب اسکے سوا کچھ نہیں کہ خدا بندوں کیساتھ ہے اور بندوں میں جناب مسیح علیہ السلام بھی داخل ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے جیسا کہ اسی باب کی فصل اوّل میں گذرا لہٰذا یہاں معیت سے مراد معیتِ حقیقی مکانی نہیں ہے بلکہ اسے مجازاً امداد و اعانت کے معنیٰ پر محمول کیا جائے گا جیسا کہ توریت و انجیل میں جابجا معیتِ الٰہی کو اسی معنیٰ پر محمول کیا گیا ہے مثلاً!

(۱) پیدائش باب ۲۱ آیت ۲۰، ۲۲ میں ہے "اور خدا اس لڑکے کیساتھ تھا"......... خدا تیرے ساتھ ہے"

یہاں لڑکے سے مراد اسماعیل ہے اور "خدا تیرے ساتھ ہے" حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خطاب ہے۔

(۲) پیدائش باب ۲۶ آیت ۲۴، ۲۸ میں حضرت اسحاق علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے اس طرح مذکور ہے "میں تیرے باپ ابرہام کا خدا ہوں مت ڈر کیونکہ میں تیرے ساتھ ہوں......... کہ خداوند تیرے ساتھ ہے"

(۳) حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا اس طرح ارشاد ہے "اور دیکھ میں تیرے ساتھ ہوں" (پیدائش باب ۲۸ آیت ۱۵)

(۴) اللہ تعالٰی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس طرح خطاب ہے ''اس نے کہا میں ضرور تیرے ساتھ رہوں گا'' الخ (خروج باب ۳ آیت ۱۲)

(۵) سلاطینِ اول باب ۱ آیت ۳۷ میں ہے ''جیسے خداوند میرے مالک بادشاہ کیساتھ رہا ویسے ہی وہ سلیمان کے ساتھ رہے''

(۶) اللہ تعالٰی کا حضرت داؤد علیہ السلام سے خطاب ہے ''اور جہاں کہیں تو گیا میں (۲۔ سموئیل باب ۷ آیت ۹، ۱۔ تواریخ باب ۱۷ آیت ۸)

(۷) اللہ تعالٰی کا حضرت یرمیاہؑ سے خطاب ہے ''میں تجھے چھڑانے کو تیرے ساتھ ہوں'' (یرمیاہ باب ۱ آیت ۸)

(۸) حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق مذکور ہے ''اور بزرگوں نے حسد میں آکر یوسف کو بیچا کہ مصر میں پہنچ جائے مگر خدا اسکے ساتھ تھا'' (رسولوں کے اعمال باب ۷ آیت ۹)

ایسی اور بہت مثالیں ہیں جہاں یہی معنی مراد ہے۔

دلیل دوم اور اُسکی تردید

یسعیاہ باب ۹ آیت ۶ میں ہے ''ہمارے لئے ایک لڑکا تولد ہوا اور ہم کو ایک بیٹا بخشا گیا اور سلطنت اسکے کندھے پر ہوگی اور اسکا نام عجیب مشیر خداءِ قادر ابدیت کا باپ، سلامتی کا شہزادہ ہوگا۔ اسکی سلطنت کے اقبال اور سلامتی کی کچھ انتہا نہ ہوگی وہ داؤد کے تخت اور اسکی مملکت پر آج سے ابد تک حکمران رہے گا اور عدالت اور صداقت سے اسے قیام بخشے گا''

اِن آیات میں یسعیاہؑ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ''خدائے قادر'' کا لفظ استعمال فرمایا اس لیے وہ خدا ہونگے۔

جواب

حضرت یسعیاہؑ کا یہ کہنا کہ ''ہمارے لئے ایک لڑکا تولد ہوا اور ہم کو ایک بیٹا بخشا

گیا'' یہ صراحۃً اس مولود کے حادث ہونے پر دلیل ہے اور اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بخشنے والی ذات بیٹے سے الگ کوئی ہستی ہے۔ رہا خدا کا اطلاق ان پر تو یہ برگزیدہ اور عظیم المرتبت کے معنی میں ہے جیسا کہ اسی باب کے مقدمہ میں پانچویں بات کے تحت مفصلاً گذرا اور سابقہ دلائل کے جوابات میں بھی کئی مرتبہ ذکر ہوا۔

دلیل سوم اور اُسکا ابطال

میکاہ باب ۵ آیت ۲ میں ہے ''لیکن اے بیتِ لحم افراتاہ اگر چہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں شامل ہونے کیلئے چھوٹا ہے تو بھی تجھ میں سے ایک شخص نکلے گا اور میرے حضور اسرائیل کا حاکم ہوگا اور اسکا مصدر زمانہ سابق ہاں قدیم الایام سے ہے''

حضرت میکاؑ کا یہ قول کہ ''اسکا صدور زمانہ سابق یعنی قدیم الایام ازل سے ہے'' اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ذات ازلی ہے اور چونکہ یہ آیت جناب مسیح علیہ السلام کے حق میں ہے جیسا کہ متی نے اپنی انجیل باب ۲ آیت ۶ میں صراحت کی ہے لہٰذا حضرت مسیح علیہ السلام خدا ٹھہرے۔

جواب

اس قول میں جناب مسیح علیہ السلام کے خدا یا خدا کے بیٹے ہونے کی طرف اشارہ تک نہیں ہے اور نہ اسمیں بظاہر انکی نبوت پر کوئی دلالت ہے اور نہ ہی آیت حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق ہے جیسا کہ باب سوم فصلِ اول میں معلوم ہو جائے گا۔ اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آیت میں نبوت کی طرف اشارہ ہے اور وہ جناب مسیح علیہ السلام کے حق میں ہے تو بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ آنجناب علیہ السلام کی نبوت صرف بنی اسرائیل کیلئے ہے نہ کہ تمام انسانوں

کیلئے کیونکہ بنی اسرائیل پر حاکم ہونے کی تخصیص کرنا اور بیتِ لحم سے نکلنا اسکے واضح قرائن ہیں۔ باقی حضرتِ میکاہؑ کے اس قول سے جناب مسیح علیہ السلام کی ازلیت مراد لینا انتہاء درجے کی بدفہمی و بے عقلی ہے کیونکہ حضرت میکاہؑ اس شخص کے بیتِ لحم سے نکلنے کو ازلی قرار دے رہے ہیں اور نکلنا تو بلاشبہ ایک امرِ حادث ہے ازلی نہیں لہٰذا ازل قدیم الایام سے نکلنے کا مطلب یہ ہے کہ علمِ الٰہی میں ازل سے طے ہو چکا تھا کہ بیتِ لحم سے مسیح علیہ السلام مبعوث ہونگے چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام اسی معنی کے اعتبار اللہ کے حضور عرض کرتے ہیں ''تیری آنکھوں نے میرے بے ترتیب مادے کو دیکھا اور جو ایام میرے لئے مقرر تھے وہ سب تیری کتاب میں لکھے تھے جبکہ ایک بھی وجود میں نہ آیا تھا'' (زبور ۱۳۹ آیت ۱۶) اسی معنی کے اعتبار سے پولوس ملتِ مسیحی کے ایمانداروں کے حق میں فرماتے ہیں ''کیونکہ جن کو اس نے پہلے سے جانا انکو پہلے سے مقرر بھی کیا کہ اسکے بیٹے کے ہم شکل ہوں تاکہ وہ بہت سے بھائیوں میں پہلوٹھا ٹھہرے'' (رومیوں باب ۸ آیت ۲۹)

دلیل چہارم اور اسکا دفعیہ

زبور ۴۵ آیت ۶ میں ہے ''اے خدا! تیرا تخت ابدالآباد ہے۔ تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے۔ تو نے صداقت سے محبت رکھی اور بدکاری سے نفرت اسی لئے اے خدا تیرے خدا نے شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہمسروں سے زیادہ مسح کیا ہے''

زبور کی یہ آیات حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ہیں جیسا کہ پولوس نے عبرانیوں کے نام خط باب ۱ آیت ۸، ۹ میں اسکی تصریح کی ہے۔ آیا کسی شخص کو خدا کے لفظ سے مخاطب کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اے خدا تیرے خدا نے شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہمسروں سے زیادہ مسح کیا ہے؟ سوائے حضرت مسیح علیہ السلام کے اور کسی کو نہیں کہا گیا۔ یہ دلیل صاحب

مفتاح الاسرار کی تقریر کے مطابق ہے۔

جواب

اس استدلال میں صاحب مفتاح الاسرار نے ذرا خوفِ خدا سے کام نہیں لیا اور اپنا مطلب کشید کرنے کیلئے اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے تحریف سے کام لیا ہے کیونکہ اس آیت کا اصل ترجمہ اس طرح ہے ''عدالت را دوست داشتہ ومعصیت را مبغوض لہٰذا خدا بلکہ خدائے تو ترا بروغنِ خوشنودی بیشتر از مصاحبانت مسح نمودہ'' ہندی مترجم بھی اسی کے مطابق ترجمہ کرتے ہوئے لکھتا ہے ''تو نے راستبازی سے دوستی اور شرارت سے دشمنی کی ہے اسی لئے خدا نے جو تیرا خدا ہے خوشی کے تیل سے تیرے مصاحبوں سے زیادہ تجھے معطر کیا'' یہی آیت پولوس کا عبرانیوں کے نام خط باب ۱ آیت ۹ میں اِس طرح واقع ہے ''توی کہ راستی را دوست داشتہ وناراستی را دشمن لہذا خدا خدای تومالید عطر سرور را بر تو بیش از آنچہ مالید بہ رُفقای تو'' (ترجمہ فارسی بائبل مطبوعہ ۱۸۲۸ء مطبع کلیسا کلکتہ نیز مطبوعہ ۱۸۴۱ء مطبوعہ مشن پریس کلکتہ) عربی بائبل میں اس آیت کا ترجمہ اس طرح ہے ''احببت البر و ابغضت الاثم لذالك مسحك الله الهك بدهن الفرح افضل من اصحابك'' (عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۱ء دار السلطنت لندن) اور ایک ہندی ترجمہ میں ہے ''تو تو نیکی سے دوستی اور بدی سے دشمنی رکھتا ہے اس واسطے خدا نے تیرے خدا نے خوشی کا تیل تجھ پر تیرے شریکوں سے زیادہ ڈالا ہے'' (ترجمہ ہندی مطبوعہ ۱۸۳۹ء ۱۸۴۰ء مطبع کلکتہ) (۱)

چونکہ تمام پادری صاحبان کا یہی طریقہ تحریف ہے لہٰذا صاحب مفتاح الاسرار سے

---

(۱) موجودہ اردو بائبل میں بھی اس طرح ہے ''اسی لئے خدا تیرے خدا نے شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہمسروں سے مسح کیا ہے'' یہاں بھی ''اے'' حرفِ خطاب موجود نہیں جس پر پادری صاحب نے اپنے استدلال کی

بھی زیادہ گلہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اور انشاء اللہ العزیز جب باب چہارم میں زبور کی تمام آیات ذکر کی جائینگی تو آپ کو پوری تفصیل سے معلوم ہو جائیگا کہ زبور کی یہ آیات تو حضرت محمد ﷺ کے متعلق ہیں نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اور حضرت داوٗد علیہ السلام اس زبور میں آیت پنجم تک انکے اوصاف، جمال وحسن میں سب سے سبقت کرنا، اللہ تعالیٰ کا انکو مبارک کرنا، انکے تیروں کا دشمنوں کے دلوں میں لگنا امتوں کا انکے سامنے زیر ہونا وغیرہ بیان فرماتے ہیں۔ اسکے بعد آیت ششم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ندا کرتے ہوئے کہتے ہیں ''اے خدا تیرا تخت ابدالآباد تک ہے، تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے'' اسی وجہ سے تو ایسے بندوں کو چنتا ہے۔ پھر آیت ہفتم میں اسی شخص کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''چونکہ تو نے صداقت سے محبت رکھی اور بدکاری سے نفرت اسی وجہ سے خدا نے تجھے دوسروں سے زیادہ معزز کیا'' الغرض آیت ششم بیچ میں جملہ معترضہ ہے۔ یہاں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حقیقتاً اس مقام پر زبور میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے آنجناب علیہ السلام کی الوہیت کا اشارہ ہوتا ہو۔ اب اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ ان آیات میں روئے سخن حضرت مسیح علیہ السلام کی جانب ہے تب بھی انکو اس سے کوئی مفید دلیل حاصل نہ ہو سکے گی۔

اب ان حضرات کا یہ کہنا کہ ''آیا کسی شخص کو خدا کے لفظ سے مخاطب کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا۔ تو خدا ہے الخ'' یہ ساری تقریر ہی محلِ نظر ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ جس لفظ حرفِ خطاب سے انہوں نے استدلال پکڑا ہے وہ انکا خود ساختہ وپرداختہ ہے زبور وانجیل میں وہ لفظ نہیں ہے جب انکا خود ساختہ لفظ ہی قابلِ رد اور ناقابلِ تسلیم ہے تو استدلال بھی ویسا ہی ہے۔ دوم اس وجہ سے کہ اگر لفظِ خدا سے واجب الوجود کا علم ذاتی مراد ہے تو اُن کو خطاب کرنا کفر ہے کیونکہ خدا کیلئے اور کون خدا ہو سکتا ہے کہ اسکو دوسروں سے ممتاز کیا جائے اور اگر اس لفظ کو مجاز پر محمول کیا جائے تو مجازی معنی کے اعتبار سے تو یہ لفظ

خواص وعوام سبھی پر اطلاق ہوا ہے جیسا کہ مقدمہ باب دوم پانچویں بات کے تحت پوری تفصیل کیساتھ آپ نے معلوم کرلیا۔ اب اِس لفظ سے الوہیت پر استدلال کرنا جبکہ کفر کا پہلو بھی لازم آتا ہو حماقت کے سوا اور کیا ہے۔

دلیل پنجم اور اُسکا بطلان

زبور ۲ آیت ۷ میں ہے ''خداوند نے مجھ سے کہا تو میرا بیٹا ہے آج تو مجھ سے پیدا ہوا' مجھ سے مانگ اور میں قوموں کو تیری میراث کیلئے اور زمین کے انتہائی حصے پر تیری ملکیت کیلئے تجھے بخشوں گا'' چونکہ زبور کی یہ آیات بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ہیں لہٰذا وہ اللہ کے بیٹے اور خدا ہوئے۔

جواب

اوّلاً تو یہ آیات حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق نہیں ہیں اگرچہ رسولوں کے اعمال باب ۱۳ آیت ۳۳، عبرانیوں کے نام خط باب ۵ آیت ۵ میں پولوس کے اقوال سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کا مصداق حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق ہے مگر ایسا نہیں ہے کیونکہ زبور کی مذکورہ آیات کا سیاق وسباق اس طرح ہے ''قومیں کس لیے طیش میں آئی ہیں' عوام الناس کیوں باطل خیال باندھتے ہیں خداوند اور اسکے ممسوح کے خلاف' زمین کے بادشاہ اٹھتے ہیں' فرمان روا باہم سازش کرتے ہیں ....تو ان پر لوہے کے عصا سے حکومت کرے گا اور کمہار کے برتن کی طرح انکو توڑ ڈالے گا'' اِن آیات میں لفظ قومیں' بادشاہ' فرماں روا جمع آئے ہیں' دشمنوں کو شکست ہونے اور انکا ٹوٹے برتن کی طرح چکنا چور ہونے کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ظاہر نہیں ہوئیں کیونکہ قیصر کی جانب پیلاطس اور ہیرودیس دو حاکم تھے نہ کہ کئی بادشاہان جیسا کہ لوقا باب ۳' باب ۲۳' یوحنا

باب ۱۹ آیت ۱۲، ۱۵ سے معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ نہ تو آنجناب علیہ السلام کی مخالفت میں اٹھے اور نہ ہی آنجناب علیہ السلام کے قتل پر راضی تھے جیسا کہ متی باب ۲۷ آیت ۱۸، ۲۸، لوقا باب ۲۳ آیت ۱۴، ۱۵، ۲۰، ۲۲ سے اچھی طرح واضح ہے۔ لہٰذا کسی بادشاہ کا آنجناب علیہ السلام کی ضد میں کھڑا ہونا بھی لازم نہ آیا اور قوموں میں سے بھی صرف ایک قوم یہود آپکی مخالفت میں اٹھے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کے خلاف صرف ایک قوم اٹھی نہ کہ قومیں اور سلاطین و حکام۔ اِسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے دشمنوں کو لوہے کے عصا سے توڑ کر کوئی حکومت بھی نہیں کی نہ اپنے دشمنوں کو چکنا چور کیا بلکہ مسیحیوں کے اعتقاد کے مطابق تو اسکے برعکس صورتِ حال پیش آئی کہ دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے' ذلت برداشت کر کے مصلوب ہوئے۔

دوسری جانب یہ بھی دیکھئے کہ آیت اِس طرح ہے ''خداوند نے مجھ سے کہا۔ تو میرا بیٹا ہے آج تو مجھ سے پیدا ہوا۔ یہاں مجھ' تو' تو یہ بھی بداہۃً الوہیت کے معنی کے منافی ہیں۔ اِسی طرح یہ لفظ کہ آج تو مجھ سے پیدا ہوا یہ بھی الوہیت کے منافی ہے کیونکہ لفظِ ''آج'' صاف حدوث پر دلالت کرتا ہے اور ''میں نے پیدا کیا'' کا جملہ بتاتا ہے کہ خدائے تعالیٰ خالق ہے مخاطب مخلوق ہے یہ دونوں الگ الگ ہستیاں ہیں۔

مسیحی حضرات کی ایک تاویل

یہاں پر مسیحی علماء نے لفظ ''آج'' کو ''حضور ابدی'' کے معنی میں لیا ہے۔ یہ توجیہ انتہائی تعجب خیز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے انکے محاورات کی رعایت کرتے ہوئے کلام فرماتے ہیں۔ اس لئے کلامِ الٰہی میں جو آج' کل وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں تو وہ حقیقی معنی پر محمول ہوتے ہیں اگرچہ اللہ تعالیٰ زمانہ سے پاک ہے اور اسکے اعتبار سے کوئی چیز

ماضی و مستقبل نہیں ہے۔ اسکے شواہد اس قدر ہیں کہ اگر توریت کے اسفار خمسہ کو ہی دیکھ لیا جائے تو حدِ شمار سے باہر ہیں چہ جائیکہ تمام کتبِ سماویہ۔ یہاں ہم بطورِ نمونہ چند مثالیں سپردِ قلم کرتے ہیں۔

(۱) خروج باب ۹ آیت ۱۸ میں ہے ''دیکھ میں کل اسی وقت ایسے بڑے بڑے اولے برساؤنگا جو مصر میں جب سے اسکی بنیاد ڈالی گئی آج تک نہیں پڑے''

(۲) خروج باب ۱۹ آیت ۱۰ میں ہے ''اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ لوگوں کے پاس جا اور آج اور کل انکو پاک کر اور وہ اپنے کپڑے دھولیں اور تیسرے دن تیار رہیں کیونکہ خداوند تیسرے دن سب لوگوں کے دیکھتے دیکھتے کوہِ سینا پر اترے گا''

(۳) خروج باب ۳۴ آیت ۲، ۱۱ میں ہے ''اور صبح تک تیار ہو جانا اور سویرے ہی کوہ سینا پر آ کر وہاں پہاڑ کی چوٹی پر میرے سامنے حاضر ہونا''......... آج کے دن جو حکم میں تجھے دیتا ہوں اسے یاد رکھنا''

اِن آیات میں لفظ آج، کل، تیسرے دن، صبح، پہاڑ کی چوٹی انہیں ہی معنوں میں وارد ہیں جو ہمارے محاورات و گفتگو میں مستعمل ہیں اور اِس ''عجیب تفسیر'' سے قطع نظر یہ جملہ کہ ''تو مجھ سے پیدا ہوا'' بہر صورت مخاطب کے مخلوق ہونے پر اور اپنے خالق سے الگ ایک ذات ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

استدلال میں ذکر کردہ آیات کا صحیح مطلب

بلکہ حقیقتِ امر یہ ہے کہ دراصل اس کلام و حکمِ الٰہی کو حضرت داؤد علیہ السلام اپنے متعلق فرمارہے ہیں کیونکہ فلسطینی، موآبی اور اسوری بادشاہ ''ہدد عازر'' انکے مخالف و دشمن تھے۔ یہ اقوام اور بادشاہ حضرت داؤد علیہ السلام کے مقابلے میں جنگ کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے اور اللہ

تعالیٰ نے حضرت داوٗد علیہ السلام کو فتح عطا فرمائی یہ سب لوگ انکے ہاتھوں مقتول و برباد ہوئے جیسا کہ سموئیل دوم باب ۸ اور تواریخ اول باب ۱۸ میں مفصل ذکر ہے۔ اِس زبور میں لفظ ''بیٹا'' عزیز' مستحقِ تربیت کے معنی ہے اور مجھ سے پیدا ہوا کا مطلب ہے ''میں نے تیری تربیت و پرورش کی۔ اِس امر کی مکمل تحقیق فصلِ دوم میں دلیل دوم کے جواب میں پوری تفصیل کیساتھ گذر چکی اور آیات میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو اس توجیہ کے خلاف پڑتا ہو اور لفظ ''مسیح'' کا اطلاق حضرت داوٗد علیہ السلام پر ہوا ہے جیسا کہ زبور ۱۸ آیت ۵۰' زبور ۸۴ آیت ۹ اور زبور کی دیگر جگہوں پر موجود ہے بلکہ یہ تو عمومی طور پر تمام بنی اسرائیل کے بادشاہوں کا لقب ہے اسی وجہ سے دجال بھی یہی لقب رکھتا ہے کیونکہ یہود کا یہ طریقہ تھا کہ جب کسی کو اپنا بادشاہ بنانے کا ارادہ کرتے تو اس وقت کا پیغمبر ہیکل میں استعمال ہونے والا مقدس تیل لیکر اس پر ملتا اور وہ شخص مسیح بمعنی ممسوح یعنی ''تیل ملا ہوا'' کہلاتا اسی وجہ سے حضرت داوٗد علیہ السلام بنی اسرائیل کے بادشاہ ساؤل پر بار بار اس لفظ کا اطلاق فرماتے ہیں حالانکہ وہ ایک ظالم و فاسق بادشاہ تھا چنانچہ انکے اقوال سموئیل اول باب ۲۴ آیت ۶' ۱۰' باب ۲۶ آیت ۹' ۱۱' ۱۶' ۲۳' سموئیل دوم باب ۱ آیت ۱۴' ۱۶ میں مندرج ہیں۔ بلکہ یہود کا بادشاہ ہونے کی بھی تخصیص نہیں ''مسیح'' کا اطلاق مطلق بادشاہ پر بھی ہوا ہے چنانچہ فارس کے بادشاہ نے جب بختِ نصر کے ظلم کا تدارک کیا اور بنی اسرائیل کیلئے دوبارہ بیت المقدس تعمیر کرنے کا حکم دیا تو اسکے متعلق اس طرح مذکور ہے ''خداوند اپنے ممسوح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے الخ (یسعیاہ باب ۴۵ آیت ۱) نیز زبور کی مذکورہ آیات حضرت داوٗد علیہ السلام کے حق میں ہونے کی ایک اور مضبوط دلیل یہ بھی ہے کہ تقریباً یہی مضمون خود اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد علیہ السلام کے متعلق زبور ۸۹ میں ارشاد فرمایا ہے ''میں نے اپنے برگزیدہ کیساتھ عہد باندھا ہے' میں نے اپنے بندہ داوٗد سے قسم کھائی ہے۔ میں تیری نسل کو ہمیشہ کیلئے قائم

کرونگا اور تیرے تخت کو پشت در پشت بنائے رکھوں گا......... اس وقت تو نے رویا میں اپنے مقدسوں سے کلام کیا اور فرمایا کہ میں نے ایک زبردست کو مددگار بنایا ہے اور قوم میں سے ایک کو چن کر سرفراز کیا ہے۔ میرا بندہ داؤد مجھے مل گیا اپنے مقدس تیل سے میں نے اسے مسح کیا ہے میرا ہاتھ اسکے ساتھ رہے گا میرا بازو اسے تقویت دے گا دشمن اس پر جبر نہ کرنے پائیگا اور شرارت کا فرزند اسے نہ ستائے گا میں اسکے مخالفوں کو اسکے سامنے مغلوب کرونگا اور اس سے عداوت رکھنے والوں کو ماروں گا......... وہ مجھے پکار کر کہے گا تو میرا باپ' میرا خدا اور میری نجات کی چٹان ہے اور میں اسکو اپنا پہلوٹھا بناؤں گا اور دنیا کا شاہنشاہ' میں اپنی شفقت کو اسکے لئے ابد تک قائم رکھوں گا اور میرا عہد اسکے ساتھ لاتبدیل رہے گا'' (زبور ۸۹ آیت ۳'۴'۱۹ تا ۲۸ ملخصاً) اور اگر مان بھی لیا جائے کہ زبور۲ کی یہ آیت حضرت مسیح علیہ السلام سے متعلق ہے تب بھی آنجناب علیہ السلام پر لفظ ''ابن اللہ'' کا اطلاق ہونے سے انکی الوہیت ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ فصلِ دوم میں دلیل دوم کے جواب میں خوب شرح وبسط سے گزرا۔

دلیل ششم اور اُسکا رد

زبور ۱۱۰ آیت ۱ میں ہے ''خداوند نے میرے خداوند سے کہا کہ میری دہنی طرف بیٹھ جب تک کہ تیرے دشمنوں کو تیرے پاؤں کی چوکی نہ کردوں'' خود حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی متی باب ۲۲ آیت ۴۴ میں اس لقب ''خداوند'' کو اپنی طرف منسوب کیا ہے ''خداوند نے میرے خداوند سے کہا کہ میرے دہنی طرف بیٹھ جب تک میں تیرے دشمن تیرے پاؤں کے نیچے نہ کردوں؟''

جواب

حضرت مسیح علیہ السلام کا فرمودہ سر آنکھوں پر کہ یہ بشارت انکے حق میں ہے مگر لفظِ خداوند کا اکثر استعمال مخدوم' سیدؔ' آقا کے معنی میں ہوا ہے چنانچہ پیدائش باب ۱۸ آیت ۱۲۔ پطرس کا پہلا عام خط باب ۳ آیت ۶ میں اِسی معنی کے اعتبار سے حضرت سارہ ابراہیم علیہما السلام کو ''خداوند'' کہتی تھی۔ اسی طرح سموئیل اول میں بائیس جگہ' سموئیل دوم میں انتیس جگہ، سلاطین اول باب اول میں سترہ جگہ حضرت داؤد علیہ السلام اور ساؤل وغیرہ کے حق میں اِسی معنی کے اعتبار سے یہ لفظ استعمال ہوا ہے چنانچہ مقدمہ باب میں پانچویں بات کے تحت اسکی تفصیل گذر چکی۔ یہاں بھی لفظ خداوند حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں اسی معنی کے اعتبار سے استعمال ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ فارسی بائبل میں زبور کی اس آیت کا ترجمہ یوں ہے ''خداوند بمخدوم من فرمود در یمین من بنشیں تا دشمنانِ ترا قدم گاہِ تو گردانیدہ باشم'' جبکہ اردو مترجم نے اِس طرح ترجمہ کیا ہے ''یہواہ نے میرے خداوند سے کہا'' الخ فارسی بائبل مطبوعہ ۱۸۲۸ء میں متی باب ۲۲ آیت ۴۴ کا ترجمہ اس طرح ہے ''اللہ خداوند مرا گفت کہ بردستِ راستِ من بنشیں تا دشمنانِ ترا قدم گاہِ پائے تو سازم'' ہندی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۹ء میں فارسی ترجمہ کی موافقت ہے چونکہ لفظِ اللہ ذاتِ واجب الوجود کا علم ہے لفظِ یہواہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا خاص لقب ہے اِن دونوں لفظوں کا استعمال حقیقی معنوں میں غیر اللہ کیلئے جائز نہیں ہے۔

الحاصل مترجمین انجیل کی تصریح کے مطابق پہلا لفظ خداوند بمعنی ذات واجب الوجود ہے اور دوسرا لفظ خداوند فارسی مترجم کی صراحت کے مطابق ''مخدوم'' کے معنی میں ہے اور اس صورت میں دلیل پکڑنے والے کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ اگر صرف آنجناب علیہ السلام کی مخدومیت وتعظیم ثابت کرنا مقصود ہے تو دلائل الوہیت میں اسکا لانا بے جا ہے کیونکہ تعظیم کے طور پر تو یہ لفظ ساؤل بادشاہ بنی اسرائیل کے حق میں حضرت داؤد علیہ السلام

نے بارہا استعمال کیا ہے۔

دلیل ہفتم اور اُسکی تردید

ساتویں دلیل یہ ہے کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام اپنی کتاب کے باب ۱۲ میں آخر زمانے کی خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس زمانے میں اللہ رب العلمین بنی اسرائیل کو دوبارہ اپنا قرب عطا کر کے اور انہیں قید سے رہائی دے کر انکے وطنِ اصلی کنعان میں جمع فرمائیں گے اس وقت وہ خدا تعالیٰ کو صحیح پہچانیں گے اور حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لائیں گے اسی بنا پر حضرت زکریا علیہ السلام اپنے صحیفہ کے باب ۱۲ آیت ۱۰ میں فرماتے ہیں ''اور میں داؤد کے گھرانے اور یروشلیم کے باشندوں پر فضل اور مناجات کی روح نازل کرونگا اور وہ اس پر جسکو انہوں نے چھیدا ہے نظر کریں گے اور اس کیلیے ماتم کریں گے جیسا کوئی اپنے اکلوتے کیلیے کرتا ہے اور اس کیلیے تلخ کام ہونگے جیسے کوئی اپنے پہلوٹھے کیلیے ہوتا ہے'' یعنی اس لئے مسیح علیہ السلام پر ماتم کریں گے اور اس پر غمزدہ ہونگے کہ اتنا عرصہ انکو نہیں پہچان سکے اور ان پر ایمان نہیں لائے اور انکو اپنا معبود و نجات دہندہ نہ جانا۔ یہ بات مخفی نہیں کہ آیتِ مذکور کا متکلم خدا ہے لہٰذا صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُنکا یہ قول کہ ''جنہوں نے مجھے چھیدا ہے اور سوراخ کیا ہے'' یہ الفاظ خدا کی طرف راجع ہونگے یعنی اس خدا کی طرف جو جسم میں متشکل ہو گئے ہونگے اور وہ صرف مسیح ہے کہ یہود نے انہیں مصلوب کرنے کے بعد شاہِ روم کی وساطت سے انکے پہلو میں چھید کیے تھے۔

جواب

سبحان اللہ! اِن احباب کی جدوجہد پر قربان جایئے کہ اپنے غلط عقیدہ کو درست ثابت کرنے کیلیے کس طرح ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور سر توڑ کوشش کرتے ہیں مگر جیسا کہ کہا

گیا ہے لن یصلح العطار ما افسدہ الدھر پھر بھی گوہر مقصود ہاتھ نہیں آتا۔ اب ہم پہلے محلِ استدلال آیات کو تحریر کرتے ہیں اور پھر جواب ذکر کریں گے۔

''خداوند فرماتا ہے میں اس روز ہر گھوڑے کو حیرت زدہ اور اسکے سوار کو دیوانہ کردونگا لیکن یہوداہ کے گھرانے پر نگاہ رکھونگا اور قوموں کے سب گھوڑوں کو اندھا کردونگا۔ تب یہوداہ کے فرمانرواں دل میں کہینگے کہ یروشلیم کے باشندے اپنے خدا رب الافواج کے سبب سے ہماری توانائی ہیں۔ میں اس روز یہوداہ کے فرمانرواؤں کو لکڑیوں میں جلتی انگیٹھی اور پولوں میں مشعل کی مانند بناؤنگا اور وہ دہنے بائیں اور اردگرد کی سب قوموں کو کھا جائینگے اور اہل یروشلیم پھر اپنے مقام پر یروشلیم ہی میں آباد ہونگے۔ اور خداوند یہوداہ کے خیموں کو پہلے رہائی بخشیگا تاکہ داؤد کا گھرانا اور یروشلیم کے باشندے یہوداہ کے خلاف فخر نہ کریں۔ اس روز خداوند یروشلیم کے باشندوں کی حمایت کریگا اور ان میں کا سب سے کمزور اس روز داؤد کی مانند ہوگا اور داؤد کا گھرانا خدا کی مانند یعنی خداوند کے فرشتے کی مانند جو انکے آگے آگے چلتا ہو۔ اور میں اس روز یروشلیم کی سب مخالف قوموں کی ہلاکت کا قصد کرونگا۔ اور میں داؤد کے گھرانے اور یروشلیم کے باشندوں پر فضل اور مناجات کی روح نازل کرونگا اور وہ اس پر جسکو انہوں نے چھیدا ہے نظر کرینگے اور اسکے لئے ماتم کرینگے جیسا کوئی اپنے اکلوتے کیلئے کرتا ہے اور اسکے لئے تلخ کام ہونگے جیسے کوئی اپنے پہلوٹھے کیلئے ہوتا ہے''

(کتاب زکریاہ باب ۱۲ آیت ۴ تا ۱۰)

اس باب میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے متعلق یہی کچھ فرمایا ہے کہ جس وقت میں انہیں رہائی دلا کر انکے وطن کنعان تک پہنچاؤں گا تو یہ پورے اطمینان وفراغت قلب کیساتھ اپنے شہروں میں رہیں گے اور انکے دشمن مغلوب ومقہور ہونگے اور انکو انکے دشمنوں پر کامیابی عطا کرونگا اور یہ میری طرف دیکھیں گے جبکہ میں انکے برے کاموں پر رنجیدہ ہونگا

پھر یہ وقت کی قدر نہ جاننے پر اظہارِ حسرت کریں گے کہ کس طرح شرارتوں اور کرتوتوں میں اپنی زندگی کو ضائع کیا تھا' احکامِ الٰہی کی بجا آوری نہ کی تھی۔ الحاصل اللہ تعالیٰ کے اِس ارشاد کہ ''انہوں نے مجھے چھیدا اور چھلنی کیا'' کا مطلب یہ ہے کہ مجھے رنج وغم پہنچایا۔ اور آیت میں صلبِ مسیح وغیرہ کے غم کا تو نام ونشان تک نہیں۔

ایک اور دلیل

جو مطلب ہم نے ذکر کیا ہے اس پر ایک مضبوط دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعینہٖ یہی وعدہ حضرت حزقی ایلؑ کی معرفت فرمایا ہے ''کیونکہ میں تم کو ان قوموں میں سے نکال لونگا اور تمام ملکوں میں سے فراہم کرونگا اور تم کو تمہارے وطن میں واپس لاؤنگا تب تم پر صاف پانی چھڑکوں گا اور تم پاک صاف ہوگے اور میں تم کو تمہاری تمام گندگی سے اور تمہارے سب بتوں سے پاک کرونگا۔ اور میں تم کو نیا دل بخشوں گا اور نئی روح تمہارے باطن میں ڈالونگا اور تمہارے جسم میں سے سنگین دل کو نکال ڈالونگا اور گوشتین دل تم کو عنایت کرونگا اور میں اپنی روح تمہارے باطن میں ڈالونگا اور تم سے اپنے آئین کی پیروی کراؤنگا اور تم میرے احکام پر عمل کروگے اور انکو بجالاؤ گے۔ اور تم اس ملک میں جو میں نے تمہارے باپ دادا کو دیا سکونت کروگے اور تم میرے لوگ ہوگے اور میں تمہارا خدا ہونگا۔ اور میں تم کو تمہاری تمام ناپاکی سے چھڑاؤنگا اور اناج منگواؤنگا اور افراط بخشونگا اور تم پر قحط نہ بھیجونگا۔ اور میں درخت کے پھلوں میں اور کھیت کے حاصل میں افزائش بخشونگا یہاں تک کہ تم آئندہ کو قوموں کے درمیان قحط کے سبب سے ملامت نہ اٹھاؤ گے۔ تب تم اپنی بُری روش اور بداعمالی کو یاد کروگے اور اپنی بدکرداری ومکروہات کے سبب سے اپنی نظر میں گھنونے ٹھہروگے''

(حزقی ایل باب ۳۶ آیت ۲۴ تا ۳۱)

آخر تک اِسی قسم کے وعدے ہیں۔لہٰذا زکریاہ باب ۱۲ آیت ۱۰ کا مضمون اور حزقی ایل باب ۳۶ آیت ۳۱ کا مضمون ایک ہی سمجھنا چاہیئے۔

دوسرا جواب

اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ انکا وقت کی قدر نہ کرنا حضرت مسیحؑ پر ایمان نہ لانے کے حوالے سے ہے اور انکو مصلوب کرنے کی وجہ سے اس وقت اِن لوگوں پر غم طاری ہوگا تو بھی مدعا حاصل نہیں ہوتا کیونکہ نیک لوگوں کیساتھ اچھا یا برا معاملہ کرنا ایسا ہے جیسا کہ خدا سے کرنا اور اسکی نسبت اللہ کی طرف کردی جاتی ہے اِس امر کی کماحقہ تحقیق فصل سوم میں اعتراض اول کے جواب کے تحت گذر چکی۔ اِس صورت میں یہ قول بعینہ اس قول کے مماثل ہوجایگا جو اللہ تعالٰی نے حضرت یرمیاہ کی معرفت ارشاد فرمایا ہے''شاہِ بابل بنوکدرضر نے مجھے کھالیا۔اس نے مجھے شکست دی ہے اس نے مجھے خالی برتن کی مانند کردیا۔اژدہا کی مانند وہ مجھے نگل گیا۔اس نے اپنے پیٹ کو میری نعمتوں سے بھرلیا۔اس نے مجھے نکال دیا''

(یرمیاہ باب ۵۱ آیت ۳۴)

دیکھیے! بختِ نصر بادشاہ نے بنی اسرائیل پر ظلم کیا، زخم لگائے شکست دی مگر اِن آیات میں اللہ تعالٰی اِن تمام امور کی نسبت اپنی ذاتِ عالی کی طرف کررہے ہیں۔اب کوئی بھی ان آیات کا یہ مطلب نہ سمجھے گا کہ چونکہ متکلم خدا تعالٰی ہے لہٰذا ان آیات کا مضمون بھی اللہ تعالٰی کی طرف راجع ہے ورنہ عیسائیوں کے''مجہول الکنہ تعلق'' کا اعتبار کرتے ہوئے بنی اسرائیل کے ہر ہر فرد کے خدا ہونے پر دلالت ہوگی باوجودیکہ بختِ نصر کے ہاتھوں ذلت وشکست انکا مقدر بنی۔ جب اللہ تعالٰی عام بنی اسرائیل کے ایذاء پہنچانے کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں تو اگر کسی رسولِ مقرب کے ایذا پہنچانے کو اپنی طرف منسوب کردیں تو

کونسی تعجب کی بات ہے۔

بحمد اللہ وفضلہ وکرمہ یہاں تک ان دلائل کا جواب ہوگیا جو یہ حضرات عہدِ عتیق سے لاتے ہیں اسکے علاوہ اگر کوئی مزید دلیل عہد عتیق سے لاتے ہیں تو وہ قابلِ التفات نہیں جو شخص تھوڑی سی استعداد رکھتا ہو تو وہ آیات کے سیاق وسباق کا ملاحظہ کر کے اس استدلال کے ضعف ونقص، قبح عیب کو خوب جان لے گا لہٰذا ایسی خرافات میں وقت کی متاعِ عزیز کو ضائع کرنا مناسب نہیں ہے۔

تنبیہ

کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ مذکورہ دلائل کے جوابات میں مجاز کا طریق اختیار کیا گیا ہے اور لغوی حقائق سے انحراف کیا گیا ہے ایسا ہرگز نہیں ہوا کیونکہ ان جوابات کو ملاحظہ کرنے سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہے کہ بعض دلائل کے جواب میں تو بالکل کسی قسم کے مجاز کا ارتکاب نہیں کیا گیا اور بعض وہ دلائل جو حلول وغیرہ کی طرف مشعر تھے ان میں مجاز کا ارتکاب خود مسیحیوں کے نزدیک بھی ''ارتکاب'' نہیں خود انکو بھی ان آیات میں مجاز وتاویل کا ارتکاب کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اگر چہ ہماری تاویل دلائلِ عقلیہ ونقلیہ کے مطابق ہوتی ہے اور انکی تاویل ایک مجہول الکنہ فرضی تعلق کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ بعض آیات میں حقیقی معنی کا دلائلِ عقلی ونقلی کے خلاف ہونے کی وجہ سے مجاز کی راہ پر چلنا پڑا اور انکے مویدات وشواہد بھی شاید ان جگہوں پر ہم نے بفضلہٖ تعالیٰ ذکر کردیئے ہیں اور ایسا کرنے میں کوئی استبعاد نہیں کیونکہ کتبِ سماویہ میں مجاز اس قدر شائع وکثیر ہے کہ محتاجِ بیان نہیں جیسا کہ مقدمہ باب میں معلوم ہوا۔ اب عہد عتیق کی اتنی ضخامت اور ہزاروں آیات پر مشتمل ہونے کے باوجود اگر ایک آدھ آیت کوئی ایسا مضمون بتاتی ہو جو دلائلِ عقلیہ ونقلیہ کے صریح خلاف

ہے تو اسکا کیا اعتبار ہے؟ یقیناً وہاں معنی حقیقی سے پھیرنا اور معنی مجازی پر محمول کرنا لازمی ولابدی ہے کیا انہیں معلوم نہیں کہ زبور میں سینکڑوں جگہ اللہ تعالیٰ کیلئے جسم، صورت وغیرہ کا اثبات ہے اور پوری زبور میں ایک جگہ بھی اِن امور سے تنزیہ کا ذکر نہیں بلکہ توریت میں بھی تنزیہ باری تعالیٰ کا بیان ایک دو آیات سے زیادہ نہیں۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ کلام کو معنی حقیقی لغوی پر رکھنا اصل ہے ایک دو آیات کا اعتبار کرتے ہوئے سینکڑوں آیات میں مجازی معنی مراد لینا خطا ہے لہٰذا وہ سارے کلام کو معنی لغوی حقیقی پر رکھتے ہوئے اس طرح تاویل کرے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے تنزیہ وعدم تنزیہ دونوں ثابت ہیں اگرچہ ذاتِ غیر مدرک الکنہ حق تعالیٰ شانہ کے دیگر اسرار ودقائق کی طرح اس ''امر'' کا ادراک کرنے سے ہماری عقل عاجز وقاصر ہے یقیناً ایسی تاویل بے دینی کے سوا کچھ نہیں۔ رہا ان حضرات کا یہ کہنا کہ ہماری کتب تفسیر میں اِن آیات کا یہی معنی لکھا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ مفسر بے چارہ بھی تو ایک مسیحی ہے جو الوہیت کا اعتقاد رکھتا ہے اگر وہ تفسیر لکھے تو ایسے امور میں اسکی تفسیر کا کیا اعتبار ہے؟ کیا انہیں نظر نہیں آتا کہ مسیحی حضرات عہدِ عتیق کے سینکڑوں مقامات پر یہودی مفسرین کے اقوال کو کوئی حیثیت نہیں دیتے۔

☆☆☆

بابِ سوم

فصلِ اوّل:

یہود کا انبیاء کرام علیہم السلام کیساتھ سلوک اور کردار

فصلِ دوم:

صحفِ سابقہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق بشارات

فصلِ سوم:

حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشینگوئیوں کا تذکرہ

بابِ سوم

یہ باب تین فصول پر مشتمل ہے۔ فصلِ اوّل میں بنی اسرائیل کے کفار و فجار کی اپنے انبیاء کرام علیہم السلام سے سرکشی و بدسلوکی کا بیان ہے۔ مسیحی حضرات سابقہ انبیاء علیہم السلام کے صحف سے جو بشارات حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ثابت کرتے ہیں انکے حسن و قبح، قوت و ضعف کا بیان دوسری فصل میں ہے۔ اور تیسری فصل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشینگوئیوں کا تذکرہ ہے۔

فصل اوّل

قومِ بنی اسرائیل کا اپنے انبیاءِ عظائم سے سلوک

جاننا چاہیئے کہ یہ تو زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے کہ ہمیشہ کفار و فجار لوگ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب و ایذا کے درپے رہے ہیں جیسا کہ جناب مسیح علیہ السلام اپنے شاگردوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''اس لئے کہ لوگوں نے ان نبیوں کو بھی جو تم سے پہلے تھے اسی طرح ستایا تھا'' (متی باب ۵ آیت ۱۲) خاص طور پر بنی اسرائیل اِس ''کارِ خیر'' میں ضرب المثل تھے اور سب سے آگے تھے یہ لوگ باوجود اہلِ کتاب ہونے کے دیدہ و دانستہ طور پر انبیاء کرامؑ کی مخالفت اور طعنہ زنی کرتے تھے۔ اسکا محرک جذبہ نفسانی تھا یا منفعتِ دنیاوی، آخر کار خائب و خاسر، ناکام و نامراد ہوئے۔ توریت و انجیل میں اسکے شواہد اس قدر

زیادہ ہیں کہ علیحدہ تفصیل کیساتھ لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ یہاں ہم بہت مختصر بقدرِ ضرورت لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) قومِ لوط علیہ السلام کی سرکشی کا حال پیدائش باب ۱۹ میں دیکھنا چاہیئے۔

(۲) یہود کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سلوک

فرعون اور اسکے حواریوں کا حضرت موسی علیہ السلام پر ایمان نہ لانا' بنی اسرائیل کو تکالیف پہچانا باوجودیکہ یہ لوگ حضرت موسی علیہ السلام کے کھلے معجزات کا مشاہدہ کرتے تھے جو خروج میں تفصیلاً مذکور ہے۔

(۳) عہدِ موسوی میں باوجودیکہ بنی اسرائیل حضرت موسی علیہ السلام کو ایک عظیم الشان نبی سمجھتے تھے اور بارہا انکے معجزات دیکھ چکے تھے پھر بھی انکا نفسانی شرارتوں کی وجہ سے اس عظیم پیغمبر برحق سے مقابلہ ومجادلہ کرنا۔ چنانچہ رفیدیم کے مقام پر انہوں نے پانی نہ ہونے کی صورت میں جناب موسیٰ علیہ السلام سے اس قدر جھگڑا کیا کہ قریب تھا کہ آپ کو سنگسار کردیں۔ اسی طرح جب آنجناب علیہ السلام کو کوہِ سینا سے واپس تشریف لانے میں کچھ تاخیر ہوئی تو بنی اسرائیل خدا سے منحرف ہوکر گوسالہ کی پوجا کرنے لگے۔ من وسلویٰ جیسی نعمت خداوندی سے بیزار ہوکر لہسن' پیاز وغیرہ طلب کرنے لگے۔ دو سو پچاس آدمیوں کی کثیر جماعت اور نامور بزرگوں نے چند دیگر لوگوں کیساتھ ملکر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرتے ہوئے انکی ہمسری کا دعویٰ کیا اور کہا کہ ہماری پوری جماعت ''مقدس'' ہے تم کس بنا پر اپنے آپکو ممتاز قرار دیکر غضبِ الٰہی میں مبتلا ہوتے ہو؟ پھر ان لوگوں نے اسکے بعد پانی وغیرہ کی شکایت کی اور جس وقت بحرِ قلزم کی طرف ان لوگوں نے کوچ کیا، خدا تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طعنہ زنی کی چنانچہ غضبِ الٰہی سے سانپوں کے ڈسنے کی وجہ سے

ہلاک ہوئے جو انکے درمیان ظاہر ہوئے تھے۔ پھر سطیم کے مقام پر غیر اللہ کی عبادت کی وجہ سے اُن پر غضب الٰہی بھڑکا اور چوبیس ہزار آدمی ہلاک ہو گئے چنانچہ خروج باب ۳۲،۱۷ گنتی باب ۱۱،۱۶،۲۰،۲۱،۲۵ میں پوری تفصیل سے ذکر ہے۔

(۴) یہود کا حضرت یرمیاہؑ سے سلوک

یروشلیم کے باشندے حضرت یرمیاہؑ کو نبی برحق اور انکے کلام کو وحی سمجھتے تھے لیکن اسکے باوجود کئی مرتبہ انہیں مارا اور قید کیا مثلاً جب انہوں نے یروشلیم اور دیگر تمام شہروں پر آفت آنے کی پیشینگوئی کی تو فسحور بن یترو کاہن جو خانہ خدا کا پہرہ دار تھا اس نے یہ سن کر انکو مارا اور قید خانہ میں ڈال دیا۔ پھر جب انہوں نے خدا کے گھر میں اس گھر کی اور شہر کے برباد ہونے کی خبر دی تو اس وقت کے نبیوں اور کاہنوں نے سرداروں اور قوم کو ترغیب دی کہ یہ شخص مستحق قتل ہے مگر قوم اور سرداران قوم انکے کہنے میں نہ آئے اور جس وقت حضرت یرمیاہؑ نے خبر دی کہ کسدیوں کا گروہ آکر اس شہر پر قابض ہو گا تو قوم نے انکو مارا اور قید میں ڈال دیا پھر ایک طویل مدت کے بعد صدقیاہ بادشاہ نے انہیں قید سے رہا کر کے تنہائی میں ان سے اپنے بارے میں وحی کا اشارہ پوچھا جب اس نے حضرت یرمیاہؑ کے کلام وحی کو اپنے خلاف پایا تو دوبارہ انہیں قید خانے کے صحن میں رکھنے کا حکم دیا اور ان کیلئے دن میں ایک روٹی کی اجازت دی۔ پھر جب انہوں نے یہ خبر دی کہ یہ شہر بادشاہ بابل کے لشکر کے قبضہ میں آئے گا تو سرداروں نے بادشاہ سے عرض کیا تو بادشاہ نے انکو قید خانہ کے صحن میں ایک بے آب حوض میں ڈال دیا جہاں کیچڑ تھا چنانچہ وہ اس کیچڑ میں دھنس کر رہ گئے۔ اسی طرح ایک مرتبہ انہوں نے اپنی قوم کو حکمِ الٰہی کی بنا پر مصر جانے سے منع کیا تو سب نفسانیت وخودرائی کا شکار انکی تکذیب پر اتر آئے ایک نے بھی اللہ کا حکم نہ سنا جیسا کہ صحیفہ یرمیاہ کے باب ۲۰،۲۶،۳۷

۳۸‘۴۳ میں مذکور ہے۔ الغرض اس طرح کی مثالیں بہت ہیں عہدِ عتیق کے رسائل میں تفحص کیا جائے تو کچھ مخفی نہ رہے گا کہ بنی اسرائیل نے کتنے ہی انبیاء یروشلیم کو قتل کیا اور کتنے نبیوں کو ایذائیں پہنچائیں۔ اس سب سے قطع نظر ہمارے دعویٰ پر شاہدِ عدل دلیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشادِ گرامی ہے جو لوقا باب ۱۳ آیت ۳۳ اور متی باب ۲۳ آیت ۳۷ میں مذکور ہے ''ممکن نہیں ہے کہ نبی یروشلیم سے باہر ہلاک ہو۔ اے یروشلیم! اے یروشلیم! تو جو نبیوں کو قتل کرتی ہے اور جو تیرے پاس بھیجے گئے انکو سنگسار کرتی ہے'' دیکھئے! اس عبارت میں حضرت مسیح علیہ السلام کسی پیغمبر کا یروشلیم سے باہر قتل ہونا ناممکن بتاتے ہیں۔

یہود کا حضرت مسیح علیہ السلام سے سلوک

یہاں تک تو عہدِ عتیق کے حوالے سے معلوم ہوا۔ اب عہد جدید کو دیکھئے مگر اس سے پہلے یہ تو معلوم ہی ہے کہ تمام اہلِ اسلام جناب مسیح علیہ السلام کو سچا مسیح موعود ہی خیال کرتے ہیں انکو نبی برحق مانتے ہیں اور آنجناب علیہ السلام کی نبوت میں کسی قسم کا شک روا نہیں رکھتے مگر قومِ یہود بالخصوص انکے علماء جو اہلِ کتاب ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کے احوال سے واقف ہیں انہوں نے آنجناب علیہ السلام کے ساتھ کیسا سلوک کیا، اس سچے پیغمبر کے متعلق کیا کیا باتیں کہیں اور آج تک کہتے رہتے ہیں۔ یہ یہودی کتب و تاریخ اور تمام تر لٹریچر سے قطع نظر خود ناظرینِ انجیل سے مخفی نہیں کہ بعض اوقات شاگردوں نے بھی آنجناب علیہ السلام پر زبان طعن دراز کی۔ کبھی انکے متعلق کہا کہ یہ کیسا استاد ہے جو محصول لینے والوں اور گناہ گاروں کیساتھ کھاتا ہے؟ جیسا کہ متی باب ۹‘ مرقس باب ۲‘ لوقا باب ۵ میں مذکور ہے۔ اسی طرح لوقا باب ۱۵ آیت ۲ میں ہے ''اور فریسی اور فقیہ بڑبڑا کر کہنے لگے کہ یہ آدمی گناہگاروں سے ملتا اور انکے ساتھ کھانا کھاتا ہے'' کبھی یہ لوگ معجزات کا مشاہدہ کر کے کہتے کہ صحیح بات یہ ہے کہ

یہ بدروحوں کے سردار بعلزبول کی مدد کے بغیر بدروحوں کو نہیں نکالتا۔ (متی باب ۱۲ آیت ۲۴، مرقس باب ۳ آیت ۲۲، لوقا باب ۱۱ آیت ۱۵) کبھی ہیرودیوں کیساتھ ملکر انکے خلاف سازش کرتے ہیں کہ کس طرح انہیں قتل کیا جائے؟ جیسا کہ متی باب ۱۲ آیت ۱۴، مرقس باب ۳ آیت ۶ میں تفصیل ہے۔ کبھی یہودیوں میں سے انکے معتقدین کو آنجناب علیہ السلام کی مذمت کرتے ہوئے کہتے ''کیا تم بھی گمراہ ہوگئے ہو؟ بھلا سرداروں یا فریسیوں میں سے کوئی اس پر ایمان لایا؟ مگر یہ عام لوگ جو شریعت سے واقف نہیں لعنتی ہیں'' چنانچہ یوحنا باب ۷ آیت ۴۷ میں صراحت ہے۔ کبھی آنجناب علیہ السلام سے نہایت بے باکی و بے ادبی سے کہتے ہیں کہ تُو سامری ہے اور تجھ میں بدروح ہے جیسا کہ یوحنا باب ۸ آیت ۴۸ میں صراحت ہے۔ کبھی آنجناب علیہ السلام کے متعلق کہتے کہ یہ شخص خدا کی طرف سے نہیں کیونکہ سبت کے دن کو نہیں مانتا اور ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شخص گناہگار ہے ہمیں معلوم نہیں کہ یہ کہاں کا ہے؟ جیسا کہ یوحنا باب ۹ آیت ۱۶، ۲۴، ۲۹ میں صراحت ہے۔ کبھی کہتے تھے کہ وہ دیوانہ ہے اسمیں بدروح ہے تم اسکی کیوں سنتے ہو اور پتھر اٹھاتے تا کہ انکو سنگسار کریں جب وہ ان سے پوچھتے کہ کس کام کے سبب مجھے سنگسار کرتے ہو؟ تو وہ کہتے کہ تمہارے کفر کے سبب سے تمہیں سنگسار کرتے ہیں جیسا کہ یوحنا باب ۱۰ آیت ۲۰، ۳۰، ۳۲ میں صراحت ہے۔ کبھی سردار کاہن اور فریسی صدر عدالت کے لوگوں کو جمع کر کے کہتے ہیں کہ ہم کیا کریں؟ یہ آدمی تو بہت معجزے دکھاتا ہے۔ اگر ہم اسے یوں ہی چھوڑ دیں تو سب اس پر ایمان لے آئینگے اور رومی ہمارے مقام اور قوم دونوں پر قبضہ کرلیں گے پھر اسی روز انکے قتل کا مشورہ کرنے لگے اس وجہ سے آنجناب علیہ السلام یہود میں علانیہ چلا پھرا نہیں کرتے تھے جیسا کہ یوحنا باب ۱۱ آیت ۴۷ میں صراحت ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کی تدابیر

یہودیوں نے اکثر اوقات بھرپور کوشش کی کہ آنجناب علیہ السلام کی نبوت حقہ ثابت نہ ہونے پائے اور متعدد بار جناب مسیح علیہ السلام اور انکے حواریوں کو قتل کرنے کی عملی کوشش بھی کی چنانچہ ایک مرتبہ جب آنجناب علیہ السلام ہیکل میں تشریف لاکر خرید وفروخت کرنے والوں کو نکال کر تعلیم دینے لگے تو سردار کاہن' فقیہ اور قوم کے رئیس انکے ہلاک کرنے کی کوشش میں تھے لیکن کوئی تدبیر نہ نکال سکے کہ یہ کس طرح کریں کیونکہ سب لوگ انکی تعلیم سے حیران ہوتے تھے جیسا کہ لوقا باب ۱۹ آیت ۴۵' مرقس باب ۱۱ آیت ۱۵ میں صراحت ہے۔ جس وقت آنجناب علیہ السلام دورانِ وعظ یہود کے رؤسا ومشائخ اور فریسیوں پر تعریض کرتے تو یہ لوگ سن کر انکے ہلاک کرنے کی کوشش میں رہتے مگر لوگوں سے ڈرتے تھے کیونکہ لوگ انکو بطورِ پیغمبر جانتے تھے جیسا کہ متی باب ۲۱ آیت ۴۵ میں صراحت ہے۔ کبھی آنجناب علیہ السلام کی ذات پر کفر وگمراہی کا الزام دیتے' آپکی ذات والا شان کا مذاق اڑاتے جیسا کہ متی باب ۹ آیت ۳' ۲۴ مرقس باب ۲ آیت ۶' لوقا باب ۵ آیت ۲۱ میں صراحت ہے۔ کبھی یہ لوگ آنجناب علیہ السلام کے ارشاد سن کر غصے میں اپنے کپڑے پھاڑ کر کہتے کہ اس نے کفر بکا ہے اب ہمیں مزید گواہوں کی کیا ضرورت ہے دیکھو تم نے ابھی یہ کفر سنا ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے انہوں نے جواب میں کہا وہ قتل کے لائق ہے اس پر انہوں نے انکے منہ مبارک پر تھوکا' مکے مارے اور بعض نے طمانچے مارے اور بطورِ استہزا کہا کہ اے مسیح! ہمیں نبوت سے بتا کہ تجھے کس نے مارا؟ جیسا کہ متی باب ۲۶ آیت ۶۵' مرقس باب ۱۴ آیت ۶۳' لوقا باب ۲۲ آیت ۶۳ میں صراحت ہے۔ ان لوگوں نے آنجناب علیہ السلام کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا' ایک سرکنڈا انکے داہنے ہاتھ میں دیا' مذاق اڑایا' ان کے چہرے پر تھوکا' وہ سرکنڈا لیکر آپ علیہ السلام کے سر پر مارا' سولی چڑھاتے وقت راہ چلنے والے سر ہلا ہلا کر انکو لعن طعن کرتے'

سردار' کاہن اور فقیہ ان پر ٹھٹھا کرتے اور کہتے کہ اس نے اوروں کو بچایا ہے مگر اپنے آپکو نہیں بچا سکتا۔ اگر یہ اسرائیل کا بادشاہ ہے تو صلیب سے اتر آئے تا کہ ہم اس پر ایمان لائیں۔ اس نے تو خدا پر بھروسہ کیا ہے اگر وہ اسے چاہتا ہے تو اب اسے چھڑائے کیونکہ اس نے کہا تھا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں جیسا کہ متی باب ۲۷ آیت ۲۷ مرقس باب ۱۵ آیت ۱۶ لوقا باب ۲۳ آیت ۳۵ میں صراحت ہے۔ آنجناب علیہ السلام کے مصلوب ہونے کے دوسرے دن سردار کاہنوں اور فریسیوں نے پیلاطس کے پاس جمع ہو کر کہا خداوند! ہمیں یاد ہے کہ اس دھوکے باز نے جیتے جی کہا تھا میں تین دن کے بعد جی اٹھونگا پس حکم دے کہ تیسرے دن تک قبر کی نگہبانی کی جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ اسکے شاگرد آ کر اسے چرا لے جائیں اور لوگوں سے کہہ دیں کہ وہ مُردوں میں سے جی اٹھا ہے اور یہ پچھلا دھوکا پہلے سے بھی برا ہو۔ نیز جب پیلاطس آنجناب علیہ السلام کے قتل پر راضی نہ تھا تو ان لوگوں نے علی الاعلان کہا کہ اسکا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر ہو جیسا کہ متی باب ۲۷ میں صراحت ہے۔ جناب مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے اور تیسرے دن قبر سے جی اٹھنے کے بعد جب سرداروں' کاہنوں کو خبر ملی کہ انکا جسدِ اطہر قبر میں نہیں ہے تو سب بزرگوں نے جمع ہو کر مشورہ کیا اور سپاہیوں کو بہت سا روپیہ دیکر کہا یہ کہہ دینا کہ رات کو جب ہم سو رہے تھے اسکے شاگرد آ کر اسے چرا لے گئے اور اگر یہ بات حاکم کے کان تک پہنچی تو ہم اسے سمجھا کر تم کو خطرہ سے بچا لیں گے پس انہوں نے روپیہ لیکر جیسا سکھایا گیا تھا ویسا ہی کیا اور یہ بات آج تک یہودیوں میں مشہور ہے جیسا کہ متی باب ۲۸ آیت ۱۲ میں صراحت ہے۔

یہود کا حواریوں سے سلوک

اسی طرح حواریوں کے دور میں جب تقریباً پانچ ہزار لوگ آنجناب علیہ السلام پر ایمان

لائے تو یہود کے کاہن' فقیہ اور سردار یروشلیم میں جمع ہو کر مشورہ کرنے لگے کہ ہم ان آدمیوں کیساتھ کیا کریں کیونکہ یروشلیم کے سب رہنے والوں پر روشن ہے کہ ان سے معجزات ظاہر ہوئے اور ہم اسکا انکار نہیں کر سکتے لیکن ایسا نہ ہو کہ یہ لوگوں میں شہرت پا جائیں لہٰذا ہمیں چاہیے کہ انکو دھمکائیں تا کہ آئندہ یہ مسیح کا نام لیکر کسی سے بات نہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے حواریوں کو بلا کر تنبیہ و تاکید کی کہ یسوع کا نام لیکر ہرگز بات نہ کرنا اور تعلیم نہ دینا۔ پھر جب حواری تعلیم دینے سے باز نہ آئے تو ان لوگوں نے انکے قتل کا مشورہ کیا حتیٰ ستفینس جو ملتِ مسیحی کی بزرگ شخصیت تھی انکو سنگسار کیا' یعقوب حواری کو تلوار سے قتل کیا یہ واقعہ ۴۴ء میں پیش آیا اور پطرس حواری کو قید کر ڈالا بالآخر ۶۵ء میں ملکِ روم میں اس عظیم الشان حواری نے جامِ شہادت نوش کیا۔ چنانچہ سنِ وفات کے علاوہ دیگر تمام احوال و واقعات ''رسولوں کے اعمال'' باب ۴'۵'۷'۱۲ میں مذکور ہیں۔ اسی طرح یوحنا حواری کو ۹۵ء جزیرہ پطمس میں جلاوطن کر کے قید کیا گیا۔ اسی جگہ انہوں نے اپنے مکاشفات لکھے اور پولوس کو جو تکالیف پہنچائی گئیں انکا احاطہ تحریر میں لانا ایک لمبا کام ہے لہٰذا ہم ان کے ایک بیان پر اکتفا کرتے ہیں ''میں نے یہودیوں سے پانچ بار ایک کم چالیس چالیس کوڑے کھائے' تین بار چھڑیوں سے مار کھائی اور ایک مرتبہ سنگسار کیا گیا'' (۲۔کرنتھیوں باب ۱۱ آیت ۲۴) آخر کار پطرس حواری کی طرح یہ بزرگ بھی ۶۵ء میں ملکِ روم میں ظالموں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ عہدِ جدید کے مذکورہ بالا مطاعن کے علاوہ یہود کے جناب عیسیٰ علیہ السلام اور انکے حواریوں پر دیگر مطاعن والزامات بھی بہت ہیں اور آج تک کرتے ہیں۔

حاصل کلام

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ جن لوگوں کا فطری مزاج ہی شقاوت وکفر کا ہے یا وہ لوگ کہ نفس پرستی اور شرارت وسرکشی انکی جبلّتِ طبعیہ ہے ایسے لوگوں کا معجزات دیکھنا نہ دیکھنا برابر

ہے۔ یہ لوگ از راہِ خباثت اپنے شخص محسود کی خوبیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اپنے زعم کے مطابق ایک آدھ عیب ہاتھ آجائے تو اسے خوب اچھالتے ہیں۔ جان بوجھ کر نہ راہِ راست پر آتے ہیں اور نہ دوسروں کو آنے دیتے ہیں چنانچہ یہود کا بھی یہی حال تھا انہوں نے معجزاتِ عیسوی کا مشاہدہ کرنے کے باوجود قصداً اِس ڈر سے آنجناب علیہ السلام کی تکذیب کی کہ اگر وہ انکی تصدیق کرتے تو رومی انکا مال واسباب برباد کر دیتے چنانچہ انہوں نے نہ صرف تکذیب کی بلکہ انکو کافر، گمراہ، دیوانہ، سامری تک کہا اور شب وروز انکی ہتکِ عزت کے درپے رہے۔ انکے ساتھیوں اور انکے قتل کی سازشیں کرتے رہے طرح طرح کی گستاخیوں کا ارتکاب کرتے رہے یہاں تک آنجناب علیہ السلام کے سنگسار کرنے اور قتل تک نوبت پہنچی۔

یہی حال مسیحی علماء کا ہے کہ اپنے حکام سے سالانہ وماہانہ ملنے والے وظائف اور حقیر دنیاوی منفعت کی وجہ سے خاتم المرسلین سید النبیین محمدِ عربی ﷺ پر تکذیب وطعن کی زبان دراز کرتے ہیں اور اپنے حق میں آخرت کی تباہی کا سامان کر رہے ہیں اور یہ کوئی پہلا شیشہ نہیں جو ٹوٹ گیا ہو بلکہ جس طرح انکے اسلاف نے اپنے انبیاء علیہم السلام کیساتھ سلوک کیا یہ بھی اسی راہ پر چلتے ہوئے وہی کوشش کر رہے ہیں۔ چنانچہ جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف کفر وضلال ودیوانگی کی نسبت کرنے اور طرح طرح کی تکالیف پہنچانے سے انکی شخصیت گرامی پر کوئی حرف نہیں آتا اِسی طرح بغض وتعصب کے اِن چمگادڑوں کی وجہ سے رسالتِ محمدی ﷺ کی چمکتی کرنوں کو کبھی زوال نہیں آسکتا۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ابتداءِ اسلام میں مشرکین عرب نے ملتِ احمدی ﷺ کے نور بجھانے کیلئے کیا کچھ نہیں کیا اور بعد کے ادوار میں بھی تاتاریوں نے اِس روشنی کے بجھانے میں کیا کیا کوششیں نہیں کی۔ آخر کار ذلت وخسران انکا مقدر بنی اور دینِ محمدی ﷺ آج بھی اسی طرح ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور انشاء اللہ قیامت تک باقی رہے گا۔

فصلِ دوم (از بابِ سوم)

یہ فصل ان پیشینگوئیوں کی تحقیق کے بیان میں ہے جو مسیحی حضرات انبیاءِ سابقین کے صحائف سے لیکر جناب مسیح علیہ السلام کیلیئے ثابت کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ ان پیشینگوئیوں پر فی نفسہٖ تنقید کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس لحاظ سے کلام مقصود ہے تا کہ ان لوگوں کو تنبیہ ہو جائے اور وہ ختم المرسلین ﷺ کے متعلق بشارات پر ناحق کلام، نامعقول اعتراض نہ کر سکیں ورنہ اگر بشاراتِ عیسوی کے متعلق بھی یہی رویہ روا رکھا جائے تو ایک بھی بشارت کا جناب مسیح علیہ السلام کے متعلق ثابت کرنا مشکل ہو جائے گا لہذا طوالت کے خوف سے ہم اکثر ان پیشینگوئیوں کا تذکرہ کریں گے جو انجیل میں مندرج ہیں اور مسیحیت کے قرنِ اوّل وثانی کے بزرگان ان سے استدلال کرتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ لوگ بعد کے زمانوں سے افضل ہیں۔ وباللہ التوفیق

پہلی بشارت

جب حضرت مریم علیہا السلام کے شوہر یوسف نے اپنی بیوی کو قبل از مجامعت حاملہ پایا تو چاہا کہ اسے چپکے سے چھوڑ دے اس وقت ایک فرشتہ نے اسے خواب میں دکھائی دیکر کہا کہ وہ روح القدس سے حاملہ ہوئی ہے۔ اِس بارے میں متی باب ۱ آیت ۲۲ میں اِس طرح ذکر ہے ”یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی اور اسکا نام عمانوایل رکھیں گے جسکا ترجمہ ہے خدا

ہمارے ساتھ'' یہ اس پیشینگوئی کی طرف اشارہ ہے جو یسعیاہ باب ۷ آیت ۱۴ میں مذکور ہے چنانچہ باب دوم کی فصل سوم میں دلیل اوّل کے ذیل میں اسکا ذکر ہو چکا مگر یہاں کلامِ یسعیاہ میں جو ''علماہ'' کا لفظ ہے کہ متی نے اپنے صحیفہ میں اور دیگر مسیحیوں نے کتاب یسعیاہ میں اسکا ترجمہ ''باکرہ'' سے کیا ہے جبکہ یہود اِسے مطلق ''جوان عورت'' کے معنی میں لیتے ہیں خواہ وہ باکرہ ہو یا غیر باکرہ (۱) اور اس پیشینگوئی کا مصداق اپنا مسیح بتاتے ہیں جسکے وہ منتظر ہیں۔ بعض مسیحی علماء اِس طرح عذر پیش کرتے ہیں کہ اگر یہاں باکرہ والا معنی نہ لیا جائے تو لفظ کا زائد بے فائدہ ہونا لازم آتا ہے کیونکہ اکثر لوگ جوان عورتوں کی اولاد ہوتے ہیں مگر یہ جواب بھی کمزور ہے کیونکہ یرمیاہ و یسعیاہ کے صحائف کون سے مختصر ہیں کہ ان میں ایک لفظ کا زائد ہو جانا قبیح ہے۔ اور متی باب ۱۱ آیت ۱۱ میں جناب مسیح علیہ السلام کا قول اس طرح مذکور ہے ''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو عورتوں سے پیدا ہوئے ہیں ان میں یوحنا بپتسمہ دینے والے سے بڑا کوئی نہیں ہوا'' یہاں بھی معترض کو یہ کہنے کا حق ہے کہ ''عورتوں سے پیدا ہوئے'' کہنا بالکل بے فائدہ اور زائد ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے علاوہ تمام انسان عورتوں سے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ لفظ ''علماہ'' ہرگز مشترک نہیں ہے بلکہ کنواری عورت کے معنی میں ہے ہم کہتے ہیں کہ اِس لفظ کا عدمِ اشتراک تسلیم کر لینے کی صورت میں بھی ایک اور مانع پیش آ جاتا ہے کیونکہ حضرت مریمؑ کا کنوارا پن یہود کے سامنے کس طرح ثابت ہو سکتا ہے جبکہ آنجناب علیہ السلام کی ولادت سے قبل حضرت مریمؑ کا یوسف نجار سے نکاح ہو چکا تھا اور آنجناب علیہ السلام کے زمانے کے یہود انکو یوسف نجار کا بیٹا کہتے تھے جیسا کہ متی باب ۱۳ آیت ۵۵ یوحنا باب ۱ آیت ۴۵ باب ۶ آیت ۴۲ میں صراحت

---

(۱) بلکہ موجودہ مسیحی علماء بھی اسے جوان لڑکی کے معنی میں لیتے ہیں خواہ کنواری ہو یا نہ ہو یہی وجہ ہے کہ آر، ایس، وی بائبل میں اسکا ترجمہ Young Woman سے کیا گیا ہے۔

ہے اور آج تک اسی طرح کہتے ہیں(۱) بلکہ بعض تو اس سے بڑھ کر بے ادبی کرتے ہیں۔(۲) اب جب ان لوگوں کے نزدیک حضرت

مریمؑ کی دوشیزگی وبکارت ثابت نہیں ہے تو ان کیلئے صداقتِ مسیح علیہ السلام کی اور کون سی دلیل پیش کی جاسکتی ہے؟ علاوہ ازیں ماں باپ وغیرہ کسی نے بھی انکا نام عمانوایل نہیں رکھا بلکہ یسوع کا نام دیا اور نہ کبھی خود آنجناب علیہ السلام نے اپنے آپکو عمانوایل کے نام سے ظاہر کیا۔(۳)

دُوسری بشارت

جب مسیح علیہ السلام بیتِ لحم یہودیہ میں پیدا ہوئے تو کاہنوں نے ہیرودیس بادشاہ سے

---

(۱) بلکہ مسیحی علما بھی اسی طرح کہتے ہیں چنانچہ مشہور عیسائی مفسر میتھو ہینری لکھتے ہیں'مریم کی نیک نامی کو بچایا گیا ورنہ اس پر بہت انگلیاں اٹھتیں۔مناسب تھا کہ شادی کے وسیلہ سے حمل کو تحفظ دیا جائے تاکہ دنیا کی نگاہ میں جائز ٹھہرے تاکہ مبارک مریم کو ایک مددگار ساتھی میسر ہو (تفسیر الکتاب میتھو ہینری، ج۳،ص۴،مطبوعہ چرچ فاؤنڈیشن سیمینارز لاہور، سن طباعت ۲۰۰۵ء) مریم نیک نام'راستباز عورت تھیں۔ کنواری حاملہ ہوگئیں ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ان پر بہت انگلیاں اٹھتیں اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ انکی یوسف نامی شخص سے شادی کروادی جائے اور شادی کے وسیلہ سے حمل کو تحفظ دیا جائے۔ مسیحی قوم کا فرض ہے کہ وہ بتائے کہ یہودیوں کے بہتان اور اس محقق عیسائی مفسر کے اعتراف میں کیا فرق ہے؟

(۲) اور یہاں تک کہتے ہیں کہ حضرت مریمؑ کا یوسف نجار سے قبل از نکاح ازدواجی تعلق ہوگیا تھا اس طرح وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اُنکی والدہ دونوں پر تہمت لگاتے ہیں۔نعوذ باللہ

(۳) مسیحی مفسر لکھتے ہیں''ایسا کوئی ریکارڈ موجود نہیں کہ زمینی زندگی میں مسیح کو کبھی''عمانوایل'' کے نام سے پکارا گیا ہو۔اسکو ہمیشہ''یسوع'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے''(تفسیر الکتاب۔ولیم میکڈونلڈ ،جلد اول،ص ۳۲،مطبوعہ مسیحی اشاعت خانہ فیروز پور روڈ لاہور، سن طباعت ۲۰۰۲ء) جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام یسوع رکھا گیا' یہی نام پکارا گیا کسی نے انکا نام عمانوایل نہیں رکھا اور نہ کسی نے انکو اس نام سے پکارا اور یاد کیا تو اس پیشنگوئی کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرار دینا کس طرح صحیح ہے؟

کہا کہ مسیح کی پیدائش بیت لحم یہودیہ میں ہوگی اس بارے میں متی باب ۲ آیت ۵ میں اس طرح ذکر ہے ”کیونکہ نبی کی معرفت یوں لکھا گیا ہے کہ اے بیتِ لحم یہودیہ کے علاقے تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں کیونکہ تجھ میں سے ایک سردار نکلے گا جو میری امت اسرائیل کی گلہ بانی کرے گا“ یہ اُس پیشینگوئی کی طرف اشارہ ہے جو صحیفہ میکاہ میں باب ۵ آیت ۲ میں مذکور ہے مگر انکے صحیفہ کی اصل عبارت اس طرح ہے ”لیکن اے بیت لحم افراتاہ اگرچہ تو یہوداہ کے ہزاروں میں شامل ہونے کیلئے چھوٹا ہے تو بھی تجھ میں سے ایک شخص نکلے گا اور میرے حضور اسرائیل کا حاکم ہوگا اور اسکا مصدر زمانہ سابق ہاں قدیم الایام سے ہے“

غور فرمایئے! یہاں نقلِ عبارت میں کچھ ”تصرف“ ہوا ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو یہ ہے کہ ”تو یہوداہ کے ہزاروں میں شامل ہونے کیلئے چھوٹا ہے“ اور دوسری طرف یہ ہے کہ ”تو یہوداہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں ہے“ اِسی طرح ایک جگہ تو یہ ہے کہ ”تجھ سے ایک شخص نکلے گا اور میرے حضور اسرائیل کا حاکم ہوگا“ اور دوسری جگہ یہ ہے کہ ”تجھ سے ایک سردار نکلے گا جو میری امت اسرائیل کا حاکم ہوگا“ (۱) وجہ اسکی یہ ہے کہ میکاہ کی عبارت صریح ہے کہ بیتِ لحم سے ایک شخص نکلے گا جو اسرائیل کا حاکم ہوگا اور چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو بنی اسرائیل پر حکومت نہ مل سکی لہٰذا یہود اِس پیشینگوئی کا حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ہونے سے انکار کرتے ہیں اور اسکا مصداق اپنا مسیح بتاتے ہیں جسکے وہ منتظر ہیں۔ اس سے قطع نظر اگر حکومت سے مراد ”روحانی حکومت“ بھی لے لیا جائے تو حضرت مسیح علیہ السلام کی تخصیص کیوں ضروری ہے؟ یہ بات کسی اور صالح یا بزرگ شخص کے متعلق کیوں

(۱) مثبت کلام کو منفی بنا دیا۔ حاکم کے لفظ کو گلہ بان سے بدل دیا۔ دونوں لفظوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا تصرف ہوگا۔ بعض لوگ اسے تحریف قرار دیتے ہیں۔

نہیں ہوسکتی کیونکہ عبارت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو اس شخص کے نبی ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہو۔

تیسری بشارت

جب حضرت مریم علیہا السلام کے شوہر اپنے خواب کی بنا پر حضرت مسیح و مریم علیہما السلام کو مصر لے گئے اور ہیرودیس بادشاہ کے مرنے تک وہیں رہے اس بارے میں متی باب ۲ آیت ۱۵ میں اِس طرح ذکر ہے ''تا کہ جو خداوند نے نبی کی معرفت کہا تھا وہ پورا ہو کہ مصر میں سے میں نے اپنے بیٹے کو بلایا'' اس آیت میں اس پیشینگوئی کی طرف اشارہ ہے جو ہوسیع باب ۱۱ آیت ۱ میں ہے لیکن متی نے سہواً ان کو حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق ہونا لکھ دیا ہے ورنہ وہ آیات تو اس طرح ہیں ''جب اسرائیل ابھی بچہ تھا میں نے اس سے محبت رکھی اور اپنے بیٹے کو مصر سے بلایا انہوں نے جس قدر انکو بلایا اسی قدر وہ دور ہوتے گئے انہوں نے بعلیم کیلئے قربانیاں گذرانیں اور تراشی ہوئی مورتوں کیلئے بخور جلایا'' ......وہ پھر ملکِ مصر میں نہ جائیں گے بلکہ اسور انکا بادشاہ ہوتا کیونکہ وہ واپس آنے سے انکار کرتے ہیں....... اے افرائیم میں تجھ سے کیوں کر دست بردار ہو جاؤں؟ اے اسرائیل میں تجھے کیونکر ترک کردوں؟ میں کیونکر تجھے ادمہ کی مانند کردوں اور ضبوئیم کی مانند بناؤں؟ میرا دل مجھ میں پیچ کھاتا ہے۔ میری شفقت موجزن ہے ......وہ مصر سے پرندہ کی طرح اور اسور کے ملک سے کبوتر کی مانند کانپتے ہوئے آئیں گے اور میں انکو انکے گھروں میں بساؤں گا خداوند فرماتا ہے'' (ہوسیع باب ۱۱ آیت ۱، ۲، ۵، ۸، ۱۱)

یہاں دیکھئے کہ ''دور ہوتے گئے'' قربانیاں گذرانیں ''بخور جلایا'' سب جمع کے صیغے ہیں جو اس بات پر دلیل کہ اِن ضمائر کا مرجع اور افعال کا فاعل بھی جمع ہے۔ اس لئے

ایسا لگتا ہے کہ اسرائیل سے مراد "فرزندان و اولادِ اسرائیل" ہے اور عبارت حذفِ مضاف پر محمول ہے یعنی میں نے اپنی اولاد کو مصر سے طلب کیا اور کلام میں حذفِ مضاف کے نظائر بے شمار ہیں جیسا کہ باب دوم کی فصل دوم میں دلیل نہم کے ذیل میں گذرا۔ اس احتمال کی تائید بائبل کے اس عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء سے بھی ہوتی ہے جسکی عبارت اس طرح ہے "اِنّ اسرائیل مذ کان طفلاً انا احببته ومن مصر دعوت اولاده" اسی طرح یہاں بھی پہلی آیت میں بیٹے کی جگہ بیٹوں جمع کا لفظ تھا متی نے سہواً اسکو مفرد لکھ دیا پھر اسی کا اعتبار کرتے ہوئے دیگر مترجمین نے ہوسیع باب ۱۱ کی آیت میں تحریف کرتے ہوئے جمع کے صیغہ کو مفرد سے بدل دیا مگر افسوس ہے کہ اگلی آیت نے انکی تحریف کا پردہ تار تار کر دیا اور بات نہ بن سکی (۱) بہر صورت یہ پیشینگوئی حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں نہیں ہو سکتی اور اس سے قطع نظر اگر لفظ بیٹا مفرد بنا کر حضرت مسیح علیہ السلام مراد لیا جائے تو اگلی آیات میں اس بیٹے کی نافرمانی بت پرستی توبہ نہ کرنے کا اور اسور کا اس پر بادشاہ ہونے کا تذکرہ ہے یہ سب باتیں حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق کہاں متصور ہو سکتی ہیں؟ نعوذ باللہ العظیم بلکہ یہ خبر تو عہدِ مسیح علیہ السلام کے دیگر یہودیوں پر بھی صادق نہیں آتی کیونکہ اس وقت یہود میں بت پرستی نہ تھی اور حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ سے سینکڑوں سال قبل وہ واپس آچکے تھے یعنی رجوع و توبہ کر چکے تھے۔

پیشینگوئی کا صحیح مطلب

بلکہ معاملہ کی حقیقت یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد فتنہ و فساد ہوا اور سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی ایک کا نام سلطنت یہوداہ ہوا اور دوسری سلطنتِ اسرائیل

(۱) کیونکہ دوسری آیت میں تمام صیغے جمع کیلئے ذکر ہوئے ہیں ظاہر ہے کہ انکا مرجع بھی جمع ہوگا۔

ٹھہری۔ سلطنتِ اسرائیل کے بادشاہ یربعام کے عہدِ اول میں اسرائیل میں بت پرستی رواج پا گئی جیسا کہ سلاطینِ اول باب ۱۲ میں مذکور ہے۔ اور الیاس علیہ السلام کے زمانہ میں چارسو پچاس لوگوں نے بعل بت کی پیغمبری کا علم اٹھایا۔ بعل کی جو بعلیم سے بھی عبارت ہے پرستش کی اور اسکے لئے قربانیاں گذرانیں اور یہ سلسلہ اسرائیلی سلطنت میں روز بروز ترقی پاتا گیا۔ اِسی طرح سلطنتِ یہوداہ میں اکثر سلاطین کے زمانوں میں یہی حال رہا۔ انہی قبائح کی وجہ سے حضرت ہوسیعؑ (جنکی ولادت ۸۱۰ قبلِ مسیح علیہ السلام میں عزرا بادشاہ کے دور میں ہوئی یہ شخص اولادِ سلیمان علیہ السلام میں سے نواں آدمی ہے جو سلطنت یہوداہ کا تخت نشین ہوا) از راہِ وحی سلطنتِ اسرائیل کے برباد ہونے کی خبر دیتے تھے اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام بھی ان دونوں سلطنتوں کے برباد ہونے کی پیشینگوئی کرتے تھے چنانچہ حضرت ہوسیعؑ کی پیشینگوئی کے نوے سال بعد جب حزقیاہ بادشاہِ سلطنت یہوداہ کا چھٹا سال تھا تو اسور کے بادشاہ نے سلطنت اسرائیل کو بالکل برباد کر دیا اور بنی اسرائیل کو قید کر کے اسور لے گیا چنانچہ سلاطین دوم باب ۱۸،۱۷ میں یہ تمام احوال مفصل مذکور ہیں۔ اِسی طرح سلطنتِ اسرائیل کے برباد ہونے کے تقریباً ایک سو تینتیس سال بعد بخت نصر بادشاہِ بابل نے سلطنتِ یہوداہ کو بھی تہ وبالا کر دیا، بیت المقدس کو ویران کر دیا اور یہوداہ کی اولاد کو قید کر کے بابل لے گیا چنانچہ سلاطین دوم باب ۲۵ میں مفصل مذکور ہے۔ اس حادثہ کے پیش آنے کے بعد باقی لوگ بخت نصر کے ڈر سے مصر روانہ ہو گئے ہر چند کہ حضرت یرمیاہؑ نے حکمِ الٰہی کی بنا پر انہیں وہاں جانے سے منع کیا مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا اور حضرت یرمیاہؑ کو بھی ساتھ لے گئے جیسا کہ یرمیاہ باب ۴۳ میں مذکور ہے لہٰذا ہوسیع کی زیرِ بحث آیات میں حضرت ہوسیعؑ اللہ تعالٰی کے ان احسانات کو ذکر فرما رہے ہیں جو زمانہ ماضی میں بنی اسرائیل پر ہوئے اور پھر اس قوم کی نافرمانی کو ظاہر فرماتے ہیں اور اللہ تعالٰی کی جانب سے وعدہ فرماتے ہیں کہ

اسکی رحمتِ واسعہ سے انکو مصر اور اسور سے رہائی ملے گی اور یہ دوبارہ اپنے وطن آکر آباد ہونگے پھر اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ ایفاء بھی فرمایا۔

چوتھی بشارت

جس وقت ہیرودیس نے بیتِ لحم اور اسکے گردونواح کے تمام دو برس کے بچوں کو قتل کروادیا تو اس بارے میں متی باب ۲ آیت ۱۷ میں ہے ''اس وقت وہ بات پوری ہوئی جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہی گئی تھی کہ رامہ میں آواز سنائی دی رونا اور بڑا ماتم۔ راخل اپنے بچوں کو رورہی ہے اور تسلی قبول نہیں کرتی اس لئے کہ وہ نہیں ہیں'' اس آیت میں اس پیشینگوئی کی طرف اشارہ ہے جو یرمیاہ باب ۳۱ آیت ۱۵ میں ہے۔

پیشینگوئی کا صحیح مطلب

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یرمیاہ کی خبر کا مصداق اس واقعۂ قتل وخون کو قرار دینا جو ہیرودیس کے زمانے میں ہوا یہ خالص سینہ زوری اور ایک بے بنیاد دعویٰ ہے۔ کیونکہ درحقیقت اسکا مصداق بخت نصر بادشاہ کے زمانے کا واقعہ ہے کہ یروشلیم کی فتح پر اس نے بنی اسرائیل کی ایک کثیر تعداد کو قتل کیا اور ایک اچھی خاصی تعداد کو قید کر کے بابل لے گیا اور راخیل کی روح اس حادثہ پر عالمِ برزخ میں غمگین ہوئی خدا تعالیٰ نے اسے تسلی دی کہ غم نہ کر تیری اولاد قید سے رہا ہو کر وطن واپس آئے گی چنانچہ یرمیاہ باب ۳۰ آیت ۳ میں اس طرح ہے ''کیونکہ دیکھ وہ دن آتے ہیں خداوند فرماتا ہے کہ میں اپنی قوم اسرائیل اور یہوداہ کی اسیری کو موقوف کراؤنگا خداوند فرماتا ہے اور میں انکو اس ملک میں واپس لاؤنگا جو میں نے انکے باپ دادا کو دیا اور وہ اسکے مالک ہونگے ...... اس لئے اے میرے خادم یعقوب ہراسان نہ ہو خداوند فرماتا ہے اور اے اسرائیل گھبرا نہ جا کیونکہ دیکھ میں تجھے دور سے اور

تیری اولاد کو اسیری کی زمین سے چھڑاؤنگا اور یعقوب واپس آئے گا اور آرام وراحت سے رہے گا اور کوئی اسے نہ ڈرائے گا'' الخ اسی طرح کا مضمون آیت ۱۵ سے لیکر آخرِ باب تک مذکور ہے۔ آگے یرمیاہ باب ۳۱ آیت ۸ میں اس طرح ہے'' دیکھو میں شمالی ملک سے انکو لاؤنگا اور زمین کی سرحدوں سے انکو جمع کرونگا اور ان میں اندھے اور لنگڑے اور حاملہ اور زچہ سب ہونگے انکی بڑی جماعت یہاں واپس آئے گی......اے قومو! خداوند کا کلام سنو اور دُور کے جزیروں میں منادی کرو اور کہو کہ جس نے اسرائیل کو تتر بتر کیا وہی اسے جمع کرے گا اور اسکی ایسی نگہبانی کریگا جیسی گڈریا اپنے گلہ کی......خداوند یوں فرماتا ہے کہ رامہ میں ایک آواز سنائی دی۔ نوحہ اور زار زار رونا راحل اپنے بچوں کو رو رہی ہے وہ اپنے بچوں کی بابت تسلی پذیر نہیں ہوتی کیونکہ وہ نہیں ہیں خداوند یوں فرماتا ہے کہ اپنی زاری کی آواز کو روک اور اپنی آنکھوں کو آنسوؤں سے باز رکھ کیونکہ تیری محنت کیلئے اجر ہے خداوند فرماتا ہے اور وہ دشمن کے ملک سے واپس آئیں گے اور خداوند فرماتا ہے تیری عاقبت کی بابت امید ہے کیونکہ تیرے بچے پھر اپنی حدود میں داخل ہونگے انتھی بتلخیص الایات الی آخر الباب۔

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی اِس طرح صراحت ہے کہ بنی اسرائیل کے لنگڑے اندھے، حاملہ اور زچہ تک قید سے رہائی پائیں گے اور اپنے وطن آکر اس سرزمین کے مالک ہوکر اطمینان سے زندگی گزاریں گے اور راحل کے اضطراب و بے چینی کو دیکھ کر اِس طرح وعدہ فرماتے ہیں کہ غم نہ کر تیری اولاد دشمن کے علاقے سے رہائی پاکر اپنے وطن لوٹ آئے گی۔ اِس پیشینگوئی کی وضاحت میں جو بات ہم نے ذکر کی ہے وہی تحقیقی، یقینی اور نص ہے بلکہ جو شخص بھی یرمیاہ کا باب ۳۰ اور ۳۱ دیکھے گا وہ پورے وثوق کیساتھ جان لے گا کہ اس خبر کا مصداق ہیرودیس بادشاہ کے زمانے کا واقعہ نہیں ہوسکتا۔

فائدہ

راحیل کا اپنی وفات کے سینکڑوں سال بعد غمگین ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جہاں میں جو اچھے برے کام ہوتے ہیں تو ارواح کو بھی عالم برزخ میں اس پر کچھ اطلاع حاصل ہو جاتی ہے۔ اس طرح نہیں ہے۔ جس طرح بعض دہری قسم کے مسیحی کہتے ہیں کہ انسان کو موت کے بعد کوئی ادراک نہیں رہتا۔

پانچویں بشارت

ہیرودیس بادشاہ کی وفات کے بعد یوسف مصر سے واپس آ کر گلیل کے نواح میں ناصرہ شہر میں جا بسے اس بارے میں متی باب ۲ آیت ۲۳ میں ہے ''اور ناصرہ نام ایک شہر میں جا بسا تا کہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا'' (۱)

---

(۱) اسکا مصداق حضرت عیسی علیہ السلام کو بتایا جاتا ہے اسی وجہ سے انکو یسوع ناصری کہا جاتا ہے۔ مگر قابل تحقیق بات یہ ہے کہ وہ کون سا صحیفہ ہے جس میں یہ پیشینگوئی درج ہے؟ وہ کون سا نبی ہے جسکی معرفت یہ کہا گیا ہے کہ وہ ناصری کہلائے گا؟ آپ پوری بائبل از اول تا آخر پڑھ ڈالیں اس پیشینگوئی کا کہ ''وہ ناصری کہلائے گا'' نام و نشان تک نہیں ہے۔ یہ الفاظ عہد نامہ قدیم کی کسی کتاب میں نہیں ملتے (تفسیر ولیم میکڈونلڈ۔ جلد اول۔ ص ۳۸، مطبوعہ مسیحی اشاعت خانہ فیروز پور روڈ لاہور، سن طباعت ۲۰۰۲ء) نا معلوم کون سا الہامی صحیفہ یا کچی کتاب مصنف انجیل جناب ''متی'' صاحب کے پیش نظر تھی جس میں یہ پیشینگوئی لکھی ہوئی تھی اور آج وہ کھوگئی یا بدل گئی۔ مفسرین صاف لکھتے ہیں کہ ''اس پیشینگوئی کا ماخذ معلوم نہیں'' (انجیل مقدس۔ مطالعاتی اشاعت، ص ۹، مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور) پادری ڈاکٹر ایچ۔ یو۔ سٹیفین لکھتے ہیں ''عہد نامہ قدیم میں کہیں اس بشارت کا پتہ نہیں چلتا'' (تفسیر متی۔ ص ۷۷) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہاں متی نے یسعیاہ ۱:۱۱ کی طرف اشارہ کیا ہے تو یہ انتہائی رکیک تاویل ہے کیونکہ وہاں تنے کی کونپل اور شاخ کا ذکر ہے یہاں ''ناصرہ'' شہر کا نام (اسم معرفہ) کا ذکر ہے ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ تعلق نکالنا دور کی کوڑی لانے کے مترادف ہے یہی حال دوسری تاویلات کا ہے۔ ہاں البتہ پادری ایف ایف بروس نے ایک اہم بات لکھی ہے کہ ''یونانی مسیحی کہا کرتے تھے کہ وہ (بقیہ اگلے صفحہ پر

اس پیشینگوئی کی حقیقت حال مقدمہ کتاب میں فائدہ دوم کے امر دوم کے تحت پوری شرح وتفصیل کیساتھ گذر چکی۔

چھٹی بشارت

جب حضرت مسیح علیہ السلام پطرس کے گھر آئے اور انکی ساس کوتپ کے بخار سے شفا بخشی اسی طرح ان لوگوں کو جو بیمار تھے یا ان میں بدروح تھی اچھا کردیا تو اس بارے میں متی باب ۸ آیت ۱۷ میں اس طرح ہے ”تاکہ جو یسعیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ اس نے آپ ہماری کمزوریاں لے لیں اور بیماریاں اٹھالیں“

اس آیت میں اس پیشینگوئی کی طرف اشارہ ہے جو یسعیاہ باب ۵۳ آیت ۳ میں مذکور ہے لیکن متی اس پیشینگوئی کا صرف شفا بخشنے میں حوالہ دیتے ہیں جبکہ دیگر عیسائی اس پیشینگوئی سے انکے مصلوب ہونے کا حوالہ دیکر اپنے گناہوں کے کفارہ کا مسئلہ بھی ثابت کرتے ہیں لہٰذا اولاً اس باب کی متعلقہ آیات پوری طرح ذکر کی جاتی ہیں تاکہ ان لوگوں کے دعویٰ کا حسن وقبح پوری طرح ظاہر ہو جائے۔

”وہ آدمیوں میں حقیر و مردود مرد غمناک اور رنج کا آشنا تھا۔ لوگ اس سے گویا

(بقیہ حاشیہ) پیشینگوئیاں جو مسیح کی آمد کے بارے میں ہیں ان میں یہودیوں نے دیدہ ودانستہ ردّوبدل کردیا ہے“ (طلوع مسیحیت ص ۸۲، مطبوعہ مسیحی اشاعت خانہ، سن طباعت ۲۰۰۲ء) پادری موصوف نے بات تو درست لکھی مگر ناتمام لکھی۔ دراصل یہ دیدہ ودانستہ ردّوبدل کرنا صرف یہودیوں کا ہی کام نہیں بلکہ عیسائیوں نے بھی اس کار خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے مثلاً توریت کی پانچویں کتاب ”استثناء“ کے باب ۳۳ کی آیت ۲ کا متن کیا ہے؟ کسی بائبل میں لکھا ہے ”اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا“ کسی میں لکھا ہے ”اور مریبہ قادیش میں آیا“ گویا پوری بات ہی بدل دی تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری اور اکثر نسخوں میں لکھا ہے ”دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا“ کیونکہ یہاں سرور عالم حضرت محمد ﷺ کے متعلق ایک بشارت کا تذکرہ ہے اس لئے انہوں نے اس آیت کیساتھ یہ ناروا سلوک کیا ہے۔

روپوش تھے اسکی تحقیر کی گئی اور ہم نے اسکی کچھ قدر نہ جانی تو بھی اس نے ہماری مشقتیں اٹھالیں اور ہمارے غموں کو برداشت کیا پر ہم نے اسے خدا کا مارا کوٹا اور ستایا ہوا سمجھا حالانکہ وہ ہماری خطاؤں کے سبب سے گھائل کیا گیا اور ہماری بدکرداری کے باعث کچلا گیا۔ ہماری ہی سلامتی کیلئے اس پر سیاست ہوئی تا کہ اسکے مار کھانے سے ہم شفا پائیں ہم سب بھیڑوں کی مانند بھٹک گئے ہم میں سے ہر ایک اپنی راہ کو پھرا پر خداوند نے ہم سب کی بدکرداری اس پر لادی......وہ ظلم کر کے اور فتویٰ لگا کر اسے لے گئے پر اسکے زمانہ کے لوگوں میں سے کس نے خیال کیا کہ وہ زندوں کی زمین سے کاٹ ڈالا گیا؟ میرے لوگوں کی خطاؤں کے سبب سے اس پر مار پڑی......لیکن خداوند کو پسند آیا کہ اسے کچلے اس نے اسے غمگین کیا جب اسکی جان گناہ کی قربانی کیلئے گذرانی جائیگی تو وہ اپنی نسل کو دیکھے گا۔ اسکی عمر دراز ہوگی اور خداوند کی مرضی اسکے ہاتھ کے وسیلہ سے پوری ہوگی اپنی جان ہی کا دکھ اٹھا کر وہ اسے دیکھے گا اور سیر ہوگا اپنے ہی عرفان سے میرا صادق خادم بہتوں کو راستباز ٹھہرائے گا کیونکہ وہ انکی بدکرداری خود اٹھالیگا'' انتھی بتلخیص الایات (یسعیاہ باب ۵۳ آیت ۱ تا ۶'۸'۱۰'۱۱)

کہا جاتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کا خطاب ہے جو حضرت یسعیاہ سے ہوا یا حضرت یسعیاہ کا اپنا کلام ہے۔ اب پہلی صورت میں ان آیات کا کیا مطلب ہوگا کہ ''ہماری مشقتیں اٹھالیں' ہمارے غموں کو برداشت کیا' ہماری خطاؤں کے سبب گھائل کیا گیا' ہماری بدکرداری کے باعث کچلا گیا' ہم سب بھیڑوں کی مانند بھٹک گئے' ہر ایک اپنی راہ کو پھرا الخ کیونکہ یہ سب امور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حق میں ممکن نہیں ہو سکتے اور دوسری صورت میں ''میرا صادق خادم'' کا کیا مطلب ہوگا؟ کیونکہ جناب مسیح علیہ السلام مسیحیوں کے عقیدہ کے مطابق ایک مجہول الکنہ تعلق کی وجہ سے عین خدا ہیں اور جسم کے اعتبار سے تمام انبیاء وملائکہ سے افضل بھی ہیں تو اب یہ جملہ ''میرا صادق خادم'' کیسے صادق آتا ہے۔ علاوہ ازیں ان حضرات کے اعتقاد

کے مطابق جب آنجناب علیہ السلام مصلوب ہونے کے بعد تیسرے روز زندہ ہوکر آسمان پر چلے گئے اور پھر قرب قیامت میں زمین پر تشریف لائینگے جیسا کہ مسیحیوں اور مسلمانوں کا اتفاق ہے تو یہ جملہ بھی انکے حق میں درست نہیں بیٹھتا کہ ''وہ زندوں کی زمین سے کاٹ ڈالا گیا''

بلکہ اگر اس پیشینگوئی کا مصداق حضرت یحیٰی علیہ السلام کو قرار دیا جائے تو مناسب ہے کیونکہ انہوں نے انتہائی مسکنت کیساتھ جنگل میں زندگی گذاری آخر کار ظلماً مقتول ہوئے اور مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے کہ دوبارہ اپنی زمین پر آنا نہ ہوا لہذا انکے حق مین یہ جملہ کہ ''وہ زندوں کی زمین سے کاٹ ڈالا گیا بخوبی صادق آتا ہے۔ اور اگر اس خبر کو حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق قرار دیں پھر بھی گنجائش ہے۔(۱)

ساتویں بشارت

حضرت مسیح علیہ السلام نے بہت سے لوگوں کو شفا بخشتے ہوئے تاکید فرمائی کہ اسکا اظہار نہ کرنا۔ اس بارے میں متی باب ۱۲ آیت ۱۷ میں ہے ''تاکہ جو یسعیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ دیکھو میرا خادم جسکو میں نے چن لیا۔ میرا محبوب جس سے میری جان خوش ہے میں اپنی روح اس پر ڈالونگا اور وہ غیر قوموں پر صداقت ظاہر کریگا۔ یہ نہ جھگڑا کریگا نہ شور اور بازاروں میں کوئی اسکی آواز نہ سنے گا یہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بجھائے گا جب تک کہ وہ انصاف کو فتح نہ بخشے اور اسکے نام پر غیر قومیں بھروسہ رکھیں گی''

ان آیات میں اس پیشینگوئی کی طرف اشارہ جو یسعیاہ باب ۴۲ آیت ۱ تا ۴ میں مذکور ہے لیکن متی نے اس پیشینگوئی کی آیت چہارم کو پورا نہیں لکھا اور وہ یہ ہے ''وہ ماندہ نہ

(۱) کیونکہ یہودیوں نے انکو بڑی بے دردی کیساتھ مقدس اور قربانگاہ کے درمیان شہید کر دیا تھا جیسا کہ متی باب ۲۳ آیت ۳۵ میں صراحت ہے۔

ہونگا اور ہمت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے جزیرے اسکی شریعت کا انتظار کرینگے"(۱)

غور فرمایئے! کہ یہ آیت صراحۃً ان آیات کے خلاف ہے جو یسعیاہ باب ۵۳ آیت ۳، ۴، ۵، ۸، ۱۰ میں مذکور ہیں جنکا ابھی حوالہ گذرا اور متی اس باب ۴۲ کی آیات کو جناب مسیح علیہ السلام سے متعلق ہونا لکھتے ہیں کیونکہ اس آیت میں صراحت ہے کہ وہ اس وقت تک عاجز، دل شکستہ نہیں ہوگا اور ہمت نہیں ہارے گا جب تک زمین پر عدالت قائم نہ کرلے اور جزائر اسکی شریعت کا انتظار کریں گے جبکہ باب ۵۳ کی آیات میں یہ ہے کہ وہ مردِ غم ناک' رنج کا آشنا' عقوبت یافتہ اور ظلم کے ساتھ مقتول ہوا اور خداوند اسکے کچلے جانے پر راضی تھا ہم اس سے روپوش رہے اور اسکی کچھ قدر نہ جانی۔ ظاہر ہے کہ یہ امور عجز و درماندگی' بے بسی اور دل شکستگی ہی کے آثار ہیں انکے علاوہ اور کیا عاجزی و دل شکستگی ہوگی۔ اور یہ تو سبھی کو معلوم ہے کہ آنجناب علیہ السلام نے ایک سو بیس کے قریب اپنے خواص معتقدین کے سامنے جان دی جیسا کہ رسولوں کے اعمال باب ۱ آیت ۱۵ میں صراحت ہے۔ اب یہ بات کیسے صادق آسکتی ہے کہ "وہ ہمت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے" حاصل یہ کہ متی کو چاہیئے تھا کہ ان دو متضاد پیشینگوئیوں میں سے ایک کو حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں نہ لکھتے۔

---

(۱) غور فرمایئے! یہ پیشینگوئی کہاں تک حضرت مسیح علیہ السلام پر صادق آتی ہے؟ کیونکہ پیشینگوئی میں تو یہ کہا گیا ہے کہ جزیرے اسکی شریعت کا انتظار کریں گے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے ذریعے تو شریعت ویسے ہی منسوخ ہوگئی پھر انتظار کیا رہا۔ صاحب شریعت تو حضرت محمد ﷺ ہیں انکی شریعت چاردانگ عالم میں پھیل گئی ہے راستی سے عدالت ہوئی اور جزیروں کو انتظار کی زحمت باقی نہ رہی۔ مزید تعجب کی بات یہ ہے کہ متی نے محض اپنی طرف سے ایک جملے کا اضافہ فرمادیا کہ "اسکے نام پر غیر قومیں بھروسہ رکھیں گی" حالانکہ یسعیاہ کی نبوت (پیشینگوئی) میں یہ جملہ موجود نہیں ہے۔ یہ جملہ متی نے اس لئے بڑھایا تاکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو غیر اقوام کا نجات دہندہ بنا سکے۔ اس پر بھی غور کر لیجئے کہ غیر قوموں کا حضرت مسیح علیہ السلام پر کیا بھروسہ ہوسکتا ہے وہ تو غیر قوموں کو "کتے" قرار دیتے ہیں (متی ۱۵:۲۶)

آٹھویں بشارت

جب حضرت مسیح علیہ السلام اپنی قوم کو مثالوں سے تعلیم فرماتے تھے اور کوئی بات بھی بغیر مثال کے نہ کہتے تھے تو اس بارے میں متی باب ۱۳ آیت ۳۵ میں اس طرح ہے ’’تا کہ جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ میں تمثیلوں میں اپنا منہ کھولونگا میں ان باتوں کو ظاہر کرونگا جو بناءِ عالم سے پوشیدہ رہی ہیں‘‘

اس آیت میں اس پیشینگوئی کی طرف اشارہ ہے جو زبور ۷۸ آیت ۲ میں ہے مگر تعجب ہے کہ متی اس پیشینگوئی کو حضرت مسیح علیہ السلام پر کیسے منطبق کرتے ہیں حالانکہ حضرت داؤد علیہ السلام کا کلام بصیغہ متکلم واقع ہوا ہے اور زبور کی وہ آیات اس طرح ہیں:۔

> اے میرے لوگو! میری شریعت کو سنو میرے منہ کی باتوں پر کان لگاؤ میں تمثیل میں کلام کرونگا اور قدیم معمے کہونگا جن کو ہم نے سنا اور جان لیا اور ہمارے باپ دادا نے ہم کو بتایا اور جن کو ہم انکی اولاد سے پوشیدہ نہیں رکھیں گے بلکہ آئندہ پشت کو بھی خداوند کی تعریف اور اسکی قدرت اور عجائب جو اس نے کیے بتائینگے کیونکہ اس نے یعقوب میں ایک شہادت قائم کی اور اسرائیل میں شریعت مقرر کی جنکی بابت اس نے ہمارے باپ دادا کو حکم دیا کہ وہ اپنی اولاد کو انکی تعلیم دیں تا کہ آئندہ پشت یعنی وہ فرزند جو پیدا ہونگے انکو جان لیں اور وہ بڑے ہو کر اپنی اولاد کو سکھائیں کہ وہ خدا پر آس رکھیں اور اسکے کاموں کو بھول نہ جائیں بلکہ اسکے حکموں پر عمل کریں اور اپنے باپ دادا کی طرح سرکش اور باغی نسل نہ بنیں ایسی نسل جس نے اپنا دل درست نہ کیا اور جسکی روح خدا کے حضور وفادار نہ رہی۔

(زبور ۷۸ آیت ۲ تا ۸)

یہ آیات صراحت کیساتھ بتاتی ہیں کہ خود حضرت داؤد علیہ السلام نے ان واقعات کو سنا' سمجھا اور پھر انکو ''سنتِ الٰہیہ'' کے مطابق قرار دیکر روایت کیا ہے تا کہ انکے بیان کردہ واقعات بعد کے لوگوں کیلئے اسی طرح محفوظ رہیں۔ اس کے بعد ۹ سے لیکر ۶۴ تک کی آیات میں بنی اسرائیل کی شرارت وسرکشی' انعاماتِ الٰہیہ' معجزاتِ موسویہ' بنی اسرائیل کو اپنی سرکشی پر لاحق ہونے والی آفات بیان فرمائی ہیں اسکے بعد ارشاد فرماتے ہیں ''تب خداوند گویا نیند سے جاگ اٹھا اس زبردست آدمی کی طرح جوے کے سبب سے للکارتا ہو اور اس نے اپنے مخالفوں کو مار کر پسپا کر دیا۔ اس نے انکو ہمیشہ کیلئے رسوا کیا اور اس نے یوسف کے خیمہ کو چھوڑ دیا اور افرائیم کے قبیلہ کو نہ چنا بلکہ یہوداہ کے قبیلے کو چنا اسی کوہِ صیون کو جس سے اسکو محبت تھی ..... اس نے اپنے بندہ داؤد کو بھی چنا اور بھیڑ سالوں میں سے اسے لے لیا وہ اسے بچے والی بھیڑوں کی چوپانی سے ہٹا لایا تا کہ اسکی قوم یعقوب اور اسکی میراث اسرائیل کی گلہ بانی کرے۔ سو اس نے خلوصِ دل سے انکی پاسبانی کی اور اپنے ماہر ہاتھوں سے انکی راہنمائی کرتا رہا'' (زبور ۷۸ آیت ۶۵ تا ۷۲) اگر سیاق وسباق کا لحاظ کیا جائے متی کے مدعا کو ان آیت سے کوئی مناسبت ہی نہیں جیسا کہ غیر جانبدار صاحب انصاف سے مخفی نہیں ہے۔

نویں بشارت

جب حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے دو شاگردوں کو گدھی اور اسکا بچہ لانے کو کہا پھر اس پر سوار ہو کر یروشلیم تشریف لے گئے اس بارے میں متی باب ۲۱ آیت ۴ میں اس طرح ہے ''یہ اس لئے ہوا کہ جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ صیون کی بیٹی سے کہو کہ دیکھ تیرا بادشاہ تیرے پاس آتا ہے وہ حلیم ہے اور گدھے پر سوار ہے بلکہ لادو کے بچے پر'' یوحنا باب ۱۲ آیت ۱۴ میں اسی بشارت کو اس طرح لکھتے ہیں ''جب یسوع کو گدھے کا بچہ ملا تو اس پر سوار

ہوا جیسا کہ لکھا ہے کہ اے صیّون کی بیٹی مت ڈر دیکھ تیرا بادشاہ گدھے کے بچے پر سوار ہوا آتا ہے۔"

اِن آیات میں اس پیشینگوئی کی طرف اشارہ ہے جو یسعیاہ باب ۶۲ آیت ۱۱، زکریاہ باب ۹ آیت ۹ میں مذکور ہے مگر یہ پیشینگوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں نہیں ہو سکتی کیونکہ یسعیاہ باب ۶۲ کی آیات تو یوں ہیں۔

"صیّون کی خاطر میں چپ نہ رہونگا اور یروشلیم کی خاطر میں دم نہ لونگا جب تک کہ اسکی صداقت نور کی مانند نہ چمکے اور اسکی نجات روشن چراغ کی طرح جلوہ گر نہ ہو......تو آگے کو متروکہ نہ کہلائے گی اور تیرے ملک کا نام پھر کبھی خراب نہ ہوگا بلکہ تو پیاری اور تیری سرزمین سہاگن کہلائے گی کیونکہ خداوند تجھ سے خوش ہے اور تیری زمین خاوند والی ہوگی ......اے یروشلیم میں نے تیری دیواروں پر نگہبان مقرر کیے ہیں وہ دن رات کبھی خاموش نہ ہونگے اے خداوند کا ذکر کرنے والو خاموش نہ ہو......خداوند نے اپنے داہنے ہاتھ اور اپنے قوی بازو کی قسم کھائی ہے کہ یقیناً میں آگے کو تیرا غلہ تیرے دشمنوں کے کھانے کو نہ دونگا اور بیگانوں کے بیٹے تیری مے جس کیلئے تو نے محنت کی نہیں پئینگے......دیکھ خداوند نے انتہائے زمین تک اعلان کر دیا ہے دخترِ صیّون سے کہو دیکھ تیرا نجات دینے والا آتا ہے دیکھ اسکا اجر اسکے ساتھ اور اسکا کام اسکے سامنے ہے اور وہ مقدس لوگ اور خداوند کے خریدے ہوئے کہلائیں گے اور تو مطلوبہ یعنی غیر متروک شہر کہلائے گی" (یسعیاہ باب ۶۲ آیت ۱ تا ۱۲ ملخصاً) اور زکریاہ باب ۹ آیت ۸، ۹ میں اس طرح ہے "اور میں مخالف فوج کے مقابل اپنے گھر کی چاروں طرف خیمہ زن ہونگا تا کہ کوئی اس میں سے آمد و رفت نہ کر سکے۔ پھر کوئی ظالم انکے درمیان سے نہ گذریگا کیونکہ اب میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ اے بنتِ صیّون تو نہایت شادمان ہو اے دخترِ یروشلیم خوب للکار کیونکہ دیکھ تیرا بادشاہ تیرے پاس

آتا ہے وہ صادق ہے اور نجات اسکے ہاتھ میں ہے وہ حلیم ہے اور گدھے پر بلکہ جوان گدھے پر سوار ہے اور میں افرائیم سے رتھ اور یروشلیم سے گھوڑے کاٹ ڈالونگا اور جنگی کمان توڑ ڈالی جائیگی اور وہ قوموں کو صلح کا مژدہ دیگا اور اسکی سلطنت سمندر تک اور دریا(۱) سے انتہاءِ زمین تک ہوگی'' اور اسی طرح کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یسعیاہؑ کی معرفت یروشلیم کے بارے میں دوسری جگہ کیا ہے جو یہ ہے''جاگ جاگ اے صیّون اپنی شوکت سے ملبّس ہو! اے یروشلیم مقدس شہر اپنا خوشنما لباس پہن لے کیونکہ آگے کو کوئی نامختون یا ناپاک تجھ میں کبھی داخل نہ ہوگا'' (یسعیاہ باب ۵۲ آیت ۱)

یہ بشارت حضرت عیسیٰؑ پر منطبق نہیں ہوتی

اِن دونوں پیغمبروں (۲) کے کلام سے معلوم ہوا کہ اس زمانے سے (۳) یروشلیم ہمیشہ محفوظ رہے اس کی زمین کبھی ویران نہ ہو اسکا غلہ دشمنوں کے ہاتھ میں نہ جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس بات پر قسم اٹھائی ہے' ظالموں کا اس پر گذر نہ ہو' قبضہ کرنے والوں کے ہاتھ میں نہ جائے بیت المقدس میں جنگ کی ضرورت نہ رہے کوئی نامختون ناپاک اسمیں داخل نہ ہو اس شخص کی سلطنت عظیم ہو حالانکہ صاف ظاہر ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام کو یروشلیم پر اقتدار نہیں ملا اور آپکے بعد ۷۰ء میں جب یہود اپنی عیدِ فصح کے موقعہ پر یروشلیم میں پندرہ لاکھ کی تعداد میں جمع تھے تو اس وقت ایک ناپاک' نامختون بت پرست بادشاہ قیصر کے لشکر نے اس قدر تباہی مچائی کہ ایک مسیحی مصنف (جنکا رسالہ دلائل اثبات رسالتِ عیسیٰ مسیح ہے

---

(۱) یہ ترجمہ مطابق متن ہے اردو بائبل میں مطلق دریا کی بجائے'' دریائے فرات'' ہے۔ جبکہ عربی، فارسی، انگریزی بائبل متن کے بالکل مطابق ہے اور فرات کا لفظ نہیں ہے۔

(۲) حضرت یسعیاہ اور حضرت زکریا علیہما السلام

(۳) یعنی اگر پیشینگوئی کا مصداق حضرت مسیح علیہ السلام ہیں تو انکی آمد کے بعد یہ سب باتیں ثابت ہوں۔

جو ۱۸۴۴ء میں آلہ آباد میں مطبوعہ ہوا) کے بیان کے مطابق اس موقعہ پر یہود کے تیرہ لاکھ ستاون ہزار چار سو نوے افراد قتل ہوئے۔ اور جو گلی کوچوں یا بیابانوں میں قتل ہوئے انکی تعداد اسکے علاوہ ہے۔ ایک دوسری کتاب کے مطابق جو کتب مقدسہ کا خلاصہ ہے اسکے باب ۵۲ میں اس جنگ کا حال بطور تتمہ ذکر کرتے ہوئے مقتولین کی تعداد گیارہ لاکھ بتائی گئی ہے۔ ان دونوں مصنفین کے بیان کے مطابق ۹۷ ہزار یہودی قید ہوئے۔ اسکے علاوہ قحط کے حادثہ میں اس بری طرح مبتلا ہوئے کہ اپنے جوتوں کے چمڑے اور اپنے بچوں کو کھانے لگے اور عیسائی یروشلیم کو چھوڑ کر وہاں سے چلے گئے۔ اب دیکھئے کہ اس پیشینگوئی میں ذکر کردہ اقوال میں سے یہ باتیں کہ ”تو آگے کو متروکہ نہ کہلائے گی اور تیرے ملک کا نام پھر کبھی خراب نہ ہوگا...... خداوند نے اپنے دہنے ہاتھ اور قوی بازو کی قسم کھائی ہے...... تو مطلوبہ یعنی غیر متروک شہر کہلائے گی..... پھر کوئی انکے درمیان سے نہ گزریگا..... اور میں افرائیم سے الخ...... اور کوئی نامختون ناپاک اسمیں داخل نہ ہوگا الخ کہاں صادق آتی ہیں۔

علاوہ ازیں جب حضرت مسیح علیہ السلام اسی گدھے پر سوار ہو کر یروشلیم پہنچے اور نگاہِ مبارک ڈالی تو اس وقت زبان مبارک سے جو ارشاد فرمایا اسے بھی دیکھئے ”جب نزدیک آکر شہر کو دیکھا تو اس پر رویا اور کہا کاش کہ تو اپنے اسی دن میں سلامتی کی باتیں جانتا! مگر اب وہ تیری آنکھوں سے چھپ گئی ہیں کیونکہ وہ دن تجھ پر آئیں گے کہ تیرے دشمن تیرے گرد مورچہ باندھ کر تجھے گھیر لیں گے اور ہر طرف سے تنگ کرینگے اور تجھ کو اور تیرے بچوں کو جو تجھ میں ہیں زمین پر دے پٹکیں گے اور تجھ میں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ چھوڑیں گے اس لئے کہ تو نے اس وقت کو نہ پہچانا جب تجھ پر نگاہ کی گئی“ (لوقا باب ۱۹ آیت ۴۲ تا ۴۴)

دیکھئے! جناب مسیح علیہ السلام صاف ارشاد فرما رہے ہیں کہ تیرے دشمن تجھے مورچہ باندھ کر گھیر لینگے ہر طرف سے تنگ کریں گے‘ تجھ کو اور تیرے بچوں کو زمین پر دے ماریں

گے۔ کسی پتھر کو پتھر پر قرار نہیں رہے گا کہاں حضرت مسیح علیہ السلام کے یہ اقوال (۱) اور کہاں وہ اقوالِ مذکورہ (۲) حاصل یہ ہے کہ اس پیشینگوئی کا حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں قرار دینا اجتماع ضدین حقیقی کا اقرار کرنا ہے۔

پیشینگوئی کا حقیقی مصداق

سچ تو یہ ہے کہ اِس پیشینگوئی کا مصداق خلیفہ برحق امیر المؤمنین سیدنا عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں باوجود اس کے فارس وروم، مصر وعرب دیگر جزائر وملک انکے زیرِ قبضہ تھے اور عظیم سلطنت کے امیر تھے مگر انتہائی فروتنی اور کمالاتِ باطنی کیساتھ دن گذارے بیت المقدس کی فتح کیلئے خود تشریف لے گئے اس یوم فتح سے لیکر آج تک اہلِ اسلام کے قبضہ میں ہے (۳) صرف کچھ عرصہ کیلئے سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے عہد میں مسیحیوں کا قبضہ ہوا مگر امن کیساتھ نہ رہ سکے اور سلطان مرحوم کے پے در پے حملوں کے نتیجے میں پھر اہلِ اسلام کے ہاتھ آگیا ظاہر ہے کہ مسیحیوں کے اس چندروزہ اقتدار کی حقیقت کچھ بھی نہیں پھر سلطانؒ کے زمانے سے آج تک اہلِ اسلام کے قبضہ میں محفوظ ہے وہ علاقہ پھر کبھی ویران نہیں ہوا نہ ہی اہل اسلام کے ہاتھوں متروک ہوا کوئی نامختون جسمیں مسیحی بھی شامل ہیں آج تک اسمیں داخل نہ ہوسکا۔ کوئی ناپاک مثلاً مشرک وغیرہ اسمیں داخل نہیں ہوا اسے قبلہ اول قرار دیکر تعظیم کی جاتی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خلیفہ عادل ممدوح اور اہل اسلام جو یروشلیم پر

---

(۱) جن میں تباہی وبربادی کا ذکر ہے۔

(۲) جن میں شوکت وشادمانی کا ذکر ہے۔ ببیں تفاوت راہ از کجا تا بکجا

(۳) مصنفؒ کے دور میں ایسا ہی تھا بیت المقدس مسلمانوں کے زیرِ اختیار تھا۔ افسوس ہے کہ ہمارے زمانے میں یہ بقعہ مبارکہ دوبارہ یہودیوں کے قبضے میں ہے اور نصف صدی ہونے کو ہے کہ اسرائیل کے یہودی مسلمانان فلسطین کیساتھ آگ وخون کی ہولی کھیل رہے ہیں فالی اللہ المشتکی تاہم مسیحیوں کے حصے میں اب بھی کچھ نہیں ہے۔

قبضہ کرنے والے ہیں وہ حقیقت میں پاک، مختون اور مذہب حق کے حامل ہیں ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو بارہ سو سال سے زائد عرصہ اہل اسلام کے قبضہ میں دیکر اپنے اس وعدہ کے خلاف کیا جسکو قسم اٹھا کر مؤکد فرمایا تھا۔ اور جب مسیحی سلاطین اس ملک کی فتح کیلئے متحد ہو کر مسلمانوں سے لڑے اور اپنے چالیس لاکھ افراد کو قتل و جنگ کی نذر کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے کیوں انہیں کامیاب نہ کیا اور انکی کوششوں کو کیوں بے سود بنا دیا۔

پادری فنڈر کے اعتراض کا جواب

رہا پادری فنڈر صاحب کا اپنی کتاب حل الاشکال میں یہ کہنا کہ اگر اس خبر کو حضرت عمرؓ کے حق میں قرار دیا جائے تو اشکال ہوتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے انکے ملک پر قبضہ کر کے عرب کے تابع کر دیا تو اہلِ یروشلیم کو کونسی خوشی حاصل ہوئی؟ میں کہتا ہوں کہ یہ اشکال تو اس صورت میں بھی باقی رہتا ہے جب اس خبر کا مصداق حضرت عیسیٰؑ کو قرار دیا جائے کیونکہ ابھی آنجنابؑ کو یروشلیم پر کوئی اقتدار و سلطنت حاصل بھی نہ ہوا تھا کہ اہل یروشلیم غم میں گھلے جا رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ اگر یہ شخص اسی طرح رہا تو سب لوگ اسکے معتقد ہو جائیں گے، رومی آ جائیں گے اور ہم پر ہمارے ملک و قوم پر اقتدار پالیں گے جیسا کہ یوحنا باب ۱۱ میں صراحت سے مذکور ہے۔ اسی طرح قیصر کی اطاعت پر بھی راضی نہ تھے تاہم جسکا انکو اندیشہ تھا وہ سب کچھ ظہور پذیر ہو گیا اور انکو اسمیں کہاں خوشی ہوسکتی ہے کہ تیرہ لاکھ ستاون ہزار چار سو نوے باشندگانِ یروشلیم قتل ہوں۔ سارے ملک پر قیصر کا قبضہ ہو جائے، ستانوے ہزار لوگ قیدی بن کر فروخت ہوں، گلی کوچوں اور صحراؤں کے مقتولین کی تعداد اسکے علاوہ ہو اور خود جناب مسیحؑ اسکے برباد ہونے کی خبر دیں۔ ظاہر ہے کہ ان تمام امور میں ان بے چاروں کیلئے خوشی و مسرت کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ اور اگر صرف ان

لوگوں کی مسرت وخوشی مراد ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں تو وجوہِ مذکورہ بالا کی بنا پر حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں تو یہ خبر منطبق نہیں ہوتی تاہم خلیفہ ثانی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں پورے انطباق کیساتھ صادق آتی ہے کیونکہ سیدنا عمرؓ ہی یروشلیم وغیرہ کے ان باشندوں کی خوشی اور مسرت کا ٹھیک ذریعہ بنتے ہیں جو سرور کائنات ﷺ پر ایمان لائے مثلاً حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ وغیرہ اور ان لوگوں کا عرب کے تابع ہونا بھی قلب وجان کیلیے عین راحت ہے۔ دوسری طرف مسیحی حضرات کو دیکھئے کہ قیصر کے تابع ومحکوم ہوئے جو ایک بت پرست' لاکھوں انسانوں کا قاتل اور مسیحی قوم کا ازلی دشمن تھا۔ اس میں اُن کیلیے کونسی خوشی کی بات ہوسکتی ہے؟

دسویں بشارت

جس وقت یہوداہ "حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کرانے والا" اپنے فعل پر نادم ہوا اور آنجناب علیہ السلام کو گرفتار کرانے پر یہود سے جو تیس روپے بطور رشوت لیے تھے انکو واپس کرتے ہوئے ہیکل میں ڈال دیا تو یہود نے مشورہ کیا کہ اِس روپیہ سے کمہار کا کھیت پردیسیوں کے دفن کرنے کیلیے خرید لیا جائے اس بارے میں متی باب ۲۷ آیت ۹ میں اس طرح مذکور ہے "اس وقت وہ پورا ہوا جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا کہ جسکی قیمت ٹھہرائی گئی تھی انہوں نے اسکی قیمت کے وہ تیس روپے لے لئے اسکی قیمت بعض بنی اسرائیل نے ٹھہرائی تھی اور انکو کمہار کے کھیت کیلیے دیا جیسا خداوند نے مجھے حکم دیا"

ماقبل میں مقدمہ کتاب کے فائدہ اول میں معلوم ہو چکا کہ اس قول کی حضرت یرمیاہؑ کی طرف نسبت کرنا سراسر غلط ہے اور انکی کتاب میں اس عبارت کا نام ونشان تک نہیں ہے اس فائدہ کے ذیل اس بشارت پر پوری تحقیق گذر چکی ہے وہاں مراجعت کر لی جائے۔

گیارہویں بشارت

جب آنجناب علیہ السلام کو مصلوب کرنے کے بعد آپکے لباس مبارک کو قرعہ ڈال کر تقسیم کیا گیا تو اِس بارے میں متی باب ۲۷ آیت ۳۵ میں ہے ”تاکہ جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ انہوں نے میرے کپڑے آپس میں بانٹ لیے اور میرے کرتے پر قرعہ ڈالا“ (۱) اور یوحنا باب ۱۹ آیت ۲۴ میں اس طرح ہے ”یہ اس لئے ہوا کہ وہ نوشتہ پورا ہو جو کہتا ہے کہ انہوں نے میرے کپڑے بانٹ لیے اور میری پوشاک پر قرعہ ڈالا“

یہاں ”نوشتہ“ سے مراد حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور ہے اور دراصل زبور ۲۲ آیت ۱۸ کی طرف اشارہ ہے لیکن زبور کی یہ آیات اِس طرح ہیں۔

”اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ تو میری مدد اور میرے نالہ وفریاد سے کیوں دور رہتا ہے؟ اے میرے خدا! میں دن کو پکارتا ہوں پر تو جواب نہیں دیتا اور رات کو بھی اور خاموش نہیں ہوتا...... پر میں تو کیڑا ہوں انسان نہیں آدمیوں میں انگشت نما ہوں اور لوگوں میں حقیر۔ وہ سب جو مجھے دیکھتے ہیں میرا مضحکہ اڑاتے ہیں وہ منہ چڑاتے وہ سر ہلا ہلا کر کہتے ہیں اپنے کو خداوند کے سپرد کر دے وہی اسے چھڑائے جبکہ وہ اس سے خوش ہے تو وہی اسے چھڑائے...... بہت سے سانڈوں نے مجھے گھیر لیا ہے بسن کے زور آور سانڈ مجھے گھیرے ہوئے ہیں وہ پھاڑنے اور گرجنے والے ببر کی طرح مجھ پر اپنا منہ پسارے ہوئے ہیں۔ میں پانی کی طرح بہہ گیا۔ میری سب ہڈیاں اکھڑ گئیں میرا دل موم کی مانند ہو گیا وہ میرے سینہ میں پگھل گیا۔ میری قوت ٹھیکرے کی مانند خشک ہو گئی اور

(۱) پروٹسٹنٹ اردو بائبل ”کتاب مقدس“ میں یہ عبارت موجود نہیں۔ عربی بائبل میں بھی موجود نہیں ہے۔ کیتھولک اردو بائبل ”کلامِ مقدس“ میں بین القوسین درج کی گئی ہے جبکہ فارسی اور انگریزی بائبل میں بلاقوسین بطور متن یہ عبارت موجود ہے۔

اِزالۃ الاوہام

جلد ۲

متکلمِ اسلام، محقق مذاہب عالم، مجاہدِ حق حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی ردِ عیسائیت پر فارسی زبان میں سب سے پہلی نایاب کتاب جو موصوف نے ۱۲۶۹ھ/۱۸۴۸ء میں تصنیف کی جس میں عیسائیت کے بڑے اعتراضات کے الزامی تحقیقی، عقلی و نقلی، مکمل و مدلل، جامع و مسکت جوابات دیے گئے ہیں نیز مسئلہ تثلیث اور بشاراتِ محمدی ﷺ پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔



تالیف

متکلم اسلام حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ و تقدیم شرح و تحقیق

مولانا ڈاکٹر محمد اسماعیل عارفی

تقریظ پسند فرمودہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴

اِزالۃُ الاَوہام

جلد ۲

متکلم اسلام، محقق مذاہب عالم، مجاہد حق حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی ردِ عیسائیت پر فارسی زبان میں سب سے پہلی نایاب کتاب جو موصوف نے ۱۲۶۹ھ ۱۸۴۸ء میں تصنیف کی جس میں عیسائیت کے بڑے اعتراضات کے الزامی تحقیقی، عقلی ونقلی، مکمل ومدلل، جامع ومسکت جوابات دیے گئے ہیں نیز مسئلہ تثلیث اور بشاراتِ محمدی ﷺ پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔



تالیف

متکلم اسلام حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ وتقدیم شرح وتحقیق

مولانا ڈاکٹر محمد اسماعیل عارفی

تقریظ پسند فرمودہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴

پائیں گے"

اِن آیات میں بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارت کا کوئی اشارہ تک نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایک وعدہ کا بیان ہے کہ تجھے ایک بڑی قوم بناؤنگا' تجھے برکت دونگا تجھے مبارک کہنے والے مبارک ہونگے' اور تجھ پر لعنت کرنے والے ملعون ہونگے اور روئے ارض کے سب قبائل تمہاری وجہ سے برکت پائیں گے پھر اللہ تعالیٰ نے اِسی طرح کر دکھایا کہ انکی اولاد میں بے حساب برکت دی انکی اولاد میں ہزاروں لوگوں کو رسالت ونبوت' سلطنت وامارت کے مراتب پر فائز کیا اور بہت کم ممالک ایسے ہونگے جہاں انکی اولاد آباد نہ ہو۔ بہت کم علاقے ایسے ہونگے جہاں انکی اولاد میں کوئی امیر وسلطان وہاں کا حاکم نہ ہو خدا تعالیٰ نے انکے مخالفوں کو پامال اور انکے موافقوں کو خوشحال بنایا۔ پیدائش باب ۱۸ آیت ۱۸ بھی اِسی نوعیت کی ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یقیناً ایک بڑی اور زبردست قوم پیدا ہوگی اور زمین کی سب قومیں انکے وسیلے سے برکت پائیں گی۔

یہ مضمون باب ۱۲ کی آیت کے عین موافق ہے۔

تیرہویں بشارت

لوقا باب ۲۴ آیت ۲۷ اور ۴۴ میں ہے "پھر موسیٰ سے اور سب نبیوں سے شروع کر کے سب نوشتوں میں جتنی باتیں اسکے حق میں لکھی ہوئی ہیں وہ انکو سمجھا دیں.......پھر اس نے ان سے کہا یہ میری وہ باتیں ہیں جو میں نے تم سے اس وقت کہی تھیں جب تمہارے ساتھ تھا کہ ضرور ہے کہ جتنی باتیں موسیٰ کی توریت اور نبیوں کے صحیفوں اور زبور میں میری بابت لکھی ہیں پوری ہوں"

یہاں بھی مسیحی علماء توریت کی ان جگہوں کو نشان زد کرتے ہیں جنکی طرف اِن دو

آیات میں اشارہ ہے وہ یہ ہیں پیدائش باب ۳ آیت ۱۵، باب ۲۲ آیت ۱۸، باب ۲۶ آیت ۴، گنتی باب ۲۱ آیت ۸،۹ جہاں تک پیدائش باب ۳ آیت ۱۵ کا تعلق ہے وہ تو ابھی گذری ہیں اور پیدائش باب ۲۲ آیت ۱۸، باب ۲۶ آیت ۴ کا مضمون بعینہ وہی ہے جو باب ۱۲ آیت ۳ کا ہے لہٰذا دونوں کی صورتحال ایک جیسی ہے (۱) جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔

گنتی باب ۲۱ آیت ۸،۹ کا مضمون اس طرح ہے کہ جب بنی اسرائیل نے بحرِ قلزم کا راستہ لیا تو پانی اور روٹی کی شکایت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر زبان طعن دراز کی۔ اِس شرارت کے سبب سے خدا تعالیٰ نے اِن پر جلانے والے سانپ بھیجے چنانچہ اسرائیلیوں کی بڑی تعداد مر گئی۔ پھر یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس توبہ کرتے ہوئے آئے اور عرض کرنے لگے کہ آپ بارگاہِ الٰہی میں ہماری شفاعت فرمایئے کہ یہ بلا دفع ہو۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا و شفاعت کی اس بارے میں اس طرح ذکر ہے ”تب خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ ایک جلانے والا سانپ بنا لے اور اسے ایک بَلّی پر لٹکا دے اور جو سانپ کا ڈسا ہوا اس پر نظر کریگا وہ جیتا بچے گا چنانچہ موسیٰ نے پیتل کا ایک سانپ بنوا کر اسے بلّی پر لٹکا دیا اور ایسا ہوا کہ جس جس سانپ کے ڈسے ہوئے آدمی نے اس پیتل کے سانپ پر نگاہ کی وہ جیتا بچ گیا“

خدارا! انصاف فرمایئے کہ اس عبارت میں کس جگہ بشارتِ مسیح علیہ السلام کا ذکر ہے۔

چودھویں بشارت

یہ بشارت دراصل پانچ بشارات پر مشتمل ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ مسیحیوں کی بزرگ ہستی ”پولوس رسول“ عبرانیوں کے نام خط میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ملائکہ پر فضیلت

(۱) کہ بشارتِ عیسوی کی طرف اشارہ تک نہیں ہے۔

کے موضوع پر کلام کرتے ہوئے کہتے ہیں ’’اور فرشتوں سے اِسی قدر بزرگ ہوگیا جس قدر اس نے میراث میں ان سے افضل نام پایا کیونکہ فرشتوں میں سے اس نے کب کسی سے کہا کہ تو میرا بیٹا ہے آج تو مجھ سے پیدا ہوا؟ اور پھر یہ کہ میں اسکا باپ ہونگا اور وہ میرا بیٹا ہوگا؟ اور جب پہلوٹھے کو دنیا میں پھر لاتا ہے تو کہتا ہے کہ خدا کے سب فرشتے اسے سجدہ کریں ...... مگر بیٹے کی بابت کہتا ہے کہ اے خدا تیرا تخت ابدالآباد رہے گا اور تیری بادشاہی کا عصا راستی کا عصا ہے۔ تو نے راستبازی سے محبت اور بدکاری سے عداوت رکھی۔ اسی سبب سے خدا یعنی تیرے خدا نے خوشی کے تیل سے تیرے ساتھیوں کی بہ نسبت تجھے زیادہ مسح کیا اور یہ کہ اے خداوند! تو نے ابتداء میں زمین کی نیو ڈالی اور آسمان تیرے ہاتھ کی کاریگری ہیں۔ وہ نیست ہو جائیں گے مگر تو باقی رہیگا اور وہ سب پوشاک کی مانند پرانے ہو جائینگے۔ تو انہیں چادر کی طرح لپیٹے گا اور وہ پوشاک کی طرح بدل جائینگے مگر تو وہی ہے اور تیرے برس ختم نہ ہونگے‘‘ (عبرانیوں کے نام خط باب ۱ آیت ۴، ۶، ۸ تا ۱۲)

چونکہ مسیحیوں کے مقدس پولوس نے اِن پانچ بشارات کو اپنے خط میں یکجا ذکر کیا ہے ہم نے بھی انکی اتباع کرتے ہوئے اِن پانچوں کو اکٹھے ذکر کیا ہے اور ہمارا ارادہ تھا کہ ان پانچ پیشینگوئیوں کو ایک ہی جگہ ذکر کر کے ختم کریں جنکو پولوس نے جناب مسیح علیہ السلام کے متعلق ذکر کیا ہے اور بشاراتِ خمسہ درحقیقت خاتم الحوارین پولوس کے حواسِ خمسہ کے فوت ہونے کی دلیل ہیں طوالت کے خوف سے ہم یہاں پر کسی اور بشارت کی طرف تعرض نہیں کرتے۔

جاننا چاہیئے کہ مسیحی علماء کی وضاحت کے مطابق اس قول کہ ’’تو میرا بیٹا ہے‘‘ سے زبور ۲ آیت ۷ کی طرف اشارہ ہے اور اس قول کہ ’’میں اسکا باپ ہونگا اور وہ میرا بیٹا ہوگا‘‘ سے سموئیل دوم ۷ آیت ۱۴ کی طرف اشارہ ہے اور اس قول کہ ’’خدا کے سب فرشتے اسے

سجدہ کریں'' سے زبور ۹۷ آیت ۷ کی طرف اشارہ ہے اور اس قول کہ ''مگر بیٹے کی بابت کہتا ہے کہ'' سے زبور ۴۵ کی آیات کی طرف اشارہ ہے اور اس قول سے کہ ''اے خداوند تو نے ابتدا میں زمین کی نیوڈالی الخ'' سے زبور ۱۰۲ کی طرف اشارہ ہے۔ اِن بشاراتِ خمسہ میں سے ۱۴ اور ۱۷ کا حال باب دوم فصلِ سوم میں دلیلِ چہارم و پنجم کے ذیل میں خوب تفصیل سے گذر چکا ہے جس سے معلوم ہوگیا کہ اِن دو میں سے ایک بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں نہیں ہے۔

پندرھویں بشارت

جس وقت حضرت داوٗد علیہ السلام نے بیت المقدس کے بنانے کا ارادہ کیا اور اسکا تذکرہ ناتن نبی سے کیا تو اللہ تعالیٰ نے ناتن نبی پر جو وحی بھیجی اسکی تفصیل سموئیل دوم باب ۷ میں اِس طرح مذکور ہے ''جا اور میرے بندہ داوٗد سے کہہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ کیا تو میرے رہنے کیلئے ایک گھر بنائے گا؟ کیونکہ جب سے میں بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لایا آج کے دن تک کسی گھر الخ......اور جب تیرے دن پورے ہو جائیں گے اور تو اپنے باپ دادا کیساتھ سو جائیگا تو میں تیرے بعد تیری نسل کو جو تیرے صلب سے ہوگی کھڑا کر کے اسکی سلطنت کو قائم کرونگا وہی میرے نام کا ایک گھر بنائے گا اور میں اسکی سلطنت کا تخت ہمیشہ کیلئے قائم کرونگا اور میں اسکا باپ ہونگا اور وہ میرا بیٹا ہوگا اگر وہ خطا کرے تو میں اسے آدمیوں کی لاٹھی اور بنی آدم کے تازیانوں سے تنبیہ کرونگا'' (سموئیل دوم باب ۷ آیت ۴' ۱۲) یہی واقعہ تواریخ اول باب ۱۷ میں اس طرح مذکور ہے ''جا کر میرے بندہ داوٗد سے کہہ کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ تو میرے رہنے کیلئے گھر نہ بنانا......اور جب تیرے دن پورے ہو جائینگے تا کہ تو اپنے باپ دادا کیساتھ مل جانے کو چلا جائے تو میں تیرے بعد تیری

نسل کو تیرے بیٹوں میں سے برپا کرونگا اور اسکی سلطنت کو قائم کرونگا وہ میرے لئے گھر بنائے گا اور میں اسکا تخت ہمیشہ کیلئے قائم کرونگا میں اسکا باپ ہونگا اور وہ میرا بیٹا ہوگا اور میں اپنی شفقت اس پر سے نہیں ہٹاؤنگا جیسے میں نے اس پر سے جو تجھ سے پہلے تھا ہٹالی" (تواریخ اول باب ۱۷ آیت ۴، ۵، ۱۱ تا ۱۳) اسی تواریخ اول باب ۲۲ آیت ۶ تا ۱۰ میں اس طرح ہے "تب اس نے اپنے بیٹے سلیمان کو بلایا اور اسے تاکید کی کہ خداوند اسرائیل کے خدا کیلئے ایک گھر بنائے۔ اور داؤد نے اپنے بیٹے سلیمان سے کہا یہ تو خود میرے دل میں تھا کہ خداوند اپنے خدا کے نام کیلئے ایک گھر بناؤں۔ لیکن خداوند کا کلام مجھے پہنچا کہ تو نے بہت خونریزی کی ہے اور بڑی بڑی لڑائیاں لڑا ہے سو تو میرے نام کیلئے گھر نہ بنانا کیونکہ تو نے زمین پر میرے سامنے بہت خون بہایا ہے۔ دیکھ تجھ سے ایک بیٹا پیدا ہوگا وہ مردِ صلح ہوگا اور میں اسے چاروں طرف کے سب دشمنوں سے امن بخشونگا کیونکہ سلیمان اسکا نام ہوگا اور میں اسکے ایام میں اسرائیل کو امن وامان بخشونگا وہی میرے نام کیلئے ایک گھر بنائے گا وہ میرا بیٹا ہوگا اور میں اسکا باپ ہونگا اور میں اسرائیل پر اسکی سلطنت کا تخت ابد تک قائم رکھونگا" انتہی۔ پھر تواریخ اول باب ۲۸ آیت ۳، ۵، ۶ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق اس طرح مذکور ہے "پر خداوند نے مجھ سے کہا کہ تو میرے نام کیلئے گھر نہیں بنانے پائے گا کیونکہ تو جنگی مرد ہے اور تو نے خون بہایا ہے....... اس نے میرے بیٹے سلیمان کو پسند کیا تا کہ وہ اسرائیل پر خداوند کی سلطنت کے تخت پر بیٹھے اور اس نے مجھ سے کہا کہ تیرا بیٹا سلیمان میرے گھر اور میری بارگاہوں کو بنائے گا کیونکہ میں نے اسے چن لیا ہے کہ وہ میرا بیٹا ہو اور میں اسکا باپ ہونگا" انتہی

پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ "اسکا نام سلیمان ہوگا" اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ کہنا کہ اللہ نے مجھے کہا کہ تیرا بیٹا سلیمان میرے گھر بنائے گا الخ اس بات پر دلیل بیّن ہے کہ

اس سے مراد حضرت مسیح علیہ السلام نہیں ہیں اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کہ ''تیری نسل جو تیری پشت سے نکلے گی اس میں سے میرا بیٹا ہوگا'' اس سے مراد حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں اور یہاں حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر بلکہ اشارہ تک نہیں ہے معلوم نہیں پولوس نے یہاں کیوں ٹھوکر کھائی؟ علاوہ ارشادِ الٰہی میں جس شخص کو بیٹے سے تعبیر کیا گیا ہے اسکے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ میرا گھر بنائے گا اور یہ حقیقت بلاشبہ اظہر من الشمس ہے کہ بیت المقدس بنانے اور تعمیر کرنے والے حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں نہ کہ کوئی اور۔ طرفہ یہ کہ خود حضرت سلیمان علیہ السلام بھی اس خبر کا مصداق اپنی ذات گرامی کو قرار دیتے ہیں جیسا کہ تواریخ دوم باب ۶ آیت ۴ تا ۱۰، سلاطین اول باب ۵ آیت ۵ سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔

سولھویں بشارت

اس بشارت کا حال بھی پندرھویں بشارت سے کم نہیں کیونکہ زبور ۹۷ کی آیات اس طرح ہیں:۔

> خداوند سلطنت کرتا ہے زمین شادمان ہو بے شمار جزیرے خوشی منائیں بادل اور تاریکی اسکے اردگرد ہیں۔ صداقت اور عدل اسکے تخت کی بنیاد ہیں۔ آگ اسکے آگے آگے چلتی ہے اور چاروں طرف اسکے مخالفوں کو بھسم کر دیتی ہے اسکی بجلیوں نے جہاں کو روشن کر دیا زمین نے دیکھا اور کانپ گئی خداوند کے حضور پہاڑ موم کی طرح پگھل گئے یعنی ساری زمین کے خداوند کے حضور۔ آسمان اسکی صداقت ظاہر کرتا ہے سب قوموں نے اسکا جلال دیکھا ہے۔ گھدی ہوئی مورتوں کے سب پوجنے والے جو بتوں پر فخر کرتے ہیں اور شرمندہ ہوں اے معبودو! سب اسکو سجدہ کرواے

خداوند! صیّون نے سنا اور خوش ہوئی اور یہوداہ کی بیٹیاں تیرے احکام سے شادمان ہوئیں کیونکہ اے خداوند! تو تمام زمین پر بلند و بالا ہے تو سب معبودوں سے نہایت اعلیٰ ہے" الی آخر الزبور

یہ آیاتِ بیّنہ تو حمدِ باری تعالیٰ میں وارد ہیں اِن میں حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق کسی بشارت کا شائبہ بھی نہیں ہے چہ جائیکہ آیتِ مجوزہ میں مجبولہ حضرت مسیح علیہ السلام کو لیا جائے بلکہ بائبل کے جو فارسی و ہندی تراجم میرے پاس ہیں اُن میں تو اِن آیات میں لفظِ "ملائکہ" بھی نہیں ہے

سترہویں بشارت (۱)

زبور ۱۰۲ کی آیات میں حضرت مسیح علیہ السلام کیلئے کسی بشارت کا ذکر تک نہیں ہے بلکہ اِن آیات میں صرف ابدیتِ باری تعالیٰ، زمین و آسمان کی فنائیت کا ذکر ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے عرض کرتے ہوئے فرماتے ہیں "بلکہ سب پوشاک کی مانند پرانے ہو جائینگے تو انکو لباس کی مانند بدلے گا اور وہ بدل جائینگے پر تو لاتبدیل ہے"

ناظرین غور فرمائیے! متی، یوحنا، پولوس مسیحی حضرات کی تصریحات کے مطابق روح القدس سے مستفیض اور اسکے فیوضات سے سرشار ہیں۔ انکی ذکر کردہ بشاراتِ مسیح علیہ السلام کا حال آپ نے جان لیا تو اس فرقے کے بعد کے پادری صاحبان جو روح القدس کی بجائے روحِ شراب کے نشہ سے سرشار رہتے ہیں انکی تحقیقات در بارۂ بشارات کیسی ہونگی انہی پر قیاس کر لینا چاہیئے۔

---

(۱) یہاں ازالۃ الاوہام کے متن میں بشارتِ ہجدہم (۱۸) کا عنوان دیا گیا ہے جبکہ بشارتِ ہفدہم (۱۷) مذکور نہیں۔ یہ سہو ہوا ہے لہٰذا ہم نے بشارت نمبر ۱۷ کا عنوان قائم کر دیا ہے۔

فائدہ

اگرچہ گذشتہ سطور میں بشارتِ مسیح علیہ السلام کے مقامات کی مکمل تحقیق لکھ دی گئی ہے تاہم اس رسالہ کی تحریر کے وقت عہد نامہ جدید (انجیل) کا ایک اردو نسخہ ۱۸۳۹ء بپٹسٹ مشن کلکتہ سے طبع ہو کر آیا ہے جس میں برطانوی و امریکی پادری صاحبان نے بہت محنت اٹھائی ہے اور متعدد امور کا التزام کیا ہے۔ ایک یہ کہ عہدِ جدید کی آیت کا کوئی مضمون اگر عہدِ قدیم یا جدید میں کسی اور جگہ بھی آیا ہوا ہو تو اپنے تفسیری نوٹس دیتے ہوئے حاشیہ پر اس متعلقہ آیت و باب کا حوالہ دیا ہے۔ دوسرا یہ کہ عہدِ عتیق کا بشارت وغیرہ پر مشتمل کوئی مضمون عہد جدید میں آجائے تو مقابلہ کر کے عہدِ عتیق کی اس متعلقہ آیت و باب کا حوالہ دیا ہے۔ تیسرا یہ کہ عہدِ جدید کی کسی آیت میں عہدِ عتیق کی کسی کتاب کا حوالہ ہو تو اپنے تفسیری نوٹ پر اس متعلقہ آیت و باب کا حوالہ دیا ہے۔ یہ نسخہ ہمارے پاس موجود تھا اور ہم نے اِن بشاراتِ مسیح علیہ السلام پر مشتمل جگہوں کو مزید تقابل و تحقیق سے لکھا ہے تاہم اگر کسی کو کوئی اشتباہ ہو جائے تو پادری صاحبان سے یہ نسخہ حاصل کر کے مزید تجزیہ و تحقیق کر لے۔ (۱)

---

(۱) مصنفؒ کی اس نسخہ سے مراد بائبل کا وہ اردو ترجمہ ہے جو ”کتابِ مقدس“ کے نام سے پاکستان بائبل سوسائٹی نے شائع کیا ہے یہ بائبل پروٹسٹنٹ فرقے کے مطابق ہے تاہم اسکے حواشی، حسنِ طباعت اور دیگر خوبیوں کی وجہ سے تمام مسیحی فرقے اسے مستند قرار دیتے ہیں اور اس سے برابر فائدہ اٹھاتے ہیں یہ نسخہ اس پورے تحقیقی کام میں ہمارے پیشِ نظر رہا۔

فصل سوم (از باب سوم)

اس فصل میں حضرت مسیح علیہ السلام کی بیان فرمودہ پیشینگوئیوں کا تذکرہ ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اہلِ اسلام انبیاءِ بنی اسرائیل علیہم السلام کی پیشینگوئیوں کے حق ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں اگر کسی جگہ کسی پیشینگوئی میں نقص ہو تو وہ اِس وجہ سے ہوگا کہ وہ فی الحقیقت اس نبی کا ارشاد نہیں یا اس میں تاویل ہے۔ مثلاً اگر کوئی پیشینگوئی عہدِ جدید میں مندرج ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جناب مسیح علیہ السلام کا قول بھی ہو کیونکہ مقدمہ کتاب میں امر دوم کے فائدہ دوم کے تحت معلوم ہو چکا ہے کہ عہدِ جدید کے صحفِ اربعہ کی روایات ایسی بھی ہیں جو خبر واحد کا درجہ رکھتی ہیں۔ ادب کا تقاضا تو نہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشینگوئیوں کے متعلق کوئی حرف زبانِ قلم پر لایا جائے مگر چونکہ مسیحی علماء سید الانسِ والجان ﷺ کی پیشینگوئیوں پر چشم انصاف بند کرتے ہوئے اعتراض کرتے ہیں لہٰذا الزام دینے کیلئے عہدِ جدید میں مندرج اِن پیشینگوئیوں پر کلام مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ الزامی جواب ہو جائے اور اِن لوگوں کو تنبیہ ہو جائے کہ اگر یوں ہی چشمِ انصاف بند کر کے اعتراض برائے اعتراض ہی کرنا ہے تو فریقِ مخالف بھی ایسا کرنے کی بہت وسیع گنجائش رکھتا ہے۔

پہلی پیشینگوئی

سو جان لیجئے کہ متی باب ۵ آیت ۱۱، لوقا باب ۶ آیت ۲۲ میں ہے ”جب میرے سبب سے لوگ تم کو لعن طعن کرینگے اور ستائینگے اور ہر طرح کی بُری باتیں تمہاری نسبت ناحق

کہیں گے تو تم مبارک ہو گے‘‘ جس وقت آنجناب علیہ السلام اپنے حواریوں کو تبلیغ کیلئے بنی اسرائیل کے شہروں میں بھیجتے تو انہیں یہ ہدایت دیتے ’’دیکھو میں تم کو بھیجتا ہوں گویا بھیڑوں کو بھیڑیوں کے بیچ میں پس سانپوں کی مانند ہوشیار اور کبوتروں کی مانند بھولے بنو۔ مگر آدمیوں سے خبردار رہو کیونکہ وہ تم کو عدالتوں کے حوالہ کریں گے اور اپنے عبادت خانوں میں تم کو کوڑے ماریں گے اور تم میرے سبب سے حاکموں اور بادشاہوں کے سامنے حاضر کیے جاؤ گے تاکہ انکے اور غیر قوموں کیلئے گواہی ہو...... بھائی بھائی کو قتل کیلئے حوالہ کریگا اور بیٹے کو باپ اور بیٹے اپنے ماں باپ کے برخلاف کھڑے ہو کر انکو مروا ڈالیں گے اور میرے نام کے باعث سے سب لوگ تم سے عداوت رکھیں گے مگر جو آخر تک برداشت کریگا وہی نجات پائے گا‘‘ (متی باب ۱۰ آیت ۱۶‘۲۱) یہی مضمون مرقس باب ۱۳ آیت ۹‘ لوقا باب ۱۰ آیت ۳‘ باب ۲۱ آیت ۱۲‘۱۶‘۱۷ میں بیان ہوا ہے۔ اِن دونوں خبروں کو مسیحی حضرات پیشینگوئی قرار دیتے ہیں کیونکہ آنجناب علیہ السلام نے اپنے معتقدین کو قبل از وقوع خبر دے دی کہ انکو مخالفین کی طرف سے تکلیف پہنچے گی‘ بری باتیں سننے کو ملیں گی‘ انکی تکذیب کی جائیگی‘ حکام وسلاطین کے سامنے پیش کیا جائیگا‘ دشمنی میں کوڑے مارے جائینگے حتی کہ قتل ہونگے۔ آنجناب علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق اِسی طرح سب واقعات ظہور پذیر ہوئے۔

تجزیہ مصنف رحمہ اللہ

یہاں انکار واعتراض کرنے والے کو حق ہے کہ یوں کہے کہ یہاں کوئی پیشینگوئی نہیں ہے یہ تو رسم قدیم ہے کہ کفار وفجار انبیاء علیہم السلام اور انکے پیروکاروں کو ہر طرح کی تکلیف پہنچاتے ہیں ان پر جھوٹ باندھتے ہیں انکی ہتک وبے عزتی سے باز نہیں آتے اور بنی اسرائیل کی سرکشی تو ویسے ہی ضرب المثل ہے کہ کتاب کا علم رکھنے کے باوجود محض شرارت

ونفسانیت کی وجہ سے زمانہ مسیحؑ سے بہت قبل اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کیساتھ انتہائی بے ہودہ حرکتوں کے مرتکب ہوئے۔ اِسی طرح آنجنابؑ کے دور میں حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ کو قتل کیا خود آنجنابؑ کی بھی توہین وتکذیب کرتے تھے اکثر وبیشتر یہی سازش کرتے رہتے کہ انہیں کسی طرح قتل کیا جائے جیسا کہ کچھ باتیں آپ نے اِس باب کی فصلِ اوّل میں جان بھی لیں۔ ظاہر ہے کہ جب آپؑ اپنے شاگردوں کو تبلیغ کیلئے روانہ فرماتے تھے تو انہیں بنی اسرائیل وحکامِ وقت کی مخالفت کا خوب اندازہ تھا۔ نیز آنجنابؑ کی شریعت کے احکامِ ظاہرہ تمام شرائع سابقہ بالخصوص شریعتِ موسوی کے یکسر خلاف تھے تو اس میں پیشینگوئی والی کونسی بات ہے؟ ہر شخص ایسی صورتِ حال میں اپنے اور اپنے معتقدین کے متعلق اس طرح کی باتیں کہہ سکتا ہے بلکہ آنجنابؑ کے کلامِ اول میں بھی یہی بات مذکور ہے ''خوشی کرنا اور نہایت شادمان ہونا کیونکہ آسمان پر تمہارا اجر بڑا ہے اس لئے کہ لوگوں نے ان نبیوں کو بھی جو تم سے پہلے تھے اسی طرح ستایا تھا'' (متی باب ۵ آیت ۱۲) پھر متی باب ۱۰ آیت ۲۴ میں ہے ''شاگرد اپنے استاد سے بڑا نہیں ہوتا اور نہ نوکر اپنے مالک سے۔ شاگرد کیلئے یہ کافی ہے کہ اپنے استاد کی مانند ہو اور نوکر کیلئے یہ کہ اپنے مالک کی مانند ہو جب انہوں نے گھر کے مالک کو بعلزبول کہا تو اسکے گھرانے کے لوگوں کو کیوں نہ کہیں گے؟'' یہ آیات صراحۃً دلیل ہیں کہ آنجنابؑ اپنے حالات سابقہ انبیاء علیہم السلام کے احوال پر قیاس کرتے ہوئے ہی ایسی باتیں ارشاد فرماتے تھے۔

دُوسری پیشینگوئی

متی باب ۷ آیت ۱۵ میں ہے ''جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس

بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں انکے پھلوں سے تم انکو پہچان لوگے کیا جھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں؟'' جس وقت شاگردوں نے آنجناب علیہ السلام سے انکی آمد اور روزِ قیامت کی علامت کے متعلق پوچھا تو وہ یہ جواب دیتے ہیں ''یسوع نے جواب میں ان سے کہا کہ خبردار! کوئی تم کو گمراہ نہ کردے کیونکہ بہتیرے میرے نام سے آئیں گے اور کہینگے میں مسیح ہوں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کریں گے اور تم لڑائیاں اور لڑائیوں کی افواہ سنو گے خبردار! گھبرا نہ جانا! کیونکہ ان باتوں کا واقع ہونا ضرور ہے لیکن اس وقت خاتمہ نہ ہوگا کیونکہ قوم پر قوم اور سلطنت پر سلطنت چڑھائی کریگی اور جگہ جگہ کال پڑیں گے اور بھونچال آئیں گے''

(متی باب ۲۴ آیت ۴، مرقس باب ۱۳ آیت ۵ لوقا باب ۲۱ آیت ۸)

تجزیہ مصنف رح

اِن دونوں خبروں میں پیشینگوئی والا کوئی مفہوم نہیں ہے کیونکہ جناب مسیح علیہ السلام سے پہلے بھی سینکڑوں لوگوں نے نبوت کے دعوے کیے اور پشیمان ہوئے چنانچہ مقدمہ کتاب اور اس باب کی فصل اول میں گذرا۔ اسی وجہ سے تو انہوں نے فرمایا ہے کہ ''انکے پھلوں سے تم انکو پہچان لوگے'' وہ سچا ہونے کی علامت یہ بتاتے ہیں ''اسی طرح ہر ایک اچھا درخت اچھا پھل لاتا ہے اور برا درخت برا پھل لاتا ہے'' (متی باب ۷ آیت ۱۷) اور یہ بھی ایک رسمِ قدیم ہے کہ جب کسی جلیل القدر شخصیت کی آمد کا انتظار ہو تو بہت سے بے ایمان لوگ دعویٰ کر لیتے ہیں کہ وہ میں ہوں چنانچہ ماضی میں خلافتِ عباسیہ کے دور میں کئی لوگوں نے مہدی موعود ہونے کے دعوے کیے اور ہندوستان کے ایک شہر جونپور میں بھی ایک شخص نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا بہت سے لوگ اسکے گرویدہ بھی ہو گئے تھے بلکہ آج تک بعض لوگ

اسے مہدی موعود سمجھتے ہیں۔(۱) باقی جنگ کی خبریں سننا، ایک سلطنت کا دوسری سلطنت پر حملہ کرنا، بعض علاقوں میں قحط وزلزلہ کا آنا یہ کون سے امور بعیدہ ہیں جنکو پیشینگوئی کہا جائے؟ بلکہ جب تک عالم قائم ہے تو اِس طرح کے واقعات ہوتے رہیں گے بلکہ مذکورہ باتوں کوتو کوئی بچہ بھی کسی خاص زمان یا مکان کو متعین کیے بغیر کہہ سکتا ہے کہ میرے بعد تم جنگ کی خبریں سنو گے، بعض جگہوں پر زلزلے آئیں گے اور قحط پڑیں گے۔

تیسری پیشینگوئی

ایک مرتبہ فقیہوں اور فریسیوں نے معجزہ طلب کیا تو آنجناب علیہ السلام کا جواب اِس طرح ہے ''اس نے جواب دیکر ان سے کہا اس زمانہ کے برے اور زنا کار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یوناہ نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان انکو نہ دیا جائے گا کیونکہ جیسے یوناہ تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا'' (متی باب ۱۲ آیت ۳۹) متی باب ۲۰ آیت ۱۷ میں ہے ''اور یروشلیم جاتے ہوئے یسوع بارہ شاگردوں کو الگ لے گیا اور راہ میں ان سے کہا دیکھو ہم یروشلیم کو جاتے ہیں اور ابن آدم سردار کاہنوں اور فقیہوں کے حوالہ کیا جائیگا اور وہ اسکے قتل کا حکم دیں گے''

تجزیہ مصنفؒ

اِن پیشینگوئیوں میں تین دن رات زمین کے اندر رہنے کی بھی صراحت ہے حالانکہ بالکل غلط ہے چنانچہ مقدمہ کتاب میں فائدہ اوّل کے ذیل میں پوری تفصیل معلوم ہوچکی۔

(۱) مصنفؒ نے اپنے زمانے کی حد تک مثالیں ذکر کی ہیں۔ اُنکے بعد معلوم نہیں کتنے لوگوں نے مہدی ہونے کا دعوٰی کیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی اور دعاوی کیساتھ ساتھ مہدی ہونے کا دعوٰی کر رکھا تھا۔ لوگوں کا ایک طبقہ انکو تسلیم کرتا ہے اور آج تک انکا پیروکار ہے۔

باقی اپنے گرفتار وغیرہ ہونے کی خبر دینا تو اس میں پیشینگوئی کا کوئی پہلو نہیں ہے کیونکہ اس باب کی فصل اوّل میں آپ معلوم کر چکے ہیں کہ یہودی ایک عرصے سے انکی گرفتاری وقتل کے مشورے کر رہے تھے انکی ذاتِ گرامی کی توہین اور انکے معجزات کی تکذیب کرتے تھے۔

چوتھی پیشینگوئی

متی باب ۲۶ آیت ۲۰ میں ہے ''جب شام ہوئی تو وہ بارہ شاگردوں کیساتھ کھانا کھانے بیٹھا تھا اور جب وہ کھا رہے تھے تو اس نے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک مجھے پکڑوائے گا وہ بہت ہی دلگیر ہوئے اور ہر ایک اس سے کہنے لگا اے خداوند کیا میں ہوں؟ اس نے جواب میں کہا جس نے میرے ساتھ طباق میں ہاتھ ڈالا ہے وہی مجھے پکڑوائے گا...... اسکے پکڑوانے والے یہوداہ نے جواب میں کہا اے ربّی کیا میں ہوں؟ اس نے اس سے کہا تو نے خود کہہ دیا'' یہی مضمون مرقس باب ۱۴ آیت ۱۷، یوحنا باب ۱۳ آیت ۲۱ میں بھی مذکور ہے۔

تجزیہ مصنفؒ

انکار کرنے والے کو حق ہے کہ کہے اس میں کون سی پیشینگوئی ہے؟ کہ انکو یہوداہ کی وضع اور کیفیت سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہ شخص دغا کریگا اور اہلِ فراست اکثر اس طرح کی باتیں قرائن وعلامات سے دریافت کر لیتے ہیں چنانچہ بابر بادشاہ نے شیر شاہ کو ایامِ طفولیت میں دیکھ کر کہا تھا کہ یہ ایسا فتنہ ہے کہ اس سے بہت سے فتنے اٹھیں گے اور اسے قید کرنے کا حکم تک دے دیا پھر امراء کی سفارش کے بعد اسکے حکم سے رہائی ملی حالانکہ شیر شاہ ان دنوں ایک بچہ تھا اور کوئی ظاہری ثروت وطاقت نہ رکھتا تھا کہ جس سے تیموری سلطنت کے زوال کا گمان ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن کہ جناب مسیح علیہ السلام نے کسی خارجی ذریعہ سے جان لیا ہو اور

پہلے سے کوئی علم نہ ہو کیونکہ اسکو بھی مقرب حواریوں میں داخل کر رکھا تھا، مریضوں کو شفا دینے' بدروحوں کو نکالنے کی قدرت دے رکھی تھی اور روح القدس سے بھی مستفیض تھا جیسا کہ متی باب ۱۰ میں صراحت ہے۔ آنجناب علیہ السلام اپنے حواریوں کے متعلق فرماتے تھے جس میں یہوداہ بھی شامل ہے "جب ابنِ آدم نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تو تم بھی جو میرے پیچھے ہو لئے بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے" جیسا کہ متی باب ۱۹ آیت ۲۸ میں صراحت ہے۔ اگر آنجناب علیہ السلام کو معلوم تھا تو پھر کیوں ایسے بدبخت کو برگزیدۂ روح القدس کا فیض یافتہ قرار دیتے اور کیوں یہ وعدہ فرماتے کہ روزِ قیامت کو وہ تخت پر بیٹھ کر بنی اسرائیل کے قبیلہ کا انصاف کریگا حالانکہ اس وقت اسکا ٹھکانہ تو جہنم ہوگا۔ اس تحریر سے مذکورہ پیشینگوئی جو حواریوں کے متعلق بطور وعدہ تھی اسکا حال بھی معلوم ہوگیا(۱)۔

پانچویں پیشینگوئی

متی باب ۲۶ آیت ۳۱' مرقس باب ۱۴ آیت ۲۷' ۳۰ میں ہے "اس وقت یسوع نے ان سے کہا تم سب اسی رات میری بابت ٹھوکر کھاؤ گے .... پطرس نے جواب میں اس سے کہا گو سب تیری بابت ٹھوکر کھائیں لیکن میں کبھی ٹھوکر نہ کھاؤنگا یسوع نے اس سے کہا میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ اسی رات مرغ کے بانگ دینے سے پہلے تو تین بار میرا انکار کریگا"

مسیحی حضرات کہتے ہیں کہ پطرس کے متعلق حضرت مسیح علیہ السلام نے جس طرح فرمایا

---

(۱) کیونکہ آنجناب علیہ السلام ان حواریوں اور شاگردوں کو قیامت کے دن سعادت وسیادت کی خوشخبری دے رہے ہیں حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو آنجناب علیہ السلام کے قتل میں ملوث ہیں اور کوئی قسمیں اٹھا کر آپکا انکار کرتے ہیں۔

تھا اسی طرح ہوا۔ انکار کرنے والے کیلئے یہاں بھی بہت سے اعتراضات کی گنجائش ہے کیونکہ جناب مسیح علیہ السلام کو اپنے حالات کا اندازہ تھا کہ اس طرح کا سانپ آئے گا اسی لئے اس مردود کے حق میں اس طرح ارشاد فرمایا ہے ہر ذی شعور کو اپنے قریبی ساتھی کے متعلق اس طرح کا اندازہ ہوتا ہے کہ آیا وہ آستین کا سانپ تو نہیں۔

ایک اہم تقابل

یہاں پر پہنچ کر آپ اصحابِ محمد ﷺ کی اصحاب مسیح علیہ السلام یعنی حواریوں پر افضلیت وفوقیت کا بھی اندازہ فرما سکتے ہیں۔ کیونکہ جس نے تھوڑی سی بھی صحبتِ نبوی ﷺ اٹھالی تو اپنے جان ومال کو آقائے نامدار ﷺ پر فدا کرنے میں کمی نہ چھوڑی۔ کفار کی طرف سے طرح طرح کی تکالیف کے باوجود خصوصاً ہجرت سے پہلے کے چودہ سال مکی دور کے مظالم کے باوجود ہر شخص کی زبان پر نغمہ توحید اور ترانہ صداقتِ رسالت کے سوا کچھ نہ تھا جبکہ ان دو حواریوں کا کردار ملاحظہ فرمایئے کہ ایک نے صرف تیس روپے کی خاطر اپنے ایمان کا سودا کیا(۱) اور دوسرے نے آنجناب علیہ السلام کے طفیل اس قدر جلال ومرتبت حاصل کرنے کے باوجود حتیٰ کہ آج تک اسکی بزرگی اور عظمتِ شان مسیحیوں میں مسلّم ہے تین بار آنجناب علیہ السلام کے سامنے اپنے مسیحی ہونے کا انکار کیا، اپنے انکار کو لعن وقسم کیساتھ مؤکد کیا۔(۲) یہاں سے آپ سرور کائنات ﷺ کی صحبتِ فیض اثر اور صحبتِ عیسوی میں تفاوت بھی جان سکتے ہیں۔

(۱) حوالہ کیلئے ملاحظہ ہو متی باب ۲۶ آیت ۱۴ تا ۱۶

(۲) حوالہ کیلئے ملاحظہ ہو متی باب ۲۶ آیت ۶۹ تا ۷۴

نوٹ:

جاننا چاہیئے کہ باب سوم باب چہارم کیلئے مقدمہ وتمہید کی حیثیت رکھتا ہے۔ بد دماغ قاری کو اِسے صرف دیکھنا ہی نہیں چاہیئے بلکہ پورے غور وخوض کیساتھ ملاحظہ کرنا چاہیئے تا کہ باب چہارم میں مسیحیوں کی طرف جنابِ رسالت مآب ﷺ پر اعتراضات اور آپ ﷺ کی پیشگوئیوں پر تنقیدات کے ضعف کا اسکو خوب اندازہ ہوسکے۔ وباللہ التوفیق

☆☆☆

بابِ چہارم

فصلِ اوّل:

چار ضروری فوائد

فصلِ دوم:

سیّد المعصومین ﷺ پر دس بڑے اعتراضات کے جوابات

فصلِ سوم:

رسالتِ محمدی ﷺ کے اثبات پر بائبل سے تینتیس بشارات کا بیان

باب چہارم

یہ باب ان اعتراضات کے رد میں ہے جو وہ خاتم المرسلین وسید النبیین ﷺ کے متعلق کرتے ہیں اور اپنے لئے عقوبت اخروی کے ذخائر بڑھا رہے ہیں۔ اس باب میں سرورِ کائنات ﷺ کی رسالت پر عہدِ عتیق وجدید سے دلائل کا بھی بیان ہے یہ باب تین فصول پر مشتمل ہے۔(۱)

فصل اوّل (از باب چہارم)

فصل اوّل چندان فوائد پر مشتمل ہے جو اگلی فصل کیلئے بہت کارآمد ہیں۔

فائدہ اوّل

اثباتِ نبوت کیلئے بشارت ضروری نہیں

جاننا چاہیئے کہ کسی نبی سابق کا آنے والے نبی کے متعلق خبر دینا ضروری نہیں اور اس طرح کی خبر نہ ہونا آنے والے پیغمبر کی عظمتِ شان میں ذرا مخل نہیں کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد کے متعلق کسی نبی سابق نے خبر نہیں دی تھی اسکے

(۱) فصلِ اول، میں چار ضروری فوائد کا بیان ہے جو اگلی مباحث کیلئے تمہید کا درجہ رکھتے ہیں۔ فصلِ دوم میں سید المعصومین ﷺ پر دس بڑے اعتراضات کا جواب ہے جنکی صدائے بازگشت آج بھی بے دین اور مغربی حلقوں میں پائی جاتی ہے۔ فصلِ سوم میں رسالتِ محمدی ﷺ کے اثبات پر بائبل سے تیئیس بشارات کا ایمان افروز بیان ہے۔

باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک جلیل القدر پیغمبر تھے انکا لقب ابوالانبیاء ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلیم اور ایسے عظیم الشان پیغمبر ہیں کہ انکے متعلق آیا ہے:

''اور اس وقت سے اب تک بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ کی مانند جس سے خداوند نے روبرو باتیں کیں نہیں اٹھا'' (استثناء باب ۳۴ آیت ۱۰) ان دونوں بزرگوں کی فضیلت سب کے نزدیک مسلّم ہے۔ یہی حال حضرت یسعیاہ، حزقی ایل، دانیال وغیرہم علیہم السلام کا ہے کہ انکی پیغمبرانہ عظمت میں شبہ نہیں مگر انکی آمد سے پہلے کسی نے انکے آنے کی خبر نہیں دی۔

فائدہ دوم

بشارت کیلئے مفصل اور بالکل واضح ہونا ضروری نہیں

اگر کوئی سابقہ پیغمبر آنے والے نبی کے متعلق کوئی خبر اور پیشنگوئی کر بھی دے تو اس میں آنے والے نبی کے جملہ عادات وشمائل بیان نہیں کرتا تاکہ خواص وعوام کو کوئی اشتباہ باقی نہ رہے اور علامتِ مذکورہ کی بناء پر سب لوگ اسکو پہچان لیں۔ بلکہ اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ میں وہی نبی ہوں جسکی نبی سابق نے خبر دی اور وہ خود بھی اپنے ہم عصر یا بعد میں آنے والے نبی کی پیشینگوئی کرے تو عوام کا تو کیا ذکر خواص بھی اسکو جلدی سے نہیں پہچانتے۔ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی (۱) حاشیہ بیضاوی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

هذا فصل يحتاج الى مزيد شرح وهو انه يجب ان يتصور

(۱) انکا پورا نام قاضی عبدالحکیم بن شمس الدین محمد ہندی پنجابی سیالکوٹی ہے لاہور کے نواح میں سیالکوٹ شہر میں پیدائش وانتقال ہوا۔ مغلیہ دور کے بادشاہ شاہ جہان کا زمانہ پایا۔ اپنی زندگی تحصیل علم میں فنا کی اور کئی علوم پر بیش بہا کتب تصنیف فرمائیں۔ تفسیر بیضاوی پر انکا مفصل، علمی وتحقیقی حاشیہ ہے۔ ۱۶۵۶ء میں وفات ہوئی۔

ان کل نبی اتی بلفظة معرضه واشارة مدرجة لایعرفها الّا الراسخون فی العلم وذالك لحکمة الٰهیة وقد قال العلماء: ماانفكّ کتاب منزل من السماء من تضمن ذکر النبی صلی الله علیه وسلم لکن باشارات ولو کان منجلیاً للعوام لَمَاعوتب علماء هم فی کتمانه ثم ازداد ذالك غموضاً بنقله من لسان الی لسان من العبری الی السریانی ومن السریانی الی العربی وقد ذکرت محصلة الفاظاً من التوراة والانجیل اذا اعتبرتها وجدتها دالةً علی صحة نبوته علیه السلام بتعریض هو عندالراسخین فی العلم جلی وعند العامة خفیّ" انتهی بلفظه (۱)

یہ مضمون کتب عہد عتیق وجدید کے ناظرین کیلئے محتاج دلیل نہیں ہے لیکن سطحی نظر رکھنے والے لوگوں کیلئے اِس سے اغماض کرنا بھی مناسب نہیں ہے لہٰذا چند حوالے پیش خدمت ہیں۔

---

(۱) علامہ سیالکوٹی کی عربی عبارت کا ترجمہ یوں ہے" جو چیز مزید وضاحت کی محتاج ہے وہ یہ ہے کہ یہ بات جاننا ضروری ہے کہ ہر نبی نے تعریض واشارہ والے الفاظ استعمال کئے ہیں جن کو صرف راسخ علم رکھنے والے علماء سمجھ سکتے ہیں۔ اور اس میں کوئی نہ کوئی خدائی حکمت ہے۔ حضرات علماء کا ارشاد ہے کہ کوئی بھی نازل شدہ آسمانی کتاب ایسی نہیں ہے جو حضورﷺ کے ذکر پر مشتمل نہ ہو مگر یہ سب کچھ اشارات کے طور پر ہے اور اگر عوام کیلئے صاف صاف اور کھلا ہوا ہوتا تو پھر ان علماء کو چھپانے پر عتاب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر ان ارشادات میں مزید پوشیدگی اور پیچیدگی کا بڑا سبب ایک زبان سے دوسری زبان میں اسکا منتقل کرنا اور ترجمہ کرنا ہے، پہلے عبرانی سے سریانی میں پھر سریانی سے عربی زبان میں، میں نے توریت وانجیل کے الفاظ کا جو خلاصہ ذکر کیا ہے جب آپ اس پر غور کریں گے تو آسانی سے اسکا حضورﷺ کی نبوت کی صحت پر دلالت کرنا معلوم ہو سکتا ہے، مگر تعریض اور اشارے کے طور پر راسخ علم رکھنے والے علماء کیلئے تو یقینی اور ظاہر ہے اور عوام کیلئے خفی اور غیر ظاہر ہے۔

پہلا حوالہ

یسعیاہ باب۴۰ آیت ۳ میں ہے ’’پکارنے والے کی آواز! بیابان میں خداوند کی راہ درست کرو۔ صحرا میں ہمارے خدا کیلئے شاہراہ ہموار کرو۔ ہر ایک نشیب اونچا کیا جائے اور ہر ایک پہاڑ اور ٹیلہ پست کیا جائے اور ہر ایک ٹیڑھی چیز سیدھی اور ہر ایک ناہموار جگہ ہموار کی جائے‘‘ متی اِس بشارت کو حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے متعلق قرار دیتا ہے اور اپنے صحیفہ متی باب ۳ آیت ۳ میں اِس طرح لکھتا ہے ’’یہ وہی ہے جسکا ذکر یسعیاہ نبی کی معرفت یوں ہوا کہ بیابان میں پکارنے والے کی آواز آتی ہے کہ خداوند کی راہ تیار کرو۔ اسکے راستے سیدھے بناؤ‘‘ انتہی۔ لوقا بھی اپنے صحیفہ باب ۳ آیت ۴،۵ میں انکے متعلق یہی کچھ لکھتا ہے اور یوحنا اپنے صحیفہ میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا ایک قول بوقتِ خطاب علماء یہود اس طرح لکھتا ہے ’’اس نے کہا میں جیسا یسعیاہ نبی نے کہا تھا بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو‘‘ (یوحنا باب ۱ آیت ۲۳)

تجزیہ مصنفؒ

اِن تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خبر حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق ہے اور یوحنا کے مطابق خود حضرت یحییٰ علیہ السلام بھی اپنی ذات کو اس خبر کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ غور فرمایئے! اِس خبر میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا صرف ایک وصف ’’بیابان میں پکارنے والا‘‘ بتایا گیا ہے۔ اسکے علاوہ نہ کسی اور وصف کا تذکرہ ہے نہ زمانہ بعثت کا بیان ہے جبکہ حضرت یسعیاہ علیہ السلام کے بعد دوسرے انبیاء کرامؑ اور حضرت مسیح علیہ السلام پر بھی یہ بات صادق آتی ہے کیونکہ یہ لوگ بھی آبادیوں اور بیابانوں میں لوگوں کو تبلیغ کرتے تھے بلکہ بارہ حواریوں پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا وعظ یہی کچھ تھا کہ ’’توبہ کرو آسمان کی بادشاہی

نزدیک آگئی ہے'' (متی باب ۳ آیت ۲) اور حضرت مسیح علیہ السلام بھی جب اپنے حواریوں کو شہروں میں تبلیغ کیلیے روانہ فرماتے تو اور ہدایات کے علاوہ ایک یہ بات بھی تلقین فرماتے کہ '' چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے'' (متی باب ۱۰ آیت ۷) لہذا جیسا حضرت یحیٰی علیہ السلام کا اندازِ تبلیغ تھا ویسا ہی حواریوں کا بھی تھا۔ اس سے زیادہ لطیف بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی صراحت کے مطابق ایلیاہ پیغمبر سے مراد حضرت یحیٰی علیہ السلام ہیں (متی باب ۱۱/۱۷) ان دونوں حوالوں سے معلوم ہوا (جیسا کہ مقدمہ کتاب میں فائدہ دوم کے امر دوم کے تحت گذرا) کہ یہود حضرت یحیٰی علیہ السلام کی آمد کی پیشینگوئی جاننے کے باوجود انہیں دیکھنے کے باوجود اسی طرح شاگردانِ مسیح علیہ السلام بھی حضرت یحیٰی علیہ السلام کو دیکھنے کے باوجود نہیں پہچان سکے کہ یہی حضرت یحیٰی علیہ السلام ہی الیاس (ایلیاہ) ہیں اور لطف یہ کہ خود حضرت یحیٰی علیہ السلام کو بھی معلوم نہیں کہ میں ایلیاہ (الیاس) ہوں بلکہ صاف انکار کیا اور کہا کہ میں ایلیاہ نہیں ہوں جیسا کہ فائدہ مذکورہ میں معلوم ہو گیا اور آئندہ فائدہ سوم میں بھی مزید معلوم ہو جائیگا۔

دوسرا حوالہ

حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق صحفِ سابقہ میں جو پیشینگوئیاں موجود ہیں وہ بھی ایسی نہیں کہ انکے ذریعے صرف خواص ہی آنجناب علیہ السلام کو بلاتردد پہچان لیں چہ جائیکہ عوام جیسا کہ باب سوم کی فصل دوم میں مفصل گذرا اسی وجہ سے یہود آنجناب علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے اور دوسرے مسیح کا انتظار کرتے رہے وہ کہتے ہیں کہ سچا مسیح تو شریعتِ موسوی کا پیروکار ہو گا اور عیسیٰ ابن مریم تو احکامِ موسوی کا انکار کرتا ہے بلکہ اس نے اکثر ابدی احکام مثلاً تعظیم سبت وغیرہ ختم کر دیئے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ سچا مسیح بادشاہ، صاحبِ شان وشوکت لشکر والا

ہوگا جبکہ عیسی ابن مریم تو ایک مسکین آدمی ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ سچا مسیح علمِ ربانی سے بہرور ہوگا جبکہ عیسی ابن مریم جاہل وساحر ہے اور جادو کے زور سے چند عجائب وخوارق کو ظاہر کرتا ہے۔(العیاذ باللہ العظیم) بلکہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے بھی انکو نہیں پہچانا تھا کہ وہ مسیح موعود ہیں یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے شاگردوں کو حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس یہ معلوم کرنے بھیجا کہ آپ ہی مسیح ہیں یا ہم کسی اور کا انتظار رکھیں (متی باب ۱۱ آیت ۲ تا ۵) یہ مضمون بھی ماقبل میں مقدمہ کتاب میں فائدہ دوم کے امرِ دوم کے تحت گذر چکا ہے۔

فائدہ سوم

اہلِ کتاب کو مسیح اور ایلیاہ کے علاوہ ایک اور نبی کا انتظار تھا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے استثناء باب ۱۸ میں جس پیغمبر کی بشارت دی ہے وہ حضرت مسیح والیاس علیہما السلام کے علاوہ ہیں کیونکہ یوحنا باب ۱ آیت ۱۹ میں ہے ''اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلیم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اسکے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں...... انہوں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟ انتہی (یوحنا باب ۱ آیت ۱۹ تا ۲۱،۲۵)

تجزیہ مصنفؒ

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہود جو کتب سماویہ سے واقف تھے وہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو نبی تو مانتے تھے مگر انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ وہ تین انبیاء جنکی آمد پر انکو اعتقاد ہے ان میں

سے یہ کون سے ہیں؟ کیونکہ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنے مسیح وایلیاہ ہونے کا انکار کیا تو ان لوگوں کا یہ کہنا کہ ''کیا تو وہ نبی ہے'' اور یہ کہنا کہ ''اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟'' صاف دلالت کرتا ہے کہ ''وہ نبی'' سے مراد حضرت مسیح وایلیاہ کے علاوہ کوئی اور ہستی ہے بلکہ خود حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسا عظیم المرتبت پیغمبر بھی اس ''نبی'' سے جناب مسیح علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور پیغمبر مراد لیتے ہیں۔ یہی وجہ تو ہے کہ انہوں نے تیسرے سوال پر نہ تو کوئی اعتراض کیا اور نہ یہ کہا کہ وہ پیغمبر خود مسیح ہی ہے، لہٰذا یہ سوال کیوں کرتے ہو؟ بلکہ اثبات میں فرمایا کہ میں وہ پیغمبر بھی نہیں ہوں اور نیز جب حضرت مسیح علیہ السلام نے ہیکل میں تبلیغ کی تو بعض لوگ ایمان لاکر معتقد ہوگئے اور بعض متکبر ومخالف ہوگئے۔ پھر ان معتقدین کا آپس میں اختلاف ہوگیا کہ یہ نبیوں میں سے کون سا نبی ہے؟ اس بارے میں یوحنا حواری لکھتا ہے ''اور لوگوں میں سے اسکی بابت چپکے چپکے بہت سی گفتگو ہوئی، بعض کہتے تھے وہ نیک ہے اور بعض کہتے تھے نہیں بلکہ وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے...... پس بھیڑ میں سے بعض نے یہ باتیں سن کر کہا بے شک یہی وہ نبی ہے اوروں نے کہا یہ مسیح ہے اور بعض نے کہا کیوں؟ کیا مسیح گلیل سے آئے گا...... پس لوگوں میں اسکے سبب سے اختلاف ہوا'' انتھی ملخصاً (یوحنا باب ۷ آیت ۱۲، ۴۰، ۴۳)

تجزیہ مصنفؒ

یہ عبارت صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ یہود اس پیغمبر کو حضرت مسیح علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور شخصیت سمجھتے تھے اور ہندی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۳۹ء جو برطانوی وامریکی پادری صاحبان کی انتہائی کوشش سے طبع ہوا جسکا تذکرہ ماقبل میں باب سوم کی فصل دوم کے آخر میں فائدہ کے

ذیل میں بھی ہوا ہے(۱) اس میں ان دونوں مقامات پر لفظ ''وہ نبی'' پر حاشیہ دیتے ہوئے استثناء باب ۱۸ کی آیات (۲) کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس سے بھی صاف ظاہر ہوا کہ یہود کے کبار علماء اور تھوڑی بہت بھی واقفیت رکھنے والے عوام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے نزدیک استثناء باب ۱۸ میں جس نبی کی پیشینگوئی کی گئی ہے اسکا مصداق حضرت مسیح علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور ہے اور انشاء اللہ العزیز اس باب کی فصل سوم میں دلیل دوم کے ذیل میں آپ جان لیں گے اس بشارت کا مصداق کون سی ہستی ہے اور اس پر مسیحیوں کے اعتراضات مع جوابات بھی سن لیں گے۔

فائدہ چہارم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم الانبیاء نہ تھے

فائدہ سوم میں مسطور تحقیق سے معلوم ہوگیا کہ مسیحیوں کا یہ کہنا کہ حضرت مسیح علیہ السلام خاتم النبیین ہیں انکے بعد کسی نبی کا انتظار نہیں ہے یہ دعویٰ بالکل باطل، نا قابلِ التفات اور غیر مسموع ہے کیونکہ وہ ہستی جنکے بارے میں بشارت دی گئی ہے وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے سوا ہیں۔علماءِ یہود کے نزدیک اس شخصیت کا حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے آنا متعین نہ تھا۔ پھر

---

(۱) یہ موجودہ اردو بائبل ہی ہے جو ''کتاب مقدس'' کے نام سے چھپ رہی ہے اسکے اطراف میں تحقیقی حواشی موجود ہیں مذکورہ بالا مقام پر حسب بیانِ مصنف یہی حاشیہ وحوالہ بھی موجود ہے

(۲) استثناء باب ۱۸ کی آیت ۱۷ تا ۲۲ میں وہ بشارت مذکور ہے جسکا مصداق حضرت محمد ﷺ ہیں جیسا کہ مصنف نے بشارات کی مبحث میں اسکو تفصیل سے لکھا ہے۔

اس پر بھی اتفاق ہے کہ حضرت مسیحؑ سے پہلے کوئی ہستی اس بشارت کا مصداق نہ بنی تو ظاہر ہے کہ وہ ذات جناب مسیحؑ کے بعد مبعوث ہوگی۔ علاوہ ازیں اگر بالفرض حضرت مسیحؑ ہی خاتم النبیین ہیں تو مسیحیوں کا حواریوں کے متعلق نبی ہونے کا اعتقاد بالکل غلط ٹھہرتا ہے۔ اس سے بھی قطع نظر مسیحیوں کا یہ حال ہے کہ انکو حضرت مسیحؑ کے بعد حواریوں کے علاوہ دیگر لوگوں کے بھی نبی ہونے کا اعتراف کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں جیسا کہ عہدِ جدید سے معلوم ہوتا ہے۔ آغابوس یا اگابہ نامی بزرگ انطاکیہ کے نبی تھے انکے علاوہ کئی نبیوں کا ذکر ملتا ہے چنانچہ لکھا ہے ''انہی دنوں میں چند نبی یروشلیم سے انطاکیہ میں آئے ان میں سے ایک نے جسکا نام اُگبس تھا کھڑے ہوکر روح کی ہدایت سے ظاہر کیا کہ تمام دنیا میں بڑا کال پڑے گا اور یہ کلودیس کے عہد میں واقع ہوا'' (رسولوں کے اعمال باب ۱۱ آیت ۲۷، ۲۸) عربی بائبل میں یوں ہے "وفی تلك الایام نزل انبیاء من بروشلیم الی انطاکیہ فقام واحد منهم اسمه آغابوس فأنباهم بالرّوح" الخ اسی طرح رسولوں کے اعمال باب ۲۱ آیت ۱۰ میں ہے ''اور جب ہم وہاں بہت روز رہے تو اگبس نام ایک نبی یہودیہ سے آیا اس نے ہمارے پاس آکر پولوس کا کمر بند لیا اور اپنے ہاتھ پاؤں باندھ کر کہا روح القدس یوں فرماتا ہے کہ جس شخص کا یہ کمر بند ہے اسکو یہودی یروشلیم میں اسی طرح باندھیں گے اور غیر قوموں کے ہاتھ میں حوالہ کرینگے'' عربی بائبل میں اس طرح ہے "ولما اقمنا هناك ایاماً فاتخذ من الیهودیة نبی اسمه آغابوس فدخل الینا واخذ منطقة بولس واوثق بها رجلی نفسه ویدیه وقال هکذا یقول الروح القدس" الخ

لہٰذا یہ چند انبیاء کرام جن میں عابوس یا آگابہ نبی بھی شامل ہے جس نے قحط پڑنے اور پولوس کی یروشلیم کے بعد گرفتاری کی خبر دی ہے ان سب کی نبوت کا اعتراف ضروری ہے۔

مسیحیوں کے ایک اور استدلال کا جواب

اور وہ جو مسیحی حضرات متی باب ۷ آیت ۱۵ سے اپنے دعویٰ (۱) پر استدلال کرتے ہیں وہ بہت ہی مضحکہ خیز ہے کیونکہ متعلقہ آیت اس طرح ہے ''جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں''

ملاحظہ فرمایئے! اس آیت میں تو صرف اتنی سی بات ہے کہ جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو۔ یہ تو نہیں فرمایا کہ میرے بعد جو بھی نبی آئے اس سے خبردار رہو وہ جھوٹا ہوگا۔ جی ہاں اگر دوسری صورت ہوتی تب تو استدلال صحیح ہوتا مگر ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور دونوں باتوں کو ایک قرار دینا غلطی ہے بلکہ ''جھوٹے'' کی قید لگا کر تو سچے سے احتراز کرنا مقصود ہے یعنی جھوٹے نبیوں سے بچو نہ کہ سچے نبیوں سے اور آنجناب علیہ السلام کے کلام کا منشاء یہ ہے کہ میرے بعد نبی آئیں گے ان میں بعض سچے ہونگے جیسے آغابوس نبی انطاکیہ وغیرہ جنکا ذکر رسولوں کے اعمال باب ۱۱، ۲۱ میں ہے اسی طرح حضرت محمد ابن عبداللہ ﷺ۔ اور بعض جھوٹے ہونگے جیسے شمعون سمری جسکا ذکر اس طرح آیا ہے ''اس سے پہلے شمعون نام ایک شخص اس شہر میں جادوگری کرتا تھا اور سامریہ کے لوگوں کو حیران رکھتا اور یہ کہتا تھا کہ میں بھی کوئی بڑا شخص ہوں اور چھوٹے سے بڑے تک سب اسکی طرف متوجہ ہوتے اور کہتے تھے کہ یہ شخص خدا کی وہ قدرت ہے جسے بڑی کہتے ہیں'' (رسولوں کے اعمال ۸ آیت ۹) اس طرح ''بریسوع سلیمسی یہودی'' نامی ایک جھوٹا نبی تھا جسکا ذکر اس طرح آیا ہے ''اور اس تمام ٹاپو میں ہوتے ہوئے یافس تک پہنچے وہاں انہیں ایک یہودی جادوگر اور جھوٹا نبی بریسوع نام ملا'' (رسولوں کے اعمال باب ۱۳ آیت ۶) اسی

(۱) یعنی یہ دعویٰ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

طرح یمامہ میں مسیلمہ کذاب' یمن میں مسیلمہ کی منکوحہ نبوت کی مدعیہ سجاح نامی عورت' قبیلہ طی میں طلیحہ' سماوہ میں ابو الطیب' صنعاء میں اسود ذو الخمار وغیرہ جھوٹے مدعیانِ نبوت گذرے ہیں۔ اِسی وجہ سے حضرت مسیح علیہ السلام جھوٹے کی علامات اس طرح ارشاد فرماتے ہیں ''انکے پھلوں سے تم انکو پہچان لوگے کیا جھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں ......پس انکے پھلوں سے تم انکو پہچان لوگے'' (متی باب ۷ آیت ۱۶' ۲۰) حضرت مسیح علیہ السلام کے اِس ارشاد سے معلوم ہوا کہ صاحبِ معجزات اور اعلیٰ سیرت کا حامل ہی نبی صادق ہوگا۔

فصل دوم (از باب چہارم)

یہ فصل ان مطاعن واعتراضات کے رد میں ہے جو وہ اپنے زعم میں خیر الوریٰ ﷺ پر کرتے ہیں۔

قارئین کرام! ارشدکم اللہ تعالیٰ اتنی بات تو آپکو معلوم ہی ہے کہ زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے کہ مخالفین اپنے زعم کے مطابق حضرات انبیاء علیہم السلام پر طعن واعتراض کرتے آئے ہیں اور انکو تکالیف پہنچانے سے کبھی باز نہ آئے۔ عہد جدید کے مطابق یہودی علماء حضرت مسیح علیہ السلام کو فریب کار، مکار، کافر، گمراہ، دیوانہ، سامری اور ساحر وغیرہ تک کہہ دیتے تھے، کبھی مذاق اڑاتے تھے کبھی چہرہ مبارک پر تھوکتے تھے، کبھی طمانچہ مارتے تھے اس طرح کی اور بھی تکالیف انکو پیش آئیں جیسا کہ باب سوم کی فصل اول میں کچھ نمونے آپ دیکھ چکے ہیں بلکہ آج تک کون سی وہ برائی ہے جسکی نسبت وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف نہیں کرتے اور کونسا الزام ہے جو وہ اس نبی برحق کو نہیں دیتے۔ لہذا آج اگر مسیحی حضرات اپنے بڑے بھائیوں (یہود) کے نقش قدم پر چلتے ہوئے وہی راہ اختیار کرتے ہیں (۱) تو یہ انکے قدیم اسلاف وبزرگان کا طریقہ رہا ہے اس میں کوئی تعجب نہیں کرنا چاہیے

مقدمہ کتاب میں فائدہ اول کے تحت اِسی مقصد کی خاطر ہم نے عہد عتیق وجدید سے چند روایات بطور الزام نقل کی تھیں تا کہ ناظرین غور فرمالیں اگر انبیاء کرام علیہم السلام پر

---

(۱) اور ختم المرسلین ﷺ پر بے ہودہ اعتراضات بکتے ہیں۔

ایمان نہ رکھنے والے لوگ اِن عبارات کو لیکر خود حضرات انبیاء علیہم السلام پر اور بائبل پر تنقید کریں تو چھوٹے (مسیحی حضرات) اور بڑے بھائیوں (یہود) کو سکوت وندامت کے سمندر میں غرق ہونے کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ بائبل میں انبیاء کرام علیہم السلام پر جو الزامات عائد کیے گئے ہیں انکے مقابلے میں ان اعتراضات کی کوئی حیثیت اور حقیقت ہی نہیں جو مسیحیوں کی طرف سے خیر البشر ﷺ پر کیے جاتے ہیں۔ بہر حال کیا کہا جا سکتا ہے تاہم قرآن کریم کا یہ حکمت وہدایت سے لبریز ارشادِ خداوندی ہمارے دلوں کو ڈھارس بندھانے کیلئے کافی ہے وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون (۱) لہٰذا اِسی پر اطمینان کرتے ہوئے ہم انکے بے ہودہ جھوٹے اعتراضات کے ابطال اور رد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ وباللہ التوفیق وھو حسبی ونعم الوکیل۔

پہلا اعتراض

اگر حضرت محمد ﷺ نبی ہوتے تو یقیناً انکا ذکر گذشتہ آسمانی کتابوں میں درج ہوتا حالانکہ کسی جگہ انکا تذکرہ نہیں ملتا۔

جواب

دونوں باتیں ہی غلط ہیں۔ پہلی اس لئے کہ کسی سابق نبی کا آنے والے نبی کے متعلق خبر دینا ضروری نہیں ہے جیسا کہ اِسی باب کی فصل اول میں فائدہ اول کے تحت معلوم ہو گیا اسکے باوجود بحمد اللہ سبحانہ بائبل میں آنحضرت ﷺ کے متعلق اِس قدر بشارات اور پیشینگوئیاں موجود ہیں کہ اور کسی ایک پیغمبر کے متعلق اِس قدر بشارات نہیں ہیں۔ چنانچہ

---

(۱) ''ظالم عنقریب جان لیں گے کہ کون سی جگہ لوٹ کر جاتے ہیں'' (الشعراء آیت ۲۲۷)

اس باب کی فصل سوم میں مفصلاً آئے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ معترض کا یہ کہنا کہ کسی جگہ انکا تذکرہ نہیں ملتا اسکے قلب ونظر کی عدمِ بصارت وبصیرت پر دلالت کرتا ہے۔

دوسرا اعتراض: تعدّدِ ازواج

نبوت کیلئے "پاکیزگی" لازم ہے اور محمد ﷺ (نعوذ باللہ) خواہشاتِ نفس کے پجاری تھے کہ خود بھی نو شادیاں کیں اور امتیوں کو بھی چار شادیوں کی اجازت دی اور طلاق کی بھی اجازت دی کہ جو شخص جب چاہے کسی سبب سے اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو ایک سے زائد نکاح کی اجازت دیتے اور طلاق کی رخصت دیتے تاکہ انکی اولاد میں بھی یہ طریقہ رائج ہوتا حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام کی ایک سے زائد بیوی نہ تھی اور طلاق کی بھی اجازت نہ تھی اور انجیل میں ایک بیوی کے علاوہ کی اجازت نہیں ہے اور زنا کے علاوہ کسی اور سبب سے طلاق کی بھی اجازت نہیں ہے(۱) جیسا کہ متی باب ۱۹، مرقس باب ۱۰ میں صراحت ہے۔ ان دونوں عبارات

(۱) مسیحی علماء اکثر وبیشتر عیسائی مذہب کی خوبیاں گناتے ہوئے لکھتے رہتے ہیں کہ مسیحیت دینِ فطرت ہے کیونکہ یہ وحدتِ ازدواج کی تعلیم دیتا ہے اور طلاق کی ممانعت کرتا ہے اس طرح رشتوں میں پائیدار محبت استوار ہوتی ہے۔ جہاں تک وحدتِ ازدواج یعنی صرف ایک بیوی رکھنے کا تعلق ہے تو اسکی بنیاد بائبل یا مذہبی تعلیم نہیں بلکہ یہ تو عیسائیوں کے بہت بعد کے زمانوں میں طے کردہ خودساختہ قوانین ہیں ورنہ بائبل تو تعدّدِ ازواج کے حوالوں سے بھری پڑی ہے مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں سارہ، ہاجرہ اور قطورہ تھیں (پیدائش باب ۱۱ آیت ۲۹، باب ۱۶ آیت ۳ باب ۲۵ آیت ۱) حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویاں لیاہ، راخیل، بلہاہ اور زلفہ تھیں (پیدائش باب ۲۹ آیت ۱۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دو بیویاں صفورہ اور کوشی عورت تھیں (خروج باب ۲ آیت ۲۱، گنتی باب ۱۲ آیت ۱) حضرت داؤد علیہ السلام کی نو سے زائد بیویاں تھیں (۲۔ سموئیل باب ۳ آیت ۲) حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار بیویاں تھیں (۱۔ سلاطین باب ۱۱ آیت ۳) وغیرہ۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

کے حوالے مقدمہ کتاب میں فائدہ اول کے تحت گذر چکے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ) اسی طرح ہندومت کے مذہبی لٹریچر میں بھی متعدد بیویوں کی اجازت موجود ہے اور ہندو راجاؤں نے اس اجازت سے بھرپور فائدہ بھی اٹھایا ہے۔ مصریوں' بابلیوں' پارسیوں' یہودیوں میں بھی تعدد ازواج کے نمونے پائے جاتے ہیں۔ بلکہ دنیا کی کسی قوم' کسی مذہب کے پاک نوشتوں میں تعدّدِ زوجات کے خلاف اشارہ تک نہیں۔ اسلام مخصوص شرائط کے ساتھ محدود تعداد ازواج کی صرف اجازت دیتا ہے فرض یا لازم قرار نہیں دیتا۔ اگر کسی شخص کی بیوی بانجھ ہو یا کسی دائمی مرض میں مبتلا ہو تو اس صورت میں دوسری بیوی کی ضرورت کا کون عقلمند شخص انکار کرسکتا ہے۔ دنیا کے تمام معاشروں میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔ اگر ''ایک بیوی'' کے اصول پر عمل کیا جائے تو کتنی ہی عورتیں بے شوہر رہتی ہیں۔ کسی عورت کا عدل پر مبنی حقوق کے ساتھ شادی شدہ مرد کی بیوی بننا بہتر ہے یا سب لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا بننا بہتر ہے؟ علاوہ ازیں قرآن مجید واحد آسمانی کتاب ہے جس میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ صرف ایک شادی کرو فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (النساء آیت ۳) ''پھر اگر ڈرہو کہ ان میں انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی نکاح کرو'' کسی دوسری مذہبی کتاب میں صرف ایک بیوی پر قناعت کرنے کا حکم موجود نہیں۔ بائبل میں ازدواج و نکاح (شادی) کے متعلق تو کوئی ہدایت نہیں دی گئی تاہم فسخ نکاح ''طلاق'' کے متعلق ایک ارشاد اس طرح مذکور ہے۔ ''اور میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے اور جو کوئی چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرلے وہ بھی زنا کرتا ہے'' (متی باب ۱۹ آیت ۹) کتنے ہی پیچیدہ خانگی مسائل پیش آجائیں' کیسی ہی دشوار ترین صورت حال کیوں نہ ہوجائے بیوی کو چھوڑا نہیں جاسکتا۔ اگر ایسا کیا تو اسکے بعد جس عورت سے بھی شادی کی خالص زنا ہوگا بلکہ مطلقہ عورت سے اگر کوئی دوسرا شخص شادی کرلے تو وہ بھی زنا کا مرتکب ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے انجیل کے اس حکم کو پس پشت ڈالتے ہوئے بیوی کو بلاوجہ چھوڑ دیا تب بھی یہ مظلومہ کسی اور سے نکاح نہیں کرسکتی ورنہ خود بھی زانیہ ہوگی اور اس سے شادی کرکے ہمدردی کرنے والا بھی زانی ہوگا۔ دریافت طلب بات یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی بیوی زنا کا ارتکاب نہ کرے مگر غیر مرد کے ساتھ سیر و سیاحت پر جاتی ہو' خفیہ تعلقات رکھتی ہو' چوری کرنے کی عادی ہو' پختہ برے اخلاق کی مالک ہو' خاوند کی پہلی بیوی کے بچوں سے سخت حسد رکھتی ہو' شوہر کے معزز رشتوں کی توہین کرتی ہو' آئے دن خواہ مخواہ لڑائی جھگڑے کی عادی ہو وغیرہ وغیرہ اور ہر طرح کی فہمائش واصلاح کے باوجود کہا نہ مانتی ہو تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟ آیا ایسی بیوی کو اپنی گردن کا طوق بنا کر ہمیشہ کیلئے اپنی زندگی کو مصیبت وعذاب بنائے رکھے یا بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری عورت سے شادی کرکے زنا کرے یا پہلی بیوی کو چھوڑ دے دوسری سے شادی نہ کرے اور جنسی خواہش کی تسکین کیلئے ''گرل فرینڈز'' ڈھونڈ لے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جواب

انبیاء علیہم السلام اور تعددِ ازواج

اس طرح کے اعتراضات خالص بد دیانتی کا ثمرہ ہیں کیونکہ ایک سے زائد بیوی سے نکاح کرنا نبوت کے منافی نہیں ہے۔

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تعددِ ازواج

کیا انہیں معلوم نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں تھیں ایک سارہ دوسری ہاجرہ جن سے نکاح کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اسی برس سے بھی زائد تھی تیسری قطورہ جس سے انہوں نے بہت بڑھاپے میں نکاح کیا۔ ان تینوں نکاحوں کی تفصیل پیدائش باب ۱۱ آیت ۲۹، باب ۱۶ آیت ۳، باب ۲۵ آیت ۱ میں بالترتیب مذکور ہے۔

(۲) حضرت یعقوب علیہ السلام اور تعددِ ازواج

اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں ایک راحیل بنت لابان۔ موصوفہ بہت خوش بدن اور خوبصورت تھیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام انکے عشق میں گرفتار

(بقیہ حاشیہ) یا بائبل کے دوسرے الہامی نسخے کے مطابق خود کو خوجہ (خصی) کر لے (متی باب ۱۹ آیت ۱۲) آخر کیا کرے؟ حقیقت یہ ہے کہ طلاق دینا اور بیوی کو چھوڑنا کوئی اچھی بات نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کو جائز چیزوں میں سے سخت ناپسند ہے۔ لیکن زنا کے علاوہ بھی مشکل مسائل اور حالات پیش آسکتے ہیں ایسی صورت میں اگر علیحدگی کے علاوہ کوئی حل نہ ہو تو مجبوراً طلاق کی اجازت بھی ہے۔ یہودیت میں بلا روک ٹوک طلاق کی اجازت تھی عیسائیت نے بالکل ممانعت کردی اسلام نے اعتدال کی راہ اختیار فرمائی کہ اسے ناپسند قرار دیتے ہوئے سخت مجبوری کے اوقات میں گنجائش دی۔ مگر بائبل کی یہ تعلیم ایسی غیر منطقی اور غیر فطری ہے کہ جس پر خلوص سے عمل کرنے کا جذبہ بھی ہو تو بھی بہت مشکل ہے چنانچہ مسیحی اقوام نے اس تعلیم کو مطلقاً خیر باد کہہ دیا ہے۔ آج عیسائی ممالک میں شرح طلاق سب سے زیادہ ہے اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر علیحدگی ہو جاتی ہے۔

ہوئے اور اپنے سسر لابان کی چودہ سال خدمت کر کے یہ بیوی حاصل کی۔ دوسری لیاہ بنت لابان اِن دونوں کے نکاح کی تفصیل پیدائش باب ۲۹ میں مذکور ہے جسکا حوالہ مقدمہ کتاب میں فائدہ اول کے ذیل میں گذرا۔ تیسری راحیل کی باندھی بلہاہ تھی' چوتھی لیاہ کی باندھی زلفہ۔ اِن دونوں کے نکاح کی تفصیل پیدائش باب ۳۰ میں مذکور ہے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تعدد ِازواج

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبوت سے قبل مدیان کے کاہن یترو (۱) کی بیٹی صفورہ سے نکاح کیا جس سے دو بیٹے تولد ہوئے ایک کا نام جیر سوم اور دوسرا الیعاذر تھا چنانچہ اسکی تفصیل خروج میں مذکور ہے (۲) اور گنتی باب ۱۲ آیت امیں اس طرح ذکر ہے ''اور موسیٰ نے ایک کوشی عورت سے بیاہ کر لیا سو اس کوشی عورت کے سبب سے جسے موسیٰ نے بیاہ لیا تھا مریم اور ہارون اسکی بدگوئی کرنے لگے وہ کہنے لگے کہ کیا خداوند نے فقط موسیٰ ہی سے باتیں کی ہیں؟ کیا اس نے ہم سے بھی باتیں نہیں کیں؟ ظاہر ہے کہ یہ کوشی عورت (۳) صفورہ کے علاوہ تھی کیونکہ صفورہ کے نکاح کو تو پچاس سال سے زائد عرصہ گذر چکا تھا اور یہ نکاح تو نبوت سے پہلے تھا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت ہارون و مریم کی نبوت کا کیا ذکر؟ اور ان دونوں کے اس قول کی کہاں گنجائش ہے کہ ''کیا اس نے ہم سے بھی باتیں نہیں کیں؟'' اسی دوسرے نکاح پر ان دونوں نے اعتراض کیا اور عتابِ خداوندی کا شکار ہوئے آخر کار حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سفارش سے نجات ملی یہ سب تفصیل اس باب میں مذکور ہے۔ ایک مسیحی مصنف صاحب

---

(۱) یہ حضرت شعیب علیہ السلام ہیں۔ مقدمہ کتاب اس پر تفصیلی نوٹ گذرا ہے۔

(۲) خروج باب ۲ آیت ۲۱، باب ۱۸ آیت ۲ تا ۴

(۳) کوش اُس علاقے کا نام ہے جسکا ترجمہ اتھوپیا یا حبشہ سے کرتے ہیں یہاں جیحون کی ندی بہتی تھی (پیدائش باب ۲ آیت ۱۳)

''دلائلِ نبوتِ حقہ'' نے اپنے رسالہ کے حصہ دوم میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صرف ایک کوشی عورت بیوی تھی' انہوں نے اسکے علاوہ کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا یہ سب انکی بے خبری کی باتیں ہیں۔

(۴) جدعون نبی اور تعددِ ازواج

جدعون نام کے ایک بزرگ ہیں جنکی نبوت وفضیلت قضاۃ باب ۶'۷ میں مذکور ہے۔انہوں نے بہت سی شادیاں کیں چنانچہ انکے بارے میں آتا ہے''اور جدعون کے ستر بیٹے تھے جو اس ہی کے صلب سے پیدا ہوئے کیونکہ اسکی بہت سی بیویاں تھیں''

(قضاۃ باب ۸ آیت ۳۰)

(۵) حضرت داؤد علیہ السلام اور تعددِ ازواج

حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی اولاً تین نکاح کیے۔سب سے پہلے بنی اسرائیل کے بادشاہ ساؤل کی بیٹی میکل سے نکاح ہوا۔اس نکاح کی تفصیل سموئیل اول باب ۱۸ آیت ۲۷ میں مذکور ہے مگر لطف کی بات یہ ہے کہ جن دنوں حضرت داؤد علیہ السلام ساؤل بادشاہ سے باغی ہوگئے تو ساؤل نے میکل زوجہ داؤد لیس کے بیٹے جلیمی فلطی کو دے دی چنانچہ سموئیل اول باب ۲۵ آیت ۴۴ میں اس نکاح کا واقعہ مذکور ہے۔پھر ساؤل بادشاہ کے مقتول ہونے کے بعد اسکے تخت نشین ہونے والے بیٹے سے حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی زوجہ کی واپسی کی استدعا کی۔اس نے فلطی مذکور سے انکی بیوی بزور بازو جبراً لیکر اپنے آدمیوں کیساتھ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف روانہ کردی اور فلطی بے چارہ اپنی رفیقہ حیات، انیسہ شب کے غم میں روتا روتا بحوریم تک آیا۔آخر کار لے جانے والوں نے کہا کہ واپس چلے جاؤ اور خود میکل کو حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس پہنچادیا۔اس طرح اس عفت مآب زوجہ کو اپنے شوہر اول سے

وصال ہو گیا چنانچہ سموئیل دوم باب ۳ آیت ۱۴ تا ۱۶ میں یہ سب مذکور ہے۔ آنجناب علیہ السلام کی دوسری بیوی ابیجیل تھی اور تیسری اخیوعم تھی انکے نکاح کا حال سموئیل اول باب ۲۵ آیت ۴۲، ۴۳ میں مذکور ہے اور سموئیل دوم باب ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے علاوہ حضرت داؤد علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں ایک کا نام معکہ دوسری کا نام حجیت، تیسری کا نام ابیطال اور چوتھی کا نام عجلاہ تھا۔ پھر سموئیل دوم باب ۵ آیت ۱۳ میں ہے کہ ''اور جبرون سے چلے آنے کے بعد داؤد نے یروشلیم سے اور حرمیں رکھ لیں اور بیویاں کیں اور داؤد کے ہاں اور بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں'' سموئیل دوم باب ۱۱ میں لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے العام کی بیٹی بت سبع زوجہ اوریاہ سے زنا کیا، پھر دھوکے سے اوریاہ کو قتل کرایا، اسکی بیوی اپنے قبضہ میں ہتھیالی (نعوذ باللہ العظیم) جیسا کہ مقدمہ کتاب میں فائدہ اول کے ذیل میں تفصیل سے گذرا۔ سلاطین اول باب ۱ میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے انتہائی بڑھاپے کے زمانہ میں شونمیت ابی شاگ نامی ایک نوعمر، خوبصورت لڑکی سے نکاح کیا مگر بڑھاپے کی بناء پر اس سے مباشرت کا اتفاق نہ ہوا بقول سعدیؒ۔

پیری کہ ز جائے خود نمی تواند برخاست　　　الا بعصا کیش عصا برخیزد (۱)

(۶) حضرت سلیمان علیہ السلام اور تعددِ ازواج

حضرت سلیمان علیہ السلام کے حوالے سے سلاطین اول باب ۱۱ میں ہے کہ انہوں نے شاہِ مصر کی بیٹی کے علاوہ مختلف بادشاہوں کے خاندان کی سات سو عورتوں سے اور تین سو باندیوں سے نکاح کیا پھر وہ انکا دل لے گئیں اپنے معبودانِ باطلہ کی طرف انکو مائل کر لیا حتی کہ سلیمان علیہ السلام نے صیدانیوں کی دیوی عستارات اور عمونیوں کے بت ملکوم کی پرستش کی۔

(۱) وہ بوڑھا جو اپنی جگہ سے عصا کی مدد کے بغیر نہیں اٹھ سکتا اسکا ''عصا'' خاک اٹھے گا۔

جو باتیں خدا کو ناپسند تھیں انکا ارتکاب کیا، بت خانے بنائے۔ یہ سب عبارات مع فوائد مقدمہ کتاب کے فائدہ اول کے ذیل میں گذر چکی ہیں۔

(۷) یہویدع کاہن اور تعددِ ازواج

یہویدع جو ایک نہایت پرہیزگار کاہن تھا اس نے یوآس بادشاہ کیلئے دو بیویاں بیاہ کر دیں جنکا ذکر تواریخ دوم باب ۲۴ آیت ۲، ۱۵ میں اس طرح آیا ہے ''اور یوآس یہویدع کاہن کے جیتے جی وہی جو خداوند کی نظر میں ٹھیک ہے کرتا رہا اور یہویدع نے اسے دو بیویاں بیاہ دیں اور اس سے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں.......لیکن یہویدع نے بڈھا اور عمر رسیدہ ہو کر وفات پائی اور جب وہ مرا تو ایک سو تیس برس کا تھا اور انہوں نے اسے داؤد کے شہر میں بادشاہوں کیساتھ دفن کیا کیونکہ اس نے اسرائیل میں اور خدا اور اسکے گھر کی خاطر نیکی کی تھی''

الغرض عہد عتیق کو دیکھنے ایسی اور بھی بہت مثالیں مل سکتی ہیں مگر طوالت کے ڈر سے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

ایک سے زائد عورت سے نکاح کی اجازت

دوسری جانب اس پہلو پر نظر کرنا ضروری ہے کہ احبار باب ۱۸، استثناء باب ۲۷ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نکاحِ محرمات وغیرہ کے احکام بڑی سخت تاکید کے ساتھ ارشاد فرمائے ہیں مگر ایک سے زائد بیوی سے نکاح کا حرام ہونا کہیں ذکر نہیں فرمایا بلکہ جس وقت مدیونیوں سے جنگ کے دوران عورتیں گرفتار ہو کر آئیں ان میں سے شادی شدہ عورتوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم پر قتل کر دیا گیا اور بتیس ہزار کنواری لڑکیوں کے بارے میں حکم ہوا کہ انہیں اپنے لیے زندہ رکھو جیسا گنتی باب ۳۱ آیت ۱۷، ۳۵ میں ہے ''اور جتنی عورتیں مرد کا

منہ دیکھ چکی ہیں انکو قتل کر ڈالو لیکن ان لڑکیوں کو جو مرد سے واقف نہیں اور اچھوتی نہیں اپنے لئے زندہ رکھو.........اور نفوسِ انسانی میں سے بتیس ہزار ایسی عورتیں جو مرد سے ناواقف ہیں اور اچھوتی تھیں۔ استثناء باب ۲۱ آیت ۱۰ میں ہے ''جب تو اپنے دشمنوں سے جنگ کرنے کو نکلے اور خداوند تیرا خدا انکو تیرے ہاتھ میں کردے اور تو انکو اسیر کر لائے اور ان اسیروں میں کسی خوبصورت عورت کو دیکھ کر تو اس پر فریفتہ ہو جائے اور اسکو بیاہ لینا چاہے تو تو اسے اپنے گھر لے آنا اور وہ اپنا سر منڈوائے اور اپنے ناخن ترشوائے اور اپنی اسیری کا لباس اتار کر تیرے گھر میں رہے اور ایک مہینہ تک اپنے ماں باپ کیلئے ماتم کرے اسکے بعد تو اسکے پاس جا کر اسکا شوہر ہونا اور وہ تیری بیوی بنے.........اگر کسی مرد کی دو بیویاں ہوں اور ایک محبوبہ اور دوسری غیر محبوبہ ہو اور محبوبہ اور غیر محبوبہ دونوں سے لڑکے ہوں اور پہلوٹھا بیٹا غیر محبوبہ سے ہو تو جب وہ اپنے بیٹوں کو اپنے مال کا وارث کرے تو وہ محبوبہ کے بیٹے کو غیر محبوبہ کے بیٹے پر جو فی الحقیقت پہلوٹھا ہے فوقیت دے کر پہلوٹھا نہ ٹھہرائے بلکہ وہ غیر محبوبہ کے بیٹے کو اپنے سب مال کا دونا حصہ دے کر اسے پہلوٹھا مانے کیونکہ وہ اسکی قوت کی ابتداء ہے اور پہلوٹھے کا حق اسی کا ہے'' (استثناء باب ۲۱ آیت ۱۰ تا ۱۳، ۱۵ تا ۱۷)

مذکورہ بالا عبارت میں آیت ۱۰ تا ۱۳ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص خواہ نبی ہو یا غیر نبی اسکے گھر میں پہلے سے بیوی ہو یا نہ ہو اگر اسکا کسی مالِ غنیمت میں آنے والی عورت پر دل آجائے تو اسکو بیوی بنانا جائز ہے یہاں تعداد کا خواہ ایک یا دو یا زائد کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس آیت کے مطابق اسرائیلی کیلئے بے شمار عورتوں کا رکھنا درست ہے۔ اسی طرح اگلا جملہ ''اگر کسی مرد کی دو بیویاں ہوں'' الخ ہمارے دعویٰ پر صریح ہے کچھ بیان کی حاجت ہی نہیں۔ ایک مسیحی فاضل نے اپنی کتاب ''دلائل نبوت حقہ'' کے حصہ دوم میں لکھا ہے کہ شرائع سابقہ کے موافق انجیل مقدس کی رو سے کسی شخص کا ایک بیوی کے زمانہ حیات

تک دوسری سے شادی کرنا درست نہیں مگر انکا ارشاد انتہائی تعجب خیز ہے بلکہ صریح غلطی ہے انکا فرض ہے کہ توریت یا انجیل میں سے کسی جگہ یہ حکم ثابت کر کے دکھائیں۔

تجزیہ مصنف

میں کہتا ہوں کہ مسیحی حضرات کو چاہیئے کہ مذکورہ بالا شخصیات کو نبی نہ مانیں بلکہ ان سب کو شہوت کا پجاری' بدکاری کا حریص کہیں۔ نبوت کی شرط ''پاکیزگی'' ہے اور وہ ان سب حضرات میں مفقود ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین نکاح کیے جن میں دوسرا نکاح اسی سال سے زائد عمر میں ہوا اور تیسرا نکاح انتہائی پیرانہ سالی میں ہوا۔ اسی طرح یعقوب علیہ السلام نے چار شادیاں کیں راحیل کے عشق کی وجہ سے اپنے سسر کی چودہ سال خدمت کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو شادیاں کیں، کہ ایک شادی پر تو حضرت ہارون ومریم علیہما السلام کو بھی اعتراض ہوا۔ جدعون نے بھی بہت شادیاں کیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی کثرت سے نکاح کیے، روایات مشہورہ کے مطابق انکی بیویوں کی تعداد نوے سے متجاوز ہے جن میں بعض بیویاں اور بعض باندیاں تھیں بالخصوص شونمیت ابی شاگ سے نکاح کے وقت تو وہ بہت ہی بوڑھے تھے اوریاہ کی بیوی سے زنا وعشق کی وجہ سے بے چارے اوریاہ کو بھی قتل کرایا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک ہزار بیویاں رکھیں۔ بتوں کی پرستش کی، بت خانے بنائے۔ اسی طرح یہویدع کو بھی نیکوکار بزرگ نہیں ماننا چاہیئے' مزید برآں یہ کہ بت پرستی کرنا اور بت خانے بنانا یہ تو بالاتفاق نہ صرف یہ کہ منافی نبوت ہے بلکہ ایمان کے تقاضے کے بھی خلاف ہے۔ حالانکہ یہویدع کی عظمت وفضیلت اور باقی تمام بزرگوں کی نبوت کا ذکر عہد عتیق میں صراحت کیساتھ موجود ہے۔ موازنہ کیجئے! حضرت یعقوب علیہ السلام کا عشق لڑانا' معشوقہ سے نکاح کی خاطر چودہ سال محنت اٹھانا' کئی بیویوں کا

ہونا' داؤد علیہ السلام کی بہت سی بیویوں کا ہونا' سلیمان علیہ السلام کی بہت سی بیویوں کا ہونا' بت پرستی کرنا' بت خانے بنانا یہ سب امور زیادہ قابل اعتراض ہیں یا حضرت محمد ﷺ کی نو ازواجِ طیبات کا ہونا قابلِ اعتراض ہے۔(۱)

ایک رکیک تاویل

ایک مسیحی فاضل صاحب اپنی کتاب ''دلائل نبوت حقہ'' کے حصہ سوم میں فرماتے ہیں ''حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام تو شاید بادشاہ ہونے کی وجہ سے یہ سب کام کر بیٹھے مگر محمد ﷺ تو بادشاہ نہ تھے'' ماشاء اللہ کیا خوب نیا نکتہ اور قابل تماشا امر ہے کیونکہ یہ توجیہ جو ''عذر گناہ بدتر از گناہ'' کا پہلو لیے ہوئے ہے حضرت ابراہیم و یعقوب علیہما السلام کے حق میں پھر بھی جاری نہیں ہوسکتی۔ سوال یہ ہے کہ اگر نبوت کیلئے اس طرح کی پاکیزگی شرط ہے اور ایک سے زائد بیوی کا ہونا منافی نبوت ہے تو سلطنت و بادشاہت کے ہونے نہ ہونے کا کیا تعلق؟ جہاں نبوت کی شرط مفقود ہوگی تو نبوت کے مفقود ہونے کا بھی حکم لگایا جائے گا(۲)

باب اول کی فصل اول میں اعتراضِ اول کے جواب کے ذیل میں مثال ہفتم کے تحت گذر چکا ہے کہ استثناء باب ۲۴ میں صراحت ہے کہ عورت کو کسی بھی عیب کی بنا پر طلاق

(۱) جبکہ حضرت محمد ﷺ کا متعدد عورتوں سے نکاح کرنا بہت سی تعلیمی، شرعی، معاشرتی اور سیاسی حکمتوں کی بنا پر تھا۔ ہمارے لئے ایک مختصر حاشیہ میں اسکی تلخیص دشوار ہے۔ تاہم اس موضوع پر عربی اردو وغیرہ میں مستقل کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں خاص طور پر شیخ محمد علی الصابونی پروفیسر ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ کا مقالہ ''شبہات واباطیل حول تعدد زوجات الرسول ﷺ'' قابلِ دید ہے۔

(۲) مسیحی فاضل کا جواب بالکل غیر معقول ہے کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت کیساتھ ساتھ انکا نبی ہونا مسیحیوں کے نزدیک طے شدہ ہے۔ بائبل میں کتاب امثال کا صحیفہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ بائبل میں متعدد مقامات پر یہ تصریح موجود ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر وحی نازل ہوتی تھی۔ یہاں پر مزید ایک فائدہ کے جاننے کیلئے ملاحظہ ہو ''بائبل سے قرآن تک'' ج ۳ ص ۳۴۲

دینا‘ طلاق نامہ اسکے ہاتھ میں تھما دینا اسی طرح مطلقہ عورت سے کسی دوسرے شخص کا نکاح کرنا جائز ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ واقعی یہ حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیا لیکن اب میں اس طرح نہیں کہتا۔(۱) چونکہ اِن حضرات کے نزدیک ایک سے زائد نکاح کے عدمِ جواز اور طلاق کی ممانعت پر یہی دلیل ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے ایسا نہیں کیا تو اِن لوگوں کو چاہیئے کہ جہاں جہاں ایک سے زائد نکاح کا ذکر ہے یا جس باب میں طلاق کے جواز کا ذکر ہے ان مقامات کو تحریف کرنے والوں کی کوشش کا شاخسانہ قرار دیں یا کہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ایسے احکامات اپنے امتیوں کیلئے اختراع کر کے خدائے پاک کی طرف غلط طور پر منسوب کر دیے نعوذ باللہ من امثال ھذا الخرافات اِن دانشوروں کی عقول کے صفحات کو تعصب کی بادِ صرصر نے اِسی طرح تتر بتر کر دیا ہے کہ فرماتے ہیں کہ ایک سے زائد نکاح کرنا یا کسی عذر کی بنا پر طلاق دینا بالکل ناجائز اور منشاء ورضاءِ خداوندی کے خلاف ہے حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خوب رضاء ورحمت کا معاملہ فرمایا‘ ان سے اور انکی اولاد سے طرح طرح کے وعدے فرمائے۔ اِسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کیساتھ معاملہ کیا اور کبھی بھی ان دو نبیوں پر جو ابوالانبیاء تھے تین یا چار نکاح کرنے پر کوئی گرفت نہیں فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لیکر حضرت زکریا علیہ السلام کے زمانہ تک جو تقریباً چودہ سو سال کا طویل عرصہ ہے اِس دوران بنی اسرائیل میں سینکڑوں انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث۔

ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی ہزارہا برائیوں کی نشاندہی کی مگر کسی ایک نبی کی معرفت بھی ان امور کا ناجائز اور ناپسندیدہ ہونا ظاہر نہیں فرمایا حالانکہ ایک سے زائد نکاح کرنا، طلاق دینا ان لوگوں میں رائج تھا۔ چونکہ اِن جزوی مسائل میں نسخ قدیم سے چلا آرہا

---

(۱) متی باب ۱۹ آیت ۳ تا ۱۰

ہے لہذا شریعت عیسوی میں چار احکام کے علاوہ شریعتِ موسوی کے باقی تمام احکام ظاہری کا نسخ کر کے فراغت ورخصتِ کلی حاصل ہوگئی ہے۔ ان میں یہ دو حکم بھی داخل ہیں جبکہ شریعتِ محمدی ﷺ میں شریعت موسوی کی طرح یہ دونوں امر جائز ہیں اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے جیسا کہ اسکی کماحقہ تحقیق باب اول فصل اول اعتراضِ اول کے جواب کے ذیل میں گذر چکی۔

اب ہم اس دلیل کو بالعکس ذکر کر کے کہتے ہیں کہ اگر ایک عورت سے زائد نکاح کرنا یا کسی عورت کو طلاق دینا' مطلقہ عورت کو دوسرے شخص سے نکاح کرنا ناجائز اور عنداللہ ناپسند ہوتا تو اللہ تعالیٰ حضرت یعقوب وابراہیم علیہما السلام کو چار اور تین نکاحوں پر ضرور بالضرور نکیر فرماتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے ان احکام کا جواز نہ لکھاتے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد چودہ سو سالہ طویل دور میں ہزاروں انبیاءِ بنی اسرائیل میں سے کسی کے ذریعے ان احکام کی قباحت اور ممانعت ارشاد فرماتے۔ جب اسی طرح نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ سب امور جائز اور عنداللہ روا ہیں جو انکو ناجائز کہتا ہے ناحق کہتا ہے۔ اب اگر یہ حضرات کہیں کہ حضرت محمد ﷺ (۱) نبی برحق نہیں تو گذشتہ سطور کو اپنے شبہ کا جواب سمجھیں۔ (۲)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نکاح نہ کرنا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نکاح نہ کرنا زُھد کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ہمارا خیال یہ ہے کہ اتفاقی طور پر انکو اسکی نوبت نہیں آئی کیونکہ صرف تینتیس سال کی عمر تھی کہ وہ آسمان پر اٹھا لیے

(۱) متعدد نکاحوں کی وجہ سے "پاکیزگی" نہ ہونے کی بناء پر۔

(۲) مذکورہ بالا انبیاء کرام کے دفاع میں جو کچھ وہ کہیں گے وہی ہماری طرف سے جواب ہوگا۔

گئے اور رفعِ آسمانی سے قبل بعد از نبوت کے زمانہ میں یہودیوں کی ایذا رسانیوں کی وجہ سے انکا دور انتہائی تنگی کے ساتھ گذرا بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ذات گرامی کا انکار کرنے والا تو کہہ سکتا ہے(۱) کہ انکا نکاح نہ کرنا نہ تقویٰ وزھد پر محمول ہے اور نہ ہی یہ توجیہ کرنا درست ہے اسکا اتفاق نہیں ہوا کیونکہ لوقا باب ۷ آیت ۳۳ میں ہے" کیونکہ یوحنا بپتسمہ دینے والا نہ تو روٹی کھاتا ہوا آیا نہ مے پیتا ہوا اور تم کہتے ہو کہ اس میں بدروح ہے ابن آدم کھاتا پیتا آیا اور تم کہتے ہو کہ دیکھو کھاؤ اور شرابی آدمی محصول لینے والوں اور گنہ گاروں کا یار........پھر کسی فریسی نے اس سے درخواست کی کہ میرے ساتھ کھانا کھا پس وہ اس فریسی کے گھر جا کر کھانا کھانے بیٹھا تو دیکھو ایک بدچلن عورت جو اس شہر کی تھی یہ جان کر کہ وہ اس فریسی کے گھر میں کھانا کھانے بیٹھا ہے سنگ مرمر کے عطردان میں عطر لائی اور اسکے پاؤں کے پاس روتی ہوئی پیچھے کھڑی ہو کر اسکے پاؤں آنسوؤں سے بھگونے لگی اور اپنے سر کے بالوں سے انکو پونچھا اور اسکے پاؤں بہت چومے اور ان پر عطر ڈالا اسکی دعوت کرنے والا فریسی یہ دیکھ کر اپنے جی میں کہنے لگا کہ اگر یہ شخص نبی ہوتا تو جانتا کہ جو اسے چھوتی ہے وہ کون اور کیسی عورت ہے کیونکہ بدچلن ہے یسوع نے جواب میں اس سے کہا اے شمعون مجھے تجھ سے کچھ کہنا ہے اس نے کہا اے استاد کہہ.......تو نے مجھ کو بوسہ نہ دیا مگر اس نے جب سے میں آیا ہوں میرے پاؤں چومنا نہ چھوڑا.........اسی لیے میں تجھ سے کہتا ہوں کہ اسکے گناہ جو بہت تھے معاف ہوئے کیونکہ اس نے بہت محبت کی........اور اس عورت سے کہا تیرے گناہ معاف

---

(۱) اگلی ساری گفتگو ایک دہریہ اور منکرِ نبوت شخص کے نقطہ نظر سے ہے ورنہ اہلِ اسلام کا مسلک وہی ہے جسکو مصنفؒ نے اولاً ذکر کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شادی کرنے کا اتفاق نہیں ہوا بلکہ ذخیرہ حدیث کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی آمدِ ثانی کے بعد جہاں اور بہت سے کام سرانجام دینگے وہاں نکاح بھی فرمائینگے اور آپکی اولاد بھی ہوگی۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو" علاماتِ قیامت اور نزولِ مسیح" مؤلفہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی"

ہوئے اس پر وہ جو اسکے ساتھ کھانا کھانے بیٹھے تھے اپنے جی میں کہنے لگے کہ یہ کون ہے جو گناہ بھی معاف کرتا ہے؟'' انتہی ملخصاً لوقا باب ۸ آیت ۱ میں ہے ''وہ منادی کرتا اور خدا کی بادشاہی کی خوشخبری سناتا ہوا شہر شہر اور گاؤں گاؤں پھرنے لگا اور وہ بارہ اسکے ساتھ تھے اور بعض عورتیں جنہوں نے بُری روحوں اور بیماروں سے شفا پائی تھی...... اور بہتیری اور عورتیں بھی تھیں جو اپنے مال سے انکی خدمت کرتی تھیں'' (انتہی ملخصاً) اور یوحنا باب ۱۱ آیت ۵ میں ہے ''اور یسوع مرتھا اور اسکی بہن اور لعزر سے محبت رکھتا تھا''

اِن آیات میں صراحت کیساتھ تو معلوم ہوتا ہے کہ فریسی آنجناب علیہ السلام کو کھاؤ پیؤ شراب کا رسیا سمجھتے تھے وہ عورت انکے پاؤں چومتی تھی' عطر ملتی تھی آنجناب علیہ السلام کی تشریف آوری کے وقت عورت نے پاؤں چومنا بس نہ کیے حتیٰ کہ فریسی وغیرہ یہ منظر دیکھ کر بد اعتقاد ہوگئے اور آنجناب علیہ السلام نے ایسا کرنے پر اس عورت کے تمام گناہ بخش دئے۔ بہت سی عورتیں انکے ساتھ پھرتی تھیں' اپنے مال سے انکی خدمت کرتی تھیں اور آنجناب' مرتھا اور اسکی بہن کو دوست رکھتے تھے' محبت کرتے تھے۔ اب حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت کا انکار اور اعتراض کرنے والا کہہ سکتا ہے کہ چونکہ آپ ایک خوبصورت جوان تھے۔ اس وجہ سے عورتیں ان پر مفتون و عاشق ہوگئیں انکے آگے پیچھے گھومنے لگیں' اپنے مال سے انکی خدمت کرنے لگیں اور بعض عورتوں سے تو آنجناب کا محبت کرنا پایہ تحقیق کو پہنچ چکا ہے لہٰذا شراب نوشی کے تقاضا سے ان عورتوں سے اپنی دوسری ضرورت بھی پوری کر لیتے تھے انہیں نکاح کرنے کی کیا حاجت تھی؟ چنانچہ ہندوؤں کے ہزاروں سادھو گنگا و جمنا کے کنارے کے پاس کنارہ کش ہو کر اِسی ''طریقہ'' کو اپناتے ہوئے نکاح کی ضرورت سے بے نیاز رہتے ہیں۔ (نعوذ باللہ العظیم) اس بدچلن عورت کے قصہ میں ایک اور بات لائق سماعت ہے کہ اِس عورت نے جس قدر حضرت مسیح علیہ السلام کے پاؤں چومے' آنسو بہائے اتنا ہی انہوں

نے اسکے جملہ گناہ معاف کر دیئے۔ سبحان اللہ! مسیحی علماء کا حد درجہ تعصب دیکھئے کہ ایک طرف اگر کسی حدیثِ نبوی ﷺ میں یہ مضمون مل جائے کہ خدائے پاک اگر چاہیں تو گنہگار کے گناہ کو معاف فرمادیں وغیرہ تو فوراً زبانِ طعن دراز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرینِ انصاف نہیں جبکہ دوسری طرف حضرت مسیح علیہ السلام فاحشہ عورت کے گناہ کو اسکے محبت آمیز افعال مذکورہ عطر لگانا، چومنا، آنسو بہانا وغیرہ کے بدلہ میں معاف کر دیں تو بالکل عدل وانصاف کے عین مطابق ہے۔

ببیں تفاوتِ راہ از کجا تا بکجا

اِس تعددِ ازواج کے مسئلہ میں کون کون سی زبان درازی ہے جو انہوں نے خیر البشر سید الوریٰ ﷺ کے متعلق نہیں کی اور آج تک کر رہے ہیں اگرچہ دل کڑھتا ہے اور چاہتا ہے کہ ان تمام اعتراضات کو نقل کر کے بالعکس الزامی جواب دوں مگر خوفِ طوالت مانع ہے اس لئے سب باتیں چھوڑ کر صرف ایک طعن کو نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں جسے ایک مسیحی مؤلف نے اپنی کتاب ''دلائل اثباتِ رسالتِ مسیح'' میں لکھا ہے اور بزعم خود ایک آیتِ قرآنی سے استدلال بھی کیا ہے۔

ایک مسیحی مصنف کا گستاخانہ کلام

موصوف اپنے رسالہ کے آخر میں لکھتے ہیں ''اگر محمد جیسا کوئی شخص اِس زمانے میں ہوتا تو کوئی آدمی اسے اپنے قریب پھٹکنے کا موقعہ بھی نہ دیتا۔ کیا محمد نہیں جانتے تھے کہ تجرد وعدم ازدواج ایک اعلیٰ خوبی ہے۔ دوسری جانب وہ یحییٰ کی صفت بیان کرتے ہوئے قرآن

میں لکھتا ہے(۱) کہ وہ سردار ہوگا، عورت کے قریب نہ جائے گا' نبی ہوگا اور نیکو کاروں میں سے ہوگا۔ (۲) خود انکا کہنا ہے کہ یحیٰی ان باتوں سے پاک اور بزرگ تھا۔ حقیقت میں محمد کو یحیٰی سے کیا مناسبت ہے؟

میں کہتا ہوں کہ احبار باب ۱۰ آیت ۸ میں ہے "اور خداوند نے ہارون سے کہا کہ تو یا تیرے بیٹے مے یا شراب پی کر کبھی خیمہ اجتماع کے اندر داخل نہ ہونا تا کہ تم مر نہ جاؤ یہ تمہارے لئے نسل در نسل ہمیشہ تک ایک قانون رہے گا" قضاۃ باب ۱۳ میں ہے "اور دانیوں کے گھرانے میں صرعہ کا ایک شخص تھا جسکا نام منوحہ تھا اسکی بیوی بانجھ تھی سو اسکے کوئی بچہ نہ ہوا اور خداوند کے فرشتہ نے اس عورت کو دکھائی دے کر اس سے کہا دیکھ تو بانجھ ہے اور تیرے بچہ نہیں ہوتا پر تو حاملہ ہوگی اور تیرے بیٹا ہوگا...... اسکے سر پر کبھی استرہ نہ پھرے اس لئے کہ وہ لڑکا پیٹ ہی سے خدا کا نذیر ہوگا...... خداوند کے فرشتہ نے منوحہ سے کہا ان سب چیزوں سے جنکا ذکر میں نے اس عورت سے کیا یہ پرہیز کرے وہ ایسی کوئی چیز جو تاک سے پیدا ہوتی ہے نہ کھائے اور مے یا نشہ کی چیز پیئے اور نہ کوئی ناپاک چیز کھائے اور جو کچھ میں نے اسے حکم دیا یہ اسے مانے" (قضاۃ باب ۱۳ آیت ۲ تا ۵' ۱۳' ۱۴) جب حضرت زکریا علیہ السلام کو بذریعہ وحی حضرت یحیٰی علیہ السلام نام کے بیٹے کی بشارت دی گئی تو انکی مدح کرتے ہوئے اس طرح ذکر ہے "کیونکہ وہ خداوند کے حضور میں بزرگ ہوگا اور ہرگز نہ مے نہ کوئی اور شراب پیئے گا" (لوقا باب ۱ آیت ۱۵) مرقس باب ۲ آیت ۱۸ میں حضرت مسیح علیہ السلام سے سوال وجواب کرتے ہوئے اس طرح منقول ہے "اور یوحنا کے شاگرد اور

---

(۱) مسیحیوں کا خیال ہے کہ قرآنِ کریم حضرت محمد ﷺ کا کلام ہے جو گھڑ کر خدا کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے حقیقت میں انہوں نے خود ہی لکھا ہے۔ نعوذ باللہ العظیم

(۲) یہ سورۃ آل عمران کی آیت ۳۹ کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت یحیٰی علیہ السلام کے متعلق یہی مضمون ذکر ہوا

فریسی روزہ سے تھے انہوں نے آکر اس سے کہا کیا سبب ہے کہ یوحنا کے شاگرد اور فریسیوں کے شاگرد تو روزہ رکھتے ہیں لیکن تیرے شاگرد روزہ نہیں رکھتے؟ یسوع نے ان سے کہا کیا براتی جب تک دلہا انکے ساتھ ہے روزہ رکھ سکتے ہیں؟ جس وقت تک دلہا انکے ساتھ ہے وہ روزہ نہیں رکھ سکتے مگر وہ دن آئینگے کہ دلہا ان سے جدا کیا جائیگا اس وقت وہ روزہ رکھیں گے انتہیٰ بعبارت مرقس۔ لوقا باب ۵ آیت ۳۲ میں یہی مضمون ان الفاظ میں آیا ہے ''اور انہوں نے اس سے کہا کہ یوحنا کے شاگرد اکثر روزہ رکھتے اور دعائیں کیا کرتے ہیں اور اسی طرح فریسیوں کے بھی مگر تیرے شاگرد کھاتے پیتے ہیں'' الخ یہی مضمون متی باب ۹ آیت ۱۴ میں بھی آیا ہے۔

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کی قباحت کی وجہ سے خیمہ اجتماع ہوتے وقت ابد الآباد کیلئے اسکو حرام قرار دے دیا اور اس قدر سخت تاکید کی کہ اگر شراب پی تو مر جاؤ گے (مقتول ہونگے) اور فرشتے نے بحکم خداوندی شراب اور دیگر ناپاک چیزوں کو برابر قرار دے کر منوحہ کی بیوی کو اس سے منع کر دیا اور اسکے شوہر کو بھی اس بارہ میں تاکید کی۔ معلوم ہوا کہ شراب اس قدر پلید و نجس چیز ہے کہ ایک حاملہ ماں کو بھی اس سے منع کر دیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس نیک صالح بچے پر اسکا اثر ہو جائے جو رحمِ مادر میں ہے اور ابھی پیدا بھی نہیں ہوا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے کہا گیا کہ وہ نہ تو مے پیئے گا اور نہ کوئی اور شراب۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے شاگرد ہمیشہ روزہ رکھتے جبکہ شاگردانِ مسیح ہر وقت کھانے پینے کا شغل کرتے۔ اسی وجہ سے شاگردانِ یحییٰ علیہ السلام حضرت مسیح علیہ السلام سے بطورِ اعتراض استفسار کرتے ہیں اور لوقا باب ۷ آیت ۳۳ جسکا حوالہ ابھی گذرا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام خود اقرار فرماتے ہیں کہ یحییٰ علیہ السلام نہ تو روٹی کھاتے ہیں اور نہ شراب پیتے ہیں جبکہ آنجناب علیہ السلام شراب تک پیتے ہیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام بیابانوں میں

رہتے تھے جبکہ حضرت مسیح علیہ السلام بہت سی عورتوں کے ساتھ گھومتے تھے وہ اپنا مال انکو کھلاتی تھیں' فاحشہ عورت انکے قدم چومتی ہے' خود وہ مرتھا و مریم سے محبت کرتے ہیں دوسروں کو بھی پینے کیلئے شراب عطا فرماتے ہیں' چنانچہ قانائے گلیل میں شادی کی ایک تقریب میں آنجناب علیہ السلام اور انکے شاگردوں کو جب مدعو کیا گیا۔ شراب کم پڑ گئی تو انکی والدہ نے سفارش کی تب انہوں نے پتھر کے چھ مٹکے جن میں دو دو تین تین من کی گنجائش تھی پانی سے بھروا کر اپنے پاس منگوائے اور انکو شراب بنا دیا اور لوگوں کو اس کے پینے کی اجازت دی جیسا کہ یوحنا باب دوم میں مفصل مذکور ہے۔ اسی طرح عیدِ فصح جو آنجناب علیہ السلام کے حق میں آخری عید ثابت ہوئی اسکے موقعہ پر اپنے شاگردوں کو شراب کے جام پینے کیلئے عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ آج کے بعد میں انگوری شراب نہیں پیوں گا یہاں تک کہ خدا کی بادشاہی میں پہنچ کر تازہ شراب پیوں (۱) بلکہ یہ طریقہ آج تک عشاءِ ربانی کی شکل میں رائج ہے کہ پادری صاحبان روٹی و شراب لاتے ہیں اور پولوس بھی نصیحت فرماتے ہیں کہ اس قدر شراب پی لینی چاہیئے کہ مدہوش نہ کر دے چنانچہ تیمتھیس کے نام پہلے خط باب ۵ آیت ۲۳ میں فرماتے ہیں ''آئندہ کو صرف پانی ہی نہ پیا کر بلکہ اپنے معدہ اور اکثر کمزور رہنے کی وجہ سے ذرا سی مے بھی کام میں لایا کر'' باب اول کی فصل اول میں اعتراض اول کے جواب میں آپ معلوم کر چکے ہیں کہ پولوس موصوف نے اپنے خطوط میں تمام چیزوں کی اباحتِ عامہ کا فتویٰ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ''میں جانتا ہوں اور خداوند یسوع میں یقین رکھتا ہوں کہ کوئی چیز بذاتِ خود حرام نہیں بلکہ جو اسے حرام سمجھتا ہے اس کیلئے حرام ہے'' مزید لکھتے ہیں ''پاکوں کیلئے سب چیزیں پاک ہیں مگر گناہ آلودہ اور بے ایمان لوگوں کیلئے کچھ بھی پاک نہیں''

---

(۱) یہ مضمون لوقا باب ۲۲ آیت ۱۸ میں مذکور ہے۔

الزامی جواب

اگر چہ ہمارا اعتقاد یہی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام سے اور انکے حواری انکے حواریوں سے افضل ہیں لیکن ہم اس مسیحی مصنف کو جس نے اپنی کتاب ''دلائل اثباتِ رسالتِ مسیح'' میں دیانت وحیا دونوں کا جنازہ نکال دیا ہے محض الزامی جواب کے طور پر اسی تقریر کا عکس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا حضرت مسیح علیہ السلام اور انکے حواری کتابِ احبار، قضاۃ کے احکام سے واقف نہ تھے کہ اتنا ہی جان لیتے کہ شراب اس قدر پلید و ناپاک چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام اور انکی اولاد جو مقدس خدمات بجالاتے ہیں ان پر ہمیشہ کیلئے حرام کردی اور فرشتے کے ذریعے منوحہ کی بیوی کو شراب نوشی سے منع کیا تا کہ مولودِ طاہر پر اسکا اثر نہ پڑے بلکہ اپنی انجیل میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے خود لکھا ہے کہ وہ شراب نہیں پیئے گا نیز یسعیاء شراب کی مذمت فرماتے ہیں اور لکھنے والے الہامِ رحمانی کے طور پر باب ۵، ۲۸ میں میں اسکو درج کرتے ہیں۔ کیا حضرت مسیح علیہ السلام وحواری حضرات کو معلوم نہیں تھا کہ ریاضت ومجاہدہ اور روزہ رکھنا ایک اعلیٰ خوبی ہے جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور انکے حواری اس پر عمل کرتے تھے؟ انہوں نے کیوں اپنی زندگی کے دن اس طرح بے ریاضت گذار دئے اور ہمیشہ کھانے پینے کے حریص رہے؟ کیا حضرت مسیح علیہ السلام کو اتنا خیال بھی نہیں تھا کہ نامحرم خواتین بالخصوص فاحشہ عورت سے اجتناب ضروری ہے نامحرم عورتوں سے محبت نہیں کرنی چاہیئے۔

الغرض حضرت مسیح علیہ السلام کے اپنے اعتراف سے ثابت ہوگیا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ان پر اور انکے حواریوں کو شاگردانِ مسیح علیہ السلام پر فضیلت حاصل ہے۔ حقیقت میں حضرت مسیح علیہ السلام اور انکے شاگردوں کو حضرت یحییٰ علیہ السلام اور انکے شاگردوں سے کیا مناسبت ہے؟

تیسرا اعتراض: حضرت زینبؓ سے نکاح

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ ایک دن حضرت محمد ﷺ اپنے کسی کام سے اپنے متبنّٰی لے پالک بیٹے زید کے گھر گئے وہاں انکی بیوی زینب پر انکی نظر پڑی تو اس کے حسن پر فریفتہ ہوگئے اور اسکی محبت انکے دل میں گھر کر گئی۔ پیغام بھیجا تو زینب اور انکے بھائی عبداللہ اس پر رنجیدہ ہوئے اور محمد ﷺ کو منع کر دیا جس پر محمد ﷺ نے یہ آیت نازل کر ڈالی ’’وما کان لمومن ولا مومنة اذاقضی اللہ ورسولہ امرا ان یکو ن لھم الخیرة من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا‘‘ (الاحزاب آیت ۳۶) اور کسی مومن مرد یا مومنہ عورت کو گنجائش نہیں جبکہ اللہ اور اسکے رسول کسی کام کا حکم دیدیں انکو اس کام میں کوئی اختیار رہے اور جو شخص اللہ اور اسکے رسول ﷺ کا کہنا مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا۔ ان دونوں کا منہ تو اس طرح بند کر دیا اب یہ مسئلہ باقی تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ زید ناراض ہوجائے تو اسکے لئے یہ فرمادیا کہ میں مجبور ہوں۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے یہی حکم دیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

واذتقول للذی انعم اللہ علیہ انعمت علیہ امسك علیك زوجك واتق اللہ وتخفی فی نفسك مااللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ فلماقضی زیدمنھا وطراً زوّجنکھا الخ (الاحزاب آیت ۳۷)

اور یاد کرو جب آپ اس شخص سے فرمارہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا کہ اپنے پاس اپنی بیوی کو رہنے دے اور خدا سے ڈر اور آپ چھپا رہے تھے ایک چیز کو جسکو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے اور آپ لوگوں سے اندیشہ کرتے تھے اور ڈرنا تو آپکو خدا ہی سے زیادہ

سزاوار ہے پھر جب زید کا اس سے جی بھر گیا تو ہم نے اسکو آپ کے نکاح میں دیدیا۔

اس آیت کو سنانے سے زید بھی راضی ہو گیا لیکن دوسرے لوگ بدستور ورطہء حیرت میں تھے اور اعتراض اٹھارہے تھے تو ان کا منہ بند کرنے کیلئے دوسری آیت نازل کردی:

ما کان علی النبی من حرج فیما فرض اللہ لہ ....الخ (الاحزاب آیت ۳۸)

نبی پر کچھ مضائقہ نہیں اس بات میں جو اللہ تعالیٰ نے اسکے واسطے مقرر کردی۔

اعتراض کی یہ تقریر تو بغیر کسی کمی بیشی کے وہی ہے جو اس بے ہودہ اعتراض کو کرتے ہوے صاحب ''تحقیق دین حق'' نے کی لیکن ایک دوسرے مصنف صاحب ''ردّ اللغو'' نے اولاً یہ لکھا کہ زید نے زینبؓ کو طلاق دیدی پھر مزید زبانِ طعن دراز کرتے ہوے لکھتا ہے کہ اس فعل کی بنا پر محمد ﷺ اور زینبؓ دونوں واجب القتل تھے (۱) کیونکہ احبار باب ۲۰ آیت ۱۲ میں ہے ''جب بھی کوئی شخص اپنے بیٹے کی بیوی سے ہمبستر ہو تو ضرور قتل کیے جائیں کہ انکے اس فعل سے نسب کا ضیاع ہے اور ان کا خون انکی گردن پر ہوگا'' (۲) نیز متی باب ۱۹ آیت ۹ میں ہے کہ جو مطلقہ عورت سے نکاح کرے وہ زنا کرتا ہے۔ (۳) اس شخص کی اور بھی زبان

(۱) حیرت کی بات ہے کہ ایک شخص اپنے متبنّیٰ بیٹے کی بیوی جو حقیقتاً بہو نہیں ہوتی اس سے بعد از طلاق نکاح کرلے تو واجب القتل ٹھہرے مگر دوسری جانب ایک شخص اپنی حقیقی بیٹی سے براہِ راست زنا کرے تو اسکی راستبازی میں کوئی فرق نہ آئے ''تلک اذاً قسمۃ ضیزیٰ''

(۲) یہ ترجمہ مطابق متن ہے۔ مولانا کے پیشِ نظر نسخہ بائبل میں یہی عبارت ہوگی موجودہ تمام نسخے مختلف ہیں عبارت کا خاصا تغیر ہے تاہم نفسِ مدعیٰ ایک ہی ہے۔

(۳) مسیحی مذہب کے مطابق اگر کوئی شخص عورت کو زنا کے علاوہ کسی سبب سے طلاق دیتا ہے وہ خود بھی اور شادی کرکے زنا کرتا ہے اور اس مطلقہ عورت سے نکاح کرنے والا بھی زنا کرتا ہے۔ حضرت زیدؓ نے زینبؓ کو زنا کے علاوہ دوسرے سبب سے طلاق دی تھی اس وجہ سے یہ مسیحی مؤلف الزام عائد کررہا ہے۔

درازی اور فضول بکواس ہے اسکا ذکر کرنا ضیاع وقت ہے۔ بہر حال صاحب تحقیق دین حق کے اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات سے خدائے باقی کی ناپاکی لازم آئے گی۔

جواب

دراصل یہ اعتراض مشرکین عرب کا ہے انکا خیال یہ تھا کہ حقیقی بیٹے اور متبنٰی بیٹے کا حکم ایک ہے۔ اس وجہ سے انہوں نے آنحضرت ﷺ پر زبانِ طعن درازکی اور یہ دانشور لوگ جو اہل کتاب بنے پھرتے ہیں انبیاء کرامؑ کے حالات جو مسلّم آسمانی کتابوں میں درج ہیں انہیں ملاحظہ کئے بغیر اس اعتراض کو بڑا بھاری الزام قرار دیتے ہیں. حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد کتنا سچا ہے "تو کیوں اپنے بھائی کی آنکھ کے تنکے کو دیکھتا ہے اور اپنی آنکھ کے شہتیر پر غور نہیں کرتا" (متی باب ۷ آیت ۳) حالانکہ ان حضرات کو یہ معلوم نہیں یہ اعتراض جو درحقیقت اعتراض ہی نہیں کئی متفق علیہ انبیاءِ کرام علیہم السلام پر اس سے بہت بڑھ کر عائد ہوتا ہے۔ چونکہ اس اعتراض کی بنیاد اپنے مذہب کے انبیاء کے حقیقی حالات سے لاعلمی اور چشم پوشی کی وجہ سے ہے لہذا مکمل جواب سے قبل چند ضروری امور کا لکھنا مفید ہے۔

پہلی بات: واقعہ کا صحیح خلاصہ

حضرت زینبؓ کے واقعہ کا صحیح خلاصہ یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام، متبنٰی بیٹے زیدؓ کیلئے حضرت زینبؓ کو پیغام بھیجا تو انہوں نے اپنی تیزی اور سخت مزاجی کی وجہ سے جس سے تکبر و بڑائی کا گمان ہو رہا تھا آپ ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ میں زیدؓ کو نہیں چاہتی کیونکہ وہ غلام رہ کر آزاد ہوئے ہیں۔ اسی طرح انکے بھائی عبداللہ نے بھی اس پیغام کو قبول نہ کیا پھر اس آیت وما کان لمومن ولا مومنة.... الخ کے

نزول کے بعد زینبؓ اوران کے بھائی راضی ہو گئے اور یہ نکاح ہو گیا مگر زینبؓ چونکہ عالی نسب تھی جسکی وجہ سے وہ طبعاً زیدؓ کو کمتر خیال کرتی تھیں۔ اس لئے انکے درمیان ناموافقت رہی یہاں تک کہ حضرت زیدؓ نے کئی بار ارادہ طلاق کیا مگر آنحضرت ﷺ منع فرماتے رہے چنانچہ قرآن مجید میں یہ مضمون صریحاً آیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ.... الخ پھر وہ آپ ﷺ کے منع کرنے پر رُک جاتے بالآخر انہوں نے طلاق دیدی۔ جب انکے ایام عدت گزر گئے تو آنحضرت ﷺ نے انکو اپنے لئے پیغامِ نکاح بھیجا۔ جب حضرت زینبؓ نے یہ پیغام سنا تو دو رکعت نمازِ تشکر پڑھ کر کہا: اے اللہ تیرے رسول ﷺ نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے اگر میں انکے لائق ہوں تو مجھے انکی زوجیت میں دیدے۔ انکی دعا شرف قبولیت پا گئی اور یہ آیت نازل ہو گئی فلما قضیٰ زید منھا وطرا زوجنکھا..... الخ اس طرح حضرت زینبؓ ازواج مطہرات میں شامل ہو گئیں۔ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ اولاً آنحضرت ﷺ نے پیغام نکاح اپنے متبنیٰ زیدؓ کیلئے بھیجا تھا۔ نکاح کے بعد جب مذکورہ اسباب کیوجہ سے اُن میں موافقت نہ ہوئی تو زیدؓ طلاق دینا چاہتے تھے اور آپ ﷺ منع فرماتے ہیں بالآخر طلاق ہو گئی اور تقریباً تین ماہ کی عدت پوری ہونے کے بعد آپ ﷺ نے نکاح کا پیغام بھیجا۔

دوسری بات: اختلافِ شرائع

یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہر شرعی حکم اس زمانہ کے لوگوں کی عادت و مذہب کے عین مطابق ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کئی انبیاء کرام علیہم السلام کے بہت سے کام جو فی الواقع صحیح ہوتے ہیں، خدائے قادرِ مطلق کی رضا کے مطابق ہوتے ہیں مگر چونکہ وہ کام معاندین کے مذہب وعادت کے خلاف ہوتے ہیں لہٰذا انکی نگاہ میں یہ امور موجب طعن اور باعث اعتراض رہتے ہیں بلکہ کبھی کبھی تو انبیاء کے سچے پیروکار اور عقلاء بھی بشری تقاضہ یا عادت

طبعیہ یا عدم تامل کیوجہ سے ورطہ حیرت میں کھو جاتے ہیں۔ بائبل میں اسکی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ باب سوم کی فصل اول میں اچھی خاصی تفصیل اس بارے میں موجود ہے جس کا جی چاہے دیکھ سکتا ہے تاہم قارئین کی مزید سہولت کیلئے چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں اگر کسی جگہ کوئی مثال مکرر آجائے تو محسوس نہ فرمائیں۔

(۱) حضرت سارۃ توریت کی صراحت کے مطابق بلاشبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی علاتی بہن تھیں اور وہ آنجناب علیہ السلام کی بیوی بھی تھیں جیسا کہ پیدائش باب ۲۰ آیت ۱۲ میں ہے(۱) ظاہر ہے کہ اس سچے رسول کے زمانے میں بنی آدم کی کثیر اور بیشمار تعداد موجود تھی لہذا بھائی بہن کے درمیان نکاح کی وہ ضرورت قطعاً نہ تھی جو ابتدائی دور میں آدم علیہ السلام کے زمانے میں تھی جسکی وجہ سے بہن بھائی کا نکاح جائز رہا(۲)

(۲) حضرت یعقوب علیہ السلام نے راحیل اور لیاہ سے نکاح فرمایا حالانکہ یہ دونوں حقیقی بہنیں تھیں چنانچہ پیدائش باب ۲۹ میں مذکور ہے۔ جبکہ علاتی بہن سے نکاح کرنا یا جمع بین الاختین کرنا نہ صرف یہ کہ شریعتِ موسوی وعیسوی ومحمدی علیہم السلام میں حرام ہے بلکہ مجوس اور ان جیسے لوگوں کے سوا دنیا کے تمام مذاہب میں بہن سے نکاح انتہائی قبیح فعل تصور ہوتا ہے اور احبار باب ۱۸ آیت ۹، ۱۸، باب ۲۰ آیت ۱۷ میں ہر بہن (۳) سے نکاح کرنا اور دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام بتایا گیا ہے۔(۴) اسی طرح استثناء باب ۲۷

---

(۱) چنانچہ لکھا ہے "اور فی الحقیقت وہ میری بہن بھی ہے کیونکہ وہ میرے باپ کی بیٹی ہے اگرچہ میری ماں کی بیٹی نہیں"

(۲) اسکے باوجود انہوں نے اپنی علاتی بہن سے ہی نکاح کرلیا۔

(۳) خواہ حقیقی ہو یا علاتی یا اخیافی۔

(۴) احبار باب ۱۸ آیت ۹ میں اس طرح ہے "تو اپنی بہن کے بدن کو چاہے وہ تیرے باپ کی بیٹی ہو چاہے تیری ماں کی اور خواہ وہ گھر میں پیدا ہوئی ہو خواہ اور کہیں بے پردہ نہ کرنا" آیت ۱۸ میں ہے "تو اپنی سالی سے بیاہ کرکے اسے اپنی بیوی کی سوکن نہ بنانا کہ دوسری کے جیتے جی اسکے بدن کو بھی بے پردہ کرے"

آیت ۲۲ میں بہن سے نکاح کرنے والے پر لعنت کا ذکر ہے۔ یہ سب حوالے باب اول کی فصل اول میں گذر بھی چکے ہیں۔اسی طرح ہندوستان کے مشرکین برہمن وغیرہ کے ہاں تو اسکی قباحت سب سے بڑھ کر ہے اور محتاج بیان نہیں ہے۔

(۳) حضرت ہارون و مریم علیہما السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بارگاہِ الٰہی مقامِ عزت و منزلت کا خوب علم تھا اسکے باوجود انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک حبشی عورت سے نکاح کرنے کی وجہ سے اعتراض کیا۔اگرچہ یہ اعتراض بشری تقاضہ یا عدمِ تاملّ کی وجہ سے تھا جیسا کہ گنتی باب ۱۲ آیت ۱ میں تفصیل ہے اور اسی فصل میں اعتراض دوم کے جواب میں بھی اسکا حوالہ گذرا ہے۔

(۴) لوقا باب ۱۵ آیت ۲ میں حضرت مسیح علیہ السلام پر یہود کا ایک اعتراض اس طرح ذکر ہوا ہے ”اور فریسی اور فقیہ بڑبڑا کر کہنے لگے کہ یہ آدمی گنہگاروں سے ملتا اور انکے ساتھ کھانا کھاتا ہے“

(۵) متی باب ۱۲ آیت ۱ میں ایک اور اعتراض ذکر ہوا ہے ”اس وقت یسوع سبت کے دن کھیتوں میں ہو کر گیا اور اسکے شاگردوں کو بھوک لگی اور وہ بالیں توڑ توڑ کر کھانے لگے فریسیوں نے دیکھ کر اس سے کہا کہ دیکھ تیرے شاگرد وہ کام کرتے ہیں جو سبت کے دن کرنا روا نہیں“ اسی طرح جب حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک شخص کے شل ہاتھ کو درست کیا تو یہودیوں نے تنقید کرتے ہوئے اعتراض کیا کہ ہفتہ کے دن اس طرح کے کام جائز نہیں ہیں۔اس اعتراض کا سبب یہ تھا کہ توریت میں یومِ سبت کی محافظت کا حکم ہمیشہ کیلئے ہے اسکی خلاف ورزی کرنے والے کی سزا سنگسار ہے اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں حکمِ الٰہی کے مطابق ایک اسرائیلی کو اس وجہ سے سنگسار کیا گیا کہ وہ ہفتہ کے دن لکڑیاں

جمع کر رہا تھا جیسا کہ تعظیمِ سبت کے متعلق توریت کے احکام کا ذکر مقدمہ کتاب میں فائدہ سوم کے تحت ہو چکا ہے۔ ناظرین وہاں مراجعت فرمائیں۔

(۶) متی باب ۹ آیت ۳ میں ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک مفلوج آدمی سے فرمایا ''بیٹا خاطر جمع رکھ تیرے گناہ معاف ہوئے'' تو یہودیوں نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ یہ شخص کفر بکتا ہے۔ اسی طرح متی باب ۲۶ آیت ۶۵ میں ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام نے کاہنوں کے سامنے آخر زمانہ میں اپنے نزول کی پیشینگوئی کی تو ایک سردار کاہن نے یہ کہہ کر اپنے کپڑے پھاڑے کہ اس نے کفر بکا ہے اب ہم کو گواہوں کی کیا حاجت رہی؟ اس پر انہوں نے اسکے منہ پر تھوکا، مکے مارے اور بعض نے طمانچے رسید کئے۔

تیسری بات: نسخِ احکام

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں ہر جدید شریعت کے ذریعے قدیم شریعت کے جزوی احکام کا نسخ ہوتا رہا ہے بلکہ پولوس بزرگوار کی شہادت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کرنا ضروری ہے وہ لکھتے ہیں ''اور جب کہانت بدل گئی تو شریعت کا بھی بدلنا ضرور ہے'' (عبرانیوں کے نام خط باب ۷ آیت ۱۲) احکام کے اس جزوی اختلاف اور نسخ سے کسی گمراہ بدبخت آدمی کے سوا کوئی یہ نہیں کہتا ہے کہ بعد میں آنے والا نبی جھوٹا ہے اور یہ حکم خداوندی نہیں یا یہ افتراء ہے۔ ورنہ اکثر انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا سلسلہ درہم برہم ہو کر رہ جائے گا بالخصوص شریعتِ عیسوی کا کہنا ہی کیا جس میں حواریوں کے اجتہاد کی برکت سے چار احکام کے سوا توریت کے تمام احکامِ ظاہرہ سے چھٹی حاصل کر لی گئی ہے چنانچہ باب اول کی فصل اول میں اعتراض اول کے جواب کے تحت پوری تحقیق گذر چکی اور انشاء اللہ اس فصل میں اعتراضِ چہارم کے جواب میں مزید جان لیں گے اور یہ بھی معلوم ہو جائے

گا کہ ان چار میں سے تین سے بھی ان سچے مسیحی جانشینوں نے خلاصی حاصل کر لی ہے اور برائے نام صرف ایک حکم باقی رکھا ہے ورنہ کچھ بھی سچائی باقی نہ رہتی۔

چوتھی بات: انبیاءؑ اور بشری تقاضے

چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام انسان تھے تو یقیناً وہ لوازمِ بشریہ سے کبھی مبرّا نہیں ہو سکتے چنانچہ مسیحی حضرات اگرچہ یہ دعویٰ رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور ذاتِ خداوندی میں اتحاد ہے۔ اسکے باوجود وہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ آنجناب علیہ السلام کھانا کھاتے تھے، شراب پیتے تھے، بول و براز کرتے تھے، غمگین وحزین ہوتے تھے، بارگاہِ الٰہی میں دست بدعا ہوتے تھے، اپنی ذات سے علمِ کامل، قدرتِ مطلقہ اور بعض دیگر چیزوں کی نفی کرتے تھے، تکالیف اٹھا کر مصلوب ہوئے اور جان دی وغیرہ وغیرہ جیسا کہ باب دوم کی فصل اول میں تفصیل کیساتھ گذر چکا۔

کسی عورت کی طرف اضطراراً قلبی میلان ہوجانا ایک بشری تقاضا ہے اور امرِ اضطراری میں وہ معذور ہوتے ہیں لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت اہل اسلام کے نزدیک مسلّم ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق کیساتھ وہ زنا اور ایسے تمام امور جو انکی شریعت میں حرام ہوتے ہیں ان سے باز رہتے ہیں جبکہ اہلِ کتاب کے نزدیک تو انبیاء کرام علیہم السلام کی عصمت بھی ثابت نہیں جیسا کہ مقدمہ کتاب میں گذرا۔ مزید اس بات کی وضاحت کیلئے ہم چند مثالیں سپردِ قلم کرتے ہیں۔

(۱) پیدائش باب ۲۴ آیت ۶۷ میں ہے ''اور اضحاق ربقہ کو اپنی ماں سارہ کے ڈیرے میں لے گیا تب اس نے ربقہ سے بیاہ کر لیا اور اس سے محبت کی اور اضحاق نے اپنی ماں کے مرنے کے بعد تسلی پائی''

(۲) پیدائش باب ۲۹ آیت ۱۸ میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جو خدا کا ''پہلوٹھا'' تھے وہ ایک خوش بدن خوبصورت عورت راحیل پر فریفتہ ہوگئے اسکے نکاح کے لالچ میں اپنے سسر کی چودہ سال خدمت بجالائے۔

(۳) حضرت داوٗد علیہ السلام کا اُوریاہ کی بیوی بت سبع سے عشق کرنا' حضرت سلیمان علیہ السلام کا دیگر عورتوں سے یہاں تک محبت میں کھو جانا کہ انکی وجہ سے بت پرستی و بت سازی تک کر بیٹھے۔ یہ سب امور اہل کتاب کے نزدیک بہت مشہور ہیں۔ مقدمہ کتاب کے فائدہ اول میں اور اسی فصل میں اعتراض دوم کے جواب میں عہد عتیق کے حوالوں کیساتھ ان باتوں کی وضاحت ہوچکی ہے۔ یہ چاروں بزرگ حسب ونسب کے اعتبار سے حضرت عیسی علیہ السلام کے آباء واجداد میں داخل ہیں۔ نیز حضرت یعقوب، داوٗد، سلیمان علیہم السلام کیلئے خطاب الٰہی میں ''پہلوٹھے'' اور کبھی ''بیٹے'' کا لفظ آیا ہے جیسا کہ باب دوم کی فصل دوم میں دلیل دوم کے جواب کے تحت تفصیل سے گذرا۔ اِس اعتبار سے یہ حضرات حضرت مسیح علیہ السلام کے بڑے بھائی قرار پاتے ہیں اور حسبِ حکم توریت باپ کی وراثت سے انکا دوگنا حصہ بنتا ہے۔

اعتراض کا جواب

ان تمہیدات کے بعد اصل اعتراض کا جواب سنیئے! حقیقت یہ ہے کہ صاحب ''تحقیق دین حق'' نے دیدہ ودانستہ طور پر اس قصہ کو غلط بیان کیا ہے یا انہوں نے غلط سنا ہے اور غلط فہمی کی بنا پر اعتراض جڑ دیا ہے۔ اعتراض کی بنیاد یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے حضرت زینبؓ کو جبکہ وہ زیدؓ کی زوجیت میں تھی پیغامِ نکاح بھیج دیا اور چاہا کہ انکی بیوی کو کسی طرح اپنے نکاح میں لے آئیں اس لئے زینبؓ اور انکے بھائی نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ زیدؓ کا

غم کرنا اور لوگوں کا تنقید کرنا تو یقینی امر ہی تھا اس لئے زیدؓ اور دیگر لوگوں کا منہ بند کرنے کیلئے آیات کی تراش خراش ہوئی اس طرح ایک اور بیوی حاصل ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ جب یہ بنیاد ہی بالکل بے حقیقت ہے تو اس پر مبنی اعتراض بھی سراسر غلط ہے۔ سبحان اللہ! ان لوگوں کی علمی دیانت کا حال دیکھئے کہ یا تو غلط سلط سن لیتے ہیں اور اعتراض کرڈالتے ہیں یا جان بوجھ کر اپنی طرف سے کہانی بنا کر اعتراض کردیتے ہیں۔

صاحبِ ''ردّ اللغو'' کا رد

باقی صاحبِ ''ردّ الغو'' کی بات تو اور بھی سراسر لغو ہے کیونکہ احبار باب ۲۰ آیت ۱۲ میں جو حکم آیا ہے وہ صلبی اور حقیقی بیٹے کے بارے میں ہے اور ظاہر ہے کہ زیدؓ حضرت محمد ﷺ کے حقیقی بیٹے نہ تھے چنانچہ قرآن مجید میں بھی اسی بارے میں آیا ہے "ما کان محمدٌ ابا احدٍ من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین .... الخ" مطلب یہ ہے کہ محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں کہ انکے اور پسرِ صلبی کے درمیان کوئی حرمتِ مصاھرت ہو۔

ایک اور شبہ کا جواب

اور کسی جگہ قرابت کا کوئی لفظ آجانے سے حقیقی قرابت ثابت نہیں ہوتی ورنہ حضرت اسحاق علیہ السلام نے جرار کے باشندوں کے سامنے اپنی بیوی ربقہ کو بہن کہا تھا جیسا کہ پیدائش باب ۲۶ آیت ۶، ۷ میں صراحت ہے۔ اس طرح تو لازم آیا کہ ربقہ انکی حقیقی بہن تھی اور اسکے باوجود وہ ان سے مباشرت کرتے تھے۔ اگر توریت کے اس حکم کو عام قرار دیا جائے کہ خواہ صلبی بیٹا ہو یا متبنیٰ تب بھی کہا جائیگا کہ متبنیٰ کے حوالے سے شریعتِ محمدی ﷺ میں یہ حکم

منسوخ ہوگیا اور بھی امر سوم میں آپ معلوم کر چکے ہیں کہ احکام جزئیہ کا نسخ مختلف شرائع میں قابلِ اعتراض نہیں ہے۔

اس طرح استثناء باب ۲۴ آیت ۱ میں صاف لفظوں میں آیا ہے کہ مرد کیلئے اپنی بیوی کو طلاق دینا جائز ہے اور مطلقہ عورت کا اسکے گھر سے رخصت ہوکر دوسرے مرد سے نکاح کرنا درست ہے۔ یہ طلاق دینا حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ تک جائز تھا پھر انکی شریعت میں منسوخ ہوگیا۔ خود حضرت مسیح علیہ السلام سے اسکے جواز اور نسخ کا اعتراف متی باب ۵، ۱۹ میں منقول ہے۔ مقدمہ کتاب کے فائدہ دوم اور باب اول کی فصل اول میں اعتراضِ اول کے جواب میں گذر بھی چکا ہے۔ حاصل یہ کہ شریعتِ موسوی میں اسکے جواز کے باوجود شریعتِ عیسوی میں عدم جواز کا ہونا حضرت مسیح علیہ السلام پر موجب طعن نہیں۔ اسی طرح شریعتِ محمدی ﷺ میں جواز کے باوجود شریعتِ عیسوی میں اسکا جائز نہ ہونا کوئی موجب اشکال نہیں جیسا کہ تیسری بات میں گذرا ابھی ہے۔ اس طرح واضح ہوگیا کہ دونوں ناقدین کا اعتراض بالکل بے ہودہ ہے۔

اگر انکا یہ اعتراض اس وجہ سے ہے کہ ایسا کرنا اہل عرب کی عادت کے خلاف تھا تو اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز ہے کیونکہ آسمانی شریعتوں کا باطل فرقوں کے خلاف ہونا بالخصوص مشرکین وجہال کی عادت کے برعکس ہونا اہلِ دیانت کے نزدیک کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں ہے جیسا کہ دوسری بات میں معلوم ہوگیا۔ دیکھئے! علاتی بہن سے نکاح کرنا صرف اہل کتاب ہی نہیں بلکہ عرب وہند کے مشرکین کے نزدیک بھی انتہائی شنیع اور قبیح فعل ہے تو اس اعتبار سے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت زیادہ مطعون ہونگے۔ اگر اس وجہ سے طعن کیا جاتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ تو نبی تھے انکا حضرت زینبؓ پر دل کیوں آگیا؟ میں کہتا ہوں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا تقاضاءِ بشریت سے اضطراراً کسی کی طرف مائل ہو جانا موجب

اشکال نہیں جیسا کہ چوتھی بات میں معلوم ہو چکا۔(۱) ہاں البتہ ان سے زنا کا صادر ہونا یا اجنبی عورت سے امورِ محرمہ مثلاً بوس وکنار کا ارتکاب کرنا یا ان باتوں کا عزم بالجزم وغیرہ قابلِ اعتراض ہے اور منصب نبوت کے خلاف ہے۔ مگر الحمد للہ ان باتوں میں سے ایک بات بھی نہیں ہوئی بلکہ آپ ﷺ تو حضرت زید کو طلاق تک دینے سے منع فرماتے رہے۔ ہاں انکے اپنے طور پر طلاق دینے کے بعد پھر عدت کے ختم ہونے کے بعد پیغامِ نکاح دیا اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔(۲) دوسری طرف حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام کو دیکھئے کہ اہلِ کتاب کے نزدیک وہ یہ سب کام کر گزرے حتی کہ زنا، بت پرستی اور بت خانے بنانے تک بات پہنچ گئی۔ پھر ان لوگوں کو یہ بھی سوچ لینا چاہیئے کہ یہ حضرات جو حضرت مسیح علیہ السلام کے بڑے بھائی اور فرزندانِ خدا تھے کوئی زنا میں مبتلا ہوا تو کوئی عورتوں کی محبت میں یہاں تک گرفتار ہوا کہ انکے کہنے پر بت پرستی تک پہنچ گیا مگر کوئی الزام کی بات نہیں تو دوسری جانب اگر حضرت محمد ﷺ جو عبد اللہ ابن عبد اللہ ہیں انکا اضطراری طور پر کسی عورت کی طرف میلان ہو جائے پھر کوئی زنا یا دواعی زنا کی نوبت بھی نہ آئے تو ان پر کیوں اعتراض کرتے ہیں؟(۳)

---

(۱) مصنفؒ نے یہ بات علی سبیل التسلیم اور بالفرض والمحال کے طور پر کہی ہے ورنہ ان لوگوں کا یہ کہنا کہ حضرت محمد ﷺ کا زینبؓ پر دل آ گیا اور وہ بہت مائل ہو گئے بالکل بے حقیقت اور خالص سینہ زوری ہے "ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین"

(۲) بلکہ ایک اعتبار سے موجب تحسین ہے تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "بائبل سے قرآن تک" ج ۳، ص ۵۴۰۔

(۳) جبکہ حضرت محمد ﷺ کا حضرت زینبؓ سے نکاح کرنا ایک شرعی حکمت اور دینی ضرورت کی وجہ سے تھا وہ یہ کہ انبیاء علیہم السلام کا یہ وظیفہ رہا ہے کہ وہ اپنے زمانے کی مروجہ خلاف شرع عادات ورسوم کو بدلتے ہیں اور ہر لحاظ سے اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر......

پادری فنڈر کا جواب

پادری فنڈر صاحب کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے نزدیک یہاں اعتراض اس وجہ سے ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے کہا کہ مجھے خدا نے زینب سے نکاح کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ وہ اپنی مراسلت کے آخری خط میں لکھتے ہیں ''مجھے اس وجہ سے اشکال ہے کہ انہوں نے اپنے گناہ کا اقرار نہیں کیا البتہ یہ کہا کہ خدا نے مجھے ان برے کاموں کی اجازت دی ہے اور یہ بات کسی نبی نے نہیں کہی کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ خدا تعالیٰ خود اپنے احکام سے تجاوز کرنے کا حکم دے'' میزان الحق میں اس اعتراض کو لکھتے ہوئے انکی عبارت یوں ہے ''محمد نے دعویٰ کیا کہ کیونکہ انکو ایک شخص کی بیوی سے محبت ہوگئی ہے خدا نے انکے لئے اس عورت کو جائز کر دیا حالانکہ یہ بات ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے احکام سے روگردانی کی۔

(بقیہ حاشیہ) اہلِ عرب میں ایک یہ تصور پھیلا ہوا تھا کہ وہ لے پالک بیٹے کو حقیقی بیٹا قرار دیتے تھے اسے نسب کے اعتبار سے اپنی طرف منسوب کرتے تھے انہیں وراثت میں باضابطہ شریک کرتے تھے اور انکی بیوی کو حقیقی بیٹے کی بیوی کی طرح بہو قرار دیکر اس سے نکاح کو حرام سمجھتے تھے۔ قرآن کریم نے سمجھایا کہ متبنیٰ بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہے۔ صرف منہ سے بول دینے سے نسب قائم نہیں ہو جاتا لہٰذا تم ان لے پالک بیٹوں کو انکے حقیقی والد کی طرف نسبت کرتے ہوئے پکارو۔ انکا وراثت میں مستقل حصہ نہیں ہے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے اُدعوھم لِاٰبائھم ھو اَقسط عند اللّٰہ (الاحزاب، آیت ۵) ہر معمولی سمجھ رکھنے والا انسان سمجھ سکتا ہے کہ شریعت کا جو حکم معاشرے کے عام پھیلے ہوئے تصور کے خلاف ہو اسکی اصلاح کیلئے صرف زبانی کچھ کہہ دینا کافی نہیں ہوتا بلکہ عملی طور پر بھی اصلاح کرنا بھی ضروری ہوتا ہے تا کہ لوگوں کے ذہن میں جو برائی خواہ مخواہ جم کر بیٹھ گئی ہے اسکو خوب اچھی طرح کھرچ ڈالا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ اولاً حضرت زید کا حضرت زینبؓ سے نکاح ہوا اور حضرت زیدؓ آپ ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے پھر انکا نباہ نہ ہوسکا آخر کار انہوں نے اپنی مرضی سے فیصلہ کرتے ہوئے طلاق دے دی۔ عدت کے بعد آپ ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے یہ نکاح کرایا لقولہ تعالیٰ زوّجنکھا اس طرح عملاً یہ واضح کر دیا کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹے کا حکم نہیں رکھتا۔ سبحان اللہ! سرورِ عالم ﷺ کی عظمتِ شان کا کیا کہنا کہ اُنکا ایک نکاح حکمِ خداوندی کی تبلیغ اور معاشرتی برائی کی اصلاح کا باعث بنتا ہے تو دوسرا نکاح سو گھرانوں کی آزادی اور قبولِ اسلام کا باعث بنتا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا

اجازت دے اور دوسرے کی بیوی سے عشق کرنے کو جائز کہے''

میں کہتا ہوں کہ مسیحیوں کے اس گروہ سے کوئی پوچھے کہ تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ زینبؓ سے نکاح کی اجازت ایک فعلِ بد کی اجازت ہے اور کہاں سے اس نے یہ بات سمجھ لی کہ ایسا کرنے سے حکمِ خداوندی سے روگردانی لازم آتی ہے؟ کیونکہ زیدؓ کو طلاق دینے سے بار بار منع کرنے کے باوجود جب زیدؓ نے آخر کار طلاق دے ہی دی اور ایامِ عدت بھی گذر گئے جیسا کہ نصوصِ قرآنی سے یہ دونوں امر ثابت ہیں تو اب یہ کہنا کیسے صحیح ہے کہ زینبؓ دوسرے شخص کی بیوی تھی اور یہاں کون سے حکمِ خداوندی کی مخالفت لازم آگئی کہ اس معترض کی بات درست ہو سکے؟ اور اگر وہ یہ نقد اس وجہ سے کرتا ہے کہ از روئے انجیل زنِ مطلقہ سے نکاح کرنا درست نہیں ہے لہٰذا انکا نکاح کرنا تجاوز از حکمِ خداوندی ہے تو میں کہتا ہوں کہ از روئے توریت ایسا کرنا جائز ہے۔ لہٰذا تمام اہل کتاب کے نزدیک اسکو حکمِ خداوندی کی مخالفت کہنا غلط ہے۔ نیز انجیل کے ایک جزوی حکم کا خلاف ہونے کی وجہ سے اعتراض کرنا سب سے بڑھ کر قابلِ تعجب ہے کیونکہ کسی شریعت میں بھی جزوی احکام کا نسخ موجبِ طعن نہیں ہے۔

ایک اور شبہ کا جواب

اگر یہ کہا جائے کہ حضرت زینبؓ سے نفسِ نکاح کی اجازت ہی قدوسیتِ باری تعالیٰ کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی کے مناسب تو تجرد کا حکم کرنا ہے تو پھر باقی تمام انبیاء کو اس سے منع کیوں نہ کیا؟ اور پھر انکو یہ معلوم نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق کتاب پیدائش میں اس طرح آیا ہے ''اور خداوند خدا نے آدم کو لیکر باغِ عدن میں رکھا کہ اسکی باغبانی اور نگہبانی کرے ...... اور خداوند خدا نے کہا کہ آدم کا اکیلا رہنا اچھا نہیں میں اس کیلئے ایک مددگار اسکی مانند بناؤنگا .... اور خداوند خدا نے آدم پر گہری نیند بھیجی اور وہ

سو گیا اور اس نے اسکی پسلیوں میں سے ایک کو نکال لیا اور اسکی جگہ گوشت بھر دیا اور خداوند خدا اس پسلی سے جو اس نے آدم میں سے نکالی تھی ایک عورت بنا کر اسے آدم کے پاس لایا'' (پیدائش باب ۲ آیت ۱۵، ۱۸، ۲۱) سموئیل دوم باب ۱۲ آیت ۷ میں ہے ''تب ناتن نے داؤد سے کہا کہ وہ شخص تو وہی ہے خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میں نے تجھے مسح کر کے اسرائیل کا بادشاہ بنایا اور میں نے تجھے ساؤل کے ہاتھ سے چھڑایا اور میں نے تیرے آقا کا گھر تجھے دیا اور تیرے آقا کی بیویاں تیری گود میں کر دیں'' لوقا باب ۱ آیت ۳۰ میں ہے ''فرشتے نے اس سے کہا اے مریم! خوف نہ کر کیونکہ خدا کی طرف سے تجھ پر فضل ہوا ہے اور دیکھ تو حاملہ ہوگی اور تیرے بیٹا ہوگا''

ملاحظہ فرمایئے! ان آیات میں کتنی خوبی کیساتھ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود حضرت آدم علیہ السلام کیلئے انکی بیوی پیدا کی اور ان دونوں کو مقدس جگہ جنت میں ٹھہرایا۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر اپنے احسانات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے تیرے آقا کی بیویاں تیری آغوش میں دے دیں۔ اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام کو بلا واسطہ مرد محض روح القدس کے ذریعے حاملہ کر دیا جسکی وجہ سے یہود بے بہبود اور تمام بے دین لوگ جو حضرت مسیح علیہ السلام کو نہیں مانتے اس معصومہ پر بلا باپ تولدِ مسیح علیہ السلام کی وجہ سے تہمت زنا لگاتے ہیں اور آج تک ایسا ہی کہتے ہیں۔ اب ہر بے دین ملحد آدمی کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے علاتی بہن سے نکاح کیا، حضرت اسحاق علیہ السلام نے ربقہ اپنی بیوی کو بہن کہنے کے باوجود مباشرت رکھی، حضرت یعقوب علیہ السلام نے راحیل کے عشق میں مبتلا ہو کر چودہ سال مشقت اٹھائی، دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کیا جو شریعتِ موسوی قطعاً حرام ہے، داؤد و سلیمان علیہما السلام نے جیسا کہ قصے مشہور ہیں کیا کیا نہیں کیا؟ اسی طرح دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام بھی۔ معلوم ہوا کہ یہ سب لوگ انتہائی شہوت پرست اور بدکار تھے

(نعوذ باللہ العظیم) اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام گنہگاروں اور محصول لینے والوں کیساتھ کھانا کھاتے تھے، شراب پیتے تھے پھر کیا پرہیز گار ہوئے؟ بلکہ انکے شاگرد بھی دوسروں کے مملوکہ کھیت سے مالک کی اجازت کے بغیر خوشے کھاتے اور یومِ سبت کی بھی تعظیم نہ کرتے تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام بھی یومِ سبت کا لحاظ نہ کرنے کی وجہ سے ازروئے توریت فاسق اور سنگسار کے مستحق تھے، مجاہدہ وریاضت کا نام نہیں خواہشاتِ نفسانی کو پسند کرتے ہوئے محض کھانے پینے اور شراب نوشی میں لگے رہتے روزہ بھی نہ رکھتے تھے۔ اس طرح تو خدا تعالیٰ کی قدوسیت کے یہ بھی منافی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں یوں فرمائیں کہ آدم کا اکیلا رہنا اچھا نہیں میں اسکے لئے کوئی انس ومحبت کرنے والا مددگار بناتا ہوں اور یہ بھی مناسب نہیں کہ داؤد علیہ السلام سے اپنی نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ فرمائیں کہ میں نے تمہارے آقا کی بیویاں تمہاری گود میں دے دیں پھر یہ بھی نامناسب اور خلاف عادت ہے کہ ایک دوشیزہ کے پاس فرشتہ بھیج کر اسے حاملہ بنائیں اور اسے رسوا کریں؟ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ شاگردانِ مسیح علیہ السلام غیر کی مِلک میں ناجائز تصرف کریں خدا تعالیٰ انکو اور حضرت مسیح علیہ السلام کو ان حالات کے جاننے کے باوجود برگزیدہ بنائیں؟ لہٰذا ان نبیوں میں سے حقیقۃً کوئی بھی نبی نہیں تھا اور توریت وغیرہ میں جو انکی نبوت کا تذکرہ ہے یا انکے اقوال کی خدا تعالیٰ کی طرف نسبت ہے یہ سب غلط ہیں (نعوذ باللہ من امثالِ ھٰذہِ الخرافات)

مسیحیوں کی ایک تاویل کا جواب

بعض نادان مسیحیوں نے یہاں یہ بے ہودہ عذر پیش کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کو حضرت آدم علیہ السلام کے حوالے سے ان چیزوں کی ضرورت تھی (ا) جبکہ حضرت محمد ﷺ کے حوالے

(ا) یعنی نسلِ انسانی کی افزائش کا مسئلہ تھا اس لئے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا کر کے بیوی بنایا۔

سے اس طرح کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو سراسر بے کار اور لغو بات ہے کیونکہ اگر ایک چیز قدوسیتِ باری تعالیٰ کے منافی ہے تو اسکا صدور ازلاً وابداً سب کیلئے یکساں طور پر محال اور قبیح ہے۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق تو یہ رکیک تاویل کر لی گئی باقی حضرات کے متعلق اسکی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں پر ہم اس مسیحی لاٹ پادری کیلئے مزید چند مثالیں حوالہ قلم کرتے ہیں۔

(۱) حضرت حزقی ایل کو بذریعہ وحی حکمِ الٰہی اس طرح ملتا ہے ''اور تو جو کے پھلکے کھانا اور تو انکی آنکھوں کے سامنے انسان کی نجاست سے انکو پکانا...... تب میں نے کہا کہ ہائے خداوند خدا! دیکھ میری جان کبھی ناپاک نہیں ہوئی اور اپنی جوانی سے اب تک کوئی مردار چیز جو آپ ہی مرجائے یا کسی جانور سے پھاڑی جائے میں نے ہرگز نہیں کھائی اور حرام گوشت میرے منہ میں کبھی نہیں گیا'' (حزقی ایل باب ۴ آیت ۱۲، ۱۴)

(۲) اللہ تعالیٰ کا ایک حکم اس طرح سنایا گیا ہے ''اے آدم زاد تو ایک تیز تلوار لے اور حجام کے استرہ کی طرح اس سے اپنا سر اور اپنی داڑھی منڈا اور ترازو لے اور بالوں کو تول کر انکے حصے بنا'' (حزقی ایل باب ۵ آیت ۱)

(۳) حضرت ہوسیع کو اللہ تعالیٰ کا ایک حکم اس طرح دیا گیا ہے ''جب خداوند نے شروع میں ہوسیع کی معرفت کلام کیا تو اسکو فرمایا کہ جا ایک بدکار بیوی اور بدکاری کی اولاد اپنے لئے لے'' (ہوسیع باب ۱ آیت ۲)

دوسری جگہ اس طرح ارشاد ہے ''خداوند نے مجھے فرمایا جا اُس عورت سے جو اپنے یار کی پیاری اور بدکار ہے محبت رکھ جس طرح کہ خداوند بنی اسرائیل سے جو غیر معبودوں پر نگاہ کرتے ہیں اور کشمش کے کلچے چاہتے ہیں محبت رکھتا ہے'' (ہوسیع باب ۳ آیت ۱)

تجزیہ مصنفؒ

اِن آیات سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت حزقی ایلؑ سے فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے سامنے انسان کے فضلہ سے کھانا پکا کر کھالے۔اس پر وہ پیغمبر غمزدہ ہوئے کہ آخر مجھے اس طرح کا حکم کیوں دیا جا رہا ہے؟ حالانکہ میں تو ایامِ طفولیت سے کسی ناپاک چیز کے قریب نہیں گیا۔ انہی پیغمبر کو حکم ہوا کہ اپنی داڑھی استرہ سے مونڈھ ڈالو۔ اسی طرح ہوسیعؑ کو حکم ہوا کہ فاحشہ وزنا کار عورت سے محبت رکھ جس طرح کہ خدا تعالیٰ بنی اسرائیل کے بت پرست اور شراب نوشی میں مست لوگوں سے محبت رکھتا ہے حالانکہ احبار باب ۵ آیت ۲ میں ہے ''اگر کوئی شخص کسی ناپاک چیز کو چھولے خواہ وہ ناپاک جانور یا ناپاک چوپائے یا ناپاک رینگنے والے جاندار کی لاش ہو تو چاہے اسے معلوم بھی نہ ہو کہ وہ ناپاک ہو گیا ہے تو بھی وہ مجرم ٹھہرے گا یا اگر وہ انسان کی ان نجاستوں میں سے جن سے وہ نجس ہو جاتا ہے کسی نجاست کو چھولے اور اسے معلوم نہ ہو تو وہ اس وقت مجرم ٹھہرے گا جب اسے معلوم ہو جائیگا'' دیکھئے! اس آیت میں صراحت ہے کہ اگر کوئی شخص بے خبری وغفلت کے عالم میں کسی ناپاک چیز یا انسانی نجاست کو چھولے تو باخبر ہوتے ہی گناہ گار ہوگا۔ جانتے بوجھتے ہاتھ لگانے کا تو ذکر ہی کیا۔ احبار باب ۱۹ آیت ۲۷ میں ہے ''تم اپنے اپنے سر کے گوشوں کا بال کاٹ کر گول نہ بنانا اور نہ تو اپنی داڑھی کے کونوں کو بگاڑنا'' (۱) کاہن سرداروں کو احکام دیتے ہوئے ارشاد ہے'' وہ نہ اپنے سر انکی خاطر بیچ سے گھٹوائیں اور نہ اپنی داڑھی کے کونے منڈوائیں اور نہ اپنے کو زخمی کریں ....وہ کسی فاحشہ یا ناپاک عورت سے بیاہ نہ کریں اور نہ اس عورت سے بیاہ کریں جسے اسکے شوہر نے طلاق دی ہو کیونکہ کاہن اپنے خدا کیلئے

(۱) کیتھولک اردو بائبل میں اسکا ترجمہ یوں ہے''تم اپنے سر کے بال گول طرح سے نہ کاٹو اور نہ اپنی داڑھی منڈاؤ''

مقدس ہے........جو بیوہ ہو یا مطلقہ یا ناپاک عورت یا فاحشہ ہو ان سے وہ بیاہ نہ کرے بلکہ وہ اپنی ہی قوم کی کنواری کو بیاہ لے" (احبار باب ۲۱ آیت ۵، ۷، ۱۴)

اِن آیات میں کتنی صراحت کیساتھ فرمایا گیا ہے کہ سب بنی اسرائیل کیلئے داڑھی کے کونے ترشوانا جائز نہیں۔ اسی طرح کاہنوں کیلئے بھی ایسا کرنا اور فاحشہ یا ناپاک یا مطلقہ عورت سے نکاح کرنا درست نہیں۔ پس اگر پادری صاحب اپنے زعمِ فاسد کے مطابق کہتے ہیں کہ حضرت حزقی ایلؑ جو ایک کاہن اور پیغمبر تھے انکو فضلہ انسانی سے پکے ہوئے کھانا کی اجازت دینا، داڑھی منڈوانے کا حکم دینا، اسی طرح ہوسیعؑ کو زناکار ؍ بدکار عورت سے نکاح کی اجازت دینا، اس سے محبت کرنے کو کہنا یہ تمام امور افعالِ بد ہیں، توریت کے احکامِ مصرحہ سے تجاوز ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا بت پرستی، شراب نوش لوگوں سے محبت کرنا اسکی قدوسیت کے منافی ہے تب تو ہمیں کوئی شکایت نہیں۔ اور اگر وہ ان تمام امور کو قدوسیتِ باری تعالیٰ کے عین موافق قرار دیتے ہیں اور حضرت محمد ﷺ کا حضرت زینبؓ سے بعد از طلاق وعدت نکاح کرنا قدوسیتِ باری تعالیٰ کے منافی ہے تو اربابِ دانش وبینش کے ہاں یہی بات انکی انصاف پسندی پر دلیل ہے ہمیں کچھ کہنے کی حاجت نہیں ہے۔

ایک مسیحی مؤلف کی تردید

ایک مسیحی فاضل نے بھی اپنے رسالہ "دلائل اثباتِ رسالتِ مسیح" میں یہ لکھ مارا کہ "جب محمد کی نظر اپنے متبنیٰ زید کی بیوی پر پڑی تو اسے دھوکہ دیتے ہوئے کہا کہ اسے طلاق دیکر میرے حوالے کردو۔ دیکھو! سورۃ الاحزاب کی اُس آیت میں فلما قضیٰ زیدٌ منھا وطراً.... الخ" میں کہتا ہوں کہ اس کج فہم نے جو مطلب کشید کیا ہے کہ "زید کو فریب دیا اور کہا طلاق دے کر میرے سپرد کرو" آیت کا کون سا لفظ اِس مفہوم کو بتاتا ہے یا کون سی تفسیر

یا سیرت وتاریخ کی کتاب میں ایسا لکھا ہے؟ اللہ اللہ! یہ پادری صاحبان بھی کتنے بے حیا اور بددیانت ہیں کہ دنیا کی چندروزہ حقیر منفعت کی خاطر اس طرح جھوٹ باندھتے ہیں لیکن تھوڑا سا غور کرلیا جائے تو ان لوگوں کی افتراء بندی کوئی زیادہ تعجب خیز نہیں رہتی کیونکہ یہود جناب مسیح علیہ السلام پر جھوٹے گواہ پیش کرتے تھے، بھی کہتے تھے کہ یہ شخص کفر بکتا ہے، اسی طرح اور بھی گستاخانہ کلمات زبان پر لاتے رہتے تھے اگر یہ لوگ انکے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ایسا کریں تو چنداں قابلِ تعجب نہیں۔

اعتراضِ چہارم

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ ایک روز محمد ﷺ اپنی باندی سے ہم بستر ہوئے۔اس پر انکی ایک زوجہ نے ملامت کی اس پر انہوں نے قسم کھالی کہ آئندہ اس باندی کے قریب نہ آوٴنگا لیکن پھر نہ رہ سکے اور یہ آیت نازل کردی:۔

یا ایھا النبی لِمَ تحرّم ما احلّ اللّٰہ لك تبتغی مرضات ازواجك واللّٰہ غفور الرّحیم قد فرض اللّٰہ لکم تحلة ایمانکم واللّٰہ مولکم الخ (التحریم آیت ۱، ۲)

اے پیغمبر آپ اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں جسکو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے۔کیا اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔ تحقیق اس نے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کیا ہے۔خدا ہی تمہارا کارساز ہے۔

صاحب ”تحقیقِ دینِ حق“ نے بھی اس اعتراض کو کچھ اسی طرح ہی لکھا ہے۔یہاں پر انکا صرف اتنا ہی اعتراض ہے کہ اس آیت سے لازم آتا ہے کہ خود خدا تعالیٰ ناپا کی

وناپارسائی کے بانی ہیں۔صاحب میزان الحق نے لکھا ہے کہ یہاں بھی وہی اعتراض ہے کہ اِس آیت سے لازم آتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے خود اپنے احکام سے روگردانی یا فعلِ بد کرنے کی اجازت دی۔

جواب

واقعہ کی صحیح وضاحت

کسی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح سے قسم کھائی ہو۔کتب تفسیر وسیر میں اس قصے کو نقل کرتے ہوئے اتنا ہی بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا کہ میں نے ماریہؓ کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے۔عرف شرع میں قسم کی بہ نسبت ''یمین'' کے مفہوم میں عموم ہے۔صاحب جلالین اس جگہ لکھتے ہیں "من الایمان تحریم الامہ" یعنی باندی کو حرام کر لینا بھی یمین شمار کیا جاتا ہے۔یمین کے حوالے سے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ چیز مجھ پر حرام ہے یا میں یہ کام نہیں کرونگا جبکہ وہ کام فی نفسہٖ حلال ہو اور وہ امر عنداللہ جائز ہو تو اپنے ارادہ وقسم کو توڑ کر اس کام کو کرنے میں کوئی قباحت نہیں(۱) تاہم ہماری شریعت نے اس پر کفارہ مقرر کیا ہے۔کیا انہیں پطرس حواری کے مکاشفہ کا حال معلوم نہیں کہ جسکے بارے میں آیا ہے ''اور اس نے دیکھا کہ آسمان کھل گیا اور ایک چیز بڑی چادر کی مانند چاروں کونوں سے لٹکتی ہوئی زمین کی طرف اتر رہی ہے۔جس میں زمین کے سب قسم کے چوپائے اور کیڑے مکوڑے اور ہوا کے پرندے ہیں۔اور اسے ایک آواز آئی کہ پطرس اٹھ! ذبح کر اور کھا۔مگر پطرس نے کہا اے خداوند! ہرگز نہیں کیونکہ میں نے کبھی کوئی حرام یا ناپاک چیز نہیں کھائی۔پھر دوسری بار اسے آواز آئی کہ جن کو خدا نے پاک ٹھہرایا

(۱) کیونکہ فی نفسہٖ وہ جائز ہے۔

ہے تو انہیں حرام نہ کہہ تین بار ایسا ہی ہوا‘‘ (رسولوں کے اعمال باب ۱۰ آیت ۱۱)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ پہلے تو پطرس نے انکار کیا کہ میں ہرگز نہیں کھاؤنگا۔ اگرچہ انکا یہ انکار احکامِ توریت کے بالکل عین مطابق تھا کیونکہ احبار باب ۱۱، ۲۰، آستثناء باب ۱۴ میں سینکڑوں جانوروں، حشرات الارض اور پرندوں کی حرمت مصرح ہے۔ اسکے باوجود تین بار تاکید کیساتھ کہا گیا کہ جن کو خدا نے پاک ٹھہرایا ہے تو انہیں حرام نہ کہہ۔ اسی طرح شریعتِ احمدی ﷺ میں باندی سے وطی کرنا جائز ہے جیسا کہ توریت میں بھی جائز ہے اسکے جواز کا حکم گنتی باب ۳۱ آیت ۱۷، ۱۸، استثناء باب ۲۱ آیت ۱۱ تا ۱۳ میں بیان ہوا ہے جسکا حوالہ اسی فصل میں اعتراضِ دوم کے جواب کے تحت گذر چکا ہے مگر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں اس سے ہم بستر نہیں ہونگا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا یا ایھا النبی لِمَ تحرم الآیۃ اس میں کوئی عیب کی بات نہیں اور نہ ہی یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ناپاکی وناپارسائی کی بنا کردی یا خود اپنے حکم سے روگردانی کی اجازت دیدی یا برے فعل کے کرنے کی رخصت دیدی۔ اگر اِن معترضین کا یہ خیال ہے کہ سب قباحتیں اس لئے لازم آتی ہیں کہ ایسا کرنا انجیل کے خلاف ہے تو اسکا جواب بھی اعتراضِ سوم کے ذیل میں مفصل گذرا ہے۔

بائبل سے چند مثالیں

جب ایک بوڑھی کنعانی عورت نے اپنی مجنونہ بیٹی کی شفا کیلئے جناب مسیح علیہ السلام سے فریاد کرتے ہوئے التماس کی۔ اس پر آنجناب علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا۔ تب شاگردوں نے آنجناب علیہ السلام سے اس بارے میں التماس کی چنانچہ اسکے متعلق اس طرح ذکر ہے ’’اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا مگر اس نے آکر اسے سجدہ کیا اور کہا اے خداوند میری مدد کر۔ اس نے جواب میں کہا لڑکوں کی روٹی لیکر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں اس نے کہا ہاں خداوند

کیونکہ کتے بھی ان ٹکڑوں میں سے کھاتے ہیں جو انکے مالکوں کی میز سے گرتے ہیں اس پر یسوع نے جواب میں اس سے کہا اے عورت تیرا ایمان بہت بڑا ہے جیسا تو چاہتی ہے تیرے لئے ویسا ہی ہو اور اسکی بیٹی نے اسی گھڑی شفا پائی'' (متی باب ۱۵ آیت ۲۴) ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اولاً شفا بخشنے سے صاف انکار کیا پھر اس بے چاری کے اصرار اور قوتِ ایمان کو دیکھ کر اسکی بیٹی کیلئے شفا کی دعا فرما دی۔(۱)

دوسری مثال

یوحنا باب ۲ میں صراحت ہے کہ قانائے گلیل میں ایک شادی کی تقریب تھی

---

(۱) مصنفؒ کے استدلال کے علاوہ یہاں چند اور باتیں بھی جاننے کے لائق ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ یہ عورت کون تھی؟ متی کے الہام کے مطابق ''کنعانی'' تھی۔ مرقس کے مطابق یہ عورت ''یونانی'' تھی (مرقس ۷: ۲۶) دونوں میں بڑا فرق ہے کیونکہ کنعان فلسطین کا قدیم نام ہے ان دنوں یہ علاقہ اسرائیل اور اردن کی عملداری میں ہے جبکہ یونان جنوب مشرقی یورپ کا ایک ملک ہے (بائبل اٹلس۔ ص ۳۱' ۳۶) دونوں میں کھلا تضاد ہے معلوم نہیں کون سی بات صحیح ہے اور کون سی غلط؟ کون بتا سکتا ہے کہ رُوح القدس نے کس کو درست الہام لکھوایا ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود فرما رہے ہیں کہ میں صرف اور صرف اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کیلئے بھیجا گیا ہوں۔ میری مہربانیاں' معجزات' نبوّت و رسالت' دعوت و تبلیغ' نجات و فضل صرف اور صرف یہود کیلئے ہے۔ غیر اسرائیلیوں کیلئے نبی ہونا تو دور کی بات ہے وہ اس بات پر بھی آمادہ نہیں کہ غیر قوم کی ایک انتہائی مصیبت زدہ عورت کو اپنے کسی عمل کے ذریعے فائدہ ہی پہنچا دیں اسکی وجہ مفسر کی زبانی سنیے!''اس عورت کو حوصلہ شکنی کا سامنا ہوا۔ یسوع کی خدمت کے سارے واقعات میں اور کہیں ایسی مثال نہیں ملتی۔ جتنے لوگ بھی اسکے پاس آتے تھے وہ ان سب کی حمایت اور حوصلہ افزائی کیا کرتا تھا۔ وہ ان کے پکارنے سے پہلے سن لیتا تھا یا ابھی بول ہی رہے ہوتے تھے کہ سن لیتا تھا لیکن اس عورت سے بالکل الٹ سلوک کیا گیا۔ اسکی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ بعض علماء کا خیال ہے کہ یسوع اس غریب عورت کے کام آنے سے اس لئے ہچکچایا کہ یہودیوں کو ناراض کرنا یا ٹھوکر کھلانا نہیں چاہتا تھا یعنی اگر وہ غیر قوموں پر بھی ویسا ہی مہربان اور بخشش کرنے والا ہو جیسے یہودیوں کیلئے تھا تو وہ ناراض ہو جائیں گے'' (تفسیر الکتاب۔ میتھیو ہنری۔ ج ۳۔ ص ۱۷۴، مطبوعہ چرچ فاؤنڈیشن سیمینارز، سن طباعت ۲۰۰۴ء) اللہ اکبر!'' خدا'' کی ہستی کے قومی تعصب کا اندازہ لگایئے کہ اسکے نزدیک صرف یہود ہی زمین پر خدا کے برگزیدہ لوگ ہیں' وہی بارگاہ خدا میں خاص اعزاز اور مرتبہ رکھتے ہیں۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر ....

حضرت مسیح علیہ السلام اپنے شاگردوں کیساتھ تشریف لائے اس دوران شراب کم پڑ گئی تو

(بقیہ حاشیہ) اس کے دستر خوان پر کسی دوسری قوم کے کسی شخص کو کوئی حق منفعت حاصل نہیں ہے۔ اسکی عنایت مکمل طور پر یہودیوں کیلئے ہے۔ یہود کی ناراضگی کے ڈر سے وہ کسی غیر یہودی پر مہربانی اور بخشش کرنے کو تیار نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاف طور پر ایسا حوصلہ شکن جواب دیتے ہیں جس سے مصیبت کی ماری خاتون کی توقعات چکنا چور ہو جاتی ہیں حالانکہ اس نے بڑی عاجزی و فروتنی عقیدت و ادب ایمان و محبت کا مظاہرہ کیا یہاں تک کہ انکے قدموں میں گر کر سجدہ ریز بھی ہوئی اور انکے پاس ایسے آئی جیسے مخلوق اپنے خالق کے پاس آسکتی ہے۔ مگر سنگدلی و بے مروتی کی انتہا دیکھئے کہ وہ ایک دلخراش تمثیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں ''لڑکوں کی روٹی لیکر کتوں کے آگے ڈال دینا اچھا نہیں'' اس تمثیل کا مطلب ایک مفسر سے سنئے لکھتے ہیں۔ ''یسوع اُس سے کہنے لگا کہ میرے لئے مناسب نہیں کہ یہودی ''لڑکوں'' کو چھوڑ کر غیر قوم ''کتوں'' کو روٹی کھلاؤں۔ بے شک یہ الفاظ اور انداز ہمیں بے حد سخت معلوم ہوتے ہیں مگر ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ سرجن کے نشتر کی مانند ہیں جس کا مقصد زخم لگانا نہیں بلکہ شفا دینا ہوتا ہے۔ وہ تھی غیر قوم۔ یہودی غیر قوموں کو کتوں کے برابر گردانتے تھے جو خوراک کے ٹکڑوں کی خاطر گلیوں میں آوارہ گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔ مگر یسوع نے یہاں جو لفظ استعمال کیا اسکا مطلب ''چھوٹے پالتو کتے'' ہے۔ (تفسیر الکتاب۔ ولیم میکڈونلڈ۔ جلد اول۔ ص ۱۶۸، مطبوعہ مسیحی اشاعت خانہ فیروز پور روڈ لاہور، ۲۰۰۲ء) مفسر نے سینہ زوری کرتے ہوئے تاویل بلا دلیل کر لی کہ انکی مراد ''جنگلی و خونخوار کتے'' نہیں بلکہ ''چھوٹے پالتو کتے'' ہے۔ مگر حاصل کچھ نہیں اور بات وہی رہی کہ اسرائیلیوں (یہودیوں) کے علاوہ سارے انسان کتے ہیں۔ اس میں یورپ و ایشیا کے تمام عیسائی بھی داخل ہیں کیونکہ وہ بھی ''غیر قوم'' ہیں۔ لہٰذا انکے ''کتا'' ہونے میں بھی کوئی شک نہیں ہاں البتہ مفسر نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی منشاء کے خلاف اتنی رعایت دی ہے کہ وہ جنگلی کتے نہیں بلکہ پالتو کتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہوگی کہ کتوں کو بلا ضرورت، بہت شوق سے پالنا انکی معاشرت ہے اور انکو ہر وقت ساتھ رکھ کر جی بہلانا انکی تہذیب ہے۔ قارئین محترم! بائبل ایسی کتاب ہے کہ جسکے نزدیک یہود خدا کے ''بیٹے'' ہیں اور دوسرے تمام انسان ''کتے'' ہیں۔ اسکے مقابلے میں قرآن مجید تمام بنی نوع انسان کو برابر شرف و فضیلت بخشتا ہے۔ قرآن اس مضمون سے بھرا پڑا ہے ایک جگہ ارشاد ہے۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا (القرآن ۱۷ : ۷۰) 'اور ہم نے اولاد آدم کو عزت بخشی اور انہیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فضیلت دی'' دوسری جگہ ارشاد ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (القرآن ۴۹ : ۱۳) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ خدا کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی' پرہیز گار ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر......

آنجناب علیہ السلام کی والدہ نے کہا کہ شراب ختم ہوگئی تا کہ آنجناب علیہ السلام بطور معجزہ پانی سے شراب بنادیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام جواباً والدہ ماجدہ سے کہتے ہیں ''اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام ابھی میرا وقت نہیں آیا'' یعنی ابھی میں یہ کام نہیں کرونگا پھر والدہ کی دوبارہ استدعا پر یہ کام کردیا۔ معلوم ہوا کہ کوئی ایسا امر جو حرامِ قطعی نہ ہو اسکے متعلق ایک مرتبہ یہ کہا جائے کہ میں اسے ترک کرتا ہوں اور پھر اسے ترک نہ کیا جائے اس میں کوئی قباحت یا قابلِ اعتراض

(بقیہ حاشیہ) بے شک خدا سب کچھ جاننے والا اور سب سے باخبر ہے'' اس طرح کی بے شمار آیات ہیں۔ بہر حال قرآن میں کہیں یہ نہیں ملے گا کہ صرف قریش یا عرب خدا کے حضور برگذیدہ بندے ہیں اور انکے علاوہ سب انسان کتے ہیں۔ اسی طرح رحمتِ کائنات' محسنِ انسانیت حضرت محمد ﷺ نے کہیں یہ نہیں کہا کہ صرف میری قوم قریش یا عرب خدا کے خاص اعزاز کے مستحق ہیں اور انکے سوا سب کتے ہیں **نعوذباللہ** بلکہ تاریخ کے دریچے میں جھانکیئے! آپ کو کچھ اور ہی منظر نظر آئے گا۔ حجۃ الوداع کا موقع ہے' عرفات کا میدان ہے' ایک لاکھ سے زائد انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے' وہ اپنے عظیم تاریخی معرکۃ الآراء خطاب میں پوری دنیا کو عالمی انسانی منشور دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ یَاأَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّکُم وَاحِدٌ وَاَبَاکُم وَاحِدٌ. اَلاَ لاَ فَضلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَلاَ لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ وَلاَ اَسوَدَ عَلٰی اَحمَرَ وَلاَ اَحمَرَ عَلٰی اَسوَدٍ اِلاَّ بِالتَّقوٰی (مجمع الزوائد) اسی طرح حضرت حذیفہ ؓ انکا دوسرا ارشاد نقل کرتے ہیں۔ کُلُّکُم بَنُو آدَمَ وَآدَمُ خُلِقَ مِن تُرَابٍ' وَلَیَنتَهِیَنَّ قَومٌ یَفخَرُونَ بِآبَائِهِم اَو لَیَکُونَنَّ اَهوَنَ عَلَی اللّٰهِ تَعَالٰی مِنَ الجِعلاَنِ (مسند بزار) ''تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں' لوگوں کو چاہیئے کہ اپنے باپ دادا پر فخر کرنے سے باز آجائیں ورنہ وہ اللہ کے ہاں کیڑوں مکوڑوں سے بھی زیادہ حقیر ہوجائیں گے'' تیسری بات یہ ہے کہ اس عورت کی ذہانت' ہنرمندی' تیز فہمی اور حاضر جوابی کو داد دینا نہ بھولیئے کہ اس نے کہا کہ میں روٹی یا نوالہ نہیں مانگتی بلکہ کھانے کی میز سے گرنے والا ''ٹکڑا'' چاہتی ہوں۔ مجھے اپنے ''کتیا'' ہونے کا اعتراف ہے اور خدا کے خاص اعزاز سے بلا جرم بلا سبب محروم ہونے کا احساس ہے۔ مگر ''کتا'' گرے ہوئے ٹکڑوں کا تو مستحق ہوتا ہے۔ اس طرح اس نے اپنی بہترین منطق سے ''خدا'' کو ایسا عاجز والا جواب کیا کہ وہ آخرکار مجبور ہوکر اپنی پہلی بات کو جھٹلاتے ہوئے شفا دینے پر رضامند ہوگیا۔ چوتھی بات یہ ہے کہ مرقس نے اس واقعہ کو ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یوں جواب دیا کہ ''پہلے لڑکوں کو سیر ہونے دے کیونکہ لڑکوں کی روٹی لیکر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں'' اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ پہلے بنی اسرائیل (یہود) کا حق ہے پھر دوسروں کو بھی کچھ مل سکتا ہے۔ مگر خدا بھلا کرے ''متی صاحب'' کا کہ انہوں نے اس ممکنہ امید کو بھی توڑ دیا اور تمام اقوامِ عالم کیلئے خالص مایوسی کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔

بات نہیں ہے۔ٹھیک اسی طرح اگر شریعتِ احمدی ﷺ میں کوئی واقعہ اس طرح پایا جائے اور اسکا جواز بھی ثابت ہو پھر خصوصیت کیساتھ کفارہ بھی مقرر ہو تو بالکل اعتراض کی کوئی گنجائش ہی نہیں بلکہ مسیحی علماء پر تو اور بھی تعجب ہے۔

تیسری مثال

کیا وہ خود توریت کی کتابوں میں ان باتوں کا مشاہدہ نہیں کرتے کہ انبیاء علیہم السلام تو درکنار خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے متعلق بھی یہ ثابت ہے کہ وہ ایک مرتبہ ایک کام کے کرنے یا نہ کرنے کا فرماتے ہیں پھر اسکے برعکس کر لیتے ہیں۔اسکی چند مثالیں مقدمہ کتاب میں فائدۂ سوم کے ذیل میں گذر چکی ہیں۔تفصیل وہاں ملاحظہ فرمائیں کہ بنی اسرائیل کی سرکشی ونافرمانی پر حکم ہوتا ہے کہ تمہارے درمیان نہ چلونگا پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے سفارش کی تو ارشاد ہوا کہ میں تمہارے درمیان چلونگا پھر انکی نافرمانی پر حکم ہوا کہ میں انکو بلا وعذاب میں مبتلا کرونگا اور انہیں محروم رکھونگا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سفارش کی تو ارشاد ہوا کہ تمہاری سفارش سے ہم نے معاف کر دیا۔

چوتھی مثال

اسی طرح تعالیٰ نے ایک پیغمبر کے ذریعے عیلی کاہن سے جسکے بیٹے سرکش ونافرمان تھے یہ فرمایا کہ میں نے تو کہا تھا کہ تیرا گھرانہ اور تیرے باپ کا گھرانہ ہمیشہ میرے حضور چلے گا پر اب خداوند فرماتا ہے کہ یہ بات مجھ سے دور ہو کیونکہ جو میری عزت کرتے ہیں میں انکی عزت کرونگا پر وہ جو میری تحقیر کرتے ہیں بے قدر ہونگے دیکھ وہ دن آتے ہیں کہ میں تیرا بازو اور تیرے باپ کے گھرانے کا بازو کاٹ ڈالونگا کہ تیرے گھر میں کوئی بڈھا ہونے نہ پائے گا اور میں اپنے لئے ایک وفادار کاہن برپا کرونگا“ (سموئیل اول باب۲ آیت ۲۷)

فائدہ

گذشتہ گفتگو سے یہ بات بھی کھل گئی کہ غیب سے جو آواز آئی تھی کہ اے پطرس اٹھ اور ذبح کر اور کھا۔ یہاں ملہمِ غیبی نے جو کھانے کا حکم دیا وہ بھی ذبح کیے بغیر نہیں کہا۔ معلوم ہوا کہ مخنوق یعنی گلا دبا کر مارا ہوا جانور حرام ہے۔ ویسے بھی مخنوق کی حرمت اعمال باب ۱۵ آیت ۲۹ میں خوب صراحت سے مذکور ہے ''کہ تم بتوں کی قربانیوں کے گوشت سے اور لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کرو'' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے ''اور اگر وہ جگہ جسے خداوند تیرے خدا نے اپنے نام کو وہاں قائم کرنے کیلئے چنا ہو تیرے مکان سے بہت دور ہو تو اپنے گائے بیل اور بھیڑ بکری میں سے جن کو خداوند نے تجھ کو دیا ہے کسی کو ذبح کر لینا اور جیسا میں نے تجھ کو حکم دیا ہے تو اسکے گوشت کو اپنے دل کی رغبت کے مطابق اپنے پھاٹکوں کے اندر کھانا''

(استثناء باب ۱۲ آیت ۲۱)

دیکھئے! حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان کہ ''جس طرح میں نے تجھ کو حکم دیا ذبح کرنا'' سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک معین طریقے سے جانور کا ذبح کرنا ضروری ہے جبکہ مسیحی حضرات خون، مردار اور مخنوق کو بہت شوق سے مزے لیکر کھاتے ہیں جب ان لوگوں کے نفس عقل پرستی اور تن پروری کے غلام ہو گئے اور عیسائیت کا نام محض لوگوں کو دھوکا دینے کیلئے ہوا تو پھر انجیل کے اصل احکام سے کیا سروکار؟ لطف یہ کہ کیتھولک بھی اسکی حرمت کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ پادری مراکیوس کی کتاب میں عقیدہ نمبر ۱۸ کے تحت وضاحت سے مذکور ہے کہ ''بتوں کی قربانیوں کے گوشت، لہو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں کی حرمت جن کو مسیح علیہ السلام کے حواریوں نے حرام ٹھہرایا تھا تو یہ انکے زمانہ کیساتھ خاص ہے'' انتہی۔ حواریوں کے اجتہاد

سے صرف چار چیزیں حرام رہ گئی تھیں مگر ان جانشینوں نے اپنے اسلاف کے حکم سے تجاوز کرتے ہوئے مزید ان میں سے تین چیزوں کی حرمت کو منسوخ کر دیا۔ اگر یہ حضرات زنا کی حرمت بھی اٹھا دیتے تو خیر سے مسیحی مذہب کو خوب ترقی مل جاتی۔ لیکن اس بارے میں بے چاروں سے غلطی ہوگئی۔

رسالتِ عیسوی صرف بنی اسرائیل کیلئے تھی

متی باب ۱۵ آیت ۲۴ کے حوالہ بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب مسیح علیہ السلام اپنی بعثت و رسالت کو بنی اسرائیل کیساتھ مخصوص کرتے تھے۔ اس کی تائید آنجناب علیہ السلام کے اس قول سے بھی ملتی ہے جو اپنے حواریوں کو تبلیغ کیلئے روانہ کرتے وقت بطور ہدایت فرماتے تھے ”غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانوں کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف جانا“ (متی باب ۱۰ آیت ۵) قرآن پاک میں بھی سورۃ آلِ عمران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا اس طرح ارشاد ہے۔ ورسولاً الیٰ بنی اسرائیل (آل عمران آیت ۴۹) ”انکو بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجیں گے“ قاضی بیضاویؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں ”وتخصیص بنی اسرائیل مخصوص بعثتہ او للرد علی من زعم انہ مبعوث الیٰ غیرھم“(۱) بلکہ آنجناب علیہ السلام کے ارشادات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں اپنے زمانہ قیام تک توریت کے احکام ظاہرہ کو واجب العمل سمجھتے تھے، اپنے امتیوں کو ان پر عمل کی تاکید فرماتے تھے چنانچہ ایک کوڑھی کو شفا بخشنے کے بعد اس طرح فرماتے ہیں ”یسوع نے اس سے کہا خبردار کسی سے نہ کہنا بلکہ جا کر اپنے تئیں کاہن کو دکھا اور جو نذر موسیٰ نے مقرر کی ہے اسے

(۱) مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی قید لگانا یا تو اس وجہ سے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت صرف بنی اسرائیل کیلئے ہے یا اس سے مقصود اُن لوگوں پر رد کرنا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثتِ عامہ کا اعتقاد رکھتے ہیں۔

گذران تا کہ انکے لئے گواہی ہو" (متی باب ۸ آیت ۴، لوقا باب ۵ آیت ۱۴) متی باب ۲۳ آیت ۱ میں اس طرح ارشاد ہے "اس وقت یسوع نے بھیڑ سے اور اپنے شاگردوں سے یہ باتیں کہیں کہ فقیہ اور فریسی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں پس جو کچھ وہ تمہیں بتائیں وہ سب کرو اور مانو لیکن انکے سے کام نہ کرو کیونکہ وہ کہتے ہیں اور کرتے نہیں"

ان آیات کی ہمارے دعویٰ پر دلالت محتاجِ وضاحت نہیں اور ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے توریت کے احکام ظاہرہ قطعاً منسوخ نہیں کیے اور نہ ہی یہ احکام بطور نمونہ تھے۔ ان احکام کی اطاعت نہ کرنا ارشادِ عیسوی کے مطابق نہیں بلکہ کھلے طور پر اسکے خلاف ہے۔

اعتراضِ پنجم: حضرت محمد ﷺ معجزات نہ رکھتے تھے

پانچواں اعتراض یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ سے کوئی معجزہ ثابت نہیں کیونکہ جب رؤساءِ قریش نے ان سے کہا کہ آپ نے متعدد بار ہمیں عذابِ الٰہی سے ڈرایا ہے جو عذاب آپ ہم پر لا سکتے ہو جلدی لاؤ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکا جواب یوں دیتے ہیں:

قل لو انّ عندی ماتستعجلون به لقضی الامر بینی وبینکم

(الانعام آیت ۵۸)

کہہ دو جس چیز کیلئے تم جلدی کرر ہے ہو اگر وہ میرے اختیار میں ہوتی تو مجھ میں اور تم میں فیصلہ ہو چکا ہوتا

یعنی میں تم لوگوں کو جلدی سے ہلاک کر دیتا۔ پھر انہی سردارانِ قریش نے جب قسم کھا کر کہا کہ اگر آپ کوہِ صفا کو اپنے معجزہ سے سونا بنا دیں تو ہم ضرور تم پر ایمان لے آئینگے تو وہ اللہ کی طرف سے جواب دیتے ہوئے اِسی سورۃ میں یوں کہتے ہیں:

قل انما الآیات عند اللہ ومایشعر کم انھا اذا جآء ت

لایؤمنون (الانعام آیت ۱۱۰)

کہہ دو کہ نشانیاں تو سب خدا کے پاس ہیں اور تمہیں کیا معلوم ہے کہ انکے پاس نشانیاں آبھی جائیں تب بھی ایمان نہ لائیں۔

ایک مرتبہ قریش کے ایک گروہ نے ان سے کہا کہ اے محمد اگر آپ اپنے معجزہ سے ان پہاڑوں کو آس پاس سے ہٹادیں تا کہ یہ زمین زراعت کے قابل ہوجائے اور شام وعراق کی طرح نہریں بنادیں تا کہ ہم کھیتی باڑی کرسکیں اور آپ کی تصدیق وگواہی کیلئے فرشتے بھیجے جائیں اور آپ کیلئے سونا وچاندی کے محل ہونے چاہئیں تا کہ آپ کو غربت سے رہائی ملے، آسمان کو ہمارے سروں کے قریب کردیجئے تا کہ ہم اسکے عذاب سے آگاہ ہوجائیں۔ایک سیڑھی لگا کر ہمارے سامنے آسمانوں پر چڑھیئے وہاں سے ہم میں سے ہر ایک کے نام ایک تحریر لائیے جس میں آپکا پیغمبر ہونا لکھا ہواور ہم پڑھ لیں، اگر یہ کام ہوجائیں تو ہم ضرور آپ پر ایمان لے آئینگے۔آپ ﷺ اللہ کی طرف سے اسکا جواب یوں دیتے ہیں:۔

قل سبحان ربّی ھل کنت الّا بشراً رسولاً (بنی اسرائیل آیت ۹۳)

یعنی کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار اس سے پاک ہے کہ تم اس پر حکم چلاؤ اور میں تو صرف ایک پیغام پہچانے والا انسان ہوں۔

پھر کفار عرب کو جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

قل انما الآیات عند اللہ وانما انا نذیر مبین (العنکبوت آیت ۵۰)

کہہ دیجئے نشانیاں تو سب اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں تو کھلم کھلا

ڈرانے والا ہوں۔

وہ ان آیات میں صاف بتاتے ہیں کہ میرا کام صرف وعظ ونصیت ہے مجھ میں معجزہ دکھانے کی طاقت نہیں ہے۔اب ظاہر ہے کہ اگر انکو معجزہ دکھانے کی قدرت ہوتی تو مشرکین کو الزام دینے کیلئے ضرور کوئی معجزہ ظاہر کر دیتے اور اگر کوئی معجزہ انکے ہاتھ پر پہلے ظاہر ہوا ہوتا تو وہ اسکا حوالہ دے دیتے۔

جواب

اگر کوئی شخص دیانت وشرافت کو بالائے طاق رکھ دے تو ہر صاحب کتاب نبی کے متعلق اسکے اقوال واحوال کے ذریعے ایسے اعتراضات کشید کر سکتا ہے۔بائبل کے ناظرین سے یہ بات مخفی نہیں ہے تاہم طوالت کے خوف سے صرف چند مثالیں لکھنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

بائبل سے مطلوبہ معجزہ پیش نہ کرنے کے شواہد

(۱) متی باب ۴ آیت ۲ میں ہے ''اور چالیس دن اور چالیس رات فاقہ کر کے آخر کو اسے بھوک لگی اور آزمانے والے نے پاس آکر اس سے کہا اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو فرما کہ یہ پتھر روٹیاں بن جائیں اس نے جواب میں کہا لکھا ہے کہ آدمی صرف روٹی ہی سے جیتا نہ رہے گا بلکہ ہر بات سے جو خدا کے منہ سے نکلتی ہے تب ابلیس اسے مقدس شہر میں لے گیا اور ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کر کے اس سے کہا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اپنے تئیں نیچے گرا دے کیونکہ لکھا ہے کہ'' وہ تیری بابت اپنے فرشتوں کو حکم دے گا اور وہ تجھے ہاتھوں پر اٹھالیں گے ....یسوع نے اس سے کہا یہ بھی لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کی آزمائش نہ کر''

(۲) متی باب ۱۲ آیت ۳۸ میں ہے ''اس پر بعض فقیہوں اور فریسیوں نے جواب

میں اس سے کہا اے استاد ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں اس نے جواب دیکر ان سے کہا اس زمانہ کے برے اور زنا کار لوگ نشان طلب کرتے ہیں مگر یوناہ نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان انکو نہ دیا جائیگا''

(۳) مرقس باب ۸ آیت ۱۱ میں ہے ''پھر فریسی نکل کر اس سے بحث کرنے لگے اور اسے آزمانے کیلئے اس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا اس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں؟ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان دیا نہ جائے گا'' یاد رہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا فریسیوں کے سامنے یہ انکار دوسری مرتبہ ہے جیسا کہ متی باب ۱۲، ۱۶ سے بخوبی واضح ہے۔

(۴) لوقا باب ۲۲ آیت ۶۳ میں ہے ''اور جو آدمی یسوع کو پکڑے ہوئے تھے اسکو ٹھٹھوں میں اڑاتے اور مارتے تھے اور اسکی آنکھیں بند کر کے اس سے پوچھتے تھے کہ نبوت سے بتا تجھے کس نے مارا؟ اور انہوں نے طعنہ سے اور بھی بہت سی باتیں اسکے خلاف کہیں'' یاد رہے کہ یہی مضمون متی باب ۲۶، مرقس باب ۱۴ میں بھی مذکور ہے۔

(۵) آنجناب علیہ السلام کی گرفتاری کے بعد جب پیلاطس نے انکو ہیرودیس بادشاہ کے پاس بھیج دیا تو آگے کا قصہ اس طرح مذکور ہے ''ہیرودیس یسوع کو دیکھ کر بہت خوش ہوا کیونکہ وہ مدت سے اسے دیکھنے کا مشتاق تھا۔ اس لئے کہ اس نے اسکا حال سنا تھا اور اسکا کوئی معجزہ دیکھنے کا امیدوار تھا اور وہ اس سے بہتیری باتیں پوچھتا رہا مگر اس نے اسے کچھ جواب نہ دیا'' (لوقا باب ۲۳ آیت ۸)

(۶) متی باب ۲۷ آیت ۴۱ میں ہے ''اسی طرح سردار کاہن بھی فقیہوں اور بزرگوں کیساتھ ملکر ٹھٹھے سے کہتے تھے اس نے اوروں کو بچایا اپنے تیئں نہیں بچا سکتا یہ تو اسرائیل کا بادشاہ ہے اب صلیب پر سے اتر آئے تو ہم اس پر ایمان لائیں'' یاد رہے کہ یہی

مضمون مرقس باب ۱۵، لوقا باب ۲۳ میں بھی ہے۔

(۷) پولوس مقدس اپنے خط میں لکھتے ہیں ”چنانچہ یہودی نشان چاہتے ہیں اور یونانی حکمت تلاش کرتے ہیں مگر ہم اس مسیح مصلوب کی منادی کرتے ہیں“

(کرنتھیوں کے نام پہلا خط باب ۱ آیت ۲۲)

(۸) ایک رسالہ ”ردِ نصاریٰ“ جو سوال و جواب کے طرف پر اردو زبان میں لکھا گیا ہے اسکے مصنف رقمطراز ہیں کہ ”تریال بائبل میں لکھا ہے کہ ایک یہودی ایک مردہ بچے کو حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس پہاڑ پر لے گئے اور کہا کہ اگر تو معجزہ دکھاتا ہے اور مردوں کو زندہ کرتا ہے تو اسکو بھی زندہ کرتا کہ ہم بھی تو تمہارا معجزہ دیکھیں اور تجھ پر ایمان لاکر مطیع ہوجائیں۔ دس دن کے بعد جب وہ یہودی اس پہاڑ پر گئے تو دیکھا اس بچے کو درندوں نے پھاڑ ڈالا ہے اسکے اعضاء بکھرے پڑے ہیں چنانچہ سب یہود جمع ہوئے اور جناب مسیح علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں باندھ کر کوڑے مارنے لگے اور کہہ رہے تھے اب تیرا معجزہ دکھانا اور زورِ نبوت کہاں گیا؟ بلاشبہ تو ساحر اور مکار ہے، فریب کرتا ہے“ انتہیٰ (۱)

تجزیہ مصنفؒ

غور فرمایئے! ابلیس کے دوبار معجزہ طلب کرنے کے باوجود حضرت مسیح علیہ السلام نے جواب نہ دیا فریسیوں نے دورانِ مباحثہ دوبار معجزہ طلب کیا اور سردار کاہن انکو مار رہے تھے اور معجزہ طلب کرتے تھے مگر کوئی جواب نہیں دیا۔ اسی طرح ہیرودیس جوانکے ساتھ بڑے اخلاق واخلاص سے پیش آیا پھر معجزہ طلب کرتا رہا تاکہ بلادلیل شکوک وشبہات کرنے والوں کا ازالہ ہوجائے مگر انجناب علیہ السلام نے کچھ جواب نہ دیا۔ اسی طرح سردار کاہن فقیہوں

(۱) مصنف نے حاشیہ میں کہا ہے کہ میں نے یہ حوالہ بچشم خود نہیں دیکھا۔

اور بزرگوں نے یہاں تک کہا کہ اگر صلیب سے اتر آؤ تو ہم ایمان لائینگے اس پر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ اسی طرح یہود آنجناب علیہ السلام کی خدمت میں مردہ بچہ لائے اور اسے زندہ کرنے کی صورت میں ایمان لانے کا وعدہ بھی کیا تب بھی آنجناب علیہ السلام نے ان پر اتمامِ حجت نہ فرمایا اور نہ کوئی معجزہ ظاہر فرمایا نہ کسی سابقہ معجزے کا حوالہ دیا پولوس کا بھی اقرار ہے کہ یہود معجزہ طلب کرتے ہیں مگر ہم اسکی جگہ کلام مسیح کیساتھ وعظ کرتے ہیں۔ اب معترض کی تقریر کے موافق منکر کو حق پہنچتا ہے کہ نقد و جرح کرتے ہوئے کہے کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام معجزہ دکھانے کی طاقت رکھتے ہوتے تو ضرور کوئی معجزہ دکھا دیتے یا کسی سابقہ معجزے کا حوالہ دے دیتے بالخصوص فریسی، فقیہوں اور دیگر اقوامِ یہود جو آنجناب علیہ السلام کا حد درجہ انکار کرتے تھے ساحر و مکار تک کہتے تھے، لوگوں کو منع کرتے تھے کہ تم اسکے چکر میں کیوں پھنستے ہو اور کہتے تھے کہ بھلا سرداروں یا فریسیوں میں سے بھی کوئی اس پر ایمان لایا مگر یہ عام لوگ جو شریعت سے واقف نہیں لعنتی ہیں جیسا کہ یوحنا باب ۷ میں مذکور ہے اور یہ بدطینت لوگ وعدہ کرتے تھے کہ ایک بار صلیب سے اتر آؤ ہم ایمان لے آئینگے اسی طرح اس بچے کے متعلق کہا کہ اگر اسے زندہ کر دو گے تو ایمان لے آئینگے ایسے منکرین پر الزام اور اتمامِ حجت کیلئے مناسب تھا کہ ایک آدھ معجزہ تو ضرور ظاہر کر دیتے اور ایک بار صلیب سے ضرور اتر آتے اگرچہ دوبارہ صلیب پر چلے جاتے اور بچے کو بھی ضرور زندہ کر دینا چاہیئے تھا۔ اسی طرح پولوس موصوف کو بھی چاہیئے تھا کہ ایک مرتبہ تو ضرور معجزہ دکھا دیتے تا کہ یہودیوں کا منہ بند ہو جاتا۔ جب انہوں نے ایسا نہیں کیا تو صاف معلوم ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو اظہارِ معجزہ پر قدرت ہی نہ تھی اور اناجیل کے مصنفین جو آنجناب علیہ السلام کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد ہیں انہوں نے آپ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ لکھا ہے سب جھوٹ ہے کہ مسیح نے بہت سے معجزات دکھائے۔ اسی طرح پولوس کے خصوصی شاگرد لوقا نے ''رسولوں

کے اعمال'' میں جھوٹ لکھا ہے کہ پولوس سے بہت سی کرامات ظاہر ہوئیں یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ خود پولوس تو اپنے خطوط میں اسکا انکار کرتا ہے۔ لطف یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے جو چند معجزات ظاہر ہوئے ہیں جنکا ذکر متی باب ۱۲،۱۶ میں ہے وہ بھی اپنے معتقدین کے علاوہ دیگر کسی یہودی کے سامنے ظاہر نہیں کیے حالانکہ ایسے لوگوں کے سامنے اور ہیرودیس جیسے حاکمِ وقت کے سامنے معجزہ ظاہر کرنا زیادہ مناسب تھا کیونکہ انکی طرف سے ان پر الزام تھا اور اس صورت میں وہ الزام باقی نہ رہتا۔ نیز پیدائش باب ۳۰ آیت ۱ میں ہے ''اور جب راحیل نے دیکھا کہ یعقوب سے اسکے اولاد نہیں ہوئی تو راحیل کو اپنی بہن پر رشک آیا سو وہ یعقوب سے کہنے لگی کہ مجھے بھی اولاد دے نہیں تو میں مرجاؤنگی تب یعقوب کا قہر راحیل پر بھڑکا اور اس نے کہا کیا میں خدا کی جگہ ہوں جس نے تجھ کو اولاد سے محروم رکھا ہے؟'' اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام راحیل کے مطالبہ پر غضبناک ہوئے اور کہا کہ اولاد دینا صرف اللہ کی قدرت میں ہے میرے اختیار میں نہیں۔ مقدمہ کتاب کے فائدہ اول میں گذرا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی حضرت سارہؓ اور حضرت اسحاق علیہ السلام نے اپنی بیوی ربقہ کو بہن کہا تھا۔ یہاں انہوں نے جھوٹ بولنے کو ترجیح دی مگر کوئی ایسا معجزہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ دونوں ان لوگوں کی نگاہوں میں نہ آسکتیں تاکہ جان کا کوئی خطرہ ہی نہ ہوتا۔ انکار کرنے والے مسیحیوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ دراصل ان بزرگوں کو اظہارِ معجزہ کی قدرت ہی نہ تھی لہٰذا یہ لوگ پیغمبر نہیں تھے بلکہ اب تو مسیحی حضرات کو بھی چاہیئے کہ صدورِ معجزہ کو نبوت کی ضروری علامت قرار نہ دیں کیونکہ یوحنا باب ۱۰ آیت ۴۱ میں مذکور ہے ''بہتیرے اسکے پاس آئے تھے اور کہتے تھے کہ یوحنا نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا'' حالانکہ متی باب ۲۱ آیت ۲۶ میں صراحت ہے کہ ''سب یوحنا کو نبی جانتے ہیں'' اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام نے انکے متعلق فرمایا ہے کہ وہ پیغمبر بلکہ پیغمبر سے بھی افضل

ہیں وہی ایلیاہ ہیں جنکا آنا ضروری تھا (متی باب ۱۱،۱۷)

انصاف پسندانہ بات

حق بات تو یہ ہے کہ نبی کیلئے ضروری نہیں ہے کہ جب بھی انکے مخالفین طلبِ معجزہ کریں تو فوراً اسی وقت ظاہر کردیں بلکہ بعض اوقات حکمِ الٰہی نہیں ہوتا جسکی وجہ سے وہ ایسا نہیں کرتے اور عبودیت کا تقاضا بھی یہی ہے جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام اسکا اس طرح اقرار کرتے ہیں کہ ''تو خداوند اپنے خدا کی آزمائش نہ کر'' اور حضرت یعقوب علیہ السلام نہایت غضبناک ہوکر فرماتے ہیں کہ ''کیا میں خدا کی جگہ ہوں؟'' جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام نے فریسیوں اور کاہنوں کے سامنے معجزہ ظاہر نہیں کیا کیونکہ وہ محض شرارت وعناد کی بنا پر معجزہ طلب کر رہے تھے نہ کہ طلبِ حق کی وجہ سے۔ٹھیک اسی طرح حضرت محمد ﷺ نے حکمِ الٰہی کے مطابق ان منکرین کے سامنے ان مواقع میں معجزے ظاہر نہیں کیے کیونکہ اس سے پہلے انکے سامنے صدہا معجزات ظاہر ہوچکے تھے اور انکا یہ معجزہ طلب کرنا محض شرارت وتکذیب کی بنا پر تھا اس پر آپ ﷺ کو ساحر ہی کہتے ایمان لانا انکے پیشِ نظر نہیں تھا اس وجہ سے آپ ﷺ منہ مانگے معجزات کو ظاہر فرمانے سے رکے رہے چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

کیف یھدی اللّٰـہ قوماً کفروا بعد ایمانھم وشھدوا انّ الرّسول حق وجائھم البیّنات (آلِ عمران آیت۸۶)

خدا ایسے لوگوں کو کیونکر ہدایت دے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور پہلے اس بات کی گواہی دے چکے کہ یہ پیغمبر برحق ہے اور انکے پاس دلائل (قرآن ومعجزات) بھی آگئے۔

صاحبِ کشاف اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے:۔

الشواهد من القرآن وسائر المعجزات التی تثبت بمثلها النبوة

بلکہ معترض نے جو آیات نقل کی ہیں ان سے ماقبل آیات میں انہی کفار ومنکرین کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللّٰه کذباً او کذّب بآیاته انه لایفلح الظّالمون (الانعام آیت ۲۱)

اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جس نے خدا پر جھوٹ افتراء کیا یا اسکی آیتوں کو جھٹلایا۔ کچھ شک نہیں کہ ظالم لوگ نجات نہیں پائیں گے۔

صاحبِ کشاف اِس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

جمعوا بین امرین متناقضین فکذبوا علی اللّٰه وکذبوا بما ثبت بالحجة والبینة والبرهان الصحیح حیث قالوا﴿ لو شاء اللّٰه ما اشرکنا ولا آبائنا﴾ وقالوا ﴿واللّٰه امرنا بها﴾ وقالوا الملائکة بنات اللّٰه و﴿هؤلاءِ شفعائنا عند اللّٰه﴾ ونسبوا الیه تحریم البحائر والسوائب وذهبوا فکذبوا القرآن والمعجزات وسموها سحراً ولم یومنوا بالرسول۔(۱)

اور مفسرِ بیضاویؒ لکھتے ہیں:

---

(۱) ترجمہ عبارت یہ ہے ''انہوں نے دو متضاد چیزوں کو جمع کیا ایک طرف اللہ تعالیٰ کی بلا دلیل تکذیب کی دوسری طرف اس چیز کو جھٹلایا جو حجت، دلیل اور برہان صحیح سے ثابت ہے کیونکہ انکا قول تھا کہ ''اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے بڑے شرک نہ کرتے'' اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ''خدا نے ہم کو اس شرک کا حکم دیا ہے اور کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں اور یہ بت اللہ کے ہاں ہماری سفارش کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف بحیرہ وسایبہ کی حرمت منسوب کرتے پھر قرآن کریم اور معجزات کو جھٹلایا اور انکو سحر کا نام دیا اور رسول ﷺ پر ایمان نہ لائے''

﴿ومن اظلم ممن افترىٰ على الله كذباً﴾ كقولهم الملائكة بنات الله وهؤلاءِ شفعائنا عند الله﴿ او كذب بآياته﴾ كانوا كذبوا القرآن والمعجزات وسموها سحراً وانما ذكر ﴿او﴾ وهم قد جمعوا بين الامرين تنبيها على ان كلامنهما وحده بالغ غاية الافراط فى الظلم على النفس"(۱)

پھر اللہ تعالیٰ اسی سورۃ میں ان منکرین وکفار کے متعلق فرماتے ہیں وان یروا کل آیۃ لایؤمنوا بھا(الانعام آیت ۲۵) "اگر وہ آپ سے طلب کردہ تمام معجزات دیکھ بھی لیں تو ایمان نہ لائیں گے ذرا انکی شدتِ عناد اور تقلید آباء میں تعصب دیکھئے کذا فی الحسینی (۲) بیضاوی میں اسی جگہ ہے:

وان يروا كل آية لايؤمنوا بها بفرط عنادهم واستحكام التقليد فيهم

ان آیات سے صاف معلوم ہوا کہ یہ معجزہ طلب کرنے والے لوگ اپنی شدتِ عناد اور آباء واجداد کی اتباع کے تعصب میں ایمان لانے کا ارداہ ہی نہ رکھتے تھے بلکہ ماضی میں انہوں نے جو معجزہ بھی دیکھا اسکی تکذیب کی اور کررہے ہیں ورنہ معجزات تو آپ ﷺ کے

---

(۱) ترجمہ عبارت یہ ہے "اور اس سے بڑا کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھے مثلاً انکا یہ کہنا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں اور یہ بت اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں "یا اسکی آیات کو جھٹلائیں" جیسا کہ وہ قرآن اور معجزات کی تکذیب کرتے اور انکو جادو کا نام دیتے تھے۔اگرچہ وہ دونوں چیزوں کا ارتکاب کرتے تھے لیکن لفظ "او" اس بات پر تنبیہ کیلئے استعمال ہوا کہ ان میں سے ہر چیز انتہائی ظلم ہے"

(۲) یہ ملّا حسین بن علی الکاشفی کی تفسیر ہے موصوف نویں صدی ہجری کے مقتدر عالمِ دین گذرے ہیں اُنکی یہ فارسی تفسیر "تفسیرِ حسینی" کے نام سے ہندوستان میں بہت مقبول رہی ہے۔(آثار التنزیل،مؤلفہ ڈاکٹر علامہ خالد محمود، مطبوعہ دار المعارف اردو بازار لاہور)

دستِ مبارک سے سینکڑوں ظاہر ہوئے ہیں اسکے باوجود آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں تو صرف ڈرانے والا اور راہِ راست دکھانے والا ہوں، معجزہ لانے کی مجھ میں بالذات قدرت نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ کی طرف سے ہے۔جی ہاں! یہی بات حقیقت پسندانہ، قرینِ انصاف ہے اور انبیاء علیہم السلام کے طرزِ دعوت کے عینِ مطابق ہے اور پھر آپ ﷺ کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے امتیوں نے کثرتِ معجزات دیکھ کر خود انہی کو الوہیت سے متصف کر دیا اور راہِ راست سے دور جا پڑے ایسا نہ ہو کہ اہل اسلام کے عوام بھی اسی طرح مجھ ہی کو خدا کہنے لگیں اور صراطِ مستقیم سے بھٹک کر رہ جائیں۔

معجزاتِ نبوی

قرآن پاک معجز بیان صرف کلامِ الٰہی پر مشتمل ہے اس میں آنحضرت ﷺ کا کلام شامل نہیں ہے اور نہ ہی آنحضرت ﷺ کے متعلق تاریخی مواد کے طور پر کسی اور کا کلام درج ہے۔جس طرح اناجیل کے مصنفین نے صحفِ اربعہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام کیساتھ ساتھ انکے متعلق بطورِ تاریخ وتشریح اپنا کلام بھی ملا دیا ہے۔اس وجہ سے قرآن پاک میں اسی تمام معجزاتِ محمدی ﷺ کا ذکر نہیں ہے بلکہ صرف بعض کا بیان ہے اور تمام معجزات کی تفصیل کتب احادیث میں آئی ہے اور باب اول کی فصل سوم میں پوری تفصیل کیساتھ گذرا ہے کہ احادیثِ نبویہ ﷺ کی جمع وتدوین دورِ تابعین میں اصحابِ رسول ﷺ کے صحبت یافتہ حضرات کے ذریعے ہوگئی تھی اور ان لوگوں کو فن حدیث کی تحقیق وجستجو میں وہ ذوق ملا کہ لوقا ومرقس جیسے حواریوں کے شاگردوں کو کبھی خواب میں بھی نصیب نہ ہوا۔حدیث کے جن مضامین کو مسیحی حضرات قدوسیت باری تعالیٰ کے منافی سمجھتے ہیں یہ سب انکی کج فہمی، بدعقلی ہے ورنہ کتب سماویہ میں متعدد جگہوں پر اس سے بھی زائد تر باتیں ثابت ہیں۔جو شخص معجزات نبوی

ﷺ کو تفصیل کیساتھ جاننا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ شواہد النبوۃ، معارج النبوۃ، مدارج النبوۃ، روضۃ الاحباب وغیرہ کی طرف رجوع کرے۔ یہاں ہم بطور تبرک صرف چند معجزاتِ مصطفویہ ﷺ ذکر کرتے ہیں۔

اول: شق القمر

شق القمر آپ ﷺ کا نہایت مضبوط اور کھلا معجزہ ہے جو تواتر سے ثابت ہے، جس کو سینکڑوں صحابہ وتابعین نے روایت کیا۔ ان سے آئمہ حدیث کے اس جمِ غفیر نے نقل کیا ہے جن کے تقویٰ ودیانت کے سامنے لوقا ومرقس کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ یہ روایت صحیحین وغیرہ متقدمین ومتأخرین کی کتبِ حدیث میں اس قدر کثرتِ طرق اور متعدد اسنادِ صحیحہ کیساتھ مروی ہے کہ اسکے تواتر وصحت میں ذرہ بھر شک کی گنجائش نہیں اور قرآن مجید میں سورۃ القمر کی ابتدائی آیات مفسرین کے اجماع کیساتھ اسی معجزہ پر منصوص ہیں۔ اس معجزہ کے متعلق مخالفین کے جو رکیک شبہات ہیں انکا جواب باب اول کی فصل اول میں اعتراضِ چہارم کے تحت دلائلِ عقلی ونقلی کی روشنی میں پوری تفصیل کیساتھ گذر چکا ہے۔

دوم: معجزۂ معراج

آنحضرت ﷺ کا حالتِ بیداری میں معراجِ جسمانی ہونا بھی بڑے معجزات میں سے ایک ہے۔ حدیثِ معراج کو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک کثیر جماعت نے نقل کیا ہے۔ اسکا درجہ استناد حدِ تواتر کو پہنچ چکا ہے اور قرآن مجید میں بھی مکہ سے لیکر یروشلیم (۱) تک کا سفر ثابت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ بنی اسرائیل میں فرماتے ہیں:

---

(۱) بیت المقدس مسجد اقصیٰ

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا انہ ھو السمیع البصیر (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱)

وہ ذات پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جسکے اردگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم اسے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں بے شک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

باقی یروشلیم سے آسمان تک کا سفر احادیثِ مشہورہ میں ثابت ہے۔(۱) یہاں بھی منکرین کو جو شبہات لاحق ہوتے ہیں انکا جواب باب اول کی فصلِ اول میں اعتراض سوم کے جواب میں تفصیل کیساتھ ذکر ہوئے ہیں۔

سوم: معجزہ بدر

غزوۂ بدر کے دن جب حق و باطل کے لشکر آمنے سامنے صف آراء ہوئے، آتشِ جنگ بھڑکنے لگی اور کفار یکبارگی حملہ آور ہوئے تو آپ ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی لیکر ''شاھت الوجوہ'' پڑھتے ہوئے کفار کی طرف پھینکا۔ اس مٹھی بھر کنکریوں کا پھینکنا تھا کہ کوئی ایک مشرک بھی ایسا نہ بچا جسکی آنکھ اور ناک کے دونوں سوراخوں میں اسکا اثر نہ پہنچا ہو اور وہ شکست کھا کر پلٹ گئے۔ یہ معجزہ بھی سورۂ انفال میں منصوص ہے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:۔

ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمی (الانفال آیت ۱۷)

---

(۱) یہ روایات صحاح ستہ میں مستقل ابواب کے تحت مذکور ہیں تاہم ایک جگہ مکمل تفصیل کے جاننے کیلئے ملاحظہ ہو۔ سیرت النبی، مؤلفہ علامہ شبلی نعمانیؒ و علامہ سید سلیمان ندویؒ، ج ۳ ص ۲۲۳، مطبوعہ الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور

اور جس وقت تم نے کنکریاں پھینکی تھیں وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں'' جنگ حنین میں بھی اس طرح کا معجزہ ظاہر ہوا۔(۱)

چہارم: معجزۂ خندق

غزوۂ احزاب جسکو غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے اس غزوۂ میں قریش، عطفان، کنانہ کے سب کفار اور یہود پر مشتمل تقریباً گیارہ ہزار کے لشکر نے مدینہ کا محاصرہ کرلیا یہ محاصرہ تقریباً ستائیس دن تک جاری رہا۔ اس موقعہ پر دشمنوں کی کثرتِ تعداد اور اپنی قلت کی وجہ سے کمزور مسلمانوں کے دل اڑے جارہے تھے۔ تب آنحضرت ﷺ نے پیر اور بدھ کے دن مسجد میں فتح ونصرت کی دعا مانگی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور بدھ کے روز ظہر وعصر کے درمیانی وقفے میں فتح کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے بادِ صبا اور ملائکہ کو ان نانجاروں کے سروں پر مسلط کردیا۔ بادِ صبا نے اس لشکر میں زلزلہ برپا کردیا اور فرشتوں نے انکے خیموں کے رسے کاٹ دیے، کیل اکھیڑ دیے یہاں تک کہ ناچار خائب وخاسر شکست خوردہ ہوکر واپس ہوئے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسکو بطور احسان ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یا ایھا الذین آمنوا اذکروا نعمة الله علیکم اذ جآء تکم جنودٌ فارسلنا علیھم ریحاً وجنوداً لم تروھا وکان الله بما تعملون بصیراً(۲)

اے ایمان والو! خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جو اس نے تم پر اس وقت کی جب فوجیں تم پر حملہ کرنے کو آئیں تو ہم نے ان پر ہوا بھیجی اور ایسے

(۱) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔ سیرت المصطفیٰ، مؤلفہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، ج ۳ ص ۶۰، مطبوعہ فرید بک ڈپو دہلی، ۱۹۹۹ء

(۲) الاحزاب آیت ۹

لشکر نازل کیے جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے اور جو کام تم کرتے ہو خدا انکو دیکھ رہا ہے۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

نصرت بالصبا واهلكت عاد بالدبور

یعنی مجھے بادِ صبا کے ذریعے مدد دی گئی ہے اور قومِ عاد بادِ دبور کے ذریعے ہلاک ہوئی ہے (۱)

؎ بادِ صبا بہ بست میان نصرت ترا ‏ ‏ ‏ ‏ دیدی چراغ را کہ کند بادیاورے (۲)

پنجم: پیشینگوئیاں

آنحضرت ﷺ کی سینکڑوں سچی پیشینگوئیاں ہیں جو کلامِ مجید اور احادیث میں مذکور ہیں ان میں سے بعض کا ذکر اعتراضِ ششم کے جواب کے تحت آئے گا۔

ششم: انگشتِ نبوی اسے پانی کا جاری ہونا

متعدد بار آنحضرت ﷺ کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے۔ یہ واقعہ ایسے طرق کثیرہ سے ثابت ہے جو علم قطعی اور تواتر معنوی کا فائدہ دیتے ہیں صحابہ کرام ﷺ کی کثیر جماعت اسکو روایت کرتی ہے۔ (۳)

---

(۱) اسکے ہم معنی اور روایات بھی ہیں مثلاً "نصرت بالرعب مسيرة شهر" (رواه البخاری ومسلم) مجھے فتح ونصرت رعب وہیبت کے ذریعے بخشی گئی ہے یہاں تک کہ میری دھاک ایک مہینہ کی مسافت تک کام کرتی ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۵۱۲، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی)

(۲) بادِ صبا تمہاری نصرت پر مامور کردی گئی ہے اور تم نے دیکھا کہ چراغ کی مدد ہوا سے ہو رہی ہے۔

(۳) مصنفؒ نے جو روایات ذکر کی ہیں وہ اور مزید کچھ تفصیل حوالہ جات کی قید کیساتھ ملاحظہ فرمائیے "سیرۃ النبی، مؤلفہ شبلی نعمانیؒ وسلیمان ندویؒ، ج ۳، ص ۳۹۲"

(۱) صحیحین میں حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ عصر کا وقت تھا لوگوں کو وضوء کیلئے پانی نہ ملا تھوڑا سا پانی جو موجود تھا آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا آپ ﷺ نے اس میں اپنا ہاتھ مبارک ڈالا آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا ایسا چشمہ جاری ہوا کہ تین سو حضرات نے اس سے وضو کرلیا۔

(۲) غزہ تبوک میں مسلمانوں نے اونٹوں وغیرہ کے پیاسے ہونے کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تھوڑا سا پانی ہو تو لے آؤ۔ ایک آدمی پانی لے آیا اور برتن میں ڈالا جناب رسالتِ مآب ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک برتن میں ڈالا تو فوراً چشمے ابلنے لگے حتی کہ تمام اونٹ، چوپائے وغیرہ سیر ہو گئے باقی پانی لوگوں نے برتنوں میں محفوظ کرلیا۔

(۳) غزہ تبوک میں ہی ایک دوسرے موقعہ پر پانی کم پڑنے کی شکایت ہوئی یہاں کہ لوگ اپنے اونٹوں کو ذبح کر کے انکی اوجھڑی میں جمع شدہ پانی نچوڑ کر پینے لگے تو حضرت ابوبکر ؓ نے آپ سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے۔ اِس پر آنحضرت ﷺ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھا لیے حضرت عمر ؓ فرماتے ہیں کہ ابھی آپ ﷺ کے ہاتھ واپس نہ آئے تھے کہ بارش شروع ہوگئی اور اِس شدت سے ہوئی کہ لوگوں نے اپنے برتن تک بھر لیئے اور یہ بارش لشکرِ اسلام سے آگے نہ بڑھی۔

(۴) حدیبیہ کے دن آپ ﷺ وضو فرمارہے تھے کہ صحابہ ؓ جمع ہو کر عرض کرنے لگے یارسول اللہ اِس وقت جو پانی آپ کے پاس ہے اسکے علاوہ اور پانی نہیں ہے کہ ہم وضو کرسکیں یا پی لیں چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک اس پانی میں رکھا اور پانی ابلنے لگا یہاں تک کہ پندرہ سو صحابہ ؓ نے پانی پیا اور وضو کیا۔ حضرت جابر ؓ کا بیان ہے کہ پانی اِس قدر بڑھ رہا تھا کہ ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو بھی کافی ہو جاتا۔

یہ پانی جاری ہونے کا معجزہ اور بھی کئی موقعوں پر ظاہر ہوا ہے۔ اور اس معجزہ کو اس

معجزہ موسوی پر فوقیت حاصل ہے جوانہوں نے مقامِ ''قادلیس'' میں پتھر سے پانی جاری کیا تھا کیونکہ گوشت پوست کی انگلیوں سے پانی جاری ہو جانا بنسبت پتھر سے پانی جاری ہونے کے زیادہ معجز، حیران کن اور خرقِ عادت ہے۔

ہفتم: تکثیرِ طعام

کھانا بڑھ جانے کا معجزہ بھی متعدد بار ظاہر ہوا چنانچہ

(۱) صحیحین میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جنگ خندق کے موقعہ پر میں نے آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک پر بھوک کے آثار دیکھے۔ میں گھر گیا ایک بکری کا بچہ ذبح کیا اور ایک صاع جَو کے آٹے سے ضیافت تیار کی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے آنے تک برتن کو چولھے سے نہ اتارنا اور روٹی ڈھانک کر رکھنا۔ تب آپ ﷺ اپنے ایک ہزار صحابہؓ کے ساتھ تشریف لائے۔ میں نے سالن کی دیگچی اور آٹا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا آپ ﷺ نے دیکھ کر اپنا لعاب مبارک اس میں ڈالا اور دعاءِ برکت فرمائی پھر میری اہلیہ سے ارشاد فرمایا روٹی پکاؤ اور دوسری عورت سے فرمایا دستر خوان لگاؤ، دیگچی سے سالن نکالو اور دیکھنا مت! خدا کی قسم ہزار آدمی سیر ہو گیا اور دیگچی کا سالن اسی طرح تھا اور روٹی بھی ویسے ہی باقی تھی۔

(۲) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ غزوہ تبوک میں لوگوں کو بھوک نے ستایا تو حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا دستر خوان بچھاؤ آپ ﷺ کے حکم سے صحابہ کرامؓ اپنا بچا ہوا زادِ راہ لے آئے کوئی ایک مٹھی غلہ لایا کوئی ایک روٹی کا ٹکڑا لایا سب سے بڑھ کر جو شخص لایا وہ ایک صاع کھجور تھی۔ دستر خوان کی تھوڑی سی جگہ پر یہ سب چیزیں سما گئیں آپ ﷺ نے برکت کی دعا فرمائی اور فرمایا اپنے

اپنے برتن بھرلو! سب نے برتن بھر لیے اور خوب سیر ہو کر کھایا یہاں تک کہ کھانے سے بچ گیا۔ یاد رہے کہ اس غزوہ میں ستر ہزار صحابہ ﷺ تھے اِس معجزۂ نبوی ﷺ کا اُس معجزہ عیسوی سے اعلیٰ واشرف ہونا مخفی نہیں ہے جو انجیل کے صحفِ اربعہ میں درج ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے پانچ روٹی اور دو مچھلی سے پانچ ہزار آدمیوں کو سیر کیا۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں کو بھوک لگی آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ ہے میں نے عرض کیا جی ہاں یارسول اللہ میرے توشہ دان میں تھوڑی سی کھجور ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے پاس لے آؤ میں لایا آپ ﷺ نے ایک مٹھی کھجور نکال کر برکت کی دعا کی پھر لشکر کے دس دس آدمیوں کو بلاتے اور خوب سیر کر کے کھلاتے یہاں تک کہ پورا لشکر سیر ہو گیا۔ پھر ارشاد فرمایا اپنی جو کھجوریں تم لائے تھے لے لو۔ بوقتِ ضرورت اس سے کھا لینا اور شمار نہ کرنا میں نے لے لیں اور وہ پہلے سے زیادہ تھیں میں اس وقت سے لیکر دورِ نبوی ﷺ دورِ صدیقیؓ و فاروقیؓ حتی کہ دورِ عثمانیؓ تک یہ توشہ دان میرے پاس رہا میں اس سے خود بھی کھاتا اور دوسروں کو بھی کھلاتا تھا پھر جب حضرت عثمان ﷺ شہید ہوئے میرا گھر بھی لوٹ مار اور ہنگامہ کی زد میں آ گیا اور یہ توشہ دان بھی جاتا رہا۔(۱) مذکورہ بالا واقعات کے علاوہ بھی متعدد بار تکثیرِ طعام کا معجزہ ظاہر ہوا۔ (۲)

فائدہ

رسولِ اقدس ﷺ نے تھوڑے سے پانی یا کھانے کو لیکر زیادہ کرنے کا معجزہ ظاہر

---

(۱) جس دن حضرت عثمان ﷺ شہید ہوئے اُس دن حضرت ابوہریرہ ﷺ یہ شعر پڑھ رہے تھے ”للناس همٌّ ولی الیومَ همّانِ ...... فقدُ المزاد وقتلُ الشیخ عثمانٖ “یعنی آج لوگوں کو تو ایک غم ہے اور مجھے دو غم ہیں ایک مشکیزے کی گمشدگی دوسرا عثمانؓ کی شہادت۔

(۲) ان تمام کی تفصیل سیرۃ النبی، مؤلفہ علامہ شبلی نعمانیؒ وسید سلیمان ندویؒ، ج ۳، ص ۳۸۵ پر موجود ہے۔

فرمایا۔ سوال یہ ہے کہ اس طرح کیوں نہیں کیا کہ بالکل پانی یا کھانا نہ ہو اور آپ ﷺ ابتداً ان چیزوں کو بطورِ معجزہ پیدا کر دیتے۔ حکمت اسکی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پیشِ نظر بارگاہِ احدیت جل مجدہ کا غایت درجہ ادب تھا کیونکہ ایک بے اصل، بے مادہ اور معدوم چیز کو وجود دینا خاصہ خداوندی ہے۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کیلئے اس طرح کیا تا کہ تھوڑی سی چیز کے ذریعے ظاہراً احتیاج بھی رہے اور لوگ جان لیں کہ دراصل معجزہ اور دعاءِ نبوت کے نتیجے میں برکت آگئی جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی تکثیرِ طعام کا معجزہ ظاہر کرتے وقت اسی پسندیدہ طرز کو اختیار فرمایا چنانچہ متی باب ۱۴ آیت ۱۵ میں ہے۔

''اور جب شام ہوئی تو شاگرد اسکے پاس آ کر کہنے لگے کہ جگہ ویران ہے اور اب وقت گذر گیا ہے لوگوں کو رخصت کر دے تا کہ گاؤں میں جا کر اپنے لیے کھانا مول لیں۔ یسوع نے ان سے کہا انکا جانا ضرور نہیں تم ہی انکو کھانے کو دو انہوں نے اس سے کہا کہ یہاں ہمارے پاس پانچ روٹیوں اور دو مچھلیوں کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس نے کہا وہ یہاں میرے پاس لے آؤ اور اس نے لوگوں کو گھاس پر بیٹھنے کا حکم دیا پھر اس نے وہ پانچ روٹیاں اور دو مچھلیاں لیں اور آسمان کی طرف دیکھ کر برکت دی اور روٹیاں توڑ کر شاگردوں کو دیں اور شاگردوں نے لوگوں کو'' انتہی بعبارت متی۔ یہی مضمون مرقس باب ۶ اور لوقا باب ۹ میں بھی مذکور ہے۔

ہشتم: جانوروں کا گواہی دینا

ابوسفیان اور صفوان بن امیہ سے مروی ہے کہ ایک دن ایک بھیڑیا ہرن کا پیچھا کر رہا تھا حتی کہ ہرن دوڑتی حرم میں داخل ہو گئی تو بھیڑیا واپس پلٹ گیا وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں اس پر بہت تعجب ہوا۔ بھیڑیے نے کہا اس سے زیادہ قابل تعجب یہ ہے ''محمد بن

عبداللہ فی المدینہ یدعو کم الی الجنہ وتدعونہ الی النار" چنانچہ ابوسفیان نے صفوان بن امیہ سے کہا لات وعزیٰ کی قسم! اگر تم نے اہل مکہ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو مکہ کی عورتیں بے شوہر رہ جائیں گی۔ اسی طرح گوہ کا آپ ﷺ سے کلام کرنا اور سید الابرار ﷺ کی نبوت کی گواہی دینا ایک مشہور حدیث ہے جسکو امام بیہقیؒ نے احادیث کثیرہ کے حوالہ سے روایت کیا ہے قاضی عیاضؒ نے شفا میں اس واقعہ کو بروایتِ عمرؓ بیان کیا ہے۔(۱)

نہم: درخت کا آپ ﷺ کے فراق میں رونا

بخاری و مسلم اور دیگر علماء حدیث نے اِس واقعہ کو متعدد اسانید کیساتھ نقل کیا ہے یہاں تک کہ اسکا ثبوت قطعیت اور تواتر معنوی تک پہنچ چکا ہے کہ نبی ﷺ منبر تیار ہونے سے پہلے مسجد نبوی میں ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرمانے کیلئے کھڑے ہوتے تھے۔ جب منبر تیار ہوا تو اسے چھوڑ دیا تو وہ ستون حرکت میں آیا اور اس سے اونٹنی کے بلبلانے کی طرح آواز آنے لگی مسجد اسکی آواز سے لرز اٹھی۔ نبی ﷺ اسکے قریب آئے اپنا ہاتھ مبارک اس پر پھیرا اور اسکو سینے سے لگایا تو وہ چپ ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ خدا کا ذکر کم ہونے کی وجہ سے یہ رویا اگر میں اسکو سینے سے نہ لگاتا تو روزِ جزا تک اسی طرح روتا رہتا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو تمہیں پہلے کی طرح اسی باغ میں لگا دوں اور تیری ٹہنیاں و پتے نکل آئیں اور اگر چاہو تو بہشت میں لگا دوں۔ اس نے اس طرح آواز سے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے قریب کے حاضرین نے خود سنا کہ مجھے جنت میں لگا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اِسی طرح ہوا۔ یہ معجزہ بھی انتہائی عجیب معجزہ ہے۔ نیز آپ ﷺ ایک مرتبہ کسی سفر میں تھے اندھیری رات تھی اور آپ ﷺ کی اونٹنی غلبہ نیند کی حالت میں درخت کے قریب پہنچ

(۱) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "الخصائص الکبریٰ، مؤلفہ امام جلال الدین سیوطیؒ"

گئی وہ درخت دو ٹکڑے ہوگیا یہاں تک کہ آپ ﷺ درمیان سے سلامتی کیساتھ گذر گئے وہ درخت اسی طرح ہوگیا اور سدرۃ المنتہیٰ کے نام سے مشہور ہوا۔(۱)

دہم: بتوں کا اشارے سے گرنا

فتح مکہ کے موقعہ پر کعبہ معظمہ زادھا اللہ شرفاوکرامۃ کے اردگرد تین سو ساٹھ بت تھے جو قلعی کرکے مضبوط کیے گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ داخل ہوئے اپنے ہاتھ مبارک میں لی ہوئی چھڑی سے اسکی طرف اشارہ ہی کرتے تو وہ زمین بوس ہو جاتا اور ساتھ ساتھ کہتے جاتے جاء الحق وزھق الباطل ''دین اسلام آگیا اور کفر نابود ہوا'' پس ہر بت کی طرف اشارہ ہوتے ہی اسکا گر پڑنا معجزہ سے کم نہیں۔(۲)

یازدہم: مُردوں کا زندہ کرنا

آنحضرت ﷺ حضرت جابر ؓ کے گھر مہمان تھے انہوں نے آپ ﷺ کیلئے ایک بکرا ذبح کیا۔ حضرت جابر ؓ کے دو چھوٹے بچے تھے بڑے نے بکرا ذبح ہوتے دیکھا تو خوردسالی اور ناسمجھی کی وجہ سے اپنے چھوٹے بھائی کو اسی طرح ذبح کر ڈالا۔ جب والدہ کو معلوم ہوا تو اسکے پیچھے بھاگیں وہ چھت پر چڑھ گیا اور ڈر میں خود کو اوپر سے گرا دیا اور مر گیا۔ پھر یہ دونوں آنحضرت ﷺ کی دعا سے زندہ ہوئے۔ اسی طرح حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ مہاجرین ایک نابینا خاتون تھیں انکا ایک بیٹا تھا جو قضاء الٰہی سے فوت ہوگیا حضرت انس ؓ کہتے ہیں کہ ہم نے اس پر کپڑا ڈالا اور اسکی والدہ کو تسلی دی۔ والدہ نے اطلاع پاکر

---

(۱) جانوروں، درختوں اور پتھروں کے متعلق آپ ﷺ کے معجزات کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ''ترجمان السنۃ، مؤلفہ مولانا بدر عالم میرٹھی رفیق ندوۃ المصنفین دہلی، ج ۴، ص ۲۳۴، مطبوعہ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور''

(۲) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب فتح مکہ۔ یہ واقعہ متعدد کتب حدیث وسیرت میں موجود ہے۔

بارگاہِ الٰہی میں فریاد کی اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے تیری اور تیرے رسول کی رضا کیلئے اس امید سے ہجرت کی تھی کہ تو ہمارا کارساز و مددگار رہے اور ہر شدت و مصیبت میں ہماری فریادرسی کریگا۔ خدایا! مجھ پر اس مصیبت کا بار نہ ڈالیئے۔ اسکے بعد ہم نے اس جوان میت سے کپڑا ہٹایا تو وہ زندہ تھا اور اپنی والدہ کیساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا چونکہ یہ اس عورت کا آنحضرت ﷺ کے توسل سے دعا کرنے کی بنا پر ہوا لہٰذا حقیقت میں یہ معجزہ نبوی ﷺ ہوا۔ اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ بکرے کا گوشت تیار کرکے آپ ﷺ کی خدمت میں لائے آپ ﷺ نے حاضرین کیساتھ تناول فرمایا اور فرمایا کہ اسکی ہڈیاں مت توڑو۔ کھانے سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے ان ہڈیوں پر اپنا دستِ مبارک رکھا تو فوراً ایک لمبے کانوں والا بکرا زندہ ہوکر کھڑا ہوگیا۔

دوازدہم: مریضوں کو شفا بخشنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک عورت اپنا بچہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائی اور کہا یہ مجنون ہے اور دوپہر اور شام کے کھانے کے وقت یہ مرض اس پر زیادہ غلبہ کرلیتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اسکے سینے کو چھوا تو اس نے قے کردی یہاں تک کہ اسکے پیٹ سے کتے کے چھوٹے بچے کی مانند کوئی چیز باہر آئی اور وہ تندرست ہوگیا۔ اسی طرح ایک عورت اپنے گونگے بچہ کو لیکر خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یہ بولتا نہیں ہے آپ ﷺ نے پانی منگایا، ہاتھ دھویا اور کلی کی اور فرمایا کہ یہ پانی اس کو پلادو پانی پیتے ہی وہ بچہ اچھا ہوگیا اور بولنے لگا۔ اسی طرح جنگ احد کے موقعہ پر حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ زخمی ہوکر باہر آپڑی آنحضرت ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک میں لی اور گوشہ چشم میں اپنی جگہ پر اسکو رکھ دیا اور فرمایا یا اللہ! انکی آنکھ کو زینت بخش۔ آنکھ اپنی جگہ پر قرار پائی گئی اور بہترین آنکھ

ثابت ہوئی اور کبھی درد نہ ہوا۔ اسی طرح حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کے پاس آپ ﷺ کا جبہ تھا اسے دھو کر بیمار کو پلایا جاتا تو وہ صحت مند ہو جاتا نیز آپ ﷺ کا ایک پیالہ تھا کہ لوگ اس میں پانی ڈال کر پیتے اور شفا پاتے۔

سیزدہم: لکڑی کا تلوار بن جانا

غزوۂ بدر کے موقعہ پر حضرت عکاشہ ﷺ کی تلوار ٹوٹ گئی آپ نے درخت کی ایک شاخ انکے ہاتھ میں تھما دی وہ فوراً تلوار بن گئی حضرت عکاشہ ﷺ اس معرکہ میں اور دیگر معرکوں میں اپنی پوری زندگی اس تلوار کے ذریعے جہاد کرتے رہے اس تلوار کا نام ''عون'' تھا۔ اسی طرح احد کے دن آپ ﷺ نے عبداللہ بن جحش ﷺ کو کھجور کی ایک شاخ دی تو وہ تلوار بن گئی۔ (۱)

اعتراضِ ششم

نبوت کی علامت پیشگوئی کرنا ہے اور محمد ﷺ میں مفقود ہے۔ چنانچہ سورۃ اعراف میں خود کہتا ہے:۔

لو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر ومامسنی السوء

ان انا الانذیر وبشیر لقوم یؤمنون" (اعراف آیت ۱۸۸)

یعنی اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا

---

(۱) یہ چند معجزات جو مصنفؒ نے ذکر کیے ہیں بطور نمونہ ہیں ورنہ آپ ﷺ کے معجزات بے شمار ہیں علماء اسلام نے اُنکو علیحدہ سے جمع کرنے کی کوشش فرمائی ہے اور بڑی ضخیم کتابیں لکھیں ہیں۔ اس سلسلے میں امام ابو نعیم کی دلائل النبوۃ، علامہ سیوطی کی الخصائص الکبریٰ، مولانا بدر عالم کی ترجمان السنۃ، مولانا سید سلیمان ندوی کی سیرۃ النبی وغیرہ خاص طور پر لائق ذکر ہیں۔ جمع الفوائد اور الشفا فی حقوق المصطفیٰ بھی قابلِ استفادہ ہے۔

اور مجھ کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی میں تو مؤمنوں کو ڈر اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔

باقی جن آیاتِ قرآنی کو مسلمانوں کے مفسرین ومحدثین محمد ﷺ کی پیشینگوئیاں قرار دیتے ہیں انکی حقیقت یہی کچھ ہے کہ ہر زمانے میں ایسے ذہین وعقلمند لوگ ہوتے ہیں جو ظن وتخمین سے آئندہ حالات کی خبر دیتے ہیں اور اکثر باتیں اسی طرح ہو جاتی ہیں مگر نہ انکو اپنی پیشینگوئی کہا جاسکتا ہے اور نہ علامت نبوت قرار دیا جاسکتا ہے محمد ﷺ کی پیشگوئیاں بھی اسی نوعیت کی ہیں۔

جواب

آیتِ قرآنی کا مطلب

آیتِ مذکورہ میں علمِ غیب ذاتی کی نفی ہے جیسا کہ دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ عنقریب اسی جواب کے ذیل میں معلوم ہو جائے گا۔آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر میں ذاتی طور پر بغیر وحی الٰہی کے غیب جانتا ہوتا تو.......الخ یہ بات بالکل درست ہے کیونکہ ذاتی طور جمیع ما کان وما یکون کا علم خاصہ خداوندی ہے اور بالکل شرطِ نبوت نہیں ہے لہٰذا اس آیتِ مبارکہ سے مطلقاً پیشینگوئی کی نفی کرنا خطا ہے اور اگر ”علمِ غیب ذاتی کلی“ کو نبوت کی شرط قرار دیا جائے اور اسکی نفی سے مطلقاً پیشینگوئی کرنے کی قدرت سے نفی کردی جائے تو پھر تو بہت سے ان انبیاء کی نبوت بھی ثابت نہ ہوسکے گی جنکا نبی کا ہونا خود مسیحیوں کے نزدیک واجب التسلیم ہے۔بائبل کے ناظرین پر یہ حقیقت پوری طرح عیاں ہے مگر یہاں ہم انبیاء کرام علیہم السلام کے چند احوال واقوال سپردِ قلم کرتے ہیں۔

علمِ غیب اور انبیاء کرام علیہم السلام

حضرت آدم علیہ السلام اور علمِ غیب

(۱) شیطان نے حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو دھوکہ دیکر شجرۂ ممنوعہ کا پھل کھلایا جسکی وجہ سے وہ بارگاہِ الٰہی میں معتوب ہوئے اور یہ امران دونوں کا جنت سے نکلنے کا سبب بنا مگر حضرت آدم علیہ السلام کو علم نہ ہوسکا کہ یہ لعین ہمیں دھوکہ دے رہا ہے اور ایسا کرنے سے ہم جنت سے نکال دے جائیں گے

حضرت نوح علیہ السلام اور علمِ غیب

(۲) حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کا ذکر ہے کہ جب کشتی ''اراراط'' کے پہاڑ پر ٹک گئی تو انہوں نے چاہا کہ معلوم کریں کہ آیا زمین سے طوفان کا پانی خشک ہوا ہے یا نہیں اس بابت میں پیدائش باب ۸ آیت ۷ میں اس طرح ذکر ہے۔

''اور اس نے ایک کوے کو اڑا دیا سو وہ نکلا اور جب تک کہ زمین پر سے پانی سوکھ نہ گیا ادھر اُدھر پھرتا رہا۔ پھر اس نے ایک کبوتری اپنے پاس سے اڑا دی تا کہ دیکھے کہ زمین پر پانی گھٹا یا نہیں۔ پر کبوتری نے پنجہ ٹیکنے کی جگہ نہ پائی اور اسکے پاس کشتی کو لوٹ آئی کیونکہ تمام روئے زمین پر پانی تھا۔ تب اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے لے لیا اور اپنے پاس کشتی میں رکھا اور سات دن ٹھہر کر اس نے اس کبوتری کو پھر کشتی سے اڑا دیا۔ اور وہ کبوتری شام کے وقت اسکے پاس لوٹ آئی اور دیکھا تو زیتون کی ایک تازہ پتی اسکی چونچ میں تھی تب نوح نے معلوم کیا کہ پانی زمین پر سے کم ہوگیا تب وہ سات دن اور ٹھہرا۔ اسکے بعد پھر اس کبوتری کو اڑایا پر وہ اسکے پاس پھر کبھی نہ لوٹی'' (پیدائش باب ۸ آیت ۷ تا ۱۲)

اِن آیات سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو یہ معلوم نہ تھا کہ زمین خشک ہے یا نہیں۔ اس وجہ سے انہوں نے ایک مرتبہ کوے اور ایک مرتبہ کبوتری کو اڑایا تا کہ معلوم ہو سکے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور علمِ غیب

(۳) مقدمہ کتاب میں فائدہ اول کے تحت معلوم ہو چکا ہے کہ پیدائش باب ۱۱ آیت ۵ میں اس ذات کا عالم الغیب نہ ہونا ثابت ہوتا ہے جسکو توریت کے فارسی ترجمہ میں ''خداوند'' سے تعبیر کیا گیا ہے، ہندی ترجمہ میں ''یہواہ'' سے تعبیر کیا گیا اور پادری فنڈر کی تصریح کے مطابق اس ذات سے مراد ''مسیح'' ہے جو اس وقت ایک دوسرے قالب میں جلوہ گر ہوئے تھے۔ نیز پیدائش باب ۱۸ میں ہے۔

''پھر خداوند نے فرمایا چونکہ سدوم اور عمورہ کا شور بڑھ گیا اور انکا جرم نہایت سنگین ہو گیا ہے اس لیے میں اب جا کر دیکھونگا کہ کیا انہوں نے سراسر ویسا ہی کیا ہے جیسا شور میرے کان تک پہنچا ہے اور اگر نہیں کیا تو میں معلوم کرلونگا۔ سو وہ مرد وہاں سے مڑے اور سدوم کی طرف چلے پر ابراہام خداوند کے حضور کھڑا ہی رہا۔ تب ابراہام نے نزدیک جا کر کہا کیا تو نیک کو بد کیساتھ ہلاک کریگا؟ ....ایسا کرنا تجھ سے بعید ہے کہ نیک کو بد کیساتھ مار ڈالے اور نیک بد کے برابر ہو جائیں۔ یہ تجھ سے بعید ہے۔ کیا تمام دنیا کا انصاف کرنے والا انصاف نہ کریگا؟ اور خداوند نے فرمایا کہ اگر مجھے سدوم میں شہر کے اندر پچاس راستباز ملیں تو میں انکی خاطر اُس مقام کو چھوڑ دونگا۔ تب ابراہام نے جواب دیا اور کہا کہ دیکھئے! میں نے خداوند سے بات کرنے کی جرأت کی اگرچہ میں خاک اور راکھ ہوں۔ شاید پچاس راستبازوں میں پانچ کم ہوں۔ کیا اُن پانچ کی کمی کے سبب سے تو تمام شہر کو نیست کریگا؟ اس

نے کہا اگر مجھے وہاں پینتالیس ملیں تو میں اسے نیست نہیں کرونگا۔ پھر اس نے اس سے کہا کہ شاید وہاں چالیس ملیں۔ تب اس نے کہا کہ میں اُن چالیس کی خاطر بھی یہ نہیں کرونگا۔ پھر اس نے کہا خداوند ناراض نہ ہو تو میں کچھ اور عرض کروں۔ شاید وہاں تیس ملیں اس نے کہا اگر مجھے وہاں تیس بھی ملیں تو بھی ایسا نہیں کرونگا۔ پھر اس نے کہا دیکھئے! میں نے خداوند سے بات کرنے کی جرأت کی شاید وہاں بیس ملیں۔ اس نے کہا میں بیس کی خاطر بھی اسے نیست نہیں کرونگا۔ تب اس نے کہا خداوند ناراض نہ ہو تو میں ایک بار اور کچھ عرض کروں۔ شاید وہاں دس ملیں۔ اس نے کہا میں دس کی خاطر بھی اسے نیست و نابود نہیں کرونگا''

(پیدائش باب ۱۸ آیت ۲۰ تا ۳۲)

اِن آیات میں مذکورہ ذاتِ گرامی کے متعلق صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ عالم الغیب نہیں ہے۔ اسی طرح حضرات ابراہیم علیہ السلام کا عالم الغیب نہ ہونا محتاج وضاحت نہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام اور علمِ غیب

(۴) پیدائش باب ۱۹ میں ذکر ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کو انکی دو بیٹیوں نے دو راتیں شراب کے نشہ میں مخمور کر کے ہم بستری کی اور حاملہ ہوئیں اور حضرت لوط علیہ السلام کو خبر تک نہ ہوئی۔ (نعوذ باللہ العظیم)

حضرت اسحاق علیہ السلام اور علمِ غیب

۵) پیدائش باب ۲۷ میں ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں تو ضعیف ہو گیا اور مجھے اپنی موت کا دن معلوم نہیں۔ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے انکو دھوکہ دیا تو بھی انہیں معلوم نہ ہوا حالانکہ کھانا جلدی لانے کی وجہ سے اور یعقوب علیہ السلام کی آواز عیسو کی مانند نہ ہونے کی وجہ سے حضرت اسحاق علیہ السلام کو کچھ شک سا ہو گیا تھا اور یعقوب علیہ السلام کے

اعضاء کو ٹٹول کر دیکھ لینے، خوب غور کر لینے کے باوجود وہ نہ جان سکے کہ یہ عیسو نہیں بلکہ یعقوب ہے اور وہ دعا جو عیسو کو دینا چاہتے تھے وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے حق میں کر دی۔ جب حقیقتِ حال معلوم ہوئی تو بڑی شدت سے انکا جسمِ مبارک کانپنے لگا۔ لطف یہ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ فریب بارگاہِ الٰہی میں بھی چل گیا کہ وہ دعا جسکو حضرت اسحاق علیہ السلام عیسو کے حق میں منظور و مقبول کرانا چاہتے تھے وہ یعقوب علیہ السلام کے حق میں منظور ہو گئی اور اللہ تعالیٰ بھی حضرت اسحاق علیہ السلام کی طرح یعقوب و عیسو میں امتیاز نہ کر سکے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اور علمِ غیب

(۶) پیدائش باب ۲۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے راحیل کے عشق میں مبتلا ہو کر چودہ سال مشقت اٹھائی۔ لیکن راحیل کے باپ نے دھوکہ دیکر بجائے راحیل کے اپنی بڑی بیٹی لیاہ انکے نکاح میں دے دی اور یہ بزرگ نکاح کے وقت بلکہ شبِ زفاف میں پوری طرح ہم بستر و ہم آغوش ہونے کے باوجود معلوم نہ کر سکے یہ راحیل نہیں بلکہ لیاہ ہے اور صبح جب شکل دیکھ کر پہچانا تو اپنے سسر لابان سے جھگڑا کیا۔ یہ تو نکاح کے بعد کا حال ہے تو نکاح سے پہلے کے دور کا تو ذکر ہی کیا کہ وہ جان سکیں کہ لابان دھوکہ دے گا۔ یاد رہے کہ مذکور بالا تمام حوالے یعنی پیدائش باب ۱۱، ۱۹، ۲۷، ۲۹ مقدمہ کتاب میں فائدہ اول کے تحت گذر چکے ہیں۔

(۷) جب کنعان کو روانہ ہوتے وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی زوجہ راحیل اپنے والد لابان کے گھر بت چرا کر ساتھ لے گئی تب وہ ان بتوں کی تلاش میں تعاقب کرتے ہوئے حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا اور ان پر دعویٰ کیا۔ اس واقعہ کے حوالے سے پیدائش باب ۳۱ میں ہے۔

''اب جس کے پاس تجھے تیرے بت ملیں وہ جیتا نہیں بچے گا تیرا جو کچھ میرے پاس نکلے اسے ان بھائیوں کے آگے پہچان کر لے کیونکہ یعقوب کو معلوم نہ تھا کہ راحیل ان بتوں کو چرا لائی ہے۔ چنانچہ لابن یعقوب اور لیاہ اور دونوں لونڈیوں کے خیموں میں گیا پر انکو وہاں نہ پایا تب وہ لیاہ کے خیمہ سے نکل کر راحیل کے خیمہ میں داخل ہوا۔ اور راحیل ان بتوں کو لیکر اور انکو اونٹ کے کجاوہ میں رکھ کر ان پر بیٹھ گئی تھی اور لابن نے سارے خیمہ میں ٹٹول ٹٹول کر دیکھ لیا پر انکو نہ پایا۔ تب وہ اپنے باپ سے کہنے لگی کہ اے میرے بزرگ! تو اس بات سے ناراض نہ ہونا کہ میں تیرے آگے اٹھ نہیں سکتی کیونکہ میں ایسے حال میں ہوں جو عورتوں کا ہوا کرتا ہے۔ سو اس نے ڈھونڈا پر وہ بت اسکو نہ ملے۔ تب یعقوب نے غضبناک ہو کر لابن کو ملامت کی اور یعقوب لابن سے کہنے لگا کہ میرا کیا جرم اور کیا قصور ہے کہ تو نے ایسی تندی سے میرا تعاقب کیا؟ تو نے جو میرا سارا اسباب ٹٹول ٹٹول کر دیکھ لیا تو تجھے تیرے گھر کے اسباب میں سے کیا چیز ملی؟ اگر کچھ ہے تو اسے میرے اور اپنے ان بھائیوں کے آگے رکھ کہ وہ ہم دونوں کے درمیان انصاف کریں''

(پیدائش باب ۳۱ آیت ۳۲ تا ۳۷)

تجزیہ مصنفؒ

غور فرمائیے! حضرت یعقوب علیہ السلام کو راحیل کی چوری کا علم نہ ہوا حتی کہ ناحق لابان سے جھگڑنے لگے اور ام الانبیاء راحیل کی حسنِ نیت، صدقِ گفتار کا بھی اندازہ فرمالیجئے کہ دنیا کی گھاس پھوس کوڑا کرکٹ کی خاطر کیا کچھ کیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی عادت یہ تھی کہ اپنے عزیز و اقارب کے جرائم پر انکو کوئی تہدید کے ساتھ منع نہ کرتے تھے اور پوری سزا نہ دیتے تھے چنانچہ جس وقت انکے بیٹوں نے سکم کے جرم کی بنا پر اس شہر کے ہزاروں بے گناہ

انسانوں کو قتل کر دیا جنکا والی سکم کا باپ تھا۔ تمام اہلِ شہر کے بے گناہ بچوں اور عورتوں کو قیدی بنالیا مگر انہوں نے اس پر کوئی مواخذہ نہ فرمایا۔ اسی طرح جب آنجناب علیہ السلام کے بڑے لڑکے نے انکی زوجہ بلہاہ سے زنا کیا اور دوسرے سعادت مند بیٹے یہوداہ نے اپنی بہو سے منہ کالا کیا وہ حاملہ ہوگئی اور فارص پیدا جو حضرت داؤد سلیمان و عیسیٰ علیہم السلام کا جدّ بزرگوار ہے مگر حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان میں سے کسی کو کوئی سزا نہ دی بلکہ بعض مواقع پر صرف ظاہری طور زبانی اظہارِ غضب کیا۔ یہ تمام احوال پیدائش باب ۳۴' ۳۵' ۳۸ میں مفصل مذکور ہیں اور ابواب مذکورہ کے حوالے مقدمہ کتاب میں فائدہ اول کے تحت گذر چکے ہیں۔ لہٰذا اہلِ کتاب کے ذوق کے مطابق کیا تعجب ہے کہ آنجناب علیہ السلام راحیل کی چوری سے واقف ہوں، انہیں کے اشارے پر اس نے چوری کی ہو۔ چونکہ وہ آپ کی محبوبہ تھی اور آپ اس پر دل گرفتہ تھے اس لئے انکو زبانی ملامت کرنا بھی گوارا نہیں کیا بلکہ الٹا انکے والد سے جھگڑا شروع کر دیا اور اس بات کی تائید ایک اور واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب یعقوب علیہ السلام نے بیتِ ایل کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو اس بارے میں پیدائش باب ۳۵ آیت ۱ میں اس طرح ہے مذکور ہے ''اور خدا نے یعقوب سے کہا کہ اٹھ بیت ایل کو جا اور وہیں رہ اور وہاں خدا کیلئے جو تجھے اس وقت دکھائی دیا جب تو اپنے بھائی عیسو کے پاس سے بھاگا جا رہا تھا ایک مذبح بنا۔ تب یعقوب نے اپنے گھرانے اور اپنے سب ساتھیوں سے کہا کہ بیگانہ دیوتاؤں کو جو تمہارے درمیان ہیں دور کرو اور طہارت کر کے اپنے کپڑے بدل ڈالو ....تب انہوں نے سب بیگانہ دیوتاؤں کو جو انکے پاس تھے اور مندروں کو جو انکے کانوں میں تھے یعقوب کو دے دیا اور یعقوب نے انکو اس بلوط کے درخت کے نیچے جو سکم کے نزدیک تھا دبا دیا'' ان آیات میں صراحت ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے گھر والوں اور انکے ہمراہی ساتھیوں کے پاس بت ہوتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ انکی پوجا کرتے ہونگے

تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں بتوں کی عبادت سے منع کیوں نہ کیا اور بت توڑ کیوں نہیں ڈالے؟ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بتوں سے بڑھ کر اور کونسی چیز نجس ہوگی۔ لامحالہ یہاں انہوں نے راحیل سے بھی وہ بت لئے ہونگے جو وہ اپنے والد کے گھر سے چرا کر لائی تھی۔

حضرت داوٗد علیہ السلام اور علمِ غیب

(۸) زبور ۳۵ آیت ۱۱ میں ہے ”ظالم گواہ میرے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے وہ مجھ سے ایسی باتیں پوچھتے ہیں جو میں نہیں جانتا“ زبور ۳۹ آیت ۴ میں ہے ”اے خداوند! ایسا کر کہ میں اپنے انجام سے واقف ہو جاؤں اور اس سے بھی کہ میری عمر کی میعاد کیا ہے“ زبور ۷۴ آیت ۹ ”ہمارے نشان نظر نہیں آتے اور کوئی نبی نہیں رہا اور ہم میں کوئی نہیں جانتا کہ یہ حال کب تک رہے گا“

ملاحظہ فرمایئے! ان آیات میں حضرت داوٗد علیہ السلام کس وضاحت کیساتھ اپنے عالم الغیب ہونے کی نفی فرمارہے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور علمِ غیب

(۹) لوقا باب ۸ آیت ۴۳ میں ہے ”اور ایک عورت نے جس کے بارہ برس سے خون جاری تھا اور اپنا سارا مال حکیموں پر خرچ کر چکی تھی اور کسی کے ہاتھ سے اچھی نہ ہو سکی تھی۔ اسکے پیچھے آکر اسکی پوشاک کا کنارہ چھوا اور اسی دم اسکا خون بہنا بند ہوگیا۔ اس پر یسوع نے کہا وہ کون ہے جس نے مجھے چھوا؟ جب سب انکار کرنے لگے تو پطرس اور اسکے ساتھیوں نے کہا کہ اے صاحب لوگ تجھے دباتے اور تجھ پر گرے پڑتے ہیں۔ مگر یسوع نے کہا کہ کسی نے مجھے چھوا تو ہے کیونکہ میں نے معلوم کیا کہ قوت مجھ سے نکلی ہے۔ جب اس

عورت نے دیکھا کہ میں چھپ نہیں سکتی تو کانپتی ہوئی آئی اور اسکے آگے گر کر سب لوگوں کے سامنے بیان کیا کہ میں نے کس سبب سے تجھے چھوا اور کس طرح اسی دم شفا پا گئی'' یہی واقعہ مرقس باب ۵ آیت ۲۵ میں بھی مذکور ہے۔

دیکھئے! آنجناب علیہ السلام کو اتنا معلوم تھا کہ مجھ سے ایک قوت نکلی ہے لیکن اسکے باجود یہ نہ پہچان سکے کہ مجھے کس نے چھوا ہے۔ اِسی طرح حواریوں نے خصوصاً پطرس جو آنجناب علیہ السلام کے عظیم اور قابل ترین شاگرد ہیں اُن میں سے کسی نے بھی نہ پہچانا حالانکہ مسیحی حضرات اِن تمام حواریوں کی نبوت کے قائل ہیں بلکہ اِن لوگوں نے یہ کہا کہ لوگ ازدحام اور بھیڑ کر کے زحمت دیتے ہیں حتیٰ کہ بعد میں اس عورت نے پوری حقیقتِ حال ظاہر کی۔

(۱۰) مرقس باب ۱۱ آیت ۱۲' متی باب ۲۱ آیت ۱۹ میں ہے ''دوسرے دن جب وہ بیت عنیاہ سے نکلے تو اسے بھوک لگی اور وہ دور سے انجیر کا ایک درخت جس میں پتے تھے دیکھ کر گیا کہ شاید اس میں کچھ پائے مگر جب اسکے پاس پہنچا تو پتوں کے سوا کچھ نہ پایا کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا۔ اس نے اس سے کہا آئندہ کوئی تجھ سے کبھی پھل نہ کھائے''(۱)

---

(۱) غور فرمایئے! یہاں کئی چیزیں قابلِ توجہ ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام ایسے خدا تھے کہ انہیں بھوک لگتی تھی اور وہ بھوک سے بے تاب ہو کر درخت کا بے موسم پھل ڈھونڈتے تھے۔ اسی طرح انکو پیاس بھی لگتی تھی (یوحنا ۱۹:۲۸) جو کھانے پینے کا محتاج ہوتا ہے وہ بے شمار چیزوں کا محتاج ہوتا ہے۔ جس ہستی کیساتھ طرح طرح کی کمزوریاں اور ضرورتیں لگی ہوں وہ خداءِ بے نیاز کیسے ہو سکتا ہے؟ سر سے لیکر پاؤں تک ہر اعتبار سے انسان شخصیت کو خدا کہنا عجیب و غریب حماقت' جہالت ہے اور عقلِ انسانی کی توہین ہے۔ صرف ذہنی بیمار ہی یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ''یسوع خدا اور انسان دونوں تھا اور ہے وہ تمام الٰہی صفات' بشری خصائص رکھتا تھا۔ اسکی الوہیت جسمانی بدن میں چھپی ہوئی تھی۔ کبھی ایسا لمحہ نہیں آیا کہ وہ کامل خدا نہ ہو'' قرآن مجید کس خوبی کیساتھ حقیقت سے پردہ اٹھاتا ہے مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انظُرْ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ (القرآن ۵:۷۵) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

ظاہر ہے کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام علمِ غیب رکھتے تو یہ بھی قطعی طور پر جان لیتے کہ اس درخت پر پتوں کے سوا کچھ نہیں پھر وہ اس خیال سے وہاں نہ جاتے کہ شاید اس پر کوئی انجیر ہو۔ اور لطف یہ کہ انجیر کا موسم بھی نہ تھا کہ یہ کہا جائے کہ تردد اور شک ہو گیا تھا۔ بلکہ انجیر کے موسم سے بے خبر ہونا ایک اور مستقل دلیل ہے کہ وہ علم غیب نہ رکھتے تھے پھر جس طرح

(بقیہ حاشیہ) ''مسیح ابن مریم تو صرف (خدا کے) پیغمبر تھے۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں اور انکی ماں ایک ولیہ (پاکدامن، راستباز، سچی نیک بندی) تھیں وہ دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے دیکھو ہم کس طرح صاف صاف دلائل انکے سامنے بیان کر رہے ہیں اور انکو دیکھو کہ یہ کدھر الٹے چلے جا رہے ہیں۔'' دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام ایسے خدا تھے جو ایک اہم ترین خدائی صفت ''علمِ کامل محیط'' نہ رکھتے تھے۔ سچے خدا کی شان یہ ہے کہ وہ ہر پوشیدہ و ظاہر بات بلکہ دلوں کے بھید اور آنکھوں کی خیانت سے بھی باخبر ہے۔ غیب کی ہر چیز اسکے ہاں حضور و شہود کے درجے میں ہے۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دیگر نبیوں اور رسولوں کی طرح قیامت کی گھڑی کے متعلق اپنی ناواقفیت ظاہر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں ''لیکن اس دن یا اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر باپ'' (مرقس باب ۱۳ آیت ۳۲) اس سے معلوم ہوا کہ اُنکا علم محدود تھا بلکہ وہ تو انجیر کے موسم تک سے بے خبر ہیں اور بلاوجہ درخت جیسی بے شعور چیز پر غصہ اتارتے ہیں، بددعا دیتے ہوئے لعنت کرتے ہیں۔ اس واقعہ کی تفسیر کرتے ہوئے فاضل مفسر کی پریشانی اور بے بسی کا اندازہ لگایئے فرماتے ہیں ''یہاں ایک بہت بڑی مشکل پیش آتی ہے کہ خداوند نے اس درخت پر پھل نہ ملنے کیوجہ سے لعنت کی جبکہ واضح طور پر یہ بھی بیان ہوا ہے کہ ''کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا'' اس طرح نجات دہندہ غیر معقول حرکت کا مرتکب اور بد مزاج نظر آتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ بات غلط ہے۔ لیکن ہم ان عجیب و غریب واقعات یا حالات کی کیا توجیہ پیش کر سکتے ہیں؟ .... یہ واحد معجزہ ہے کہ جس میں مسیح نے برکت دینے کی بجائے لعنت کی اور زندگی کو بحال کرنے کی بجائے ہلاک کر دیا۔ یہ بات ایک بڑا مسئلہ بن گئی ہے۔ لیکن اس قسم کی تنقید سے مسیح کی ذات کے بارے میں بے علمی کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ خدا ہے اور کائنات پر اختیارِ کلی رکھتا ہے۔ اُس کے بعض کام ہمارے لئے نہایت پر اسرار ہیں۔ لیکن ہمیں اس یقین کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیئے کہ اُس کے سارے کام درست ہوتے ہیں'' (تفسیر ولیم میکڈونلڈ۔ جلد اوّل۔ ص ۳۵۲، ۲۰۸) جب حضرت مسیح علیہ السلام خدا ہیں اور کائنات پر کلی اختیار رکھتے ہیں تو وہ اپنی قدرت کا ظہور یوں بھی کر سکتے تھے کہ بے چارے درخت کو دعا دے دیتے وہ بطور معجزہ پھل لے آتا۔ آنجناب خود بھی بھوک مٹا لیتے دوسروں کے بھی کام آتا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر......

حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات کی تختیوں کے حوالے سے مغلوب الغضب ہو گئے تھے اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام بھی انجیر کے درخت کے متعلق انتہائی غضبناک اور بے صبر ہو گئے اور وہ درخت جس بے چارے کا بالکل کوئی قصور بھی نہ تھا اسکے حق میں بددعا فرما دی حالانکہ درخت اور پتھر وغیرہ تو صلاحیت ہی نہیں رکھتے کہ ان پر قہر و غضب کا اظہار کیا جائے بلکہ منصب نبوت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اسی وقت دعا فرماتے اور وہ درخت اسی وقت بار آور ہو کر ہمیشہ کیلئے سرسبز اور پھلدار رہتا دوسرے لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھاتے رہتے۔(۱) ہاں البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی بشری تقاضوں کے مطابق ایسے کام

(بقیہ حاشیہ)　اگر آپ خدا ہیں تو خدا کا کام تو برکتیں بانٹنا ہے اگر آپ رسول ہیں تو اسکے تو قدم قدم پر نزول رحمت ہوتا ہے لیکن یہاں وہ لعنت کرتے ہیں اور اُس درخت سے لوگوں کو ہمیشہ کیلئے محروم کر دیتے ہیں حالانکہ اس بات کا قوی امکان تھا کہ موسم آنے پر وہ درخت ضرور پھل دیتا۔ مگر قارئین کو مفسر علام کی ہدایت کے مطابق یقین کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیئے اور سب کاموں کو ''درست'' سمجھنا چاہیئے۔ تیسری بات یہ ہے کہ یہی واقعہ انجیل متی میں بھی مذکور ہے وہاں یہ بتایا گیا ہے کہ انجیر کا درخت اسی وقت بددعا ملتے ہی سوکھ گیا اور شاگردوں نے دیکھ کر اظہار تعجب کیا (متی ۲۱:۱۹) ''مرقس'' بتاتے ہیں کہ اس طرح نہیں ہوا بلکہ دوسرے روز وہاں سے گزر ہوا تو درخت سوکھا ہوا نظر آیا چنانچہ لکھا ہے ''پھر صبح کو جب وہ ادھر سے گذرے تو اس انجیر کے درخت کو جڑ تک سوکھا ہوا دیکھا۔ پطرس کو وہ بات یاد آئی اور اس سے کہنے لگا اے ربی! دیکھ یہ انجیر کا درخت جس پر تو نے لعنت کی تھی سوکھ گیا ہے'' (مرقس ۱۱:۲۰) متضاد باتوں میں صداقت ہی کیا ہوتی ہے؟ ایسا لگتا ہے کہ یہ سارا واقعہ ہی بے بنیاد اور غلط ہے۔ لہٰذا ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بدگمان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں وہ خدا کے عظیم بندے اور پیارے رسول تھے۔ انکی ذات مبارک رحمتوں کا پیکر تھی۔ خدا کی نوازشوں کا ہر دم ان پر ورود تھا۔ انکی ذاتِ گرامی کو لعنت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ وہ جہاں گئے خیر ہی خیر، رحمت ہی رحمت، برکت ہی برکت ہوتی گئی۔ سَلَامُ اللہِ عَلَیْہِ

(۱) جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا سفر ہجرت میں اُم معبدؓ کی بکری کیساتھ واقعہ پیش آیا۔ جسکی وضاحت یوں ہے کہ نبی ﷺ نے جب غار ثور سے نکل کر مدینہ منورہ کا راستہ لیا تو ام معبدؓ کے خیمہ پر گذر ہوا ایک شریف اور مہمان نواز خاتون تھی خیمہ کے دالان میں بیٹھی رہتی تھی۔ قافلۂ نبوت نے ان سے گوشت اور کھجور خریدنا چاہی مگر کچھ نہ پایا۔ رسول اللہ ﷺ کی نظر خیمہ کی ایک جانب میں ایک بکری پر پڑی دریافت کرنے پر ام معبدؓ نے کہا یہ بکری نہایت لاغر ہونے کیوجہ سے ریوڑ کیساتھ جنگل نہیں جا سکتی۔　(بقیہ اگلے صفحہ پر......

ہو جاتے ہیں لہٰذا اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام سے بھی ہوا کہ بھوک کی شدّت نے غصہ دلا دیا اور یہ امر سرزد ہو گیا۔

(۱۱) جب حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے بارہ حواریوں کو شفا بخشنے اور بدروحوں کو نکالنے کی قدرت دی ان میں سے ایک یہوداہ بھی ہے جو آنجناب علیہ السلام کو گرفتار کرانے والا ہے جیسا کہ متی باب ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے اسی طرح جب پطرس نے آنجناب علیہ السلام سے اپنی رفاقت وصحبت کے ثواب کے متعلق پوچھا(۱) اس پر آنجناب علیہ السلام فرماتے ہیں ’’کہ جب ابن آدم نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تو تم بھی جو میرے پیچھے ہو لیے ہو بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے‘‘ (متی باب ۱۹ آیت ۲۸) دوسری جگہ ذکر ہے ’’اور یروشلیم جاتے ہوئے یسوع بارہ شاگردوں کو الگ لے گیا اور راہ میں ان سے کہا دیکھو ہم یروشلیم کو جاتے ہیں اور ابن آدم سردار کاہنوں اور فقیہوں کے حوالہ کیا جائیگا اور وہ اسکے قتل کا حکم دیں گے‘‘ (متی باب ۲۰ آیت ۱۷)

غور فرمائیے! کہ آنجناب علیہ السلام نے یہوداہ کو بھی اپنا مقرب وبرگذیدہ کہا‘ اسے بیمار کو شفا بخشنے، بدروح کو نکالنے کی قدرت دی۔ اس سے وعدہ کیا کہ وہ بھی جلال کے تخت پر بیٹھ کر بنی اسرائیل کے ایک طبقہ کا انصاف کریگا اور یروشلیم کو جاتے ہوئے راستے سے الگ

(بقیہ حاشیہ) آپ ﷺ نے فرمایا اس میں کچھ دودھ ہے؟ ام معبدؓ نے کہا اس میں کہاں سے دودھ آیا آپ ﷺ نے فرمایا مجھ کو اسکا دودھ دوہنے کی اجازت ہے؟ ام معبدؓ نے کہا فداک ابی وامی آپ ضرور دیکھ لیں۔ آپ ﷺ نے بسم اللہ پڑھ کر اسکے تھن پر دست مبارک رکھا تھن دودھ سے بھر گئے اور آپ ﷺ نے دودھ دوہنا شروع کیا۔ ایک بڑا برتن جو آٹھ دس لوگوں کو سیر کردے بھر گیا۔ آپ ﷺ نے پہلے ام معبدؓ کو دودھ پلایا وہ سیر ہو گئیں تو اپنے ساتھیوں کو پلایا اور آخر میں خود پیا پھر دوبارہ دودھ دوہا یہاں تک کہ وہ برتن بھر گیا آپ ﷺ وہ برتن ام معبدؓ کو عطا کر کے روانہ ہو گئے۔ مزید تفصیل کیلئے دیکھیں ’’سیرۃ المصطفیٰ، مصنفہ مولانا ادریس کاندھلویؒ، ج ۱ ص ۳۸۷‘‘

(۱) چنانچہ لکھا ہے ’’اس پر پطرس نے جواب میں اس سے کہا دیکھ ہم تو سب کچھ چھوڑ کر تیرے پیچھے ہو لیے ہیں پس ہم کو کیا ملے گا؟‘‘

کر کے خفیہ طور پر ہم راز کیا۔ظاہر ہے کہ اگر آنجناب ﷺ کو معلوم ہوتا کہ یہ انجام کار جہنمی ہو کر مریگا، اسکا خاتمہ کفر پر ہوگا تو اسے کیوں برگذیدہ کرتے اور روز جزا کو اس کیلئے ایسا وعدہ کیوں کرتے جبکہ اس روز اسکا ٹھکانہ قطعی طور جہنم ہوگا۔اسی طرح راستے میں الگ کر کے خفیہ طور پر اس سے راز کی بات کیوں کہتے؟

(۱۲) مرقس باب ۱۳ آیت ۳۲ میں قیامت کے متعلق اس طرح ذکر ہے ''لیکن اس دن یا اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر باپ'' حضرت مسیح علیہ السلام اپنے اس قول میں صاف فرما رہے ہیں کہ اس روز کا مجھے اور فرشتوں کو کوئی علم نہیں ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام اور علمِ غیب

(۱۳) متی باب ۱۱ آیت ۲ میں ہے ''اور یوحنا نے قید خانہ میں مسیح کے کاموں کا حال سن کر اپنے شاگردوں میں سے دو کو انکے پاس بھیجا اور پوچھا کہ آنے والا تو ہی ہے یا ہم دوسرے کی راہ دیکھیں'' (۱) دیکھئے! حضرت یحییٰ علیہ السلام کو انتظار کے باوجود معلوم نہ ہوسکا کہ آیا وہی مسیح موعود ہیں۔

پولوس اور علمِ غیب

(۱۴) پولوس اپنے متعلق فرماتے ہیں ''اور اب دیکھو میں روح میں بندھا ہوا یروشلیم کو جاتا ہوں اور نہ معلوم کہ وہاں مجھ پر کیا کیا گزرے'' (اعمال باب ۲۰ آیت ۲۲) یہاں صاف انہوں نے لاعلمی کا اقرار کیا ہے۔اب جو شخص علم غیب ذاتی کو شرطِ نبوت کہتا ہے اور اس حوالے سے نبی ﷺ پر معترض ہے تو اسے چاہیئے کہ حضرت آدم، نوح، ابراہیم، لوط

(۱) یہ ترجمہ مطابق متن ہے اردو بائبل میں دو شاگردوں کی بجائے مطلق شاگردوں کا تذکرہ ہے البتہ فارسی و عربی بائبل کی عبارت بعینہ مطابق متن ہے۔

اسحاق‘ یعقوب‘ داؤد‘ موسیٰ‘ عیسیٰ یحیٰ علیہم السلام اور حواریوں اور پولوس سے بھی نبوت کی نفی کرے، مطلقاً پیشینگوئی نہ کرسکنے کی نفی کرے حالانکہ ان تمام حضرات کا نبی ہونا خود مسیحیوں کے نزدیک طے شدہ ہے۔ سبحان اللہ! تعصب بھی کیا چیز ہے انسان کو کہاں جا پھینکتا ہے اور کیسی کیسی بے ہودہ گوئی کا سبب بنتا ہے۔

اعتراضِ پنجم کے جواب میں آپ معلوم کرچکے کہ سید الابرار ﷺ سے بمطابق وحی ایسے اقوال (۱) محض اس وجہ سے صادر ہوئے کہ امتِ محمد ﷺ نبوت اور الوہیت میں امتیاز کرلے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مجھے الوہیت کیساتھ متصف کرکے گمراہ ہوجائیں جیسا کہ مسیحی قوم نے ایسا ہی کیا۔ اصلِ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو وحی اور تعلیمِ الٰہی کے ذریعے علم حاصل ہوتا ہے اور یہ بات ذاتِ نبوی ﷺ میں علی وجہ الاکمل ثابت ہے۔ لوگوں کو چاہیئے کہ اس بات کی تصدیق کیلئے تعصب سے بالاتر ہوکر قرآن کریم‘ ذخیرہ حدیث اور کتب سیر کا مطالعہ فرمائیں کہ ان میں آپ ﷺ کی سینکڑوں پیشینگوئیاں مذکور ہیں ہم یہاں تبرکاً چند ایک کا ذکر کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی پیشینگوئیاں

پہلی پیشینگوئی: قرآنِ مجید کا چیلنج

سورۂ بقرہ میں ہے:

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فأتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھدائکم من دون اللہ ان کنتم صادقین فان لم

(۱) کہ مجھ میں عذاب لانے، فوری فیصلہ کرنے یا قیامت برپا کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدّت للکافرین (بقرۃ آیت ۲۳)

"اگر تم کو اس (کتاب) میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد عربی ﷺ) پر نازل فرمائی ہے کچھ شک ہو تو اسی طرح کی ایک سورۃ تم بھی بنا لاؤ اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں انکو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو لیکن اگر (ایسا) نہ کر سکو اور ہرگز نہیں کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جسکا ایندھن آدمی اور پتھر ہونگے (اور جو) کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یأتوا بمثل ھذا القرآن لایأتون بمثلہ ولوکان بعضھم لبعض ظھیراً (بنی اسرائیل آیت ۸۸)

کہہ دو اگر انسان اور جن اس پر مجتمع ہوں کہ اس قرآن جیسا بنا لائیں تو اس جیسا نہ لاسکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔

غور فرمایئے! کس قدر شدومد کیساتھ تحدّی کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ تم آئندہ بھی ایسا ہرگز نہ کر سکو گے۔ اور اگر جن وانس جمع بھی ہو جائیں تب بھی اس سے عہدہ برانہ ہونگے چنانچہ اس زمانہ اور آئندہ کے ادوار میں بھی بے شمار اہل بلاغت تھے اور ہونگے اسکے باوجود کوئی حقیقۃً معارضہ نہ کر سکا اور نہ کر سکے گا بلکہ بعض بے عقل مغرور لوگوں نے اسکا ارادہ کیا مگر ندامت اٹھائی اور توبہ کی مثلاً یحییٰ بن حکم غزالی اور ابن المقفع وغیرہ جیسا کہ باب اول کی فصل دوم میں اعتراضِ اول کے جواب میں گذرا۔

دوسری پیشینگوئی: غزوۂ بدر میں فتحِ مبین

جب ابوسفیان دوسری مرتبہ قافلہ لیکر شام سے پلٹ رہے تھے تو آپ ﷺ نے اس قافلے کے تعاقب کا ارادہ فرمایا۔ ابوسفیان نے اہلِ مکہ سے فریاد کی جس پر ابوجہل ایک ہزار کا لشکر لیکر بدر آپہنچا۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کیساتھ مشورہ کیا کہ قافلہ چاہتے ہو یا کفار سے مقاتلہ؟ کیونکہ اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ان دو میں سے جو اختیار کروگے فتح ہوگی۔ اس پر اکابر مہاجرین وانصار نے لڑائی کو ترجیح دی جبکہ بعض نے قافلے کے تعاقب کا مشورہ دیا۔ آنحضرت ﷺ ان بعض سے متاثر ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ میں تو کفار کے مقتول ہونے کی جگہوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور پھر نشان زد کر کے دکھایا کہ یہ ابوجہل کے قتل ہونے کی جگہ ہے اور وہ امیہ بن خلف کے قتل ہونے کی جگہ ہے۔ اسی طرح قریش کے دیگر بڑے بڑے صنادید کی نام بنام جگہیں نشان زد کیں۔ جنگ کے بعد دیکھا گیا تو ہر شخص اسی جگہ قتل ہوا پڑا تھا اور ایک قدم کے برابر تفاوت یا فرق نہ تھا اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے کیے گئے اس وعدہ کو یوں ارشاد فرماتے ہیں:۔

واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھا لکم وتوذون ان غیر ذاتِ الشوکۃ تکون لکم ویرید اللہ ان یحق الحق بکلماتہ ویقطع دابر الکافرین (الانفال آیت ۷)

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب خدا تم سے وعدہ کرتا تھا کہ (ابوسفیان اور ابوجہل) دوگروہوں میں سے ایک گروہ تمہارا (مسخر) ہوجائے گا اور تم چاہتے تھے جو قافلہ بے شان وشوکت (یعنی بے ہتھیار) ہے وہ تمہارے ہاتھ آجائے اور خدا چاہتا تھا کہ اپنے فرمان سے حق کو قائم رکھے اور کافروں کی جڑ کاٹ کر پھینک دے۔

یہ پیشینگوئی وقوعِ واقعہ سے پہلے تھی اور اللہ تعالیٰ نے حسبِ وعدہ اسی طرح کر دکھایا جیسا کہ مزید اس پر کلام آئے گا۔(۱)

تیسری پیشینگوئی: استخلاف وتمکین فی الارض

ارشادِ خداوندی ہے:۔

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکننّ لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لایشرکون بی شیئا" (النور آیت ۵۵)

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ انکو ملک کا حاکم بنا دیگا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور انکے دین کو جسے اس نے انکے لئے پسند کیا ہے مستحکم وپائیدار کریگا اور خوف کے بعد انکو امن بخشے گا وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں گے۔

شانِ نزولِ آیت

ان آیات کا سببِ نزول یہ ہے کہ جب فقراء مہاجرین نے مکہ مکرمہ میں دس سال خوف کے گذارے اس کے بعد مدینہ طیبہ ہجرت کی، انصار کے گھروں میں ٹھکانہ پکڑا وہاں بھی عرب قبائل کی مخالفت کی وجہ سے ہر وقت دھمکیوں کے پیغام آتے رہتے اور ہر دن خوف وہراس کیساتھ گذرتا اکثر اوقات اسلحہ زیب تن کیے رکھتے تو کہنے لگے کہ کیا کوئی ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ ہم اپنے آپکو پر امن، مطمئن دیکھ سکیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ

(۱) اور تفصیل کیلئے دیکھیں "سیرۃ المصطفیٰ، مصنفہ مولانا ادریس کاندھلویؒ، ج۲، ص۵۵"

نازل فرمایا۔ اِس آیت میں ہر اس شخص سے جو نزول کے وقت مشرف با ایمان اور اعمالِ صالحہ پر کار بند تھا سلطنت وخلافت کا وعدہ کیا گیا اِسی طرح مذہبِ مقبول عند اللہ دین اسلام کے غلبہ کا وعدہ ہے اور خوف وہراس کے بدلہ میں مکمل امن واطمینان کا وعدہ کیا گیا ہے چونکہ آیت میں تمام ضمائر صیغہ جمع کیساتھ آئی ہیں جسکا تقاضا یہ ہے کہ نزولِ آیت کے وقت کم ازکم تین یا اس سے زائد لوگ لازمی طور ہونے چاہیئے کہ درجہ خلافت کو پائیں انکے زمانے میں دینِ محمدی ﷺ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ طریقے کے مطابق غلبہ واستحکام پالے۔ خوف وہراس بالکلیہ زائل ہوکر ہر اعتبار سے امن واطمینان حاصل ہوجائے اور فارغ البالی کیساتھ خدائے ذوالجلال کی عبادت کریں۔ الحمد اللہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں میں سے خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خلافتِ کبریٰ کے اِس منصب تک پہنچایا اور تمام وعدوں کو انکے دورِ خلافت میں وفا کیا۔

غور فرمایئے! کہ جس وقت مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ روٹی کے ایک ٹکڑے کو محتاج تھے انتہائی خوف وعسرت کیساتھ زندگی گذار رہے تھے۔ سلطنتِ روم وایران کا طوطی بول رہا تھا اور انکے کیسے کیسے لشکرِ جرار تھے۔ ایسے وقت میں ایسے لوگوں کے متعلق جو افلاس واحتیاج کے علاوہ قواعد حرب وضرب اور فن جہانگیری وجانبانی سے بھی ناواقف تھے اس طرح کی پیشینگوئی کرنا عقل وخرد کے سارے زاویے اِس کو عادۃً انتہائی مستبعد قرار دیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسا ہی ہوا اور اسی کے مطابق تیس سال کے دوران میں ہی ان مفلس اور بے ہنر لوگوں نے کفار عرب اور روم وایران کے سلاطین کو ایسی عبرتناک شکستیں دیں کہ انکی کوئی کوشش بھی کارگر نہیں ہوئی بلکہ انکے تمام علاقے اہل اسلام کے زیر قبضہ آگئے۔ آتش پرستی، تثلیث پرستی کی جگہ توحید کا ڈنکا بجنے لگا مشرق ومغرب میں اہل اسلام کو اللہ کی عبادت کیلئے ایسا پر امن مکمل اطمینان اور فارغ البالی کا زمانہ ملا کہ جسکی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔

چوتھی پیشینگوئی: غلبہ روم

سورۂ روم میں ارشاد خداوندی ہے:۔

وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین "(روم آیت ۳)
اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے چند ہی سالوں میں"
یعنی اہلِ روم عنقریب تین سے نو سالوں کے اندر اندر غالب آجائیں گے۔

شانِ نزولِ آیت

دراصل یہ آیت اس جنگ کے متعلق ہے جس میں کسریٰ مجوسی شاہِ فارس نے روم کے مسیحی بادشاہ قیصر پر فتح پالی تھی۔ اس موقعہ پر مشرکین مکہ خوشی سے بغلیں بجاتے ہوئے اہلِ اسلام سے کہنے لگے کہ ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر غالب آگئے ہیں۔ اس سے نیک شگون لیتے ہوئے امید ہے کہ عنقریب ہم بھی تمہارے اوپر غالب آجائیں گے اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ نزول آیت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے مشرکین سے کہا خدا تمہاری آنکھیں ٹھنڈی نہ کرے خدا کی قسم رومی فارس والوں پر انشاء اللہ غالب آئیں گے۔ اُبی بن خلف نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو ہم تین سال کی مدت پر دس اونٹوں کی شرط باندھتے ہیں (۱) جب حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے یہی بات آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گوش گذار کی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "بضع" کا اطلاق تین سے نو سال کی مدت پر ہوتا ہے لہٰذا جاؤ! شرط میں مال اور مدت دونوں کا اضافہ کرلو۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ

(۱) یعنی اگر تین سال کے اندر اندر رومی غالب آئے تو میں تمہیں دس اونٹ دونگا اور اگر فارس والے آئے تو تمہیں دس اونٹ دینا ہونگے۔

واپس پلٹے اور نو سال کی مدت اور سو اونٹ کی شرط لگالی (۱) اور ایک دوسرے کی طرف سے ضامن بھی مقرر کر لئے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خبر کے مطابق رومی اہل فارس پر واقعۃً غالب آگئے انہوں نے فارس والوں کو جلاوطن کر دیا اور حدیبیہ کے روز مسلمانوں کے پاس اہل روم کے غلبہ کی اطلاع آگئی حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے سو اونٹ ابی بن خلف کے ضامن سے وصول کر لئے کیونکہ وہ خود تو جنگِ احد میں کاری زخم لگنے کی وجہ سے مر گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ابوبکر صدیق ؓ سے فرمایا کہ ان اونٹوں کو صدقہ کر دو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ (۲)

غور فرمایئے! اہلِ فارس کی قوت و شوکت اور رومیوں کی ضعف و بے ہمتی جسکو مشرکینِ عرب اپنے تجارتی اسفار میں پوری طرح جان چکے تھے انکو کبھی بھی یہ امید نہ تھی کہ اہل فارس مغلوب ہوسکیں گے یا روم والے کبھی غالب آجائیں گے بلکہ وہ اس بات کو عادۃً محال ہی شمار کرتے تھے بقول شاعر۔

زرومی کجا خیزد آں دستِ زور — کہ کشتی بروں آرد از آبِ شور
بتاراج ایراں بر آرد علم — برد تختِ کیخسرو و جامِ جم (۳)

---

(۱) یعنی اگر نو سال کے اندر اندر رومی غالب آئے تو ابی بن خلف سو اونٹ دیگا اور اگر فارس والے غالب آئے تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ سو اونٹ دینگے۔

(۲) کیونکہ دو طرفہ ہار جیت پر شرط لگانا قمار اور جوئے میں داخل ہے۔ یہ صدقہ کرنا حصولِ ثواب کیلئے نہیں بلکہ مالِ حرام سے بچنے کیلئے ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھیں "معارف القرآن، مولفہ مولانا مفتی محمد شفیعؒ، ج ۶، ص ۷۲۱، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، سن ۱۹۹۹ء"

(۳) ایرانی شاعر "فردوسی" کے اشعار ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ روم سے کہاں وہ زور آور ہاتھ اٹھ سکتے ہیں کہ اپنی کشتی آبِ شور سے باہر لا سکیں یا ایران کو تاراج کر کے اس پر اپنا جھنڈا گاڑ دیں یا کیخسر (بادشاہ فارس) کے تخت اور جام جم کو ختم کر سکیں۔ جامِ جم وہ روایتی پیالہ ہے جس میں ایران کا بادشاہ جمشید آئندہ کے حالات کا عکس دیکھ لیتا تھا۔ (فیروز اللغات)

چنانچہ وہ اپنے مشاہدہ وتاثر کے مطابق ایسا ہی خیال کرتے تھے مگر اس پر اللہ تعالیٰ نے مدت معین کر کے ایک بات کی خبر دی کہ نو سال کے اندر اندر رومی اہل فارس پر غالب آجائیں گے اور اسی طرح ہوا کہ اتنی کم مدت میں ان کمزور لوگوں نے اپنے طاقتور دشمن پر غلبہ پا کر انکو انکے ملک سے نکال باہر کیا۔

پانچویں پیشینگوئی: احزاب کی آمد

آنحضرت ﷺ نے پیشینگوئی کی کہ عنقریب لشکروں کے جمع ہوجانے کی وجہ سے تم پر سختی آئے گی اور آخر کار تمہیں ان پر فتح ونصرت ملے گی اللہ تعالیٰ اس خبر کو سورۂ احزاب میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:۔

ولما راء المؤمنون الاحزاب قالوا هذا ما وعدنا الله ورسوله وصدق الله ورسوله ومازادهم الا ايماناً وتسليماً

(الاحزاب آیت ۲۲)

اور جب اہل ایمان نے لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی ہے جس کا خدا اور اسکے پیغمبر نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اسکے پیغمبر نے سچ کہا تھا اسی سے انکا ایمان اور اطاعت اور زیادہ ہوگئی

یہ پیشینگوئی بھی پورے طور پر سچ ثابت ہوئی۔ (۱)

چھٹی پیشینگوئی: سخت جنگجو قوم سے لڑائی

جب ہجرت کے چھٹے سال آنحضرت ﷺ نے عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ کا قصد کیا

(۱) سورۂ احزاب کی مذکورہ بالا آیات کے تحت کتب تفسیر میں اسکی تفاصیل موجود ہیں۔

بعض اعرابی قبائل مثلاً اسلم، جہینہ، مزینہ، غفار، اشجع وغیرہ اپنے ضعفِ اعتقاد اور قریش کیساتھ جنگ ہو جانے کے ڈر سے جسکا انکو گمان تھا آنحضرت ﷺ کیساتھ پا بہ رکاب ہونے کی سعادت سے پیچھے رہ گئے اس پر انہوں نے طرح طرح کے اعذار تراش لئے تھے۔ انہی قبائل کے متعلق سورۃ فتح میں ارشاد ہے:۔

قل للمخلفين من الاعراب ستدعون الى قوم اولى بأس شديد تقاتلونهم او يسلمون (۱)

جو گنوار پیچھے رہ گئے تھے ان سے کہہ دو تم کو جلد ایک سخت جنگجو قوم کے (ساتھ لڑائی کے) لئے بلائے جاؤ گے ان سے تم یا تو جنگ کرتے رہو گے یا وہ مطیع ہو جائیں گے۔

(اسلام لا کر یا جزیہ قبول کر کے) اللہ تعالیٰ نے اِن قبائل کو آئندہ کے متعلق صاف صاف خبر دی ہے کہ عنقریب تم کو ایک سخت جنگجو قوم سے مقابلہ کیلئے بلایا جائیگا تاہم مخالفین اپنی ساری قوت وشوکت کے باوجود فتح نہ پا سکیں گے بلکہ تمہیں ہی ان پر غلبہ ملے گا اور مخالفین یقینی طور پر یا مقتول ہونگے یا ضابطے کے مطابق اطاعت قبول کریں گے (۲) نزول آیت کے بعد جس جنگ میں ان اعراب کو بلایا گیا اور مخالفین کی طرف سے شدید قتال کی نوبت آئی مؤرخین کے اتفاق کیساتھ اِس سے مراد دو جنگیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو مسیلمہ کذاب کے پیروکاروں اور عرب کے مرتد قبائل سے جنگ مراد ہے یا فارس وروم سے ہونے والی جنگ مراد ہے بہر حال سخت جنگجو قوم سے یہ لوگ مراد ہیں۔ چنانچہ خدائی وعدہ کے مطابق سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے دور میں اِن اعراب کو مرتدین، مسیلمہ کذاب کے پیروکاروں اور اہل

---

(۱) سورۃ الفتح آیت ۱۶

(۲) یعنی جزیہ دیکر صلح کریں گے یا اسلام لا کر امن پائیں گے۔

فارس وروم سے قتال کی دعوت دی گئی۔ اِن جنگوں میں دشمن مقتول ومخذول ہوئے اور اہل اسلام مظفر ومنصور ہوئے۔ اِسی طرح دورِ فاروقیؓ میں ان اعراب کو باقی ماندہ اہل فارس وروم سے دعوتِ قتال دی گئی۔ اِن جنگوں میں قیصر وکسریٰ کی سلطنت بالکل ختم ہوگئی اور ان ممالک کے کونے کونے میں آگ بھڑکنے اور ناقوس بجنے کے بجائے اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا۔ آتش پرستی اور تثلیث کی جگہ خدائے واحد قادرِ مطلق کی عبادت ہونا قرار پائی۔ والحمد للّٰہ علیٰ ذالک

ساتویں پیشنگوئی: فتح مبین اور کثیر مالِ غنیمت

جب ہجرت کے چھٹے سال آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر صحابہ کرامؓ سے بیعت لی جسکو بیعۃ الرضوان کہتے ہیں اس موقعہ پر ان حضرات کے صدقِ اخلاص پر اللہ تعالیٰ نے نہایت خوش ہوکر کئی وعدے فرمائے ہیں۔

لقد رضی الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة فعلم مافی قلوبهم فانزل السكينة عليهم واثابهم فتحاً قريباً ومغانم كثيرة يأخذونها وكان الله عزيزاً حكيماً وعدكم الله مغانم كثيرة تأخذونها فعجل لكم هذه وكف ايدی الناس عنكم ولتكون آية للمؤمنين ويهديكم صراطاً مستقيماً وأخریٰ لم تقدروا عليها قداحاط الله بها وكان الله علی كل شیء قديراً۔ سورة الفتح آيت۱۸ تا ۲۱

(اے پیغمبر) جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو خدا اُن سے خوش ہوا اور جو (صدق وخلوص) اُنکے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کرلیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عنایت کی اور

بہت سی غنیمتیں جوانہوں نے حاصل کی اور خدا غالب حکمت والا ہے خدا
نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے کہ تم انکو حاصل کروگے سو
اس نے غنیمت کی تمہارے لئے جلدی فرمائی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے
روک دیئے غرض یہ تھی کہ یہ مومنوں کیلئے (خدا کی) قدرت کا نمونہ ہے
اور وہ تم کو سیدھے رستے پر چلائے اور دوسری غنیمتیں دیں جن پر تم
قدرت نہیں رکھتے تھے اور وہ خدا ہی کی قدرت میں تھیں اور خدا ہر چیز پر
قادر ہے۔

فتح قریب سے مراد فتح خیبر ہے اور پہلے "مغانم کثیرہ" سے مراد خیبر کا مالِ غنیمت ہے اور دوسرے سے مراد وہ تمام غنیمت کے اموال ہیں جو فارس و روم اور دیگر فتوحات سے حاصل ہوئے۔ ارباب سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ اسی وعدہ پر امید کرتے ہوئے آپ ﷺ نے حدیبیہ سے لوٹتے ہی ہجرت کے ساتویں سال میں چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لشکر تیار کر کے خیبر کا قصد کیا۔ باوجود اسکے کہ یہود مضبوط قلعوں میں محفوظ تھے انہوں نے جرأت کر کے جنگ بھی خوب کی مگر اللہ تعالیٰ نے حسبِ وعدہ مسلمانوں کو کامیاب وکامران فرمایا۔ بہت سا مالِ غنیمت صحابہ کرامؓ کے ہاتھ لگا اور تھوڑے ہی عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے اِن غریب لوگوں کے ذریعے روم و فارس اور مغرب کے سلاطین کو شکست دیکر وہ تمام مالِ غنیمت انکو عطا فرما دیا جسکا ان سے وعدہ تھا۔

آٹھویں پیشینگوئی: فتحِ مکہ کی خبر

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم مکہ کو فتح کروگے اور اس وعدہ کو قسم کیساتھ مؤکد فرمایا چنانچہ ارشاد ہے:۔

لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ امنین محلقین

رؤوسکم ومقصرین لاتخافون۔ (الفتح آیت ۲۷)

خدا نے چاہا تو تم مسجدِ حرام میں اپنے سر منڈوا کر اور اپنے بال کتروا کر امن وامان سے داخل ہو گے اور کسی طرح کا خوف نہ کرو گے۔

چنانچہ اللہ رب العزت نے اپنا وعدہ پورا فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ حیات میں ہی مکہ فتح ہو گیا اور اہلِ ایمان نے پورے اطمینان سے مناسکِ حج ادا کیے۔

نویں پیشنگوئی: غلبۂ اسلام کی خبر

سورۃ الفتح میں ہی آیا ہے:۔

ھو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کلّه (سورة الفتح آیت :۲۸)

پھر سورۃ صف میں بھی یہی مضمون آیا:۔

ھو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کلّه ولو کره المشرکون۔ (سورة الصف آیت :۹)

وہ اللہ وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دینِ حق دیکر بھیجا تاکہ اسکو تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرکوں کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔

یہ وعدہ بھی پورا ہوا کہ ملتِ احمدی ﷺ کے آفتاب عالم تاب نے از شرق تا غرب کفر وشرک کی ظلمتوں کو ختم کر دیا اور اکثر ممالک میں شمع توحید روشن ہوئی اور انشاء اللہ اس وعدہ کا مکمل ایفاء حضرت مہدیؑ کے دور میں ہوگا (۱) کہ توحید ودینِ حق کے علاوہ کہیں شرک

(۱) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ”ترجمان السنۃ، مصنفہ مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، ج ۴، ص ۳۷۳، مطبوعہ ادارۃ اسلامیات انار کلی لاہور“

یا کسی باطل مذہب کا نام ونشان تک نہ رہے گا۔

دسویں پیشینگوئی: کفارِ مکہ کا مغلوب ہونا

جب مسلمان مکہ میں مقیم تھے طرح طرح کی تکالیف برداشت کر رہے تھے اور کفارِ عرب کے وہم وگمان میں بھی نہ آ سکتا تھا کہ اہلِ اسلام کے ہاتھوں وہ کبھی مغلوب ہوں اور مؤمنین بے چارے انتہائی آزمائش اور بے حد افلاس میں تھے۔ اتنا بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ وہ کفار عرب سے رہائی پالیں گے چہ جائیکہ ان پر غلبہ پانے کی امید ہو۔ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور اہل ایمان سے وعدہ فرمایا کہ انہیں کفار پر غلبہ عطا ہوگا۔

ارشادِ خداوندی ہے:۔

ام یقولون نحن جمیع منتصر سیهزم الجمع ویولون الدبر
(سورة القمر آیت: ٤٥)

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت بڑی مضبوط ہے عنقریب یہ جماعت شکست کھائیگی اور لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

یہ پیشینگوئی یومِ بدر کو پوری ہوئی جب کفار کے لشکر کی تعداد ایک ہزار تھی اور وہ ہر طرح کے ساز وسامان اور اسلحہ سے لیس تھے۔ جبکہ مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی انکے پاس صرف دو گھوڑے تھے ایک حضرت زبیر ؓ کا اور دوسرا حضرت مقداد بن اسود ؓ کے پاس تھا۔ مگر اسکے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو فتح عطا فرمائی اور کفار کے بڑے بڑے سردار اسیر یا مقتول ہوئے۔ فاروقِ اعظم ؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے وقت میں نہ سمجھ سکا کہ اسکا مطلب کیا ہے۔ بدر کا دن آیا اور میں نے دیکھا آپ ﷺ زرہ پہنے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے "سیهزم الجمع ویولون الدبر" تب میں سمجھ گیا اور یقین

ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ مسلمان جنگ میں غلبہ پائیں گے اور کفار ہزیمت وشکست سے دوچار ہونگے۔

الحاصل اس طرح کی اور بھی قرآنی پیشینگوئیاں موجود ہیں تاہم طوالت کے خوف سے ہم اس قدر اکتفاء کرتے ہیں اب ہم چند ان پیشینگوئیوں کا ذکر کرتے ہیں جو کتب حدیث میں مذکور ہیں۔

احادیث میں مذکور پیشینگوئیاں

(۱) آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق خبر دی کہ انکو شہید کیا جائیگا اور فرمایا کہ جب تک عمر زندہ رہیں گے فتنے رونما نہ ہونگے۔

(صحیح بخاری کتاب الفتن، صحیح مسلم کتاب الفتن واشراط الساعۃ)

(۲) آپ ﷺ نے پیشینگوئی کی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے شہید کیا جائیگا اور انکا خون اس آیت پر گرے گا "فسیکفیکھم اللہ"(۱)

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی کہ انکو شہید کیا جائیگا اور فرمایا کہ اپنی قوم کا بدبخت ترین آدمی انکے سر اور داڑھی کو خون سے رنگین کریگا۔ (۲)

(۴) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی اور انکے قاتل کی علامات بتائیں اور مقتل کی خاک ام سلمہؓ کے حوالہ کی۔ (۳)

---

(۱) شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر تو کئی روایات میں مذکور ہے مثلاً جامع الترمذی میں کتاب المناقب کے تحت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے انکو شہادت کی پیشینگوئی والی روایت مذکور ہے دیگر کتب حدیث میں بھی آیا ہے۔

(۲) "الا احدثکم باشقی الرجلین احیمر ثمود الذی عقر الناقۃ والذی یضربک یاعلی علی ھذہ حتی یبل ھذہ" اخرجہ الطبرانی فی الکبیر۔ نیز کنز العمال، جمع الفوائد، البدایہ والنھایہ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

(۳) اور مقام شہادت کی بھی تعیین فرماتے ہوئے طف کی جانب اشارہ کیا جو کوفہ میں نہر فرات کے کنارے ایک جگہ کا نام ہے جو آج کل کربلا کے نام سے مشہور ہے (البدایہ والنھایہ، ج ۶ ص ۲۶۰)

(۵) حضرت عمار بن یاسر ﷺ کے بارے میں پیشینگوئی کی کہ ایک باغی گروہ انکو قتل کریگا۔(۱)

(۶) حضرت فاطمہؓ کے بارے میں پیشینگوئی کی کہ وہ میرے اہل بیت میں سے وہ پہلا فرد ہونگی جو مجھ سے ملیں گی۔(۲)

(۷) آپ ﷺ نے پیشینگوئی کی کہ انکی ازواج میں سے سب سے پہلے حضرت زینب کا انتقال ہوگا۔(۳)

(۸) فیروز دیلمی جو کسریٰ کی طرف سے قاصد بن کر آپ ﷺ کی خدمت آیا تھا آپ ﷺ نے خبر دی کہ آج کسریٰ مر گیا ہے۔(۴)

(۹) جنگِ بدر کے موقعہ پر آپ ﷺ نے قریش کے قتل ہونے کی جگہوں کو ایک ایک کر کے متعین کیا تھا کہ ابوجہل فلاں جگہ پر قتل ہوگا اور امیہ بن خلف کی جائے قتل فلاں ہوگی۔ وعلیٰ ھذا القیاس (۵)

(۱۰) جنگ خندق کے موقعہ پر آپ ﷺ نے پیشینگوئی کی کہ اس جنگ کے بعد مشرکین ہمارے اوپر حملہ نہ کرینگے بلکہ ہم انکا قصد کریں گے۔(۶)

---

(۱) ویح عمارؓ تقتلہ الفئۃ الباغیہ "اخرجہ احمد عن ابی سعیدؓ" چنانچہ انکو حضرت علی ﷺ کے باغیوں نے شہید کیا (ترمذی ابواب المناقب)

(۲) اول من یلحقنی من اھلی انتِ یا فاطمہ اخرجہ ابن عساکر عن واثلہؓ (کنز العمال، ج ۶، ص ۲۱۹) پیشینگوئی کا یہ واقعہ بخاری و مسلم میں بھی منقول ہے۔

(۳) اسرع کنّ لحوقاً بی اطولکن یداً قالت عائشۃ فکانت زینب اطول یداً لانھا کانت تعمل بیدھا وتتصدق "اخرجہ مسلم عن عائشۃؓ" اس پیشینگوئی کا واقعہ صحیح بخاری میں بھی منقول ہے۔

(۴) سیرت المصطفیٰ، مصنفہ مولانا ادریس کاندھلویؒ، ج ۲، ص ۳۸۹

(۵) حضرت انس ﷺ نے حضرت عمر ﷺ سے یہ پورا واقعہ روایت کا ہے صحیح مسلم میں موجود ہے۔ تفصیل کیلئے دیکھیں حوالہ بالا صفحہ ۲۷

(۶) چنانچہ فرمایا الآن نغزوھم ولا یغزوننا نحن نسیر الیھم (صحیح بخاری) حوالہ بالا صفحہ ۳۲۲

یہ سب باتیں ٹھیک اسی طرح واقع ہوئیں کہ حضرت عمرؓ کو فیروز مجوسی ابولولو کے ہاتھوں عین حالتِ نماز میں شدید زخم لگا اور آپ ۲۴ھ بروز اتوار یکم محرم الحرام کو جامِ شہادت نوش فرما کر فردوس بریں کا اعلیٰ مقام پا گئے انکے زمانہ حیات میں کوئی فتنہ بھی ظاہر نہیں ہوا۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ دورانِ تلاوت مصر کے بلوائیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے، شہادت کے وقت آپؓ تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر پہنچے تھے فسیکفیکھم اللہ کہ آپکا خونِ معصوم اس آیت قرآنی پر گرا۔ اسی طرح حضرت علیؓ ابن ملجم کے ہاتھوں ۴۰ھ اُنیس رمضان کو زخمی ہوئے اور اسی کے نتیجے میں تین روز بعد اکیس رمضان المبارک کو اعلیٰ علیین میں جا پہنچے۔ حضرت حسینؓ کی شہادت کا واقعہ بھی میدانِ کربلا میں ٹھیک اسی طرح ظاہر ہوا۔ حضرت عمار بن یاسر حضرت معاویہؓ کے لشکر کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے صرف چھ ماہ بعد حضرت فاطمہؓ کا بھی انتقال ہو گیا۔ ازواجِ مطہرات میں سے پہلے سفرِ آخرت کرنے والی خاتون حضرت زینبؓ ہی ٹھہریں۔ کسریٰ کے بارے میں آپ ﷺ نے جس دن مرنے کی خبر دی اسی دن ہی اسکی موت ہوئی اور بدر میں آپ نے جس مشرک کیلئے جو جگہ نامزد کی وہ بدبخت اسی جگہ مارا گیا۔ جنگ خندق کے بعد مشرکین کو دوبارہ حملہ آور ہونے کی جرأت نہ ہو سکی۔

(۱۱) جب آپ ﷺ کو اطلاع پہنچی کہ مشرکین کے تمام قبائل لڑائی کیلئے جمع ہو کر مدینہ کا ارادہ کر چکے ہیں اس پر آپ ﷺ اپنے اصحاب کیساتھ جب مشورہ خندق کھودنے میں مشغول تھے کھدائی کے دوران ایک سخت چٹان آ گئی جس پر کوئی ضرب کارگر نہ ہو رہی تھی صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے صورتِ حال عرض کی۔ آپ ﷺ تشریف لے گئے کدال اپنے ہاتھ میں لیا اور بسم اللہ پڑھ کر اس پر ایک ضرب لگائی چٹان کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ کر الگ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اکبر! شام کی کنجیاں مجھے دے دی گئیں، خدا کی قسم میں اس

وقت شام کے سرخ محلات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر دوسری ضرب لگائی جس سے ایک اور تہائی حصہ ٹوٹ گیا فرمایا اللہ اکبر! فارس کی کنجیاں مجھے دے دی گئیں، خدا کی قسم میں اس وقت فارس کے سفید محلات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور سلمان ؓ سے مدائن کے محلات کے بارے میں پوچھا جو فارس کا ایک شہر ہے جسکو نوشیرواں نے آباد کیا تھا تو حضرت سلمان ؓ نے جواباً عرض کیا۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے وہ محلات جس طرح آپ نے بتائے ٹھیک اسی طرح موجود ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر بسم اللہ کہہ کر تیسری ضرب لگائی تو چٹان کا باقی حصہ ٹوٹ گیا فرمایا اللہ اکبر! مجھے یمن کی چابیاں دے دی گئیں خدا کی قسم میں اس وقت صنعاءِ یمن کے دروازوں کو دیکھ رہا ہوں۔ جس وقت آنحضرت ﷺ یہ پیشینگوئیاں کر رہے تھے اس وقت اہل اسلام مدینہ پر لشکروں کے محاصرے کی وجہ سے انتہائی خوف و ڈر کی حالت میں تھے۔ کیونکہ مسلمانوں کی قلتِ تعداد' اسباب جنگ کی کمی' تمام مشرکین عرب کا مشترکہ محاذ' کفار مدینہ کی کثرت و شوکت' اسباب و آلات کا ذخیرہ یہ سب وہ امور تھے جنکی وجہ سے اہل اسلام کو اپنی جان و مال کی امید تک نہ تھی اور کافر ملعون بلکہ منافقین کو بھی یقین تھا کہ یہ حملہ مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن ہوگا اس یقین کی وجہ سے یہود کے ایک قبیلہ بنو قریظہ نے معاہدہ ہونے کے باوجود عہد شکنی کی اور کفار سے جا ملے۔ بعض کمزور ایمان مسلمان اور منافقین یہاں تک کہہ رہے تھے کہ محمد ﷺ ہمیں قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی خوشخبریاں دیتے ہیں جبکہ ہم اس طرح درماندگی و بے چارگی کی حالت میں ہیں۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق سے ایسا ہی ہوا اور کفار ناہنجار ستائیس دن کے طویل محاصرے کے بعد خائب و خاسر ہو کر واپس پلٹ گئے۔ پھر دوبارہ انکو اہل اسلام پر لشکر کشی کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ حیات میں ہی بادشاہ روم' مصر و اسکندریہ کے والی' عمان کے بادشاہان پیشکش

کرنے لگے۔ حبشہ کا بادشاہ مسلمان ہو گیا اور عہد خلفاء راشدین ؓ میں ان سلاطینِ کفار کا نام ونشان تک مٹ گیا' مذکورہ بالا ممالک سے کفر وشرک کی جڑیں اکھاڑ پھینکی گئیں اور آئندہ بھی امید ہے کہ سید الابرار ﷺ کی پیشینگوئیوں کے مطابق حضرت مہدیؑ کے دور میں ایک بار پھر اسی طرح ہوگا۔ ارشاد خداوندی لیظھرہ علی الدین کلہ کا مدلول ومصداق پھر لوگوں کے سامنے آئیگا۔ ہر کس وناکس کلمہ توحید کا قائل ہو جائے گا آمین یارب العلمین (۱)

ناظرین اگر بچشمِ انصاف ان پیشینگوئیوں کو ملاحظہ کرینگے تو انہیں معلوم ہوگا کہ ان باتوں میں عقل کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ اسکے باوجود اگر کوئی انصاف کی آنکھیں بند کر کے واہی تباہی شبہات لاتا ہے تو اسے چاہیئے کہ کتاب کے باب سوم کی فصل سوم دوبارہ بنظرِ غائر دیکھے کہ اس طرح تو ہر متعصب کو کہنے کی گنجائش ہے اور جناب مسیح علیہ السلام کی ایک بھی پیشینگوئی ایسی نہیں ہے جس پر اس طرح کے شکوک وشبہات نہ لائے جاسکتے ہوں بلکہ مسیحی احباب کو چاہیئے کہ اپنے شبہات کو انہی شبہات (۲) پر قیاس فرمالیں تاکہ انہیں دونوں میں فرق معلوم ہو جائے۔

فائدہ

اعتراضِ پنجم اور ششم کے جواب سے ثابت ہو گیا ہے کہ صاحب میزان نے اپنی کتاب کے باب سوم کی فصل چہارم میں جو کچھ لکھا ہے اور اسکے کاسہ لیس صاحب دافع

---

(۱) مصنفؒ نے احادیث میں مذکور نبوی پیشینگوئیوں میں سے چند ایک کا ذکر کیا ہے ظاہر ہے بطور نمونہ اور جواب میں اختصار کیلئے اتنا ہی کافی ہے ورنہ اکثر کتب احادیث میں ابواب الفتن اور ابواب اشراط الساعۃ کے تحت بے شمار پیشینگوئیاں موجود ہیں جن میں سے بعض ثابت ہو چکیں اور باقی کا آئندہ وقوع ہو جائیگا آسمان وزمین تو اپنی جگہ سے ٹل سکتے ہیں مگر زبان محمدی ﷺ سے نکلا ہوا فرمان غلط نہیں ہو سکتا۔ قارئین اگر چاہیں تو ان مأخذ کی طرف رجوع فرمائیں۔

(۲) جنکا ذکر باب سوم فصل سوم میں گذر چکا ہے۔

البہتان نے اپنی کتاب کی فصل ہفتم میں دلیل اول کے تحت جو کچھ لکھا ہے وہ سراسر انکے تعصب یا جہالت کی دلیل ہے۔ انکا کہنا یہ ہے کہ ''مفسرین اسلام دعویٰ کرتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ یہ لوگ معجزہ طلب کر رہے ہیں مگر مشاہدہ کے بعد ایمان نہ لائینگے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتِ خاصہ سے حضرت محمد ﷺ کو اظہارِ معجزہ کی اجازت نہ دی تاکہ لوگوں کے عذاب وسزا میں مزید اضافہ نہ ہو ورنہ ان مواقع کے علاوہ دوسرے کئی موقعوں پر انہوں نے بہت سے معجزات ظاہر کیے ہیں۔ لیکن مفسرین خود ہی اپنی اس توجیہ سے اپنے نبی کی تکذیب کرتے ہیں کہ گویا انہوں نے صاف اپنی ذات سے اظہارِ معجزہ کی قدرت کی نفی کر دی'' انتہٰی

مسیحیوں کے اس کلام کا باطل ہونا اس بنا پر ہے کہ اعتراض کی یہی تقریر بالعکس ان پر بھی وارد ہو سکتی ہے۔ رہا مفسرین کا ارشاد تو وہ اپنی جگہ پر بالکل حق ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے معجزات کو پوری تفصیل کیساتھ بیان کیا ہے اور اس بات کی بھی مکمل وضاحت فرمائی ہے کہ انکو بعض مواقع میں اظہارِ معجزہ سے روکنا اس وجہ سے تھا کہ وہ کفار سینکڑوں معجزات کا مشاہدہ کر چکے تھے اور از راہِ شرارت تکذیب ہی کرتے رہتے تھے۔ ان معجزات کو سحر کہتے اور ایمان لانے کا قصد نہ کرتے یہ سب باتیں قرآن کریم سے ثابت ہیں ۔بعض مسیحی حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ بیضاوی وغیرہ تفاسیر میں لکھا ہے کہ محمد ﷺ سے کبھی کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا۔ مگر انکا یہ کہنا قابل التفات نہیں کیونکہ یہ لوگ خالص جاہل ہیں انہوں نے تفسیرِ بیضاوی کو کبھی دیکھا بھی نہیں ہے بلکہ یہ بات اپنے جیسے کسی جاہل سے سن کر چلا دی ہے۔ اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ باقی صاحب میزان الحق اور صاحب دافع البہتان کے مزخرف اقوال کے رد کیلئے ہماری مذکورہ بالا بحث کافی وافی ہے۔

اعتراضِ ہفتم: مسئلہ جہاد فی سبیل اللہ

ساتواں اعتراض یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے طریقے کے خلاف اپنے دین میں ''جہاد'' کا طریقہ مقرر کیا۔ متعدد آیات قرآنی سے اسکا ثواب بھی بیان کیا حالانکہ یہ محض اپنے مذہب کی اشاعت کیلئے صریح ظلم ہے۔ اس سے بڑھ کر قباحت یہ ہے کہ ایسے ظالمانہ کام کو حصولِ جنت کا ذریعہ قرار دیا جائے۔ (۱)

(جواب

مسیحی قوم کے پادری صاحبان لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے ازراہِ تعصب دید ودانستہ طور پر یا لاعلمی کی وجہ سے جہاد کے متعلق طرح طرح کے غلط سلط اعتراضات اور جھوٹی باتیں بناتے رہتے ہیں۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اولاً نفسِ مسئلہ کی وضاحت کردی جائے۔

اسلام کا نظریہ جہاد

جاننا چاہیئے کہ ہماری شریعت میں حکم یہ ہے کہ سب سے پہلے کفار کو خواہ وہ عرب ہوں یا عجم حکمت وموعظت کیساتھ دینِ اسلام کی طرف دعوت دی جائے۔ اگر وہ قبول

---

(۱) جن دنوں متن کتاب کے اس حصے پر کام ہو رہا تھا انہی دنوں پاپائے روم بینی ڈکٹ نے جہاد کے حوالے سے ہرزہ سرائی کی۔ ویسے بھی قارئین کو معلوم ہے کہ اس حوالے سے تو آج کل انٹرنیشنل سطح پر اسلام کے خلاف سخت پروپیگنڈہ ہو رہا ہے اور دہشت گردی، بنیاد پرستی وغیرہ کی بے معنی اصطلاحات کا ہوّا اُٹھا کر عالمِ اسلام کیخلاف میڈیا جنگ کا فائنل راؤنڈ کھیلا جا رہا ہے۔ ویسے بھی یہ دشمنانِ اسلام کا بہت پرانا اعتراض ہے جسے وہ نت نئے اُسلوب کیساتھ پیش کرتے ہیں لہٰذا قارئین سے درخواست ہے کہ اس جواب کو انتہائی توجہ کیساتھ دیکھیں۔ مصنف نے ''بائبل سے قرآن تک'' ج ۳، ص ۲۵۱ پر بھی اس موضوع پر کچھ گفتگو فرمائی ہے۔ مولانا ادریس کاندھلویؒ نے ''سیرۃ المصطفیٰ'' ج ۲، ص ۸ تا ۴۴ تک اس پر کلام کیا ہے۔ دیگر علماءِ اسلام نے بھی اس موضوع پر کافی کچھ لکھا ہے۔

کرلیں تو سب سے بہتر ورنہ اگر وہ مشرکینِ عرب ہیں تو انکی شدتِ کفر و بت پرستی کی وجہ سے سوائے ایمان یا قتل کے اور کوئی صورت قبول نہ ہوگی۔ شریعت موسوی کا حکم بھی یہی تھا کہ چند مخصوص اقوام اور وہ لوگ جو بت پرستی کی ترغیب دیں انکے لئے قتل و سنگسار کے علاوہ اور کوئی گنجائش نہیں ہے جیسا کہ عنقریب آجائے گا۔ مشرکینِ عرب کے علاوہ دوسرے کفار کا حکم یہ ہے کہ ان سے اطاعت قبول کرنے اور جزیہ ادا کرنے کو کہا جائیگا اگر وہ اِس پر آمادہ ہوں تو ان سے کوئی تعرض نہ ہوگا بلکہ انکے جان و مال کا حکم وہی ہوگا جو مسلمانوں کے مال و جان کا ہے بلکہ مسلمانوں پر انکی حفاظت کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ اگر وہ اس سے بھی سرتابی کریں تو تب ان سے جنگ ہوگی چنانچہ شریعتِ موسوی کے مطابق اقوامِ مخصوصہ کے علاوہ دوسرے کفار کا یہی حکم منصوص ہے جیسا کہ استثناء باب ۲۰ سے معلوم ہوتا ہے جس کا حوالہ عنقریب آجائے گا۔ مگر (۱) ہماری شریعت میں کسی بچے، اندھے، عورت، معذور، دیوانہ اور ایسے بوڑھے کو قتل کرنا جائز نہیں جس سے کوئی خطرہ نہ ہو۔ اسی طرح ایسے مزدور پیشہ لوگ جو کفار کے لشکر کیساتھ اپنی مزدوری کیلئے آئے ہوں اور انکا اہلِ اسلام سے جنگ کا قصد نہ ہو انکا قتل کرنا بھی جائز نہیں ہے جیسا اسلامی کتب میں پوری وضاحت کیساتھ یہ مسائل مذکور ہیں اور سرورِ عالم ﷺ کے زمانہ سے لیکر قیامت تک یہی حکم ہے۔ شریعتِ احمدی ﷺ کے پیروکار اس سے تجاوز کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ چنانچہ مشکوۃ کتاب الجہاد باب الکتاب الی الکفار و دعائھم الی الاسلام کی فصل اول میں مذکور ہے۔

عن سلیمان بن بریدہ عن ابیہ قال کان رسول اللہ ﷺ اِذا امر امیراً علی جیشٍ اَوسریۃٍ اوصاہ فی خاصّتہ بتقوی اللہ ومن معہ من المسلمین خیراً ثمّ قال اغزوا باسم اللہ فی

(۱) جہادِ موسوی اور شریعتِ محمدی کے جہاد کا ایک بڑا فرق یہ ہے کہ

سبیل اللّٰہ قاتلوا مَن کفر باللہ اغزوا فلاتغلّوا ولاتغدروا ولاتمثّلوا ولاتقتلوا ولیداً واذا لقیتَ عدوّک من المشرکین فادعھم الی ثلاث خصالٍ او خلالٍ فَاَیّتھن ما اجابوک فَاَقبلْ منھم وکفّ عنھم ثمّ ادعھم الی الاسلام فان اجابوک فاقبل منھم وکف عنھم ثم ادعھم الی التحوّلِ من دارھم الی دار المھاجرین واخبرھم انھم اِن فعلوا ذٰلک فلھم مَا للمھاجرین وعلیھم ما علی المھاجرین فان ابوا ان یتحوّلوا منھا فاخبرھم انھم یکونون کاعرابِ المسلمین یجری علیھم حکم اللہ الذی یجری علی المؤمنین ولایکون لھم فی الغنیمۃ والفیءِ شیءٌ اِلا ان یجاھدوا مع المسلمین فان ھم ابوا فسلْھم الجزیۃ فان ھم اجابوک فاقبل منھم وکفّ عنھم فان ھم ابوا فاستعن باللہ .... الی آخر الحدیث (رواہ مسلم)

’’حضرت سلیمان بن بریدہؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص کو کسی چھوٹے یا بڑے لشکر کا امیر مقرر فرماتے تو خاص طور پر اسکی ذات کے متعلق تو اسکو اللہ سے ڈرتے رہنے کی اور اسکے ساتھ جانے والے مسلمانوں کے متعلق اسکو نیکی کرنے کی نصیحت فرماتے اور اسکے بعد یہ فرماتے کہ جاؤ خدا کا نام لیکر خدا کی راہ میں جہاد کرو اس شخص کیخلاف جہاد کرو جس نے اللہ کیساتھ کفر کیا ہے۔ جہاد کرو، غنیمت کے مال میں خیانت نہ کرنا، عہد شکنی نہ کرنا، مُثلہ نہ کرنا اور بچوں کو قتل نہ کرنا اور جب تم اپنے مشرک دشمنوں کے سامنے پہنچو تو انکو تین چیزوں میں سے کسی ایک کے اختیار کر لینے

کی دعوت دو۔ ان تین چیزوں میں سے وہ مشرک جس چیز کو تم سے اختیار کریں اور اپنے لئے پسند کریں تم اسکو منظور کرلو اور ان سے باز رہو انہیں اسلام کی دعوت دو اگر وہ اسکو قبول کرلیں تو تم بھی اسکو منظور کرلو اور ان سے باز رہو پھر انکو اپنے ملک سے مہاجرین کے ملک (دارالاسلام) منتقل ہو جانے کی دعوت دو اور انکو بتادو کہ اگر وہ ایسا کرینگے تو انکو وہی حقوق حاصل ہونگے جو مہاجرین کو حاصل ہیں اور ان پر وہی ذمہ داریاں عائد ہونگی جو مہاجرین پر عائد ہیں اگر وہ انکار کریں تو انکو بتادو کہ ایسی صورت میں وہ دیہاتی مسلمانوں کی طرح ہونگے اور ان پر خدا کا ایسا حکم نافذ کیا جائیگا جو تمام مسلمانوں پر نافذ ہوتا ہے اور غنیمت وفئی کے مال میں انکا کوئی حصہ نہیں ہوگا الّا یہ کہ وہ مسلمانوں کیساتھ شریک ہوکر جہاد کریں۔ اور اگر وہ اسلام کی دعوت قبول نہ کریں تو ان سے جزیہ کا مطالبہ کرو اگر وہ جزیہ دینا قبول کریں تو تم بھی اسکو منظور کرلو اور ان سے باز رہو اور اگر وہ جزیہ دینا بھی قبول نہ کریں تو تم اللہ سے مدد طلب کر کے ان سے جنگ شروع کردو..................(۱)

اسی باب کی فصلِ سوم میں حضرت خالد بن ولیدؓ کا وہ خط جو ایرانی لشکر کے سپہ سالاروں کو لکھا گیا تھا اس طرح مذکور ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم من خالد بن الولید الی رستم ومھران فی ملاءِ فارس سلام علی من اتبع الھدی امّا بعد، فانّا ندعوکم الی الاسلام فان ابیتم فاعطوا الجزیۃ عن ید وانتم صاغرون، فانْ ابیتم فانّ معی قوماً یحبّون القتل فی سبیل اللہ کما یحب فارس الخمر، والسلام علی من اتبع الھدی

(۱) مظاہرِ حق شرح مشکوۃ المصابیح، مصنفہ مولانا محمد قطب الدین دہلویؒ، ج ۳، ص ۸۷۰، مطبوعہ المصباح اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم خالد بن ولید کی طرف سے رستم و مہران کے نام جو زعماءِ ایران میں سے ہیں۔ اس شخص پر سلامتی ہو جو حق و ہدایت کی پیروی کرے، بعد ازاں واضح ہو کہ ہم تمہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں، اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے ہو تو ذلت و خواری کیساتھ اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کرو۔ اگر تم اس سے انکار کرو گے تو بیشک میرے ساتھ ایسے لوگ ہیں جو خدا کی راہ میں لڑنے کو اسی طرح پسند کرتے ہیں جس طرح ایران کے لوگ شراب کو پسند کرتے ہیں۔ اور سلامتی ہو اس پر جو حق و ہدایت کی پیروی کرے (۱)

پھر باب القتال فی الجھاد کی فصل اول میں ہے۔

عن عبد اللہ بن عمرؓ قال نھی رسول اللہ ﷺ عن قتل النساء والصبیان (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور لڑکوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے (۲)

اسی باب القتال فی الجھاد کی فصل دوم میں ہے۔

وعن رباح بن الربیع قال کنا مع رسول اللہ ﷺ فی غزوۃٍ فرأی الناسَ مجتمعین علی شیءٍ فبعث رجلاً فقال اُنظر علی ما اجتمع ھؤلاء فجاء فقال علی امرأۃٍ قتیلٍ فقال ماکانت ھذہ لتقاتل وعلی المقدمۃ خالد بن الولید فبعث رجلاً فقال قل لخالد لاتقتل امرأۃ ولا عسیفاً (رواہ ابوداؤد)

---

(۱) مظاہر حق شرح مشکوۃ المصابیح، مصنفہ مولانا محمد قطب الدین دہلویؒ، ج ۳، ص ۸۷۸، مطبوعہ المصباح اردو

حضرت رباح بن ربیعؓ کہتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کیساتھ تھے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ کسی چیز کے پاس جمع ہورہے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو بھیجا اور فرمایا کہ وہاں جا کر دیکھو لوگ کس چیز کے پاس جمع ہو رہے ہیں۔ اس شخص نے واپس آ کر کہا کہ ایک عورت کو قتل کردیا گیا ہے لوگ اسکی نعش کے پاس جمع ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ عورت تو نہیں لڑ رہی تھی۔ لشکر کی اگلی صفوں کی کمان حضرت خالد بن ولیدؓ کے سپرد تھی آپ ﷺ نے پھر اس شخص کو بھیجا کہ وہ جا کر خالدؓ سے یہ کہہ دے کہ کسی عورت اور مزدور کو قتل نہ کرو(۱)

اسی فصل میں اس حدیث کے بعد اگلی روایت ہے۔

عن انسؓ ان رسول اللہ ﷺ قال انطلقوا بسم اللہ وباللہ وعلی ملۃ رسول اللہ لاتقتلوا شیخاً فانیاً ولاطفلاً صغیراً ولاامرأۃ ولاتغلوا وضموا غنائمکم واصلحوا واحسنوا فان اللہ یحب المحسنین (رواہ ابوداؤد)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین کو یہ ہدایات دیں کہ جاؤ اللہ کا نام لیکر، اللہ کی تائید وتوفیق کیساتھ اور اللہ کے رسول کے دین پر یہاں سے کوچ کرو۔ شیخ فانی یعنی بوڑھے کی جان نہ مارنا، نہ چھوٹے لڑکے نہ عورت کو قتل کرنا، مالِ غنیمت میں خیانت نہ کرنا، مالِ غنیمت کو جمع کرنا اور صلح رکھنا نیکی اور بھلائی کرتے رہنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکی اور بھلائی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"(۲)

---

(۱) مظاہر حق شرح مشکوۃ المصابیح، مصنفہ مولانا محمد قطب الدین دہلویؒ، ج ۳، ص ۸۰۷، مطبوعہ المصباح اردو بازار لاہور

(۲) حوالہ بالا

اسی طرح دوسری احادیث میں بھی آیا ہے۔اس مسئلہ کی مکمل تفصیل کتب فقہ میں دیکھنی چاہئیے کہ ان سے یہ مسئلہ شواہد و دلائل کیساتھ پوری طرح معلوم ہو جائے گا۔آپ نے یہاں جان لیا تو آپ دیکھئے کہ مذکورہ طریقے سے جہاد کا حکم اہل شرائع میں سے کسی کے نزدیک بھی قابل اعتراض نہیں ہے۔زمانہ قدیم سے اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ اپنے فرمانبردار بندوں کے ذریعے کفار' بت پرست' منکرین نبوت رسولوں اور انکے متبعین سے جنگ کرنے والوں کو اس طرح سزا دیتے ہیں کہ وہ انہیں برباد کریں' قتل و غارت کریں' اسیر و قیدی بنائیں اور کتب سماویہ کے مطابق ان احکام کا بجالانا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہے۔البتہ شریعتِ عیسوی میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو اپنے رفع آسمانی سے قبل کفار سے قتال کا حکم ہوا ہو مگر آخر زمانہ میں اپنے نزول کے بعد وہ بھی اس حکم کے پابند ہونگے۔مذکورہ بالا دعاوی کی تصدیق کیلئے ہم بائبل کے چند حوالے ذکر کرتے ہیں۔

سرکشوں کو سزا ملنے کی چند مثالیں

(۱) پیدائش باب ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی سرکشی اور حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے کشتی نوح کے سواروں کے علاوہ تمام کائنات کو طوفان کے پانی سے غرق کر دیا اور سب انسان' جانور' پرند و چرند اور حشرات الارض کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ مذکورہ بالا باب کی عبارت باب اول کی فصل اول میں اعتراضِ چہارم کے جواب کے ذیل میں گذر چکی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور جہاد و قتال

(۲) جب چند بادشاہوں نے جمع ہو کر سدوم اور عمورہ کے بادشاہوں کو جنگ کے بعد شکست دے دی اس علاقے کو لوٹ مار کر کے غارت کر دیا اور حضرت لوط علیہ السلام کو بھی

اسباب و مال سمیت قیدی بنا کر لے گئے اور یہ خبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنچی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ردعمل اس طرح ہوا۔ ''جب ابرام نے سنا کہ اسکا بھائی گرفتار ہوا تو اس نے اپنے تین سو اٹھارہ مشاق خانہ زادوں کو لیکر دان تک انکا تعاقب کیا اور رات کو اس نے اور اسکے خادموں نے غول غول ہوکر ان پر دھاوا کیا اور انکو مارا اور خوبہ تک جو دمشق کے بائیں ہاتھ ہے انکا پیچھا کیا اور وہ سارے مال کو اور اپنے بھائی لوط کو اور اسکے مال اور عورتوں کو بھی اور اور لوگوں کو بھی واپس پھیر لایا'' (پیدائش باب ۱۴ آیت ۱۴)

(۳) سدوم اور عمورہ کی بستیوں کے لوگ جب بہت سرکشی کرنے لگے اور حضرت لوط علیہ السلام پر ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ نے انکو نیست و نابود کر دیا۔

انکی تباہی کا واقعہ سنیئے۔ ''تب خداوند نے اپنی طرف سے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ آسمان سے برسائی اور اس نے ان شہروں کو اور اس ساری ترائی کو اور ان شہروں کے سب رہنے والوں کو اور سب کچھ جو زمین سے اُگا تھا غارت کیا''

(پیدائش باب ۱۹ آیت ۲۴)

(۴) اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس طرح حکم دیتے ہیں ''سو اب تو لوگوں کے کان میں یہ بات ڈال دے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے پڑوسی اور ہر عورت اپنی پڑوسن سے سونے چاندی کے زیور عاریتاً لے۔ (۱) (خروج باب ۱۱ آیت ۲)

دوسری جگہ ذکر ہے:۔

اور بنی اسرائیل نے موسیٰ کے کہنے کے موافق یہ بھی کیا کہ مصریوں سے سونے چاندی کے زیور اور کپڑے مانگ لئے اور خداوند نے ان لوگوں کو

(۱) ''عاریتاً'' کا لفظ متن مصنف کے مطابق ہے موجودہ بائبل میں نہیں۔

مصریوں کی نگاہ میں ایسی عزت بخشی کہ جو کچھ انہوں نے مانگا انہوں نے
دے دیا سو انہوں نے مصریوں کو لوٹ لیا۔ (خروج باب ۱۲ آیت ۳۵)

(۵) فرعون کے کفر و سرکشی کی وجہ سے اسکا اپنے ہزاروں لشکر والوں سمیت غرق ہونے کا واقعہ ہر خاص و عام کی زبان پر مشہور و معروف ہے اور خروج باب ۱۴ آیت ۲۲ میں اس طرح ذکر ہے۔ ’’اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل گئے اور انکے دہنے اور بائیں ہاتھ پانی دیوار کی طرح تھا اور مصریوں نے تعاقب کیا اور فرعون کے سب گھوڑے اور رتھ اور سوار انکے پیچھے پیچھے سمندر کے بیچ میں چلے گئے ...... اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھا تا کہ پانی مصریوں اور انکے رتھوں اور سواروں پر پھر بہنے لگے اور موسیٰ نے اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھایا اور صبح ہوتے ہوئے سمندر پھر اپنی اصلی قوت پر آ گیا اور مصری الٹے بھاگنے لگے اور خداوند نے سمندر کے بیچ ہی میں مصریوں کو تہ و بالا کر دیا اور پانی پلٹ کر آیا اور اس نے رتھوں اور سواروں اور فرعون کے سارے لشکر کو جو اسرائیلیوں کا پیچھا کرتا ہوا سمندر میں گیا تھا غرق کر دیا اور ایک بھی ان میں سے باقی نہ چھوٹا‘‘ انتہی ملخصاً (خروج باب ۱۴ آیت ۲۲ تا ۲۸)

(۶) خروج باب ۱۷ آیت ۸ اور ۱۳ میں ہے ’’تب عمالیقی آ کر رفیدیم میں بنی اسرائیل سے لڑنے لگے .... اور یشوع نے عمالیق اور اسکے لوگوں کو تلوار کی دھار سے شکست دی تب خداوند نے موسیٰ سے کہا اس بات کی یادگاری کیلئے کتاب میں لکھ دے اور یشوع کو سنا دے کہ میں عمالیق کا نام و نشان دنیا سے بالکل مٹا دوں گا۔‘‘

بائبل کا تصورِ جنگ

(۷) اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اموریوں، حتیوں، فرزیوں، کنعانیوں، حویوں

اور یبوسیوں کے متعلق اس طرح حکم دیتے ہیں ''تو انکے معبودوں کو سجدہ نہ کرنا۔ نہ انکے سے کام کرنا بلکہ تو انکو بالکل الٹ دینا اور انکے ستونوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا''

(خروج باب ۲۳ آیت ۲۴)

دوسری جگہ انہی چھ فرقوں کے متعلق اس طرح حکم ہے:۔

سو خبردار رہنا کہ جس ملک کو تو جاتا ہے اسکے باشندوں سے کوئی عہد نہ باندھنا ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے لئے پھندا ٹھہرے بلکہ تم انکی قربان گاہوں کو ڈھا دینا اور انکے ستونوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا اور انکی یسیرتوں کو کاٹ ڈالنا........اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ تو یہ باتیں لکھ کیونکہ ان ہی باتوں کے مفہوم کے مطابق میں تجھ سے اور اسرائیل سے عہد باندھتا ہوں۔ (خروج باب ۳۴ آیت ۱۲، ۱۳، ۲۷)

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس طرح حکم دیتے ہیں۔ ''بنی اسرائیل سے یہ کہہ دے کہ جب تم یردن کو عبور کر کے ملک کنعان میں داخل ہو تو تم اس ملک کے سب باشندوں کو وہاں سے نکال دینا اور انکے شبیہ دار پتھروں کو اور انکے ڈھالے ہوئے بتوں کو توڑ ڈالنا اور ان کے سب اونچے مقاموں کو مسمار کر دینا اور تم اس ملک پر قبضہ کر کے اس میں بسنا کیونکہ میں نے وہ ملک تم کو دیا ہے کہ تم اسکے مالک بنو اور تم قرعہ ڈال کر اس ملک کو اپنے گھرانوں میں میراث کے طور پر بانٹ لینا......لیکن اگر تم اس ملک کے باشندوں کو اپنے آگے سے دور نہ کرو تو جن کو تم باقی رہنے دو گے وہ تمہاری آنکھوں میں خار اور تمہارے پہلوؤں میں کانٹے ہونگے اور اس ملک میں جہاں تم بسو گے تم کو دق کرینگے اور آخر یوں ہوگا کہ جیسا میں نے انکے ساتھ کرنے کا ارادہ کیا ویسا ہی تم سے کرونگا'' انتہیٰ ملخصاً

(گنتی باب ۳۳ آیت ۵۱ تا ۵۶)

پھر استثناء باب ۷ میں اِن مذکورہ چھ فرقوں اور جرجاسیوں کے متعلق حکمِ خداوندی اس طرح مذکور ہے۔

جب خداوند تیرا خدا انکو تیرے آگے شکست دلائے اور تو انکو مارڈالے تو تو انکو بالکل نابود کرڈالنا تو ان سے کوئی عہد نہ باندھنا اور نہ ان پر رحم کرنا .... بلکہ تم ان سے یہ سلوک کرنا کہ انکے مذبحوں کو ڈھادینا انکے ستونوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردینا اور انکی یسیرتوں کو کاٹ ڈالنا اور انکی تراشی ہوئی مورتیں آگ میں جلادینا .... اور تو ان سب قوموں کو جنکو خداوند تیرا خدا تیرے قابو میں کردے گا نابود کرڈالنا۔ تو ان پر ترس نہ کھانا اور نہ انکے دیوتاؤں کی عبادت کرنا ورنہ یہ تیرے لئے ایک جال ہوگا .... اور وہ انکے بادشاہوں کو تیرے قابو میں کردیگا اور تو انکا نام صفحہ روزگار سے مٹاڈالیگا اور کوئی مرد تیرا سامنا نہ کرسکے گا یہاں تک کہ تو انکو نابود کردیگا تم انکے دیوتاؤں کی تراشی ہوئی مورتوں کو آگ سے جلادینا اور جو چاندی یا سونا ان پر ہو اسکا تو لالچ نہ کرنا اور نہ اسے لینا تا نہ ہو کہ تو اسکے پھندے میں پھنس جائے کیونکہ ایسی بات خداوند تیرے خدا کے آگے مکروہ ہے۔" انتہٰی ملخصاً (استثناء باب ۷ آیت ۲، ۵، ۱۶، ۲۴، ۲۵)

استثناء باب ۱۲ آیت ۲ میں انہی فرقوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم اس طرح مذکور ہے:۔

وہاں تم ضرور ان سب جگہوں کو نیست و نابود کردینا جہاں جہاں وہ قومیں جنکے تم وارث ہوگے اونچے اونچے پہاڑوں پر اور ٹیلوں پر اور ہر ایک ہرے درخت کے نیچے اپنے دیوتاؤں کی پوجا کرتی تھیں تم انکے مذبحوں کو

ڈھا دینا اور انکے ستونوں کو توڑ ڈالنا اور انکی یسیرتوں کو آگ لگا دینا اور انکے دیوتاؤں کی کھدی ہوئی مورتوں کو کاٹ کر گرا دینا اور اس جگہ سے انکے نام تک کو مٹا ڈالنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جہاد وقتال

(۸) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فینحاس بن الیعزر کو بارہ ہزار افراد پر مشتمل بنی اسرائیل کے لشکر پر سپہ سالار مقرر کر کے مدیانیوں سے جنگ کیلئے بھیجا تو اسکا ذکر گنتی باب ۳۱ میں اس طرح آیا ہے۔

اور جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم دیا تھا اسکے مطابق انہوں نے مدیانیوں سے جنگ کی اور سب مردوں کو قتل کیا اور انہوں نے ان مقتولوں کے سوا عوی اور رقم اور صور اور حور اور ربع کو بھی جو مدیان کے پانچ بادشاہ تھے جان سے مارا اور بعور کے بیٹے بلعام کو بھی تلوار سے قتل کیا اور بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور انکے بچوں کو اسیر کیا اور انکے چوپائے اور بھیڑ بکریاں اور مال واسباب سب کچھ لوٹ لیا اور انکی سکونت گاہوں کے سب شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور انکی سب چھاؤنیوں کو آگ سے پھونک دیا اور انہوں نے سارا مالِ غنیمت اور سب اسیر کیا انسان اور کیا حیوان ساتھ لئے.........اور ان سے کہنے لگا کیا تم نے سب عورتیں جیتی بچا رکھی ہیں؟ دیکھو ان ہی نے بلعام کی صلاح سے فغور کے معاملہ میں بنی اسرائیل سے خداوند کی حکمِ عدولی کرائی اور یوں خداوند کی جماعت میں وبا پھیلی اس لئے ان بچوں میں جتنے لڑکے ہیں سب کو مار ڈالو اور جتنی عورتیں مرد کا منہ دیکھ چکی ہیں انکو قتل کر ڈالو لیکن ان لڑکیوں کو جو مرد سے واقف نہیں اور

اچھوتی ہیں اپنے لئے زندہ رکھو ....اور نفوسِ انسانی میں سے بتیس ہزار ایسی عورتیں جو مرد سے ناواقف اور اچھوتی تھیں۔
(گنتی باب ۳۱ آیت ۷ تا ۱۲، ۱۵ تا ۱۸، ۳۵)

اسی فصل میں اعتراضِ دوم کے جواب میں استثناء باب ۲۱ کی وہ عبارت گذر چکی ہے جس میں صراحت ہے کہ جو شخص غنیمت کی عورتوں میں سے کسی پر فریفتہ ہوجائے تو اسے اپنی بیوی بنالینا درست ہے۔

(۹) جب بنی اسرائیل بچھڑے کی پوجا پاٹ میں مبتلا ہوکر اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بنے تو اس بارے میں ذکر ہے۔

تو موسیٰ نے لشکر گاہ کے دروازہ پر کھڑے ہوکر کہا جو جو خداوند کی طرف ہے وہ میرے پاس آجائے تب سب بنی لاوی اسکے پاس جمع ہوگئے اور اس نے ان سے کہا کہ خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تم اپنی اپنی ران سے تلوار لٹکا کر پھاٹک پھاٹک گھوم گھوم کر سارے لشکر گاہ میں اپنے اپنے بھائیوں اور اپنے اپنے ساتھیوں اور اپنے اپنے پڑوسیوں کو قتل کرتے پھرو اور بنی لاوی نے موسیٰ کے کہنے کے موافق عمل کیا چنانچہ اس دن لوگوں میں سے قریباً تین ہزار مرد کھیت آئے۔ (خروج باب ۳۲ آیت ۲۶)

دوسری جگہ ذکر ہے:۔

جو کوئی واحد خداوند کو چھوڑ کر کسی اور معبود کے آگے قربانی چڑھائے وہ بالکل نابود کردیا جائے۔ (خروج باب ۲۲ آیت ۲۰)

استثناء باب ۱۳، ۱۷ کی عبارات باب دوم کے مقدمہ میں ''دوسری بات'' کے ذیل میں گذر چکی ہیں جن سے آپ کو معلوم ہوگیا کہ اگر کوئی جھوٹا مدعی نبوت خواہ خرقِ عادت امور

ہی ظاہر کیوں نہ کرتا ہو بت پرستی کی دعوت دے یا کسی کی بیوی' بیٹا' بھائی وغیرہ بت پرستی کا کہے یا بنی اسرائیل کا کوئی مرد یا عورت سورج' چاند فرشتہ' یا اصنام کی عبادت کرے تو بلا تردد سنگسار کر کے مار دیا جائے اور بالکل اس پر رحم نہ کیا جائے اور اسکی عیب پوشی نہ کی جائے۔

احکامِ جنگ

(۱۰) کتاب استثناء باب ۲۰ آیت ۱۰ میں ہے۔

جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اسکے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا۔ اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لئے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے باجگذار بن کر تیری خدمت کریں۔ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تو اسکا محاصرہ کرنا۔ اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا۔ لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لئے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی ہو کھانا۔ اُن سب شہروں کا یہی حال کرنا جو تجھ سے بہت دور ہیں اور ان قوموں کے شہر نہیں ہیں۔ پر ان قوموں کے شہروں میں جن کو خداوند تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے کسی ذی نفس کو جیتا نہ بچا رکھنا۔ بلکہ تو انکو یعنی حتی اور اموری اور کنعانی اور فرزی اور حوی اور یبوسی قوموں کو جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھ کو حکم دیا ہے بالکل نیست کر دینا'' (استثناء باب ۲۰ آیت ۱۰ تا ۱۷)

حضرت یوشع علیہ السلام اور جہاد و قتال

(۱۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشعؑ نے یردن کو عبور کر کے

وہاں اِن مذکورہ چھ قبائل کے لاکھوں لوگوں کو انکے مویشی سمیت قتل کر دیا۔ انکے اکثر شہروں کو آگ لگا کر راکھ کا ڈھیر کر دیا انکے اکتیس بادشاہوں کو لشکروں سمیت قتل کر دیا بلکہ ان کو بنی اسرائیل پر تقسیم کر دیا چنانچہ صحیفہ یشوع میں باب گیارہ تک یہی حالات پوری تفصیل کیساتھ مذکور ہیں مگر طوالت کے ڈر سے ہم اس سے صَرف نظر کرتے ہیں اور اسی صحیفہ کے باب ۱۲ کی صرف اس عبارت کے نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جس میں ان تمام احوال کا اجمالی بیان آگیا ہے۔ ناظرین اگر تفصیل چاہیں تو وہیں ملاحظہ فرمائیں باب ۱۲ کی وہ عبارت یہ ہے۔

> اور یردن کے اس پار مغرب کی طرف بعل جد سے جو وادی لبنان میں ہے کوہ خلق تک جو سعیر کو نکل گیا ہے جن بادشاہوں کو یشوع اور بنی اسرائیل نے مارا اور جن کے ملک کو یشوع نے اسرائیلیوں کے قبیلوں کو انکی تقسیم کے مطابق میراث کے طور پر دے دیا وہ یہ ہیں۔ کوہستانی ملک اور نشیب کی زمین اور میدان اور ڈھلانوں میں اور بیابان اور جنوبی قطعہ میں حتّی اور اموری اور کنعانی اور فرزّی اور حوّی اور یبوسی قوموں میں سے۔ ایک یریحو کا بادشاہ ایک عَی کا بادشاہ جو بیتِ ایل کے نزدیک واقع ہے۔ ایک یروشلیم کا بادشاہ۔ ایک حبرون کا بادشاہ۔ ایک یرموت کا بادشاہ ایک لکیس کا بادشاہ۔ ایک عجلون کا بادشاہ۔ ایک جزر کا بادشاہ۔ ایک دبیر کا بادشاہ۔ ایک جدر کا بادشاہ۔ ایک حُرمہ کا بادشاہ۔ ایک عراد کا بادشاہ۔ ایک لبناہ کا بادشاہ ایک عدلّام کا بادشاہ۔ ایک مقیدہ کا بادشاہ۔ ایک بیتِ ایل کا بادشاہ۔ ایک تفوح کا بادشاہ۔ ایک حفر کا بادشاہ۔ ایک افیق کا بادشاہ۔ ایک لشرون کا بادشاہ۔ ایک مدون کا بادشاہ ایک حصور کا بادشاہ۔ ایک سمرون مرون کا بادشاہ۔ ایک اکشاف کا بادشاہ۔ ایک تعنک کا بادشاہ۔ ایک مجدّ دکا بادشاہ۔ ایک قادس کا بادشاہ۔ ایک کرمل کے یقنعام کا بادشاہ۔ ایک دور

کی مُرتفع زمین کے دور کا بادشاہ۔ ایک گوئیم کا بادشاہ جو جلجال میں تھا۔
ایک ترضہ کا بادشاہ یہ سب اکتیس بادشاہ تھے“ (یشوع باب ۱۲ آیت ۷ تا ۲۴)

سمسون نبی کا جہاد و قتال

(۱۲) قضاۃ باب ۱۵ آیت ۱۵ میں سمسون اور فلستیوں کی جنگ کا ذکر اس طرح آیا ہے۔

اسے ایک گدھے کے جبڑے کی نئی ہڈی مل گئی سو اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اٹھا لیا اور اس سے اس نے ایک ہزار آدمیوں کو مار ڈالا پھر سمسون نے کہا ”گدھے کے جبڑے کی ہڈی سے ڈھیر کے ڈھیر لگ گئے گدھے کے جبڑے کی ہڈی سے میں نے ایک ہزار آدمیوں کو مارا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا جہاد و قتال

(۱۳) سموئیل اول باب ۲۷ آیت ۸ میں ہے:۔

اور داؤد اور اسکے لوگوں نے جا کر جسوریوں اور جزریوں اور عمالیقیوں پر حملہ کیا کیونکہ وہ شور کی راہ سے مصر کی حد تک اس سر زمین کے قدیم باشندے تھے اور داؤد نے اس سر زمین کو تباہ کر ڈالا اور عورت مرد کسی کو جیتا نہ چھوڑا اور انکی بھیڑ بکریاں اور بیل اور گدھے اور اونٹ اور کپڑے لے کر لوٹا اور اکیس کے پاس گیا

(۱۴) سموئیل دوم باب ۸ آیت ۳ میں ہے:۔

اور داؤد نے ضوباہ کے بادشاہ رحوب کے بیٹے ہدد عزر کو بھی جب وہ اپنی دریائی فرات پر کی سلطنت پر پھر قبضہ کرنے کو جا رہا تھا مار لیا۔ اور داؤد نے اُسکے ایک ہزار سات سو سوار اور بیس ہزار پیادے پکڑ لئے اور

داؤد نے رتھوں کے سب گھوڑوں کی کھونچیں کاٹیں پر اُن میں سے سو رتھوں کیلئے گھوڑے بچا رکھے۔ اور جب دمشق کے ارامی ضوباہ کے بادشاہ ہدد عزر کی کمک کو آئے تو داؤد نے ارامیوں کے بائیس ہزار آدمی قتل کیے'' انتہی

(۱۵) سموئیل دوم باب ۱۰ آیت ۱۸ میں ہے۔

اور آرامی اسرائیلیوں کے سامنے سے بھاگے اور داؤد نے آرامیوں کے سات سو رتھوں کے آدمی اور چالیس ہزار سوار قتل کر ڈالے اور انکی فوج کے سردار سوبک کو ایسا مارا کہ وہ وہیں مر گیا۔

(۱۶) سموئیل دوم باب ۱۲ آیت ۲۹ میں ہے۔

تب داؤد نے سب لوگوں کو جمع کیا اور ربہ کو گیا اور اس سے لڑا اور اسے لے لیا اور اس نے انکے بادشاہ کا تاج اسکے سر پر سے اتار لیا۔ اسکا وزن سونے کا ایک قنطار تھا اور اس میں جواہر جڑے ہوئے تھے سو وہ داؤد کے سر پر رکھا گیا اور وہ اس شہر سے لوٹ کا بہت سا مال نکال لایا اور اس نے ان لوگوں کو جو اس میں تھے باہر نکال کر انکو آروں اور لوہے کے ہینگوں اور لوہے کے کلہاڑوں کے نیچے کر دیا اور انکو اینٹوں کے پزاوے میں سے چلوایا اور اس نے بنی عمون کے سب شہروں سے ایسا ہی کیا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کا جہاد و قتال

(۱۷) حضرت ایلیاہ کا بعل کے نبیوں کو قتل کرنے کا واقعہ اس طرح مذکور ہے۔

ایلیاہ نے ان سے کہا بعل کے نبیوں کو پکڑ لو ان میں سے ایک بھی

جانے نہ پائے۔ سوانہوں نے انکو پکڑ لیا اور ایلیاہ انکو نیچے قیسون کے
نالہ پر لے آیا اور وہاں انکو قتل کر دیا۔ (سلاطین اول باب ۱۸ آیت ۴۰)

یادرہے کہ بعل کے ان نبیوں کی تعداد چار سو پچاس تھی جیسا کہ اسی باب کی آیت ۱۹ اور ۲۲ میں صراحت ہے۔

پولوس کی گواہی

(۱۸) پولوس عبرانیوں کے نام خط میں لکھتے ہیں۔

اب اور کیا کہوں؟ اتنی فرصت کہاں کہ جدعون اور برق اور سمسون اور افتاہ اور داؤد اور سموئیل اور اور نبیوں کا احوال بیان کروں؟ انہوں نے ایمان ہی کے سبب سے سلطنتوں کو مغلوب کیا۔ راستبازی کے کام کئے۔ وعدہ کی ہوئی چیزوں کو حاصل کیا۔ شیروں کے منہ بند کئے۔ آگ کی تیزی کو بجھایا۔ تلوار کی دھار سے بچ نکلے۔ کمزوری میں زور آور ہوئے۔ لڑائی میں بہادر بنے۔ غیروں کی فوجوں کو بھگا دیا۔

(عبرانیوں کے نام خط باب ۱۱ آیت ۳۲ تا ۳۴)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جہاد وقتال

(۱۹) حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے اس بارے میں ذکر ہے۔

اس وقت وہ بے دین ظاہر ہوگا جسے خداوند یسوع اپنے منہ کی پھونک سے ہلاک اور اپنی آمد کی تجلی سے نیست کریگا۔

(تھسلنیکیوں کے نام دوسرا خط باب ۲ آیت ۸)

تجزیہ مصنفؒ

مذکورہ بالا عبارات سے صاف ظاہر ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں کفار کے گناہوں کی شامت اور ایمان نہ لانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو طوفان کے عذاب سے ہلاک کر دیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کے زمانہ میں انکی قوم کے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اہلِ سدوم وعمورہ کو تباہ کر دیا حتیٰ کہ آسمان سے گندھک اور آگ برسا کر نباتات کو بھی تباہ کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون کو اسکے ہزاروں لشکریوں سمیت دریائے قلزم میں غرق کر کے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کافر بادشاہوں سے جنگ کر کے انکے تمام مال واسباب کو بطور غنیمت لے لیا۔ بنی اسرائیل نے حکم خداوندی اور ارشاد موسوی کے مطابق قبطیوں کے مملوکہ زیورات، ملبوسات اور لاکھوں روپیہ عاریت کا بہانہ کر کے دھوکہ دیکر اپنے قبضہ میں لے لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں حضرت یوشعؑ نے عمالیقیوں کے سینکڑوں لوگوں کو شکست دیکر قتل کر ڈالا اور اللہ تعالیٰ نے تاکید کیساتھ وعدہ فرمایا کہ میں عمالیق کا نام ونشان بالکل دنیا سے مٹا دونگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں ہی الیعزر سپہ سالار نے مدیان کے سب مردوں کو قتل کیا۔ انکے شہروں کو آگ لگا دی، عورتوں، بچوں، جانوروں اور مال واسباب سب کچھ لوٹ لیا پھر ان میں سے جو عورتیں مرد کا منہ دیکھ چکی تھیں (شادی شدہ تھیں) انکو اور لڑکوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کرا دیا۔ بقیہ مال غنیمت اور بتیس ہزار کنواری لڑکیوں کو اپنے سپاہیوں کیلئے بچا رکھا اور دیگر جنگجوؤں کو بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے حکم سنایا کہ جو اسرائیلی غنیمت میں آئی ہوئی کسی عورت پر فریفتہ ہو جائے تو اسے بیوی بنا لے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچھڑے کی پوجا کرنے پر تین ہزار آدمیوں کو قتل کرایا اور حکم دیا کہ کوئی بھی شخص غیر اللہ کی عبادت کرے یا ترغیب دے اسے قتل وسنگسار کر دیا جائے اس پر رحم اور عیب پوشی کرنے کو حرام قرار دیا۔ مذکورہ بالا چھ قبائل اور جرجاسیوں کے

قبیلہ کے متعلق متعدد جگہوں پر حکم خداوندی انتہائی تاکید کیساتھ آیا ہے کہ ان سے عہد نہ باندھنا۔ ان پر رحم نہ کرنا' بلکہ سب کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکنا انکے بتوں کو ریزہ ریزہ کرنا' تمام عبادت گاہوں اور قربان گاہوں اور بت خانوں کو منہدم کر دینا۔ انکے باغ وکھیت کاٹ ڈالنا۔ ان اقوام کے شہروں میں کسی انسان یا جانور کو زندہ نہ چھوڑنا۔ ان چھ قبائل کے علاوہ باقی کے متعلق یہ حکم آیا کہ محاصرہ کرنے کے بعد اولاً اطاعت کرنے کو کہا جائے۔ اگر اطاعت قبول کریں اور جزیہ دینے پر آمادہ ہوں تو ٹھیک ورنہ تمام مردوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں' بچوں' مویشی' مال واسباب کو غنیمت بنالیا جائے۔ یہ سب تمہارے لئے حلال وطیب ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشعؑ نے مذکورہ چھ قبائل کے لاکھوں لوگوں کو اور اکتیس بادشاہوں کو قتل کیا انکے اکثر شہروں کو آگ لگا کر راکھ کا ڈھیر کیا۔ سمسون نے ہڈی سے ایک ہزار آدمی کو قتل کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے جسوریوں' جزریوں' عمالیقوں پر حملہ کر کے اس سرزمین کے تمام باشندوں کو ہلاک کر ڈالا۔ انکے جانور اور ساز وسامان کو مال غنیمت بنالیا۔ ضوباہ کے بادشاہ کو قتل کیا ایک ہزار سات سو سوار اور بیس ہزار پیادہ لوگ پکڑ لیے۔ سورتھوں کیلئے گھوڑے بچائے اور باقی سب گھوڑوں کی کونچیں کاٹ دیں۔ آرامیوں کے بائیس ہزار آدمی قتل کیے پھر آرامیوں سے دوسری جنگ میں سات سو رتھوں کے آدمی اور چالیس ہزار سوار قتل کر ڈالے بنی عمون کے شہروں میں وہ کچھ کیا کہ اس سے زیادہ سزا کا تصور نہیں ہوسکتا کہ بعض کو آروں سے کاٹ ڈالا' بعض کو دھکتی آگ سے گزارا اور اس طرح کی اور سزائیں دیں۔ حضرت ایلیاہ نے چار سو پچاس جھوٹے نبیوں کو ذبح کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزول کے بعد دجال کو بنفسِ نفیس قتل کریں گے۔ اہلِ کتاب کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ساری کائنات یا بعض کو ہلاک کرنا ہر اعتبار سے قابل تعریف ہے۔ اسی طرح انبیاء بنی اسرائیل کا جہاد وقتال کرنا اللہ کے حکم، اسکی رضا کے عین موافق اور آخرت کے ثواب کے

حصول کا ذریعہ تھا محض اسباب وسامان ومالِ غنیمت کا حاصل کرنا مقصود نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت صاف ارشاد فرماتے ہیں کہ ان احکام کی بنا پر حق میں جہاد بالکفار بھی داخل ہے میں تم سے اور بنی اسرائیل سے عہد باندھتا ہوں اور مزید ارشاد فرمایا کہ اگر ان چھ قبیلوں میں ایک شخص بھی زندہ چھوڑا تو میں تمہارے ساتھ وہی کرونگا جو ان کیساتھ ارادہ کیا یعنی تمہیں ہلاک کرونگا جیسا کہ خروج باب ۳۴ آیت ۲۷ گنتی باب ۳۳ آیت ۵۶ میں صراحت ہے اور پولوس حضرت داؤد علیہ السلام وسمون وغیرہ کے جہاد کو رضاءِ الٰہی اور حکم خداوندی کے عین مطابق سمجھتے ہیں اسی وجہ سے انکے جہادی عمل کے متعلق مبالغہ آمیز انداز میں فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایمان ہی کے سبب سے سلطنتوں کو مغلوب کیا، راستبازی کے کام کیے وعدہ کی ہوئی چیزوں کو حاصل کیا وغیرہ وغیرہ۔

ناظرین اگر کتب سماویہ کے احوالِ مذکورہ کو ملاحظہ کریں تو مخفی نہ رہے گا کہ ان انبیاء کرام علیہم السلام نے جنگ سے قبل از راہِ وحی قتال کیلئے اجازت طلب کی۔ بعض کو یہ ارشاد ہوتا تھا کہ تمہارے دشمن تمہارے قبضہ میں دیدونگا اور بعضوں سے اس طرح کے اور ارشادات ہوتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اس جنگ اور قتال کے حوالے سے اپنے متعلق اس طرح ارشاد فرماتے ہیں۔

”کیونکہ میں خداوند کی راہوں پر چلتا رہا اور شرارت سے اپنے خدا سے الگ نہ ہوا کیونکہ اس کے سب فیصلے میرے سامنے رہے اور میں اسکے آئین سے برگشتہ نہ ہوا میں اسکے حضور کامل بھی رہا اور اپنے کو اپنی بدکاری سے باز رکھا“ (زبور ۱۸ آیت ۲۱ تا ۲۳) بلکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کے بعد انکی تعریف ومدح میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”جس نے میرے حکم مانے اور اپنے سارے دل سے میری پیروی کی تا کہ فقط وہی کرے جو میری نظر میں ٹھیک تھا“ (سلاطین اول باب ۱۴ آیت ۸) اِس آیت کے مقتضاء کے مطابق حضرت

داؤد علیہ السلام کا کافروں سے جہاد اور انکو سخت سزائیں دینا اللہ کے حکم کے مطابق اور ذاتِ کبریا کے ہاں پسندیدہ فعل تھا۔ اور ایک بدبخت جو اطاعتِ خدا اور سول سے بے بہرہ ہو اسکے علاوہ کوئی شخص یہ نہیں کہے گا کہ خداتعالیٰ کا نافرمانوں کو ہلاک کرنا، انبیاء کرام کا جہاد کرنا، لاکھوں لوگوں کو قتل کرنا حتی کہ جانور، پرند چرند، کیڑے مکوڑے، چھوٹے بچے کہ جن سے ابھی کوئی سرکشی اور کفر ظاہر بھی نہیں ہوا انکا قتل کوئی ناجائز فعل تھا۔ اسی طرح غیر اللہ کی عبادت کرنے یا ترغیب دینے پر قتل کرنا یا بچھڑے کی پوجا کرنے والے تین ہزار لوگوں کو تباہ کرنا، عوتوں، بچوں، جانوروں اور دیگر مال واسباب کا کفار سے بطور غنیمت حاصل کرنا بالخصوص قبطیوں کا زیورات، کپڑے اور لاکھوں روپیہ عاریت کا بہانے کرتے ہوئے دھوکے سے لینا ان سب باتوں کو کوئی شخص ناجائز اور ظلم نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح کسی کافر بدبخت کے علاوہ کوئی شخص یہ نہیں کہے گا کہ غنیمت کی عورت پر دل آجانے سے اسکو بیوی بنالینے کی اجازت دینا در حقیقت فسق وفجور کی راہ کھولنا اور اجازت بخشنا ہے۔

جہادِ اسلام اور سابقہ شریعتوں کے جہاد میں فرق

حاصل یہ ہے کہ جہاد محمدی ﷺ اور سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اسوۂ جہاد کو تقابل کرنے سے ناظرین کو بخوبی معلوم ہو جائیگا کہ بنی اسرائیل کے انبیاء کا جہادی طریقہ زیادہ سخت تھا مگر مسیحی علماء کے تعصب وتنگ نظری کا کیا کہنا کہ وہ جہاد کے حوالے سے اہلِ اسلام پر منہ بھر بھر کے اعتراض کرتے ہیں جبکہ دوسری جانب لاکھوں جانوروں کے قتل کو، کافر مردوں وعورتوں کو قتل کرنے کے علاوہ لاکھوں بے گناہ بچوں اور جانوروں کے ہلاک کرنے کو اپنے انبیاء کی شریعت کی روشنی میں امرِ مستحسن سمجھتے ہیں اور کبھی ظلم کا نام نہیں دیتے۔ شریعتِ محمدی ﷺ کا طریقہ جہاد اور شریعت موسوی کے جہاد میں انتہائی مماثلت پائی جاتی

ہے جیسا کہ استثناء باب ۲۰ میں منقول ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ شریعت موسوی میں ان چھ قبائل کے علاوہ دیگر لوگوں سے پہلے جزیہ کا سوال ہوگا پھر جنگ ہوگی جبکہ شریعت احمدی ﷺ میں مشرکین عرب کے علاوہ دوسرے لوگوں کو اولاً موعظہ حسنہ کیساتھ دعوتِ اسلام دی جاتی ہے پھر جزیہ کا سوال آتا ہے اور آخر میں جنگ کی باری آتی ہے۔ اب اگر مسیحی حضرات اولاً حکمت ونصیحت کیساتھ دعوتِ اسلام دینے کو قبیح سمجھتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ وہ راہِ انصاف سے کوسوں دور جاپڑتے ہیں کیونکہ جزیہ کی بات کرنے سے پہلے دعوتِ اسلام دینا جو دارین کی فلاح کا ذریعہ ہے اس میں کیا عیب ہے؟ بلکہ یہ تو انتہائی قابل تعریف عمل ہے اور چونکہ حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیاء ہیں انکی نبوت عالمگیر ہے انکے بعد کسی نبی کے آنے کا امکان نہیں کہ وہ آکر فہمائش کردیگا لہٰذا ہماری شریعت میں کفار کے متعلق دعوت کا یہ حکم ابدی ہے۔

جب یہ معلوم ہوا کہ جہاد ایک فریضہ اور حکم خداوندی ہے تو اسکا بجالانے والا یقیناً ثواب کا مستحق ہوگا جیسا کہ پولوس بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں اب اگر راہِ خدا میں سر دھڑ کی بازی لگا دینے والے شہید کو جنت کا مستحق قرار دیا جائے تو عقلی اعتبار سے اسمیں حیرت کی کون سی بات ہے؟ کیا خود مسیحی علماء کو یہ تسلیم نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص زندگی کے آخر حصے میں حضرت مسیح علیہ السلام پر انکے طریقہ کے مطابق ایمان لائے تو وہ مستحقِ جنت ہوجاتا ہے۔ اگر مسیحی حضرات یہ کہیں کہ شریعتِ عیسوی میں جہاد کا حکم نہیں ہے اور اگر شریعتِ احمدی ﷺ میں مانا جائے تو حکم اول کا نسخ لازم آتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ اسکا جواب پوری تفصیل کیساتھ باب اول کی فصل اول میں اعتراضِ اول کے جواب کے تحت گذر چکا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت مسیح علیہ السلام نزول کے بعد بنفس نفیس دجال کو قتل کریں گے۔ اگر وہ یہ کہیں کہ شریعت محمدی ﷺ میں بھی پہلے جہاد کا حکم نہیں تھا بعد کو آیا اس سے تو لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نبی کے ذریعے پہلے ایک حکم دیں پھر اسی نبی کے دور میں اس حکم کو منسوخ کردیں تو میں کہتا ہوں کہ

اس کا جواب بھی باب اول کی فصل دوم میں اعتراضِ نہم کے تحت گذر چکا ہے ناظرین وہاں مراجعت فرمائیں۔ مسیحی حضرات یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ جب تک بنی اسرائیل مصر میں رہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کو فرعون اور اسکے لشکر سے جنگ کے متعلق کوئی حکم نہ دیا پھر جب بنی اسرائیل مصر سے کلی طور پر نکل گئے اور اپنے سخت ترین دشمن کے چنگل سے نجات پائی تب انکو دوسری قوموں کے خلاف جس شدومد کیساتھ جہاد وقتال کا حکم دیا گیا وہ آپ نے معلوم کر ہی لیا۔ مسیحی حضرات حکمِ جہاد اور مرتد کی سزا کے مسئلہ میں طرح طرح کے جھوٹے اقوال بنا کر نہایت گستاخانہ طریقے سے زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ طوالت کے خوف سے ہم انکو ذکر نہیں کرتے تاہم اگر کوئی غبی شخص بھی ہمارے ذکر کردہ گذشتہ کلام پر اچھی طرح گرفت پالے تو الزام دیتے ہوئے انکے ہر اعتراض کا بالعکس مناسب جواب یا اس سے بھی زیادہ سخت جواب دے سکتا ہے۔

اعتراضِ ہشتم

آٹھواں اعتراض یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین عرب جو حضرت محمد ﷺ کے زمانے میں تھے ان میں سے کوئی آپ کو ساحر کہتا' کوئی شاعر و کاہن کہتا' کوئی دیوانہ و پاگل قرار دیتا' کوئی انکو اللہ پر افتراء باندھنے والا کہتا۔

جواب

یہ اعتراض حماقت کا کرشمہ ہے اور اس لائق ہی نہیں کہ جواب دینے کی ضرورت سمجھی جائے تاہم کوتاہ نظر لوگوں کا خیال کرتے ہوئے اس سے اغماض بھی نہیں برتا جا سکتا۔ آپکو معلوم ہے کہ ہر نبی کے زمانہ میں مخالفین اور تعصب رکھنے والے لوگ اس نبی کے متعلق ایسے ہی گمان کرتے رہتے ہیں اور انکو تکالیف پہنچاتے ہیں۔ خصوصاً یہود جو کتب سماویہ کا علم رکھتے

تھے وہ حضرت مسیح ؑ کو تسلیم نہیں کرتے تھے بلکہ آنجناب ؑ کے متعلق گستاخانہ کلمات ساحر، گمراہ، کافر، دیوانہ، سامری وغیرہ کہتے تھے۔ حضرت مسیح ؑ اور انکے حواریوں کیساتھ استہزاء و تمسخر اور دیگر بے ادبی کرتے تھے جیسا کہ باب سوم کی فصل اول میں پوری تفصیل سے معلوم ہوگیا۔

اعتراضِ نہم: خودستائی کا الزام

کہتے ہیں کہ نبوت کی علامت یہ ہے کہ اس نبی کے کلام میں اپنی تعریف خود کرنا اور اپنی بڑائی نہ ہو جبکہ محمد ﷺ میں یہ بات موجود تھی وہ خود کو تمام انبیاء سے افضل بتاتے ہیں مسلمانوں میں مشہور ہے "لولاك لما خلقت الافلاك" (۱) یعنی میں نے آپکو پیدا نہ کرنا ہوتا تو زمین آسمان پیدا نہ کرتا۔ خود محمد ﷺ اپنے متعلق فرماتے ہیں "اول ما خلق اللہ نوری" (۲) یعنی سب سے پہلی چیز جو خداوند نے پیدا کی وہ میرا نور ہے۔ اِس اعتراض کو صاحب ''دلائل نبوت حقہ'' اپنی کتاب کے حصہ سوم میں اور صاحب ''وجہۃ الایمان'' نے سبب چہارم کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔ ہم نے اعتراض کی جو تقریر کی ہے وہ اول کے مطابق ہے۔

جواب

حضرت مسیح ؑ کا خود اپنی تعریف کرنا

خودستائی کو نبوت کے منافی کہنا اور اس سے پاک ہونے کو شرط نبوت قرار دینا سراسر

---

(۱) یہ جملہ مسلمانوں میں مشہور تو ہے مگر متن وسند کے اعتبار سے ثابت نہیں ہے۔

(۲) یہ روایت بھی نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے اس پر انتہائی مفید معلومات کیلئے ملاحظہ ہو۔

(تحقیقات وتاثرات، ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی، ص ۳۲۱، مطبوعہ ادارہ علم وفن، ۲۰۰۰ء)

جہالت اور خطا کی وادیوں میں بھٹکنا ہے اور اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارنا ہے کیونکہ مسیحیوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق یہ بات مشہور ہے ''سب چیزیں اسکے وسیلہ سے پیدا ہوئیں اور جو کچھ پیدا ہوا ہے اس میں سے کوئی چیز بھی اسکے بغیر پیدا نہیں ہوئی'' (یوحنا باب ۱ آیت ۳) پولوس حضرت مسیح علیہ السلام کی تعریف میں لکھتا ہے ''کیونکہ اسی میں سب چیزیں پیدا کی گئیں' آسمان کی ہوں یا زمین کی' دیکھی ہوں' یا اندیکھی، تخت ہوں یا ریاستیں یا حکومتیں یا اختیارات سب چیزیں اسی کے وسیلہ سے اور اسی کے واسطہ سے پیدا ہوئی ہیں'' (کلیسوں کے نام خط باب ۱ آیت ۱۶) نیز حضرت مسیح علیہ السلام خود اپنی تعریف میں رطب اللسان ہیں ''میں تم سے کہتا ہوں یہاں وہ ہے جو ہیکل سے بھی بڑا ہے........دیکھو یہاں وہ ہے جو یوناہ سے بھی بڑا ہے........اور دیکھو یہاں وہ ہے جو سلیمان سے بھی بڑا ہے'' (متی باب ۱۲ آیت ۶' ۴۱' ۴۲) حضرت مسیح علیہ السلام کے مذکورہ آخری دو قول جن میں خود کو حضرت یونس وسلیمان علیہما السلام سے بڑا اقرار دیا ہے یہ لوقا باب ۱۱ آیت ۳۱' ۳۲ میں بھی مذکور ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے! کہ حضرت مسیح علیہ السلام ان اقوال میں صاف طور پر اپنی ذات کو بیت المقدس اور حضرت یونس وسلیمان علیہما السلام جیسے پیغمبروں سے بھی افضل بتاتے ہیں۔

پولوس کا اپنے منہ میاں مٹھو بننا

اسی طرح پولوس رسول اپنے خطوط میں اپنی مدح وتوصیف میں ایسے بلند بانگ دعوے فرماتے ہیں اور اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہیں کہ کیا کہنا چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں ''میں تو اپنے آپ کو ان افضل رسولوں سے کچھ کم نہیں سمجھتا'' (کرنتھیوں کے نام دوسرا خط باب ۱۱ آیت ۵) اسی خط میں اسی باب کی آیت ۲۱ میں فرماتے ہیں ''میرا یہ کہنا ذلت ہی کے طور پر سہی کہ ہم کمزور سے تھے مگر جس کسی بات میں کوئی دلیر ہے (اگرچہ یہ کہنا بے وقوفی ہے)

میں بھی دلیر ہوں۔ کیا وہی عبرانی ہیں؟ میں بھی ہوں۔ کیا وہی اسرائیلی ہیں؟ میں بھی ہوں۔ کیا وہ ابراہام کی نسل سے ہیں؟ میں بھی ہوں۔ کیا وہ مسیح کے خادم ہیں؟ (میرا یہ کہنا دیوانگی ہے) میں زیادہ تر ہوں۔ محنتوں میں زیادہ الخ‘‘ آگے چل کر لکھتے ہیں ’’اور اگر فخر کرنا چاہوں بھی تو بے وقوف نہ ٹھہرونگا اس لئے کہ سچ بولوں گا مگر تو بھی باز رہتا ہوں تا کہ کوئی مجھے اس سے زیادہ نہ سمجھے جیسا مجھے دیکھتا ہے یا مجھ سے سنتا ہے........میں بے وقوف تو بنا مگر تم ہی نے مجھے مجبور کیا کیونکہ تم کو میری تعریف کرنا چاہیئے تھا اس لئے کہ میں ان افضل رسولوں سے کسی بات میں کم نہیں اگر چہ کچھ نہیں ہوں‘‘ (کرنتھیوں کے نام دوسرا خط باب ۱۲ آیت ۶، ۱۱) پولوس اپنے ایک دوسرے خط میں اپنے متعلق لکھتے ہیں ’’تم بھی گواہ ہو اور خدا بھی کہ تم سے جو ایمان لائے ہو ہم کیسی پاکیزگی اور راستبازی اور بے عیبی کیساتھ پیش آئے‘‘

(تھسلنیکیوں کے نام پہلا خط باب ۲ آیت ۱۰)

حاصلِ کلام

اس مسلوب العقل پادری صاحب کی زیادتی ملاحظہ فرمایئے کہ نبوت کی ایک ایسی علامت اور شرط بتائی ہے کہ جسکی وجہ حضرت مسیح علیہ السلام کی نبوت اور پولوس کی نبوت بھی برباد ہوگئی۔ بے چارے پادری صاحب نے اتنا بھی نہیں سمجھا کہ پولوس نے خودستائی کرنے پر احمق ہونے کے اشتباہ کو یہ کہہ کر دور کیا کہ ’’اس لئے کہ میں سچ بولوں گا‘‘ معلوم ہوا کہ کسی امر واقعی کے بیان کرنے کو طرفداری اور خودستائی قرار دینا یہ پادری صاحب کا ہی کام ہوسکتا ہے اور بس۔ ہاں پادری صاحب کی ذات سے یہ بعید نہیں کہ وہ کہیں کہ پولوس نے اگر چہ اس جگہ کہا ہے کہ میں بے وقوف نہ ٹھہرونگا تاہم دوسری جگہ کہا ہے کہ میرا یہ کہنا بے وقوفی اور دیوانگی ہے لہٰذا اسکے دوسرا قول کا اعتبار کرتے ہوئے اس نبی عاقل (حضرت محمد ﷺ) کے

مقابلہ میں اسکو بے وقوف اور دیوانہ سمجھتے ہیں۔ٹھیک ہے اگر وہ اس طرح ارشاد فرماتے ہیں تو ہم بھی پولوس کا قول بطور سند نہ لائیں گے ایسی صورت میں ہمارے لیے حضرت مسیحؑ کے خود ستائی پر مشتمل ارشادات ہی کافی ہیں۔ وباللہ التوفیق

اعتراضِ دہم

مسیحی حضرات قرآن پاک کی بعض آیات اور کتب حدیث میں آنحضرتﷺ سے منقول بعض دعائیہ جملوں کا سہارا لیکر کہتے ہیں کہ محمدﷺ تو خود اپنے گناہ گار ہونے کا اقرار کرتے ہیں اور قبل از نبوت اپنے گمراہ و نادان ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔اب یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ شافع محشر ہیں اور تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ چنانچہ سورۃ مؤمن میں ہے:۔

فاصبر ان وعد اللہ حق واستغفر لذنبك وسبح بحمد ربك بالعشی والابکار۔ (سورۃ المؤمن آیت ۵۵)

تو صبر کرو بے شک خدا کا وعدہ سچا ہے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور صبح و شام اپنے پروردگار کی تعریف کیساتھ تسبیح کرتے رہو۔

پھر سورۃ محمد میں آیا ہے:۔

فاعلم انہ لاالہ الّا اللہ واستغفر لذنبك وللمؤمنین والمؤمنات۔ (سورۃ محمد آیت: ۱۹)

پس جان رکھو کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور مؤمن مردوں اور عورتوں کیلئے بھی'' پھر سورۃ فتح میں آیا ہے۔

انا فتحنا لك فتحاً مبیناً لیغفرك اللہ ماتقدم من ذنبك وماتأخر (سورۃ الفتح آیت :۱)

بے شک ہم نے آپکو کھلی فتح دی تا کہ آپکے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دے۔

اور اپنی دعا میں کہتے ہیں:۔

فاغفرلی ماقدمت وما اخرت ومااسررت وما اعلنت وماانت اعلم به منی انت المقدم وانت المؤخر انت الله لا اله الا انت۔

پس بخش دیجئے وہ سب جو میں نے پہلے کیے یا بعد میں کیے، جو پوشیدہ کیے یا علانیہ کیے اور جو آپ میرے متعلق مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ تو اول و آخر ہے تو ہی خدا ہے تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

اس طرح کی اور بھی کئی دعائیں ہیں (۱) ان سب سے انکا گناہوں کا اقرار کرنا صاف ظاہر ہے۔ سورہ شوریٰ میں کہتے ہیں۔

ما کنت تدری ماالکتاب والایمان ولکن جعلناہ نوراً نهدی به من نشاء من عبادنا (سورۃ الشوری آیت: ۵۲)

آپ نہ تو کتاب جانتے تھے اور نہ ایمان لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم بندوں میں سے جسکو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔

سورۃ الضحیٰ میں کہتے ہیں:

ووجدك ضالاً فهدی (سورۃ الضحیٰ آیت: ۷)

اور تجھ کو گمراہ پایا پس ہدایت دی۔

---

(۱) کتاب الاستغفار، ریاض الصالحین، مؤلفہ امام یحییٰ بن شرف النووی الدمشقی، ص ۵۵۰، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی

اِن دو آیات سے انکے قبل از نبوت نادان اور گمراہ ہونے کی صراحت ہے۔(۱)

جواب

جواب کی سماعت سے قبل تین بنیادی امور بطور تمہید سمجھ لیجئے۔

پہلی بات

چونکہ اللہ رب العزت مالک اور پروردگار ہے جبکہ تمام مخلوقات اسکے بندے اور مملوک و مربوب ہیں لہٰذا بارگاہِ الٰہی کی طرف سے بندوں کے حق میں بالخصوص انبیاء کرام علیہم السلام کے بزرگ طبقہ کو کوئی بات بطورِ خطاب یا عتاب واقع ہو یا ان حضرات کے حوالے سے کلامِ الٰہی میں سطوت و استعلاء ہو یا یہ حضرات غایت درجہ انکساری' فروتنی اور اظہار عبودیت کریں تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ آقا اپنے بندہ سے جو چاہے کہہ سکتا ہے اللہ تعالیٰ جس قدر چاہیں اپنے علوِ شان اور کمالِ مرتبت کو ظاہر فرمائیں کہ حاکمیت کی شان یہی ہے اور بندہ جس قدر عاجزی و فروتنی ظاہر کرے تو یہ اسکی بندگی کے شایانِ شان ہے۔ اب جہاں جہاں خطاب الٰہی میں شاہی عتاب یا حاکمانہ گرفت ہو یا ان حضرات کا بارگاہِ الٰہی میں حد درجہ اظہار بندگی ہو تو اس کو ہر جگہ حقیقی معنی پر محمول کرنا' اس بندہ کو اس خطاب و عتاب کا حقیقی مصداق بنانا اور ان عتابات کو اسکے حق میں یقینی خیال کرنا محض خطا اور گمراہی ہے۔ بائبل بالخصوص زبور میں اسکی مثالیں کثرت کیساتھ ہیں یہاں ہم چند ایک بطور نمونہ ذکر کرتے ہیں۔

---

(۱) اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ''مسئلہ استغفار انبیاء'' کا عنوان دیکر مولانا عبداللطیف مسعودؒ نے انتہائی فاضلانہ بحث کی ہے، بحوالہ ''تحریف بائبل بزبانِ بائبل' مصنفہ مولانا عبداللطیف مسعودؒ، ص۲۴۲، مطبوعہ عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت ملتان، سن طباعت ۲۰۰۴ء

(۱) زبور ۲۲ آیت ۱ میں ہے ''اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ تو میری مدد اور میرے نالہ وفریاد سے کیوں دور رہتا ہے؟ اے میرے خدا! میں دن کو پکارتا ہوں پر تو جواب نہیں دیتا اور رات کو بھی اور خاموش نہیں ہوتا''

(۲) حضرت مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے کے متعلق ذکر ہے ''یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا ایلی ایلی لما شبقتنی ؟ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا'' (متی باب ۲۷ آیت ۴۶) چونکہ مسیحی علماء کی تصریح کے مطابق زبور ۲۲ کی تمام آیات حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف راجع ہیں لہٰذا اس تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اگرچہ ظاہری طور پر آیاتِ مذکورہ حضرت داؤد علیہ السلام کی زبانی وارد ہوئی ہیں مگر حقیقت میں اسکے کہنے والے حضرت مسیح علیہ السلام ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ آنجناب علیہ السلام با آواز بلند فریاد کر رہے ہیں کہ خدا نے مجھے چھوڑ دیا ہے، میری مدد اور نالہ وفریاد کے سننے سے دور رہتا ہے یہاں تک کہ رات دن فریاد کرتا ہوں مگر میری فریاد کو نہیں سنتا۔

(۳) زبور ۳۸ آیت ۳ میں ہے ''تیرے قہر کے سبب میرے جسم میں صحت نہیں اور میرے گناہ کے باعث میری ہڈیوں کو آرام نہیں کیونکہ میری بدی میرے سر سے گذر گئی اور وہ بڑے بوجھ کی مانند میرے لئے نہایت بھاری ہے'' انتہٰی۔ ان آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے میرے جسم میں جان نہیں رہی اور گناہ کثرت کی وجہ سے میرے سر سے گذر گئے۔

(۴) زبور ۵۱ آیت ۳ میں ہے ''کیونکہ میں اپنی خطاؤں کو مانتا ہوں اور میرا گناہ ہمیشہ میرے سامنے ہے میں نے فقط تیرا ہی گناہ کیا ہے اور وہ کام کیا ہے جو تیری نظر میں برا ہے تاکہ تو اپنی باتوں میں راست ٹھہرے اور اپنی عدالت میں بے عیب رہے دیکھ! میں نے بدی میں صورت پکڑی اور میں گناہ کی حالت میں ماں کے پیٹ میں پڑا'' ان آیات میں

اپنے گناہ گار ہونے کا صاف اقرار کر رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ میں ماں کے پیٹ میں گناہ کی حالت میں بنا اور میری ماں شرارت سے حاملہ ہوئی۔

(۵) زبور ۵۳ آیت ۲ میں ہے ”خدا نے آسمان پر سے بنی آدم پر نگاہ کی تا کہ دیکھے کہ کوئی دانشمند کوئی خدا کا طالب ہے یا نہیں۔ وہ سب کے سب پھر گئے ہیں وہ باہم نجس ہو گئے کوئی نیکو کار نہیں ایک بھی نہیں“ مذکورہ عبارت کی آیت ۳ کو بطور خاص دیکھئے کس قدر تاکید کیساتھ تمام انسانوں سے نیکی وراستبازی کی نفی کی گئی ہے حالانکہ اس زمانہ میں حضرت داؤد وسلیمان ناتان علیہم السلام اور دیگر سینکڑوں کاہن' عابد' پرہیز گار' دیانت دار موجود تھے مگر آیت کے ظاہر سے ان لوگوں کا بھی گمراہ ہونا' ناپاک ہونا اور بالکل نیکی نہ کرنا ثابت ہوتا ہے۔

(۶) یسعیاہ باب ۵۹ آیت ۹' ۱۲' ۱۳ میں ہے ”اس لئے انصاف ہم سے دور ہے اور صداقت ہمارے نزدیک نہیں آتی۔ ہم نور کا انتظار کرتے ہیں پر دیکھو تاریکی ہے اور روشنی کا پر اندھیرے میں چلتے ہیں...... کیونکہ ہماری خطائیں تیرے حضور بہت ہیں اور ہمارے گناہ ہم پر گواہی دیتے ہیں کیونکہ ہماری خطائیں ہمارے ساتھ ہیں اور ہم اپنی بدکرداری کو جانتے ہیں کہ ہم نے خطا کی خداوند کا انکار کیا اور اپنے خدا کی پیروی سے برگشتہ ہو گئے ہم نے ظلم اور سرکشی کی باتیں کیں اور دل میں باطل تصور کر کے دروغگوئی کی“

(۷) یسعیاہ باب ۶۴ آیت ۶ میں ہے ”اور ہم تو سب کے سب ایسے ہیں جیسے ناپاک چیز اور ہماری تمام راستبازی ناپاک لباس کی مانند ہے اور ہم سب پتے کی طرح کملا جاتے ہیں اور ہماری بدکرداری آندھی کی مانند ہم کو اڑا لے جاتی ہے اور کوئی نہیں جو تیرا نام لے جو اپنے آپکو آمادہ کرے کہ تجھ سے لپٹا رہے کیونکہ ہماری بدکرداری کے سبب سے تو ہم سے روپوش ہوا اور ہم کو پگھلا ڈالا“

ان دونوں عبارات میں حضرت یسعیاہؑ نہ صرف اپنے آپکو بلکہ اپنے عہد کے تمام نبیوں کو بھی گناہ گار قرار دیکر صاف فرماتے ہیں کہ صداقت ہمارے نزدیک نہیں آتی ہماری خطائیں اللہ کے حضور بہت ہیں' ہمارے گناہ ہم پر گواہی دیتے ہیں۔ ہم گناہ گار ہیں' خدا پر بہتان باندھتے ہیں اسکی پیروی سے برگشتہ ہوگئے ہیں' ظلم' سرکشی اور جھوٹی باتیں زبان پر لاتے ہیں۔ ہم سب ناپاک ہیں۔ ہماری بدکرداری نے ہم کو ہوا کی مانند اڑا دیا ہے۔ کوئی نہیں جو خدا کا نام لے اس لیے اللہ نے غضب ناک ہوکر ہمیں ہمارے گناہوں کے سپرد کر دیا۔

(۸) مرقس باب ۱ آیت ۴'۹' متی باب ۳ آیت ۵' لوقا باب ۳ آیت ۳ میں ہے "یوحنا آیا اور بیابان میں بپتسمہ دیتا اور گناہوں کی معافی کیلئے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کرتا تھا اور یہودیہ کے ملک کے سب لوگ اور یروشلیم کے سب رہنے والے نکل کر اسکے پاس گئے اور انہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر کے دریائے یردن میں اس سے بپتسمہ لیا......اور ان دنوں ایسا ہوا کہ یسوع نے گلیل کے ناصرہ سے آکر یردن میں یوحنا سے بپتسمہ لیا"

مرقس کی اس عبارت کے مطابق حضرت یحییٰ علیہ السلام گناہوں کی معافی کیلئے بپتسمہ دیتے تھے اور اسی کی منادی ووعظ فرماتے تھے۔ بپتسمہ لینے والے پہلے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے اور پھر بپتسمہ لیتے تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی انکے ذریعے بپتسمہ لیا اور یقیناً انہوں نے بھی اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے بپتسمہ لیا ہوگا اور دوسری بات میں آپکو معلوم ہوجائے گا کہ جناب مسیح علیہ السلام نماز اور دعا میں بہت مشغول رہتے تھے چونکہ انکی شریعت کے مطابق نماز کا طریقہ وہی ہے جو متی باب ۶ لوقا باب ۱۱ میں مذکور ہے۔ (۱)

(۱) متی باب ۶ آیت ۹ سے لیکر ۱۲ تک میں دعا کا یہ طریقہ مذکور ہے۔

لامحالہ حضرت مسیح علیہ السلام بھی اسی طرح نماز ومناجات کرتے ہونگے حالانکہ اس نماز ودعا میں یہ بھی آیا ہے "اور ہمارے گناہ معاف کر کیونکہ ہم بھی اپنے ہر قرضدار کو معاف کرتے ہیں اور ہمیں آزمائش میں نہ لا" (لوقا باب ۱۱ آیت ۴) جناب مسیح علیہ السلام اپنی ہر دعا میں یہ کہتے تھے کہ اے اللہ میرے گناہوں کو بخش دے۔ ظاہر ہے کہ یہ صاف گناہوں کا اقرار کرنا ہے جو ہزار مرتبہ آپکی زبان پر آیا ہوگا۔ اسکی مثالیں اور بھی بہت ہیں مگر طوالت کا خوف مانع ہے تاہم جو کچھ لکھا گیا ہے اثباتِ دعویٰ کیلئے وہ بھی کافی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگرچہ مسیحی حضرات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کسی نبی کی عصمت کے قائل نہیں ہیں مگر وہ ان حضرات انبیاء کرام داؤد، ناتان، یسعیاہ علیہم السلام کو اس قدر گناہگار بھی نہیں سمجھتے ہیں جتنا خود انکے اقوال سے بڑی وضاحت کیساتھ انکا اس قدر گناہ گار ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح عیسائیوں کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بحیثیتِ انسان معصوم اور بہر نوع خدا کے محبوب تھے نہ کہ گناہ گار اور متروک۔ لامحالہ مسیحی حضرات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ ارشادات کو انکساری اور کمال عبودیت کے جذبے پر محمول کرینگے اور یہی ہمارا مطلوب ہے۔

دوسری بات

انبیاء کرام علیہم السلام کے بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے محض امت کی تعلیم وتربیت مقصود ہوتی ہے تاکہ انکو دیکھ کر اتباع کی جائے اور وہ حضرات اپنی ذات کیلئے ان کاموں کے قطعاً محتاج نہیں ہوتے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ متی باب ۴ آیت ۲ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن رات روزے رکھے اور مرقس باب ۱ آیت ۳۵ میں ہے "اور صبح ہی دن نکلنے سے بہت پہلے وہ اٹھ کر نکلا اور ایک ویران جگہ میں گیا اور وہاں دعا کی" لوقا باب ۵ آیت ۱۶ میں ہے "مگر وہ جنگلوں میں الگ جا کر دعا کیا کرتا تھا" لوقا باب ۶

آیت ۱۲ میں ہے ''اور ان دنوں میں ایسا ہوا کہ وہ پہاڑ پر دعا کرنے کو نکلا اور خدا سے دعا کرنے میں ساری رات گذاری'' علی ہذا القیاس اور جگہوں پر بھی مذکور ہے۔ حالانکہ اکثر مسیحی حضرات کا اعتقاد یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام ذاتِ خداوندی کیساتھ متحد ہیں اور وہ دونوں جہانوں کے مالک ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس اعتبار سے آنجناب علیہ السلام کو عبادت کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اور نہ ہی وہ اسکے مکلف تھے مگر انہوں نے یہ اعمال تلقین وارشاد کے طور پر کیے تاکہ انہیں دیکھ کر عبادت کی رغبت پیدا ہو اگرچہ ان لوگوں نے سستی کر کے ان اعمال کو بے حقیقت سمجھ لیا ہے اور ہفتے میں ایک دن ''دعا'' پر اکتفاء کر لیا ہے اور وہ بھی بلا طہارت جس میں پاکی ناپاکی کو ملحوظ رکھنا برابر ہے۔

تیسری بات

شریعتِ اسلامی میں انبیاء کرام علیہم السلام کا تمام گناہوں سے معصوم ہونا مسلّم ہے اس پر دلائل عقلی نقلی قطعی قائم ہیں جو اہل اسلام کی کتبِ کلام میں بڑی تفصیل سے مذکور ہیں اور یہ اصول بھی طے شدہ ہے کہ کتبِ شرعیہ میں جو الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جہاں تک ہو سکے انکو شرعی معانی پر محمول کرنا ہی ضروری ہے ہاں اگر حقیقی معنی پر محمول کرنے سے کوئی دلیل قطعی مانع ہو تو ایسی صورت میں اس سے عدول کرنا واجب ہے اور یہی حق ہے جیسا کہ کتبِ سماویہ میں ہزارہا آیات ہیں جو باری تعالیٰ کیلئے جسم ومکان وغیرہ کو ثابت کرتی ہیں ان سب میں اہلِ کتاب نے ''تاویل'' کا یہی طریقہ اختیار کیا ہے جیسا کہ مقدمہ ءباب دوم میں معلوم ہو گیا۔

لفظِ ''ذنب'' کا مطلب:

اسلامی شریعت میں لفظ ''ذنب'' دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک تو ذنب کا

مشہور معنی ہے یعنی گناہ جسکا اطلاق عوام وفساق کی خطا پر ہوتا ہے۔ اسکا دوسرا معنی زلّہ ولغزش ہے جس کا مطلب ہے کہ کوئی معصوم ہستی کسی عبادت یا جائز کام کا ارادہ کرے مگر بلا قصد وارادہ اور بے شعوری سے محض اس بنا پر گناہ میں ملوث ہو جائے کہ وہ عبادت یا جائز فعل کسی گناہ کیساتھ قریب یا متصل تھا جیسے ایک راہ چلنے والا شخص جسکا مقصد راستے کو طے کرنا ہے مگر اس راستے میں کیچڑ یا دلدل آنے کی وجہ سے اچانک پھسل جائے یا کسی پتھر سے ٹھوکر کھا کر گر پڑے۔ اور یہ ترک اولیٰ کے معنی میں ہوتا ہے (۱) جیسا کہ کہا جاتا ہے:

حسنات الاشرار سیئات الابرار وحسنات الابرار سیئات المقربین

ایسے موقعہ پر بھی مذکورہ معنی کا لحاظ کرتے ہوئے لفظ ذنب یا گناہ کا اطلاق ہو جاتا ہے اگر چہ ترکِ اولی حقیقت میں گناہ نہیں ہوتا کیونکہ جائز کام کی ایک قسم ہے۔ یہی حال لفظ ''ضلال'' کا ہے اسکا ایک معنی ہے دین کے معاملے میں گمراہ ہو جانا اور ایسی راہ پر چلنا جو عذابِ آخرت کا باعث ہو اور جہاں جہاں لفظ ضلال مشرکین وکفار کے متعلق آیا ہے یہی معنی مراد ہے۔ کبھی یہ لفظ دوسرے معنوں میں بھی آتا ہے مگر یہ وہاں ہوتا ہے جہاں کفار ومشرکین کے علاوہ سے متعلق ہو جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے ان سے کہا:

انك لفی ضلالك القدیم (سورۃ یوسف آیت ۹۵)

واللہ آپ ایسی قدیم غلطی میں مبتلا ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہاں لفظ ضلال کا بالمعنی الاول کفر وگمراہی والا مطلب نکالنا خود گمراہی وکفر ہے۔

(۱) یعنی ایسا کام کرنا جو شایانِ شان نہ ہو اور اُسکا نہ کرنا زیادہ بہتر ہو۔

پہلی اور دوسری آیت کا صحیح معنی

یہ تین تمہیدی باتیں آپ نے سمجھ لیں تو اب دیکھئے کہ معترض کے اعتراض کا اصل منشاء ان امور سے غفلت اور آیاتِ قرآنی کے صحیح معانی سے ناواقفیت ہے۔ پہلی اور دوسری آیت میں ذنب ترکِ اولیٰ کے معنی میں ہے جیسا کہ ابھی تیسری بات میں معلوم ہوگیا۔ اسی کو امام بیضاویؒ اور بعض دیگر مفسرین نے اختیار کیا ہے وہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں

واستغفر لذنبك واقبل على امر دينك وتدارك فرطاتك بترك الاولى

اور تفسیر حسینی میں ہے ’’واستغفر طلب آمرزش نما لذنبك برائے تدارک آنچہ واقع شد از ترکِ اولیٰ‘‘ یا یہ امر (واستغفر لذنبك) آنحضرت ﷺ کے حوالے سے اس طور پر ہے کہ آپکی امت کیلئے سنت اور نمونہ عمل ہو جیسا کہ دوسری بات میں معلوم ہوگیا۔ تفسیر معالم وسیط اور جلالین میں اسی معنی کی صراحت ہے۔ جلالین میں ہے ’’واستغفر لذنبك ليستن بك وسبح الآية‘‘ دوسری آیت کی تفسیر کے ذیل میں ہے ’’واستغفر لذنبك لاجله قيل له ذالك مع عصمته ليستن به امته الخ ان دونوں توجیہات کی صورت میں معترض کا اعتراض باطل ہو جاتا ہے۔

تیسری آیت کا صحیح معنی

اسی طرح تیسری آیت میں ’’اگلے پچھلے گناہ کی مغفرت‘‘ سے مقصود آپ ﷺ کو زمانہ گذشتہ و آئندہ میں گناہوں سے بچانے اور حفاظت کرنے سے کنایہ ہے جیسا کہ بعض محققین نے تحقیق وتصریح کرتے ہوئے آیت کا معنی اس طرح کیا ہے:

ليغفر لك الله ماتقدم من ذنبك وما تأخر اى ليعصمك الله

فیما تقدم من عمرك وفیما تأخر۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ''مدارج النبوۃ'' میں فرمایا ہے کہ یہ قول انتہائی وجیہ اور احسن ہے۔ امام سبکی شیخ کی تحقیق کے مطابق اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اسمیں ایک ہی بات کے علاوہ اور کسی بات کا احتمال نہیں ہے اور وہ پیغمبر ﷺ کی تکریم وتشریف ہے اور یہاں گناہ کا کوئی پہلو مراد نہیں ہے۔ ابن عطیہ نے یہی توجیہ فرمائی ہے۔ اِن دونوں قولوں کی وضاحت اس طرح کی جاسکتی ہے کہ ایک آقا اپنے خصوصی مقرب غلام پر نوازش کرتے ہوئے کہے کہ میں نے تمہاری اگلی پچھلی سب باتیں معاف کردیں تم پر کوئی مواخذہ نہیں حالانکہ اس غلام کا کوئی گناہ نہیں ہوتا اور آقا بھی اس بات کو جانتا ہے لیکن صرف اسکے اعزاز واکرام کیلئے اس طرح کہتا ہے۔ یا یوں کہیے کہ اس آیت میں ذنب بمعنی ترکِ اولیٰ ہے چنانچہ سابقہ دو آیات کی طرح اسمیں بھی مفسرین کی مختار توجیہ یہی ہے۔ بہر حال تینوں صورتوں میں اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں رہتی بلکہ بعض صورتوں میں اور زیادہ اکرام واعزاز کا باعث ہے۔

چوتھی آیت کا مفہوم

چوتھی آیت میں ''کتاب'' سے مراد قرآن ہے اور لفظ ایمان سے پہلے مضاف محذوف ہے یعنی شرائع الایمان اور مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ایسے نہ تھے کہ قبل از وحی جان لیتے کہ قرآن کیا چیز ہے یعنی جب تک قرآن نازل نہ ہوا تھا آپ نہ اسے جانتے تھے اور نہ آپ شرائع ایمان سے واقف تھے یعنی جب تک احکام شریعت نازل نہ ہوئے تھے تو آپکو ان احکام کا علم حاصل نہ تھا لیکن ہم نے اس کتاب کو روشنی بنا دیا الخ۔ اِس آیت کا حاصل تو یہی کچھ ہوا کہ قرآن آپکا ساختہ پرداختہ نہیں ہے۔ آپ اسکے نزول کے قبل اس سے اور اسکے احکام سے واقف تک نہ تھے اور کفار جو از راہِ عناد کہتے ہیں کہ یہ آپکا بنایا ہوا کلام ہے

غلط کہتے ہیں اور کسی نبی کا نزولِ کتاب سے قبل اس سے بے خبر ہونا کسی قباحت کا موجب نہیں کیونکہ صاحبِ شریعت نبی نزولِ کتاب سے قبل اس کتاب اور اسکے تفصیلی احکام سے واقف نہیں ہوتا مثلاً حضرت موسیٰ احکامِ توریت کے نزول سے قبل ان پر مطلع نہ تھے۔

پانچویں آیت میں لفظِ ''ضال'' کے صحیح مطالب

پانچویں آیت میں لفظ ''ضال'' کافر کے معنی میں نہیں ہے جیسا کہ دوسری بات میں معلوم ہو گیا۔ اسکے علاوہ یہ لفظ گم کردہ راہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور یہی معنی مشہور ہے اور کبھی کبھی مخلوط شدہ کیلئے آتا ہے کہ ایک چیز دوسری میں ملکر مغلوب ہو جائے جیسے عربی کا محاورہ ہے ضل الماء فی اللبن یعنی پانی دودھ میں اس طرح مل گیا کہ تمیز نہیں کیا جا سکتا۔ اور کبھی یہ لفظ محب اور عاشق کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے آیت قرآنی انك لفی ضلالك القدیم میں یہی معنی مراد ہے یعنی بے شک آپ تو اسی پرانے خبطِ محبت میں مبتلا ہیں۔ اور محبت کرنے والے پر ضال کا اطلاق ہونا اِس وجہ سے ہے کہ وہ خود کو اور اپنے اختیار کو گم کر بیٹھتا ہے اور اعتدال کے راستے پر چل نہیں پاتا اور یہ استعمال بھی کثرت سے آیا ہے۔ کبھی کبھی یہ لفظ اکیلے اور بے مثل کے معنی میں بھی آتا ہے چنانچہ اس درخت کو جو بیابان میں ایک ہی ہو ''ضالہ'' کا نام دیتے ہیں۔

آیتِ قرآنی میں ضال مذکورہ بالا معانی کے اعتبار سے ہر معنی پر درست بیٹھتا ہے۔ پہلے معنی کے اعتبار سے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ابتداءِ عمر سے ہی بت پرستی اور رسوم جاہلیت سے محفوظ رکھا تھا اور ایام طفولیت میں ہی آپکے قلبِ اطہر میں یہ بات راسخ ہو گئی تھی کہ یہ شرک و رسوم جن میں عرب مبتلا ہیں بالکل بے ہودہ اور لغو چیز ہے۔ پھر جب عمر رسیدہ بزرگوں کی زبان سے سنا کہ ہمارا اصل دین دینِ حنیف ملتِ ابراہیمی ہے تو

اِس مذہب کی تحقیق کا شوق پیدا ہو گیا لیکن اہل عرب کو مسلسل بت پرستی اور رسومِ جاہلیت میں ہونے کی وجہ سے ملتِ ابراہیمی کا بطورِ دین ہونا یاد نہ تھا لہٰذا ان سے یہ مطلوب حاصل نہ ہو سکا۔ ناچار آپ صحیح احکامِ دین کی تلاش میں بے تاب و بے قرار تھے اور توحید و تسبیح، اعتکاف و خلوت وغیرہ کے متعلق جو کچھ معلوم تھا اس میں مشغول رہتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے خود وحی کے ذریعہ ملتِ حنفی کے اصول سے آپ ﷺ کو باخبر کیا اور اسکے فروع کو بطریقِ احسن بیان فرمایا اس وقت آپکا اضطراب رفع ہو گیا تھا اور گویا جو چیز گم سی تھی اسے پالیا اور ایک راہ جس پر چلنا چاہیئے تھا مگر وہ پوری طرح روشن نہ تھی اب انکی نگاہوں میں خوب ظاہر ہو گئی۔ اِس مفہوم کی ادائیگی کیلئے ضلال کا استعمال آیا ہے۔ گویا اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپکے اس اضطراب اور غمِ جستجو کو ضلال سے تعبیر فرمایا۔ اگر انبیاء کرام علیہم السلام کو قبل از بعثت خدا تعالیٰ کے احکامِ مرضیہ کی پیاس وتلاش رہے تو ہر گز عصمت کے منافی نہیں ہے بلکہ یہ تو انکے پاک طینت ہونے کی دلیل ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپکو گم کردہ راہ پایا تو راہ دکھادی۔ اور اگر مذکورہ معنی کو آیت میں اِس طور پر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنے ایک دنیوی احسان کی خبر دی تو بھی درست ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے بھی اسکو لیا ہے۔ واقعہ اسکا یہ ہے کہ ایام طفولیت میں جب دایہ حلیمہ سعدیہؓ انکو واپس انکے دادا عبد المطلب کے ہاں پہنچانے کیلئے آئیں تو اچانک مکہ کے دروازے پر انکو گم کر بیٹھیں، انتہائی پریشان ہوئیں اور بت خانہ میں ایک بڑے ہبل نامی بت کے پاس جا کر دعا کرنے لگیں۔ جونہی آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی لیا سب بت سر کے بل گر پڑے ان سے ایک آواز آئی ”کس برگزیدہ ہستی کا نام لیا ہے جو ہمارے لئے ہلاکت ہے اور ایسا ہی ہوگا“ اس دوران میں حضرت جبریلؑ نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑا، دادا جان تک پہنچا دیا۔ حضرت حلیمہؓ بتوں سے مایوس ہونے کے بعد حضرت عبد المطلب کے پاس آئیں کہ انکو اطلاع کریں تو اچانک حضور

ﷺ کو دادا کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اِس صورت میں آیت میں اسی واقعہ کی جانب اشارہ ہوگا۔(۱)

دوسرے معنی کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ آپ ﷺ کفار ومشرکین کے درمیان ملے جلے اور مخلوط ومغلوب سے تھے انکا الگ سے امتیاز نہ تھا اللہ تعالیٰ نے منصبِ نبوت عطا کرکے آپکو ان سے ممتاز اور غالب کردیا۔ اس احسانِ خداوندی کا اِس آیت میں تذکرہ ہے اِس صورت میں آیت کا معنی یوں ہوگا'' آپکو مخلوط ومغلوب پایا پس ہدایت کی یعنی اظہارِ حق کی قوت دی اور غالب کردیا۔

تیسرے معنی کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ چونکہ آنحضرت ﷺ اپنے شعور کے ابتدائی دور میں ہی طالب حق تھے اور احکام الٰہیہ کے ادراک کیلئے والہانہ جستجو رکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے اسکا علم دے دیا اور اس آیت میں اس زمانہ اور اس میں کیے گئے احسان کا تذکرہ ہے۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا'' آپکو اپنی معرفت کا محب اور طالب صادق پایا پس ہدایت دی''

چوتھے معنی کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ چونکہ آپ ﷺ اپنی نیک فطرت کی وجہ سے شرک وکفر کے گڑھ میں رہتے ہوئے توحید کا اعتقاد اور صدق وامانت جیسے اوصاف حسنہ سے متصف ہونے میں یگانہ وبے مثل تھے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آنجناب ﷺ کی ذاتِ عالی کو بلندیوں کے اور مراتب تک پہنچایا۔ اِس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا'' آپکو اس تنہا درخت کی طرح یگانہ وبے مثل پایا پس اپنے احکام کی ہدایت دی'' اور یہ بھی ممکن ہے کہ لفظ ضلال کو کفر ہی کے معنی میں لے لیا جائے اور مضاف کو محذوف مانا جائے یعنی'' آپکی

---

(۱) مفسرین نے یہ واقعہ اور اس طرح کے چند اور واقعات بھی ذکر فرمائے ہیں تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو'' روح المعانی، مصنفہ سید محمود آلوسیؒ، ج ۳۰، ص ۵۳۱، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ''

قوم کو گمراہ پایا پس آپکے ذریعے انکو ہدایت دی'' یہ توجیہ اس پر مبنی ہے کہ کبھی کبھی سردار کی قوم لواحقین کے افعال کو اسکی طرف منسوب کردیا جاتا ہے۔ اور یہ توجیہ عہد عتیق وجدید کے بعض مقامات پر زیادہ بہتر طور پر چسپاں ہوتی ہے جن میں اہل کتاب اور کئی توجیہات کے محتاج ہوتے ہیں مثلاً زبور میں ہے ''یعقوب کے خلاف آگ بھڑک اٹھی اور اسرائیل کے خلاف قہر ٹوٹ پڑا'' اسی طرح یسعیاہ میں ہے ''اسرائیل نے نہ جانا......پس اے یعقوب تو کس لئے کہتا ہے اور اے اسرائیل تو کس واسطے بولتا ہے کہ میری راہ خداوند سے پوشیدہ ہے ......لیکن اے یعقوب تو نے مجھے نہیں پکارا اور اے اسرائیل تو مجھ سے بیزار ہوا......اور یعقوب کو ہلاک اور اسرائیل کو ملامت کے سپرد کردونگا'' اسی طرح ہوسیع میں ہے ''اسرائیل نے سرکش بچھیا کی مانند سرکشی کی ہے......اسرائیل نجس ہوا......اسرائیل نے بھلائی کو ترک کردیا......اسرائیل نے اپنے خالق کو فراموش کردیا'' وغیرہ جیسا کہ باب دوم کی فصلِ دوم میں نصاریٰ کے دلائل الوہیت میں سے دلیلِ نہم کے جواب میں انتہائی تفصیل کیساتھ معلوم ہوگیا۔ مزید برآں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کتبِ سماویہ کی عبارات میں حذفِ مضاف انتہائی کثرت کیساتھ ہے۔

جہاں تک آنحضرت ﷺ کی دعاؤں کا تعلق ہے جس سے معترضین آپکا گناہ گار ہونا ثابت کرتے ہیں انکی حقیقت یہ ہے کہ دراصل ان دعاؤں سے آپ ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے دربار عبودیت اور فروتنی ظاہر کرنا مقصود ہے نیز امت کو دعا کے باب میں تلقین وارشاد کرنا ہے بہر حال وہ دعائیں حقیقی معنوں پر محمول نہ ہیں جیسا کہ پہلی اور دوسری بات کے تحت معلوم ہوگیا۔

مسیحی حضرات پر بھی انتہائی تعجب ہوتا ہے کہ بپتسمہ لینے سے گناہوں کا اقرار کرنے سے اور سینکڑوں بار مناجات کرنے سے حضرت مسیح علیہ السلام کی عصمت اور الوہیت میں کوئی

فرق نہیں آتا حضرت داوٗد، ناتان، یسعیاہ وغیرہم علیہم السلام عجز وعبودیت کے اظہار کیلئے اپنے حق میں صاف گناہ گار کا لفظ فرمائیں تو بھی انکی عصمت میں کوئی فرق نہیں آتا جبکہ دوسری جانب حضرت محمد ﷺ جو عبداللہ بن عبداللہ ہیں وہ اگر اللھم اغفر لی ما قدمت وغیرہ کے الفاظ سے دعا مانگ لیں تو انکی عصمت ختم ہوجاتی ہے اور رسالت میں خلل پڑ جاتا ہے۔ ان متعصب لوگوں کو یہ نظر نہیں آتا کہ حضرت داوٗد علیہ السلام تمام اولادِ آدم کے متعلق کہتے ہیں کہ سب گمراہ اور بالکل نجس ہوگئے ہیں کوئی نیکوکار نہیں ایک بھی نہیں جیسا کہ پہلی بات میں گذرا ہے اور دوسری جگہ فرماتے ہیں ''میں مصیبت اٹھانے سے پہلے گمراہ تھا پر اب تیرے کلام کو مانتا ہوں'' (زبور ۱۱۹ آیت ۶۷) اسی طرح حضرت یسعیاہؑ نے اپنے صحیفہ کے باب ۵۹، ۶۴ میں اپنے متعلق کیا کچھ فرمایا ہے مگر کون گمراہ شخص ان آیات سے یہ مطلب کشید کریگا کہ بنی اسرائیل کے یہ انبیاء گمراہ، ناپاک تھے اور انکا کردار گندا تھا وہ نیکی نہ کرتے تھے، خدا پر بہتان باندھتے، ظلم وسرکشی اور جھوٹی باتیں زبان پر لاتے تھے اعاذنا اللہ من امثال ھذہ الجھلیات۔

فائدہ

ناظرین! ارشدکم اللہ تعالیٰ یہاں تک آپ نے یہود ونصاریٰ ومشرکینِ عرب وغیرہ کے بڑے بڑے اعتراضات سن لیے جو جناب رسالتِ پناہ ﷺ کے متعلق کرتے ہیں اور سینکڑوں سال سے ان گھسے پٹے اعتراضات کے علاوہ وہ کوئی نئی بات نہیں لا سکے۔ قرآن وحدیث پر جو انکے اعتراضات ہیں سابقہ سطور میں وہ بھی مفصل جوابات کیساتھ معلوم ہوچکے۔ ان فرقوں کے بعض کم فہم لوگ جو اعتراضات کرتے ہیں وہ انتہائی بودے ہیں اور ان میں سیاق وسباق کا لحاظ اسی طرح نہیں ہوتا جس طرح ایک رند نے کہا تھا کہ

قرآن میں نماز پڑھنے سے ممانعت آئی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لا تقربوا الصلوٰۃ کسی نے کہا کہ اسکے بعد یہ بھی ہے وانتم سکاری اس نے کہا قرآن پر جتنا بھی عمل ہوسکے کافی ہے کیونکہ ایسے لوگ نہ تو اپنے طبقہ میں علمی اعتبار رکھتے ہیں اور نہ ہی ناظرین کو اشتباہ میں ڈالنے کا ان سے اندیشہ ہے کیونکہ وہ فوراً آیت کے سیاق وسباق پر نظر کر کے معترض کے دھوکہ سے باخبر ہو جائیگا۔

فصلِ سوم (بابِ چہارم)

رسالتِ محمدی ﷺ کا اثبات

صحفِ سابقہ سے بشارات کا بیان

فصل سوم (از باب چہارم)

اس فصل میں سرورِ کائنات ﷺ کی رسالت کو گذشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کے صحائف سے ثابت کیا جائے گا۔ اِس باب کی فصل اول میں آپ جان چکے ہیں کہ کسی سابق نبی کا آنے والے نبی کے متعلق پیشینگوئی کرنا خواہ وہ عظیم المرتبت ہو ضروری نہیں ہے اور پیشینگوئی کرنے کی صورت میں بھی سابق نبی آنے والے نبی کی علامات وشمائل اس طرح بیان نہیں فرماتا کہ محض ان علامات کو دیکھ کر ہر شخص انہیں پہچان لے اور حق بھی یہی ہے کیونکہ اِن دو باتوں میں سے کوئی بات بھی ضروری ہوتی تو حضرت حزقی ایل، دانیال، یسعیاہ وغیرہم علیہم السلام کا ان کتابوں میں تذکرہ ہوتا جو ان سے پہلے تھیں اور تذکرہ ہونے کی صورت میں وہ علامات اِس طرح وضاحت سے بیان کی جاتیں کہ اس آنے والے نبی کو خواص وعوام تک پہچان لیتے حالانکہ اِن دو باتوں میں سے کوئی بات بھی ثابت نہیں جیسا کہ آپ تفصیلاً معلوم کر چکے ہیں اور ایسا کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ اِس صورت میں آنے والے پیغمبر کو کسی معجزہ کے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں رہتی اور یہ تسلسل کو مستلزم ہے حالانکہ وہ دلائل قطعیہ سے باطل ہے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مسیحیوں کا حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد کسی نبی کے انتظار نہ کرنے کا دعویٰ باطل اور نا قابلِ التفات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی پیشینگوئیوں کا جو اسلوب بائبل میں پایا جاتا ہے اسکو دیکھا جائے تو حضرت محمد ﷺ کے متعلق عہد عتیق وجدید میں بکثرت پیشینگوئیاں موجود ہیں۔ ان پیشینگوئیوں کو میں نے اپنی کتاب

''بروقِ لامعہ'' میں لکھا ہے (۱) یہاں صرف بقدرِ ضرورت لکھوں گا۔ (۲) وباالله التوفيق

پہلی دلیل

پیدائش باب ۱۶ آیت ۱۰ میں ہے ''اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤنگا یہاں تک کہ کثرت کے سبب سے اسکا شمار نہ ہوسکے گا اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا اس کا نام اسمٰعیل رکھنا اس لئے کہ خداوند نے تیرا دکھ سن لیا وہ گورخر کی طرح آزاد مرد ہوگا اسکا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ اسکے خلاف ہونگے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہے گا''

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ کا حضرت ہاجرہؓ سے کثرتِ اولاد کا وعدہ ہے نیز یہ کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور انکی اولاد کا طریقہ حضرت اسحاق علیہ السلام ودیگر فرزندانِ ابراہیم علیہ السلام اور انکی اولاد کے طریقہ سے مختلف ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بطورِ عنایت حضرت ہاجرہؓ سے یہ وعدہ فرمایا ہے تو لامحالہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا طور طریقہ اللہ کے ہاں پسندیدہ ہوگا۔ اِس آیت میں صاف اشارہ ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ایک

---

(۱) انتہائی افسوس ہے کہ مصنف کا یہ علمی خزانہ ہم تک نہیں پہنچا بلکہ مفقود اور ناپید ہے۔

(۲) بقدرِ ضرورت لکھنے کا وعدہ کر کے بھی مصنفؒ نے جنابِ رسالت مآب ﷺ کی نبوتِ حقہ کے اثبات پر ۲۳ دلائل بیِّنہ اور بشارات صادقہ لکھ دی ہیں۔ بائبل کے مختلف صحائف میں بشارتِ محمدی ﷺ کے خاصے حوالے موجود ہیں اور علماءِ اسلام نے بھی اس موضوع پر خوب خوب لکھا ہے اور اپنے لئے سامانِ شفاعت کیا ہے ناظرین چاہیں تو درج ذیل کتابوں سے بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

۱۔ بائبل سے قرآن تک، مؤلفہ مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، ج ۳، ص ۹۷ تا ۳۶۳

۲۔ سیرۃ المصطفیٰ ﷺ، مصنفہ مولانا ادریس کاندھلویؒ، ج ۳، ص ۴۵۳

۳۔ رحمت للعالمین ﷺ، مصنفہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، ج ۱، ص ۴۴

۴۔ سیرت النبی ﷺ، مصنفہ علامہ شبلی نعمانیؒ و سید سلمان ندویؒ، ج ۳، ص ۴۶۰

ایسا نبی مبعوث ہوگا جسکی شریعت عام ہوگی اور بنی اسحاق کے شرائع سے مختلف ہوگی۔

صاحب ''وجہۃ الایمان'' نے لکھا ہے کہ اس طریقہء اسماعیل سے مراد ''راہزنی کا طریقہ'' ہے جو اولادِ اسماعیل علیہ السلام صحراء کے باشندوں میں آج تک جاری ہے یہ سب انکی بددیانتی پر مبنی ہے کیونکہ پہلی بات یہ ہے کہ یہ طریقہ راہزنی خدا تعالیٰ کے ہاں مذموم ہے اور اللہ تعالیٰ جو بھی وعدہ فرمائیں وہ مستحسن اور محمود ہونا چاہیئے دوسری بات یہ ہے کہ طریقہ سے مراد راہزنی ہی ہے تو سب سے مختلف کس طرح ہے بلکہ یہ طریقہ تو دنیا کے تمام ممالک میں اکثر طبقوں کے ہاں رائج ہے۔

استثناء باب ۱۸ آیت ۷ امیں ہے ''اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان کیلئے انہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کرونگا اور اپنا کلام اسکے منہ میں ڈالونگا اور جو کچھ میں اسے حکم دونگا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لیکر کہے گا نہ سنے گا تو میں انکا حساب اس سے لونگا لیکن جو نبی گستاخ بن کر کوئی ایسی بات میرے نام سے کہے جسکے کہنے کا میں نے اسکو حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کچھ کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ جو بات خداوند نے نہیں کہی ہے اسے ہم کیونکر پہچانیں؟ تو پہچان یہ ہے کہ جب وہ نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور اسکے کہے کے مطابق کچھ واقع یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں بلکہ اس نبی نے وہ بات خود گستاخ بن کر کہی ہے تو اس سے خوف نہ کرنا''

جاننا چاہیئے کہ توریت کے جتنے تراجم ہم نے دیکھے ان سب میں آیت انیس کا ترجمہ تو یہی ہے لیکن اعمال باب ۳ آیت ۲۳ میں ''میں انکا حساب اس سے لونگا'' کی جگہ یہ آیا ہے کہ ''وہ امت میں سے نیست و نابود کر دیا جائے گا'' توریت کے محاورہ کے مطابق جہاں نبی کے بھائیوں کا لفظ آیا ہے تو عام طور پر اس سے صلبی و بطنی بھائی مراد نہیں ہوتے

بلکہ غیر مراد ہوتے ہیں جیسا کہ پیدائش باب ۱۶ آیت ۱۲ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق آیا ہے کہ ’’وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسا رہے گا‘‘ اسی طرح پیدائش باب ۲۵ آیت ۱۸ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کے حق میں ہے ’’وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے رہتا تھا‘‘(۱) اِن دونوں عبارات میں بالاتفاق بھائیوں سے مراد بنی عیسو، بنی اسرائیل اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دیگر اولاد کے لوگ مراد ہیں۔ گنتی باب ۲۰ آیت ۱۴ میں ہے ’’اور موسیٰ نے قادس سے ادوم کے بادشاہ کے پاس ایلچی روانہ کئے اور کہلا بھیجا کہ تیرا بھائی اسرائیل یہ عرض کرتا ہے کہ تو ہماری سب مصیبتوں سے جو ہم پر آئیں واقف ہے‘‘ اور استثناء باب ۲ آیت ۲ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول اس طرح مذکور ہے ’’تب خداوند نے مجھ سے کہا کہ...... اور تو ان لوگوں کو تاکید کر دے کہ تم کو بنی عیسو تمہارے بھائی جو شعیر میں رہتے ہیں انکی سرحد کے پاس سے ہو کر جانا ہے اور وہ تم سے ہراسان ہونگے سو تم خوب احتیاط رکھنا...... سو ہم اپنے بھائیوں بنی عیسو کے پاس سے جو شعیر میں رہتے ہیں کترا کر میدان کی راہ سے ایلات اور عصیون جابر ہوتے ہوئے گذرے پھر ہم مڑے اور موآب کے بیابان کے راستہ سے چلے‘‘ انتہٰی ملخصاً (استثناء باب ۲ آیت ۲ تا ۸) یہاں پر بنی اسرائیل کے بھائیوں سے مراد بنی عیسو ہیں۔ الغرض جہاں یہ لفظ آئے تو اس سے مذکورہ آیات والا معنی مراد لینا چاہیئے اور برادرانِ بنی اسرائیل سے مراد اسرائیل کے علاوہ بنی اسماعیل، بنی عیسو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دیگر بیٹوں کی اولاد مراد لینی چاہیئے الا یہ کہ اس محاورہ سے عدول کرنے پر کوئی دلیل قطعی قائم ہو جائے۔ اب دیکھیے کہ اس لفظ ’’انہی کے بھائیوں میں سے‘‘ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے علاوہ حضرت

(۱) یہ ترجمہ مطابق متن ہے۔ عربی اور فارسی بائبل کا ترجمہ بھی اسکے موافق ہے تاہم اردو بائبل میں جمع کے صیغے کیساتھ اس طرح ترجمہ آیا ہے ’’یہ لوگ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسے ہوئے تھے‘‘

ابراہیم علیہ السلام کے کسی اور بیٹے کی اولاد میں سے ہوگا پھر اگر اس محاورہ سے صرفِ نظر کر لیا جائے تو اس وقت بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کیساتھ موجود تھے۔ اب اگر اس نبی کو بنی اسرائیل میں سے ہی مبعوث کرنا تھا تو اس طرح کہنا کافی تھا کہ ''ان ہی میں سے ایک نبی تیری مانند برپا کرونگا'' جسکی وجہ یہ ہے کہ کسی شخص یا اسکی اولاد کو کسی محاورہ کے اعتبار سے بھی دوسرے شخص کا حقیقی معنوں میں بھائی یا اولاد نہیں کہتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل تو درکنار انکی مانند بھی کوئی نبی بعد میں مبعوث نہیں ہوسکتا ورنہ اللہ تعالیٰ کے اِس ارشاد کی تکذیب لازم آئے گی۔ ''اور اس وقت سے اب تک بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ کی مانند جس نے خداوند سے روبرو باتیں کیں نہیں اٹھا'' (استثناء باب ۳۴ آیت ۱۰) اور مذکور لوگوں (فرزندانِ ابراہیمؑ) کی اولاد میں سے نبی عیسو سے تو دعاءِ اسحاق (۱) کے مطابق کسی نبی کے آنے کی امید ہی نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دیگر اولاد جو قطورہ کے بطن سے تھی ان سے اللہ تعالیٰ نے اس طرح کا کوئی وعدہ نہیں فرمایا نہ ان میں سے کسی نے دعویٰ نبوت کیا ہے اور نہ ہی شریعتِ موسوی کی مانند کوئی نئی شریعت لایا ہے۔ ہاں البتہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور انکی اولاد جو حضرت ابراہیم وہاجرہ علیہما السلام سے ہیں انکے متعلق یہ وعدۂ خداوندی پوری طرح ثابت ہے۔ لہٰذا اس پیشینگوئی کے سچ ہونے کیلئے ضروری ہے کہ انکی اولاد میں کوئی نبی مبعوث ہو اور لفظ ''تیری مانند'' اس بات پر نص صریح ہے کہ وہ نبی مبعوث حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ماں باپ سے پیدا ہونے والا انسان ہوگا، اللہ کا رسول ہوگا اور آتشی وغالب شریعت کا حامل

---

(۱) یہ اس دعا کی طرف اشارہ ہے جو پیدائش باب ۲۷ میں مذکور ہے۔ جب حضرت اسحاق کو شکار کا گوشت کھانے کا شوق ہوا اسکے لئے انہوں نے اپنے بیٹے عیسو کو شکار کیلئے بھیجا مگر انکی دوسری بیوی ربقہ نے دھوکے سے اپنے بیٹے یعقوب کو عیسو کی جگہ حضرت اسحاق کے پاس دعا لینے کیلئے بھیجا۔

ہوگا۔ اور لفظ ''جو کچھ میں اسے حکم دونگا'' صاف دلالت کرتا ہے کہ وہ نبی احکام الٰہی کے متعلق ہر بات ٹھیک کہے گا اور لفظ ''جو نہ سنے گا الخ'' دلالت کرتا ہے کہ اس نبی کا انکار کرنے والا بارگاہِ الٰہی سے مردود ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکا احتساب ہوگا اور وہ امت میں سے نیست و نابود کردیا جائے گا اور باب کی آیت ۲۰، ۲۲ صراحتاً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اگر وہ حکم خداوندی کے خلاف کسی بات کی تبلیغ کرے یا اپنی طرف سے گھڑ کر کوئی بات کہے تو وہ قتل کیا جائے گا اور اسکی کہی ہوئی باتیں پوری نہ ہونگی اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس نبی کے سچا ہونے کی صورت میں معاملہ الٹ ہوگا۔(۱)

جب یہ باتیں معلوم ہوگئیں تو دیکھئے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت محمد ابن عبداللہ ﷺ کے علاوہ کوئی شخص نہیں گذرا جو مذکورہ صفات کیساتھ متصف ہو۔ لامحالہ اِس پیشینگوئی کا مصداق حضرت محمد ﷺ ہی ہیں کیونکہ آپ ﷺ اولادِ اسماعیل علیہ السلام میں سے ہیں لہٰذا آپ بنی اسرائیل وغیرہ کے بھائی کہلائینگے۔ آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مماثلتِ تامہ بھی ہے کیونکہ آپ انسانِ محض تھے، ماں باپ سے متولد تھے، اپنے آپکو اللہ کا بندہ اور رسول کہلواتے تھے، آتش و غالب شریعت رکھتے تھے، انکی طرح حدود و سیاستِ مدنیہ کی حکومت و شریعت رکھتے تھے۔ دونوں شریعتوں میں اکثر فروع مثلاً طہارتِ بدن، عبادات، معاملات وغیرہ کے اعتبار سے مماثلت ہے۔ دونوں پیغمبر صاحبِ جہاد و تلوار تھے وغیرہ جیسا کہ شریعتِ محمدی ﷺ اور شریعتِ موسوی علیہ السلام کے جاننے والے پر مخفی نہیں ہے(۲) چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اِس مضمون کو کلام مجید میں سورۃ مزمل

---

(۱) یعنی اسکی کہی ہوئی ہر بات پوری ہوگی کوئی اسے قتل نہ کرسکے گا وغیرہ۔

(۲) مولانا سید ناصر الدین ابوالمنصورؒ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کے درمیان چالیس مشابہتیں ذکر فرمائی ہیں اور اس بشارت کے حوالہ سے پادریوں کے مختلف اعتراضات کا مفصل اور مدلل جواب بھی دیا ہے یہ

میں اس طرح فرماتے ہیں:۔

انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولاً (سورۃ المزمل آیت:۱۵)

بے شک ہم نے تمہارے پاس ایک ایسا رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہی دے گا جیسا ہم نے فرعون کے پاس رسول بھیجا تھا۔

اور آپ ﷺ احکام الٰہی میں ہر ہر بات سچ ہی کہتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ النجم میں فرماتے ہیں:۔

ومابنطق عن الھویٰ ان ھو الاّ وحی یوحی (سورۃ النجم آیت:۳،۴)

اور وہ اپنی خواہشِ نفس سے کچھ نہیں بولتے یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا

حق بھی یہی ہے کہ وہ سچ ہی کہیں کیونکہ اگر خدانخواستہ احکام الٰہی میں کوئی غلط بات کہیں تو توریت میں مندرج وعدہ الٰہی کے مطابق قتل کردے جائیں اور قرآن پاک میں سورۃ الحاقہ میں آیا ہے:۔

ولو تقوّل علینا بعض الاقاویل لأخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین (سورۃ الحاقہ آیت:۴۴،۴۵)

اور اگر یہ بنا لاتا ہم پر کوئی بات تو ہم پکڑ لیتے اسکا داہنا ہاتھ پھر کاٹ ڈالتے اسکی گردن۔

نیز یہ کہ انکی کہی ہوئی باتیں سچی نہ ہوتیں حالانکہ آنحضرت ﷺ کی سینکڑوں باتیں جو قرآن وحدیث میں مذکور ہیں صادق ہوئیں اور ہو رہی ہیں جن میں سے بعض کا ذکر بطور نمونہ اسی باب کی فصل دوم میں اعتراض ششم کے جواب میں گذر چکا ہے۔

ایک شبہ کا جواب

اس پیشینگوئی کا مصداق حضرت مسیح علیہ السلام نہیں ہوسکتے کیونکہ وہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے نہیں بلکہ خود بنی اسرائیل میں سے تھے اور عیسائیوں کے اعتقاد کے مطابق وہ حقیقی معنوں میں اپنے آپکو خدا اور خدا کا بیٹا کہلواتے تھے نہ کہ اللہ کا بندہ اور رسول۔ لہٰذا اُنکے اعتقاد کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام خدا ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھی خدا ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام کی طرح انسان یا پیغمبر محض نہ تھے۔ اولاً تو انکی شریعت جدید نہ تھی بلکہ جب تک انکا اس دارِفانی میں قیام رہا تو وہ شریعت موسوی کا اتباع کرتے رہے اور دوسروں کو بھی تلقین کرتے رہے جیسا کہ اسی باب کی فصل دوم میں اعتراضِ چہارم کے جواب میں گذرا اور انکی نئی شریعت بھی ہوتو بھی وہ آتشی اور انتقامی شریعت نہ تھی بلکہ دین کی طرف دعوت وترغیب کے اسلوب پر تھی۔ انکی شریعت میں کسی بھی موقعہ پر حدود یا جہاد مقرر نہ تھے یہ وجہ ہے کہ اگر کوئی مسیحی شخص مسلمان یا یہودی یا بت پرست بن جائے یا کوئی عیسائی عورت ارتکابِ زنا کرے تو اس پر انکے دین میں کوئی قتل یا حد کی سزا نہیں ہے۔ ہمارے اِس دعویٰ پر آنجناب علیہ السلام کے ارشادات دلیل ہیں۔

(۱) متی باب ۵ آیت ۳۸ میں ہے ''تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اسکی طرف پھیر دے'' (۱)

(۲) یوحنا باب ۳ آیت ۱۷ میں ہے ''کیونکہ خدا نے بیٹے کو دنیا میں اس لئے نہیں بھیجا کہ دنیا پر سزا کا حکم کرے بلکہ اس لئے کہ دنیا اسکے وسیلہ سے نجات پائے''

(۱) آگے لکھا ہے ''اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کُرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اسکے ساتھ دو کوس چلا جا''

(۳) یوحنا باب ۱۲ آیت ۴۷ میں ہے "کیونکہ میں دنیا کو مجرم ٹھہرانے نہیں بلکہ دنیا کو نجات دینے آیا ہوں"

اِسی طرح آنجناب علیہ السلام کے دین میں طہارتِ بدن سے تو مکمل طور پر چھٹی ہے اور آنجناب علیہ السلام ظاہری اقتدار وحکومت بھی نہیں رکھتے تھے بلکہ انتہائی مسکنت کیساتھ زندگی گذاری چنانچہ متی باب ۸ آیت ۲۰' لوقا باب ۹ آیت ۵۷ میں ہے "یسوع نے اس سے کہا کہ لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے مگر ابن آدم کیلئے سر دھرنے کی بھی جگہ نہیں" صحفِ اربعہ کے مطابق آنجناب علیہ السلام نے بہت بے بسی کیساتھ یہود کے ہاتھوں انتہائی غم اٹھائے اور مصلوب ہوئے۔ اسکے علاوہ اِس باب کی فصل اول کے فائدہ سوم میں پوری تفصیل کیساتھ گذر چکا ہے کہ یہود کے علماء اور عوام جو توریت کے علم سے کچھ واقفیت رکھتے تھے وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے دور میں انکو استثناء باب ۱۸ کی اِس بشارت کا مصداق نہیں سمجھتے تھے حتی کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام بھی جناب مسیح علیہ السلام کو اِس بشارت کا مصداق نہ سمجھتے تھے بلکہ انکے علاوہ کسی اور کو اسکا مصداق خیال کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ جو یہود کے بڑے علماء میں سے تھے اس پیشینگوئی کی وجہ سے ہی آپ ﷺ پر ایمان لائے اور یہودی علماء جو اگرچہ ایمان کی سعادت نہ پا سکے تاہم وہ اس پیشینگوئی کا مصداق آنحضرت ﷺ کو قرار دیتے تھے چنانچہ روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک یہودِ خیبر کے پاس پہنچا تو وہ اسکو حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے جو ابھی تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے اس خط کو ملاحظہ کرنے کے بعد فرمایا اگر یہ محمدؐ وہی ہیں جنکی بشارت حضرت موسیٰ بن عمرانؑ نے دی ہے تو انکی اطاعت کرلینے میں ہی نجات ہے۔ جلالین میں مذکور ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ میں نے حضرت محمد ﷺ پر پہلی نگاہ ڈالتے ہی پہچان لیا کہ یہ نبی

برحق ہیں جس طرح میں اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں بلکہ بیٹے کی نسبت آپ ﷺ کا پہچاننا زیادہ قوی ہے۔(۱) بیضاوی' کشاف' تفسیر حسینی اور فتح العزیز میں لکھا ہے کہ ''امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق ؓ نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن سلام ؓ سے اسلام لانے کے بعد پوچھا کہ آپ ہمارے رسول کو کس طرح پہچانتے ہیں؟ انہوں نے کہا مجھے اپنے بیٹے کے بیٹا ہونے کا اتنا یقین نہیں جتنا آنحضرت ﷺ کی رسالت کا یقین ہے کیونکہ مجھے انکے پیغمبر ہونے میں کسی اعتبار سے شک نہیں ہے اور اپنے بیٹے کے بیٹا ہونے کے متعلق وہم ہو سکتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اسکی والدہ نے خیانت کی ہو اور غیر کے نطفہ وولد کو میری جانب منسوب کر دیا ہو'' انتھی بلفظ فتح العزیز ۔اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے مروی ہے کہ ایک دن آپ ﷺ یہود کے کنیسہ میں تشریف لے گئے ایک یہودی کو دیکھا کہ وہ اپنی قوم کو توریت سنا رہا ہے جب آنحضرت ﷺ کی پیشینگوئی پر پہنچا سب خاموش ہو گئے۔کنیسہ کے کونے میں ایک بیمار آدمی پڑا ہوا تھا آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ یہ لوگ کیوں خاموش ہو گئے ہیں اس بیمار نے کہا کہ یہ لوگ نبی آخر الزمان ﷺ کے ذکر آنے پر خاموش ہو گئے ہیں اسکے بعد وہ بیمار آدمی بچے کی طرح چلایا توریت میں ہاتھ میں لی' آپ ﷺ کے متعلقہ پیشینگوئی کو پڑھا اور کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ وانك محمد رسول اللہ اور یہ کلمہ کہتے ہی جان دے دی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اپنے بھائی کی تجہیز وتدفین کرو۔اسی طرح حُیی ابن اخطب یہودی کی بیٹی حضرت صفیہؓ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لا کر قبا میں جلوہ افروز ہوئے تو میرے والد حیی ابن اخطب اور چچا ابو یاسر صبح ہی منہ اندھیرے آپ ﷺ کی خدمت میں گئے اور پورا دن وہیں رہے۔شام کو

---

(۱) آیتِ قرآنی ''الذین اتینھم الکتب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم'' الخ (البقرۃ آیت ۱۴۶) کے ذیل میں مفسر ''امام جلال الدین محلی'' کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

گھر واپس آئے میں نے دیکھا کہ وہ ایسے شدید غم میں مبتلا ہیں کہ اس سے زیادہ کا تصور نہیں ہوسکتا۔ میں بچوں میں سے انکو سب سے زیادہ عزیز تھی حسب عادت انکے قریب چلی گئی مگر وہ غم میں ایسے ٹوٹے ہوئے اور رنج میں ایسے مارے ہوئے تھے کہ میری جانب التفات تک نہ کیا اس دوران میرے چچا نے والد سے کہا اھو ھو یعنی یہ شخص وہی پیغمبر ہے جسکی خبر توریت میں آئی ہے۔ والد نے کہا نعم واللہ ھو ھو ہاں! قسم بخدا یہ وہی پیغمبر ہیں۔ میرے چچا نے کہا کیا تم کو اسکا یقین اور وثوق ہے؟ اس نے کہا نعم واللہ ہاں! اللہ کی قسم میں بالیقین جانتا ہوں کہ یہ وہی پیغمبر ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ دل میں اسکے متعلق کیا جذبات رکھتے ہیں محبت یا عداوت۔ والد نے العداوۃ واللہ جب تک زندہ رہوں گا عداوت ہی رکھونگا۔ یہ حیی ابن اخطب یہود کے بڑے علماء میں سے ایک ہے(۱) اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ یہود کی ایک مذہبی درسگاہ میں تشریف لائے اور فرمایا کہ تم اپنے کسی بڑے عالم کو پیش کرو انہوں نے عبداللہ بن صوریا (۲) کو پیش کیا آنحضرت ﷺ اسے خلوت میں لے گئے اور فرمایا میں تم کو اس خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں جس نے تم پر اور بنی اسرائیل پر طرح طرح کے احسانات کیے انکو من وسلویٰ کھلایا' بادل کا سایہ کیا وغیرہ۔ آیا میں تمہارے نزدیک خدا کا رسول ہوں یا نہیں؟ اس نے کہا اللھم نعم

---

(۱) حیی ابن اخطب النضری ایک بڑا مذہبی پیشوا اور یہود کے قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا اور اسلام دشمنی میں بہت سخت تھا۔ اپنے قبیلہ میں اسکی زبردست حیثیت تھی اور سید الحاضر والبادی کے لقب سے معروف تھا۔ جب بنو نضیر کا قبیلہ شہر مدینہ سے جلاوطن ہوا تو یہ خیبر جاکر مقیم ہوگیا اور قبائل کو مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کیلئے ابھارنے لگا اسی نے بنو قریظہ کو غزوۂ خندق کے دوران عہد شکنی پر آمادہ کیا پھر اسی جنگ میں یہ مقتول ہوا۔

(۲) یہ عبداللہ بن صوریا اسرائیلی وہی یہودی عالم ہے کہ جب یہود زنا کا ایک مقدمہ آپ ﷺ کی خدمت میں لائے اور آپ ﷺ سے فیصلہ طلب کیا اور توریت کے حکم کو چھپا رہے تھے تو آپ ﷺ نے ابن صوریا کو قسم دیکر فرمایا سچ بتاؤ کہ توریت میں اسکی کیا سزا ہے؟ تو اس نے اقرار کیا کہ توریت میں شادی شدہ زانی جوڑے کی سزا رجم ہے اور یہ لوگ چھپا رہے ہیں۔

یعنی بلاشبہ آپ میرے نزدیک خدا کے رسول ہیں اور میری قوم بھی یہی سمجھتی ہے جو میں سمجھتا ہوں آپکے حالات واوصاف توریت میں مذکور ہیں لیکن یہ قوم آپ پر حسد کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تجھ کو ایمان لانے سے کون سی چیز مانع ہے؟ اس نے کہا مجھے اپنی قوم کی مخالفت ناپسند ہے میں امید کرتا ہوں کہ یہ لوگ آپکی اتباع کریں گے اور اسلام لائیں گے پھر میں بھی مسلمان ہو جاؤنگا۔(۱)

مذکورہ گفتگو سے واضح ہوا کہ بعض علماء یہود مثلاً عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ کا تو بخت وسعادت نے ساتھ دیا اور وہ اس پیشینگوئی کی وجہ سے آپ ﷺ پر ایمان لے آئے اور بعض بدنصیب علماءِ یہود مثلاً حیی ابن اخطب، عبداللہ بن صوریا آپ ﷺ کو پہچاننے اور اقرار کے باوجود اُسی طرح کفر پر جمے رہے تاہم اِن لوگوں کی سرکشی میں کیا تعجب ہے چنانچہ باب سوم کی فصل اول میں ان لوگوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ جو بدتمیزیاں کیں ہیں وہ آپ معلوم کر ہی چکے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں اِن یہودی علماء کے متعلق متعدد مقامات پر خبر دی ہے چنانچہ سورۃ بقرۃ میں فرماتے ہیں:۔

الذین اتیناھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابنائھم وانّ فریقاً منھم لیکتمون الحق وھم یعلمون (سورۃ البقرۃ آیت:۱۴۶)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان (پیغمبر آخرالزمان) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں مگر ایک فریق اِن میں سے سچی بات کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے۔

اور سورۃ انعام میں فرماتے ہیں:۔

(۱) مذکورہ بالا واقعات السیرۃ النبویہ لابن ھشام، البدایہ والنہایہ لابن کثیر، دلائل النبوۃ للاصبھانی والبیھقی وغیرہ میں مذکور ہیں۔ ان کتب میں اس طرح کے کئی اور واقعات بھی بتائے گئے ہیں۔

الـذيـن اتيـنـاهـم الكتاب يعرفونه كما يعرفون ابنائهم الذين خسروا انفسهم فهم لا يؤمنون (سورة انعام آيت: ۲۰)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اِن کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں۔ جنہوں نے اپنی جانوں کو نقصان میں ڈال رکھا ہے وہ ایمان نہیں لاتے۔

ایک شبہ کا ازالہ

یاد رہے کہ اِن تاریخی واقعات اور قرآنی آیات کے نقل کرنے سے مقصود الزام دینا نہیں ہے کہ کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ اپنی کتابوں سے سب کچھ درج کر دیا ہے بلکہ اصل مقصود امرِ واقعی کا اظہار ہے کہ عہد عیسوی کے یہودی علماء استثناء باب ۱۸ کی بشارت کا مصداق حضرت مسیح علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کو سمجھتے تھے۔ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد بھی طویل زمانہ گذرنے کے باوجود کسی نے بھی اس بشارت کا مصداق حضرت مسیح علیہ السلام کو قرار نہیں دیا۔ اسکے علاوہ اور بھی جہاں ہم تاریخی واقعات یا قرآن وحدیث کے حوالے ذکر کرینگے تو اس سے مقصود یہی بات پیشِ نظر ہے اور کوئی الزامِ خصم کرنا مطلوب نہیں ہے۔

پطرس حواری کی گواہی

نیز یہ بھی جاننا چاہیئے کہ پطرس حواری کا قول اعمال باب ۳ آیت ۱۹ میں اس طرح ہے ”پس توبہ کرو اور رجوع لاؤ تا کہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں اور اس طرح خداوند کے حضور سے تازگی کے دن آئیں اور وہ اس مسیح کو جو تمہارے واسطے مقرر ہوا ہے یعنی یسوع کو بھیجے۔ ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اس وقت تک رہے جب تک کہ وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں جنکا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے جو دنیا کے شروع سے ہوتے آئے

ہیں۔ چنانچہ موسیٰ نے ہمارے آباواجداد سے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لیے مجھ سا ایک نبی پیدا کریگا جو کچھ وہ تم سے کہے اسکی سننا اور یوں ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنے گا وہ امت میں سے نیست ونابود کردیا جائے گا'' انتہٰی بحوالہ کتاب اعمال انجیل مطبوعہ ۱۸۱۶ء دار الامارۃ مطبع ہندوستانی مطبوعہ ۱۸۲۸ء مطبع کلیسائی ۱۸۴۱ء مطبع مشن پریس (۱) ان آیات میں یہ قول کہ ''موسیٰ نے ہمارے آباواجداد سے کہا الخ آیت بالا'' جنکا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے'' کی تفسیر ہے اور پطرس حواری کا صاف یہی فرمانا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان میں رہنا اس وقت تک ضروری ہے جب تک وہ وعدہ پورا ہو جائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کی زبانی کیا کہ تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے ایک نبی مبعوث کرونگا۔ یہ عبارت نص ہے کہ پطرس کے نزدیک بھی وہ نبی مبعوث حضرت مسیح علیہ السلام کے علاوہ ہیں جس کے ظہور تک حضرت مسیح علیہ السلام کا آسمان پر رہنا ضروری ہے۔ والحمد لله علیٰ ذالك اس پیشینگوئی کو حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق قرار دینا عقل ونقل کی کھلی مخالفت کرنا ہے۔

مسیحیوں کے دو اعتراض

اس پیشینگوئی کا مصداق حضرت محمد ﷺ ہونے پر مسیحی حضرات کئی اعتراض کرتے ہیں ان میں سے اکثر قابلِ التفات نہیں بلکہ اس برہان کی تقریر میں انکے سب اعتراضات کے جوابات موجود ہیں تاہم انکے زعم کے مطابق دو اعتراض بڑے ہی مضبوط ہیں جنکو قوی سمجھ کر پادری فنڈر نے اپنی کتاب ''حل الاشکال بجواب الاستفسار'' میں ذکر کیا ہے۔ ایک

(۱) عبارت کا یہ ترجمہ مطابق متن ہے جو مصنفؒ کے پیش نظر بائبل محولہ بالا میں موجود ہے۔ موجودہ اردو ترجمہ تقریباً اسکے مطابق ہے مگر ''چنانچہ موسیٰ نے ہمارے آباؤاجداد سے کہا'' یہ جملہ موجودہ فارسی بائبل میں اسی طرح موجود ہے۔ اردو ترجمہ میں ہے ''چنانچہ موسیٰ نے کہا''

یہ ہے کہ استثناء باب ۱۸ ہی کی آیت ۱۵ میں ہے ''خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے درمیان سے ایک نبی مبعوث کریگا'' الخ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نبی بنی اسرائیل میں ظاہر ہوگا بنی اسماعیل اور عرب میں سے نہیں ہوگا۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود اپنی طرف منسوب کیا ہے چنانچہ یوحنا باب ۵ آیت ۴۶ میں فرماتے ہیں کہ ''اس نے میرے حق میں لکھا ہے'' میں کہتا ہوں کہ استثناء باب ۱۸ کی آیت ۱۵ اس طرح ہے ''خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کریگا تم اسکی سننا'' اور یوحنا باب ۵ کی پوری عبارت اس طرح ہے ''کیونکہ اگر تم موسیٰ کا یقین کرتے تو میرا بھی یقین کرتے اس لئے کہ اس نے میرے حق میں لکھا ہے لیکن جب تم اسکے نوشتوں کا یقین نہیں کرتے تو میری باتوں کا کیونکر یقین کروگے''

پہلے اعتراض کا تفصیلی جواب

میں کہتا ہوں کہ استثناء باب ۱۸ آیت ۱۵ میں یہ لفظ ''یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے'' ''تیرے ہی درمیان سے'' سے بدل واقع ہو رہا ہے اس اعتبار سے ''تیرے ہی درمیان سے'' کا لفظ مقصود بالذات نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے اس وعدۂ خداوندی کو ظاہر فرمایا تو اس میں یہ لفظ استعمال نہیں کیے جیسا کہ آیت ۱۸ سے ظاہر ہے اور یوں نہیں کہا کہ ''میں انکے لئے انہی کے درمیان سے یعنی ان ہی کے بھائیوں میں سے'' الخ بلکہ اس طرح فرمایا کہ ''میں ان کیلئے انہی کے درمیان سے تیری مانند ایک نبی برپا کرونگا'' اسی طرح پطرس حواری نے اس وعدہ کو اس طرح ذکر کیا ہے ''کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی برپا کریگا'' یہ بالکل اُسی

طرح ہے کہ ''میں انکے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کرونگا'' اِس طرح کا استعمال ''بدل'' تمام زبانوں میں شائع ذائع ہے خصوصاً عربی زبان میں بہت کثرت سے آتا ہے مثلاً جاء نی زید اخوہ اور جاء نی زید غلامہ اِن مثالوں میں اخوہ اور غلامہ زید سے بدل واقع ہورہا ہے۔ ابن حاجبؒ اور انکے ہم نوا حضرات کی تحقیق کے مطابق اِس بدل کو بدل الاشتمال کہتے ہیں کیونکہ انکے نزدیک اِس طرح کا بدل ہونے کیلئے کلیت وجزئیت کے علاوہ محض ادنیٰ تعلق کافی ہے۔ اِس صورت میں تو یہی بات کافی ہے اور مذکورہ بالا کلام کو انہی مثالوں کی طرح سمجھنا چاہیئے۔ سید سندؒ اپنے حاشیہ مطول میں لکھتے ہیں:۔

> إن هذا الاكتفاء يقتضى اندراج تلك الامثله فى بدل الاشتمال بل صرح به فى شرح المفصل بان قولك ضرب زيد غلامه من بدل الاشتمال انتهى بلفظه

ابن مالک اور دیگر نحویوں کے مختار قول کے مطابق یہ بدل اضراب وبداً ہے جسکو بعض بدل الغلط کا نام دیتے ہیں اِس بدل اضراب کا استعمال کلام فصیح میں آتا ہے۔ بدر الدین خلف الرشید ابن مالک شرح الفیہ میں لکھتے ہیں:۔

> الرابع ابدال المباين منه بحيث لايشعر به ذكر المبدل منه بوجه وهو نوعان' الاول بدل الاضراب وهو ما يذكر متبوعه بقصد ويسمى البدل البدأ مثل قولك اكلت تمراً زبيباً اخبرت اولاً باكل التمر ثم اضربت عنه وجعلته فى حكم المتروك ذكره وابدلت منه الزبيب على حد العطف

بل اذا قلت اکلت تمراً بل زبیباً ومنه قوله ﷺ إن الرجل لیصلی الصلوة وما کتب له نصفها ثلثها ربعها الی عشرها"

انتہی بلفظہ۔

چنانچہ شارح علامہ بدرالدین بعض الفاظِ متن کو اسی کے مطابق تطبیق دیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں:۔

والثانی بدل الغلط والنسیان وھومالا یرید المتکلم ذکر متبوعه بل یجری لسانه علیه من غیر ما قصد کقولک رایت رجلاً حماراً اردت ان تقول رأیت حماراً فغلطت او نسیت فقلت رجلا ثم تذکرت فابدلت منه الحمار ویصان عن ھذا النوع الفصیح من الکلام۔انتہی بلفظہ(۱)

دوسرے اعتراض کا جواب

حضرت مسیح علیہ السلام کا قول جو یوحنا باب ۵ میں مذکور ہے اس میں اس بات کی صراحت بالکل نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توریت میں فلاں جگہ میرے حق میں لکھا ہے۔ اس بارے میں پادری نے عوام کو دھوکہ دینے کیلئے بالکل غلط دعویٰ کیا ہے۔ پھر مسیحی حضرات کہتے ہیں کہ پیدائش باب ۳ آیت ۱۵، باب ۱۲ آیت ۳، باب ۱۸ آیت ۱۸ میں حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے اور پیدائش باب ۴۹ آیت ۱۰ کے متعلق تو کہتے ہیں

---

(۱) بعض محققین کے مطابق استثناء باب ۱۸ آیت ۱۵ میں "تمہارے درمیان سے" الحاقی ہے جو تحریف کے طور پر بڑھایا گیا ہے۔ اس صورت میں مصنفؒ کی ذکر کردہ توجیہ کی بھی حاجت نہیں رہتی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو" کتاب الاستفسار، مصنفہ مولانا سید آل حسن موہانی، ص ۳۳۶، مطبوعہ دارالمعارف اردو بازار لاہور"

کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں نص صریح ہے۔ بدیہی بات کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے قول (مندرج یوحنا باب ۵ آیت ۴۶) کے درست ہونے کیلئے ایک آیت میں بھی اشارہ مل جانا کافی ہے چہ جائیکہ متعدد آیات ہوں۔ حضرت عیسی علیہ السلام کے ارشاد کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ تمام توریت میں کسی جگہ کسی اور نبی کا ذکر نہیں آیا بلکہ جہاں بھی ذکر آیا ہے تو میری ذات ہی مراد ہے اور بس۔ ایسے لغو وبے کار دعوے کرنا اِس قوم کے اس گروہ کا ہی کام ہوسکتا ہے اسکے علاوہ کسی اور کا نہیں۔ خدائے پاک اِن لوگوں کو تعصب سے رہائی دیکر ہدایت فرمائے۔

تیسری دلیل

استثناء باب ۳۲ آیت ۲۱ میں ہے ''انہوں نے اس چیز کے باعث جو خدا نہیں مجھے غیرت اور اپنی باطل باتوں سے مجھے غصہ دلایا سو میں بھی انکے ذریعے سے جو کوئی امت نہیں انکو غیرت اور ایک نادان قوم کے ذریعے انکو غصہ دلاؤنگا''

یعنی جس طرح بنی اسرائیل نے بت اور گوسالہ وغیرہ نافہم حقیر مخلوق کی پرستش کر کے مجھے غیرت دلائی میں بھی ایک نافہم اور باندی کی اولاد قوم کو جنکو یہ انتہائی حقیر سمجھتے ہیں برگذیدہ کر کے انہیں غیرت دلاؤنگا پھر خدا تعالٰی نے اسی طرح کیا اور عرب کی وہ قوم جو شرائع آسمانی، ذات وصفاتِ خداوندی سے ناواقف تھی، جہالت وضلالت کی اتاہ گہرائیوں میں گری ہوئی تھی، لات ومنات، ہبل وغیرہ کی پرستش کے علاوہ کسی اور کی بندگی نہ کرتی تھی اللہ تعالٰی نے انکو راہِ راست کی ہدایت عطا فرمائی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

هو الذی بعث فی الامیین رسولاً منهم یتلوا علیهم آیاته

ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل

لفی ضلال مبین (سورۃ الجمعۃ آیت:۲)

وہ وہی ہے جس نے اِن اَن پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر خدا کے کلام کی آیات پڑھتا ہے اور انکو پاک کرتا ہے اور انکو قرآن' احکامِ شریعت' دنیا کے عقلی و نقلی علوم سکھاتا ہے یقیناً یہ لوگ اس نبی کی بعثت سے پہلے کھلی گمراہی یعنی شرک و بت پرستی اور رسومِ جاہلیت میں مبتلا تھے۔

مسیحیوں کے ایک استدلال کا جواب

مسیحی علماء غیر قوم سے مراد یونان کی قوم مراد لیتے ہیں مگر یہ غلطی ہے کیونکہ یونانی قوم تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے تمام علوم وفنون میں انتہائی درک رکھتے تھے بالخصوص علمِ الٰہیات میں تو وہ اپنے آپکو یکتائے زمانہ خیال کرتے تھے اور روز بروز انکے علم وفضل میں ترقی ہوتی رہی بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہدِ طفولیت میں وہ علوم وفنون کے اِس اعلیٰ مقام پر تھے کہ الٰہیات' طبعیات' ریاضیات کے بڑے بڑے بادشاہ مثلاً فیثاغورث' سقراط و بقراط' ارسطو و افلاطون' اقلیدس و ہرمس' بلنیاس وارشمیدس وغیرہ جناب مسیح علیہ السلام سے بہت پہلے گذر چکے تھے اور یونانی لوگ اس قدر علمی ترقی کے باوجود حکمت ودانائی کے متلاشی رہتے تھے اور جہالت و نادانی سے گریزاں رہتے تھے پولوس بھی اسکا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''اور یونانی حکمت تلاش کرتے ہیں'' (کرنتھیوں کے نام پہلا خط باب ۱ آیت ۲۲) ایسی قوم کو نادان اور جاہل کیسے کہا جا سکتا ہے۔

البتہ ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ جب یونانیوں کے مسیحی بنانے پر یہودیوں نے پولوس پر اعتراض کیا تو وہ جواب میں بڑی طویل تقریر کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں ''کیا اسرائیل واقف نہ تھا اول تو موسیٰ کہتا ہے کہ میں انکو تم سے غیرت دلاؤں گا جو قوم ہی نہیں

ایک نادان قوم سے تم کو غصہ دلاؤں گا‘‘ (رومیوں کے نام خط باب ۱۰ آیت ۱۹) اس عبارت سے یہ انکی غرض نہیں ہے کہ یہ خبر یونانیوں کے حق میں ہے بلکہ یہود کے غرور کو توڑنے کیلئے اس بات پر تنبیہ کررہے ہیں کہ یونانیوں کے مسیحیت قبول کرنے پر کیا اعتراض ہے؟ اور کیوں غیرت وغصہ میں آتے ہو جبکہ وہ صاحب علم وفضل ہیں کیا تم کو معلوم نہیں کہ ابھی تو اللہ تعالیٰ ایک اور نادان قوم کے ذریعے جو خدا کو نہیں جانتی تمہیں غیرت دلائے گا۔ اگر بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ پولوس نادان قوم سے یونانی قوم مراد لیتے ہیں تب بھی ہمیں اشکال نہیں کیونکہ جب انکا قول خود انکی تصریح (۱) کے خلاف ہے تو ہمارے لئے اسکا تسلیم کرنا کیوں ضروری ہے؟ باقی پولوس کے الہام کا حال تو ہم باب اول کی فصل سوم میں اعتراض اول کے جواب کے تحت لکھ چکے ہیں کہ پولوس بزرگوار کو اور کاموں میں کثرت اشتغال کی وجہ سے ان امور میں اتنی توجہ نہیں رہتی تھی جسکی وجہ سے انہوں نے اس طرح کی بشارات کے لکھنے میں کیا کیا غلطیاں کی ہیں۔

چوتھی دلیل

زبور ۴۵ میں ہے ’’میرے دل میں ایک نفیس مضمون جوش مار رہا ہے۔ میں وہی مضامین سناؤنگا جو میں نے بادشاہ کے حق میں قلمبند کئے ہیں میری زبان ماہر کاتب کا قلم ہے تو بنی آدم میں سب سے حسین ہے تیرے ہونٹوں میں لطافت بھری ہے۔ اس لئے خدا نے تجھے ہمیشہ کیلئے مبارک کیا۔ اے زبردست! تو اپنی تلوار کو جو تیری حشمت وشوکت ہے اپنی کمر سے حمائل کر اور سچائی اور حلم اور صداقت کی خاطر اپنی شان وشوکت میں اقبال مندی سے سوار ہو اور تیرا دہنا ہاتھ تجھے مہیب کام دکھائے گا۔ تیرے تیر تیز ہیں وہ بادشاہ کے

(۱) کیونکہ انہوں نے خود کرنتھیوں کے نام پہلے خط باب ۱ آیت ۲۲ میں فرمایا ہے ’’یونانی حکمت تلاش کرتے ہیں‘‘

دشمنوں کے دل میں لگے ہیں امتیں تیرے سامنے زیر ہوتی ہیں۔ اے خدا! تیرا تخت ابد الآباد ہے تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے تو نے صداقت سے محبت رکھی اور بدکاری سے نفرت اسی لئے خدا تیرے خدا نے شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہمسروں سے زیادہ مسح کیا ہے۔ تیرے ہر لباس سے مُر اور عود اور تج کی خوشبو آتی ہے ہاتھی دانت کے محلوں میں سے تاروار سازوں نے تجھے خوش کیا ہے۔ تیری معزز خواتین میں شہزادیاں ہیں۔ ملکہ تیرے داہنے ہاتھ اوفیر کے سونے سے آراستہ کھڑی ہے۔ اے بیٹی! سن غور کر اور کان لگا۔ اپنی قوم اور اپنے باپ کے گھر کو بھول جا اور بادشاہ تیرے حسن کا مشتاق ہوگا۔ کیونکہ وہ تیرا خداوند ہے تو اسے سجدہ کر اور صور کی بیٹی ہدیہ لیکر حاضر ہوگی۔ قوم کے دولتمند تیری رضا جوئی کرینگے۔ بادشاہ کی بیٹی محل میں سرتاپا حسن افروز ہے۔ اسکا لباس زربفت کا ہے۔ وہ بیل بوٹے دار لباس میں بادشاہ کے حضور پہنچائی جائیگی۔ اسکی کنواری سہیلیاں جو اسکے پیچھے پیچھے چلتی ہیں تیرے سامنے حاضر کی جائینگی۔ وہ اُنکو خوشی اور خُرمی سے لے آئینگے۔ وہ بادشاہ کے محل میں داخل ہونگی۔ تیرے بیٹے تیرے باپ دادا کے جانشین ہونگے جنکو تو تمام رُوئے زمین پر سردار مقرر کریگا۔ میں تیرے نام کی یاد کو نسل در نسل قائم رکھونگا۔ اس لئے امتیں ابد الآباد تیری شکر گذاری کرینگی‘‘

تجزیہ وتشریح مصنفؒ

اِس زبور میں حضرت داوٗد علیہ السلام کون سے نبی کے متعلق خبر دے رہے ہیں کہ جسکی آمد ضروری ہے اور اس نبی کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ صاحب حسن وجمال ہے، فصیح وشیریں زبان رکھتا ہے، بہادر صاحب اقتدار مالکِ جاہ وجلال ہے، تیر وتلوار والا ہے، اس سے عجیب اور حیرت ناک امور ظاہر ہونگے، قومیں اسکی مطیع ہونگیں، بادشاہوں کی

بیٹیاں اسکے حرم میں داخل ہونگیں، قوم کے سردار انکو تحائف بھیجیں گے، اسکی اولاد اپنے بڑوں کی جگہ سردار رہیگی، اسکا نام نسل در نسل مشہور ہوگا، قومیں اسکی ہمیشہ مدح وثنا کرینگی۔ میں کہتا ہوں کہ اس پیشینگوئی کا مصداق حضرت محمد ابن عبداللہ ﷺ کی ذات والا صفات ہے۔

حسن و جمالِ نبوی ﷺ

کیونکہ آپ ﷺ کے حسن و جمال کا عالم یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:۔

ما رأیت شیئاً احسن من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

میں نے آنحضرت ﷺ سے بہتر اور خوبصورت کسی شخص کو نہیں دیکھا۔

اور حضرت ابو ہالہ سے مروی ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخماً مفخماً یتلألأ وجھہ تلألأ القمر لیلۃ البدر

آپ ﷺ انتہائی وجیہ اور عظیم تھے، دیکھنے والوں کی نگاہ میں آپکا رخِ انور چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا (۱)

فصاحتِ نبوی ﷺ

آنحضرت ﷺ زبان کی شیرینی اور فصاحت میں اُس مرتبہ کمال تک پہنچے ہوئے تھے کہ تمام راوی آپکے کلام کی صفت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں ھو اصدق الناس لھجۃً کہ آپ سب لوگوں سے زیادہ صحیح اور سچ لہجے والے تھے۔ ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت

(۱) اکثر کتب حدیث میں ابواب صفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان کے تحت آپ ﷺ کے حسن و جمال اور حلیہ مبارک پر بے شمار احادیثِ صحیحہ موجود ہیں۔ کتب سیرت میں بھی اس حوالے سے اچھا خاصا مواد ملتا ہے۔

عمرؓ نے تعجب کرتے ہوئے پوچھا یا رسول اللہ! آپ یہاں سے باہر کبھی تشریف نہیں لے گئے اور نہ کسی قوم میں مستقل رہے تو پھر فصاحت کہاں سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی لغت کو فراموش کر دیا پھر جبریلؑ اسکو میرے پاس لائے میں نے اسے یاد کرلیا۔

شجاعتِ نبوی ﷺ

آنحضرت ﷺ کی قوت وشجاعت اس درجہ تھی کہ عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ''میں نے آپ ﷺ سے زیادہ نہ کسی کو بہادر دیکھا نہ دلیر نہ آپ سے زیادہ کسی کو سخی پایا اور نہ خدا پر زیادہ راضی رہنے والا پایا'' (۱) امیر المؤمنین امام الاشجعین حضرت علی بن ابی طالب ؓ جنکا شجاع وبہادر ہونا اس قدر مشہور ہے کہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں اسکے باوجود فرماتے ہیں ''جب لڑائی کی آگ بھڑک جاتی تھی اور آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں ہم آنحضرت ﷺ کے ذریعے اپنے بچنے کی کوشش کرتے تھے'' (۲) عرب کے مشہور اور نامور پہلوان رکانہ کو آپ ﷺ نے ایک چھوٹے بچے کی طرح تین بار اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا۔ اسی طرح ابوالاسد جسکی قوت کا عالم یہ تھا کہ وہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اور لوگوں سے کہتا کہ کوئی ہے جو میرے پاؤں کے نیچے چمڑے کو نکال لے۔ لوگ اسکے اردگرد سے چمڑے کو نکالنے کی کوشش کرتے چمڑا ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا مگر وہ اپنی جگہ سے ہل نہ پاتا۔ اس نے ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے استدعا کی کہ آپ کشتی کرتے ہوئے مجھے زمین پر پچھاڑ دیں تو

---

(۱) اخرجہ الدارمی عن ابن عمرؓ بحوالہ الخصائص الکبریٰ للسیوطی

(۲) صحیح مسلم کتاب الجہاد میں غزوۂ حنین کے باب کے تحت حضرت علیؓ کا یہ ارشاد منقول ہے جسکا بقیہ حصہ یوں ہے ''ایسے موقعہ پر ہم سب میں آپ ﷺ ہی دشمن کے سب سے زیادہ قریب ہوتے تھے۔ مجھ کو وہ منظر یاد ہے جب ہم رسول اللہ ﷺ کی پناہ لیے ہوئے تھے اور آپ ﷺ ہم سب میں دشمن کے زیادہ قریب تھے اُس دن آپ نے

میں ایمان لے آؤں گا آنحضرت ﷺ نے اسے زمین سے اٹھایا اس نے لاکھ کوشش کی مگر آپ ﷺ نے اسے زمین پر دے مارا وہ اپنے حسبِ وعدہ ایمان لے آیا۔(۱)

صاحبِ شمشیر و جاہ و جلال ہونا

آپ ﷺ کی قوت شمشیر اور جاہ وجلال کا یہ حال تھا کہ آپ فرماتے ہیں انا رسول اللہ بالسیف (۲) ''میں تلوار والا نبی ہوں'' مختلف جنگوں میں آپکے حیرت ناک کارنامے روزِ روشن کی طرح واضح ہیں مثلاً جنگ بدر وحنین میں آپ ﷺ نے کافروں کے لشکر کی طرف ایک مشتِ خاک پھینکی کوئی مشرک ایسا نہ تھا جسکی آنکھوں اور نتھنوں میں اسکا اثر نہ پہنچا ہو۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہیبتناک کام ہوگا۔(۳) تیر اندازی آپ ﷺ کو اس قدر محبوب تھی کہ فرماتے تھے۔ستفتح علیکم الروم ویکفیکم اللہ فلا یعجز احدکم ان یلھو باسھمہ ''عنقریب روم تمہارے ہاتھوں فتح ہو جائیگا اور اللہ تم کو کافی ہو جائیگا لہٰذا تم کو اپنے تیروں کیساتھ کھیلنے میں سستی نہیں کرنی چاہیئے'' اسی طرح فرمایا من علم الرمی ثم ترکہ فلیس منا ''جس نے تیر اندازی کو سیکھا پھر اسے ترک کر دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ نیز فرمایا ارموا بنی اسماعیل فان اباکم کان رامیاً ''اے اولاد اسماعیل تیر اندازی کرو کیونکہ تمہارے والد بہترین تیر انداز تھے''(۴) اسی طرح اور بھی کئی احادیث ہیں جو مشکوٰۃ شریف میں باب اعداد الۃ الجہاد کے عنوان کے تحت مذکور ہیں۔

---

(۱) السیرۃ النبویہ لابن ھشام اور البدایہ والنھایہ لابن کثیر میں یہ واقعات دیکھے جا سکتے ہیں۔

(۲) ان الفاظ کیساتھ حدیث نہیں مل سکی تاہم ''انا نبی الملحمہ'' کے الفاظ حدیث میں آئے ہیں۔

(۳) سیرۃ المصطفیٰ، مصنفہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، ج ۳ ص ۶۰

(۴) صحیح البخاری' کتاب الجھاد' باب التحریض علی الرمی عن سلمۃ ابن الاکوعؓ مرفوعاً۔

لوگوں کا فوج درفوج داخلِ اسلام ہونا

مختلف گروہوں کے ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگ آپ ﷺ کے زمانہ حیات میں ہی فرمانبردار ہوکر مشرف بہ اسلام ہوئے چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ النصر میں فرماتے ہیں ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجاً ''اورآپ دیکھیں گے کہ لوگ گروہ در گروہ، قبیلہ در قبیلہ اللہ کے دین میں داخل ہوتے ہیں'' ہجرت کے آٹھویں اورنویں سال میں یمن، شام، عراق اورعرب کے دیگر قبائل اطراف وجوانب سے آپکی خدمتِ عالیہ میں جوق در جوق مطیع ہوکر آئے۔ یزدگرد(۱) شاہِ ایران کی بیٹی شہربانو شہزادۂ نبوت حضرت حسین ؓ کے نکاح میں آئی۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی جو مسیحی المذہب تھے پھر مسلمان ہوئے۔ اسی طرح دوسرے حکام وسلاطین نے آپکی خدمت میں تحائف بھیجے۔(۲) آنحضرت ﷺ کی اولاد میں حضرت حسن ؓ بادشاہ بنے۔ آپکی اولاد ہی سے ایک شخصیت امامِ ہمام قاتل الکفرہ حضرت مہدی ؑ کو ایک عظیم سلطنت حاصل ہوگی۔ اسی طرح آپ ﷺ کی نسل میں ہزاروں امراء وسلاطین ہوتے رہے اور پائے جاتے ہیں اور دیارِ مغرب کے بعض سادات بادشاہ آج تک حکومت کررہے ہیں۔(۳)

---

(۱) یہ یزدگرد بن شہریار بن کسریٰ ہے جو بلادِ فارس کا آخری بادشاہ ہے حضرت عمر ؓ کے دورِ گرامی میں جب ایران کے آخری علاقے فتح ہوئے تو یہ بھاگ کر حلوان پھر اصفہان پھر کرمان پھر خراسان گیا آخرکار مقتول ہوا اسکی بیٹی شہربانو اسیر ہوکر آئی اور حضرت عمر ؓ کے عنایت سے حضرت حسین ؓ کی زوجیت میں داخل ہوئی۔ تفصیل کیلئے مؤرخ ابن اثیر کی الکامل فی التاریخ دیکھئے۔

(۲) روم کے بادشاہ ہرقل نے ہدیہ ارسال کیا مصر کے بادشاہ مقوقس نے تین باندیاں تین غلام ایک خچر اور گھوڑا اور کئی بیش قیمت کپڑے بطورتحفہ بھیجے۔

(۳) حجاز ویمن مصروشام ایران وہندوستان میں سادات خاندانوں نے بڑا عرصہ حکومت کی ہے جیسا کہ تواریخ میں اسکی تفاصیل موجود ہیں۔

رفعتِ ذکرِ نبوی ﷺ

آنحضرت ﷺ کی عظمت کا ڈنکا اس طرح بج رہا ہے اور آپکا ذکر مبارک اس طرح اونچا' بقائے دوام رکھتا ہے کہ مختلف قوموں کے لاکھوں لوگ بلند میناروں پر چڑھ کر پانچ وقت بلند آواز سے صدائیں لگاتے ہیں اشھد ان محمدا رسول اللہ اور کروڑوں نمازی پانچوں وقت اشھد ان محمدا عبده ورسوله اور اللھم صل علىٰ محمد وعلىٰ ال محمد الخ پڑھ کر اپنی زبان کو تر اور مٹھاس سے محظوظ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی ان دونوں باتوں کو اپنے حبیب ﷺ پر بطور احسان ذکر فرماتے ہیں ان اللہ وملائکته یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیماً (۱) "بے شک اللہ اور اسکے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم ان پر درود اور سلام بھیجا کرو" (۲) اور سورۃ الم نشرح میں فرماتے ہیں ورفعنا لك ذكرك "یعنی ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کر دیا" کہ آنحضرت ﷺ کے ذکر مبارک کو اپنے ذکر کیساتھ ملا دیا۔ اذان' اقامت' تشہد' خطبہ' کلمہ طیبہ' کلمہ شہادت اور وجوبِ طاعت' حرمتِ معصیت میں ساتھ ساتھ رکھا بلکہ تین مقامات (۳) کے علاوہ جہاں جہاں بھی خدا تعالیٰ کا ذکر آتا ہے محبوبِ خدا ﷺ کا ذکر بھی ساتھ ہی ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور رفعتِ شان کیا ہوگی۔

---

(۱) سورۃ الاحزاب آیت ۵۶۔

(۲) سلموا تسلیما کا ایک معنی ہے "سلام بھیجو سلام کہہ کر" یعنی صلوٰۃ وسلام کے کلمات ماثورہ پڑھا کرو۔ دوسرا معنی یہ ہوسکتا ہے پروردگار کی خوب اطاعت کرو یا معنی یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ پر درود بھیجنے میں اللہ اور اسکے فرشتوں کی موافقت کر کے اطاعت کرو۔

(۳) پہلا اذان کے آخر میں فقط لا الہ الا اللہ کہا جاتا ہے۔ دوسرا چھینک کے وقت صرف الحمد للہ کہا جاتا ہے۔ تیسرا ذبح کے وقت صرف بسم اللہ کہا جاتا ہے۔

یہ پیشینگوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں نہیں

اِس زبور کی آیت ۶ ، ۷ اِس بشارت کا مصداق آنحضرت ﷺ کو قرار دینے میں مانع نہیں ہے جیسا کہ باب دوم کی فصل دوم میں دلیل چہارم کے جواب میں معلوم ہو چکا۔ اِس پیشینگوئی کا مصداق حضرت مسیح علیہ السلام نہیں ہو سکتے کیونکہ محولہ بالا زبور میں جو اوصاف ذکر کئے گئے ہیں وہ بالاستعاب حضرت مسیح علیہ السلام میں موجود نہیں ہیں کیونکہ آنجناب علیہ السلام صاحبِ قوت وجلال، تلوار و تیر، کمان والے نہ تھے۔ اِسی طرح آپ کوئی خاص جمال نہ رکھتے تھے نہ ان سے کوئی ہیبت ناک کارنامے ظاہر ہوئے۔ اِس دارِ فانی میں انکے زمانہ قیام تک چند لوگ کے سوا کوئی فرمانبردار اور مطیع نہ ہوا بلکہ کمزور، غمزدہ نہایت مسکنت میں رہے جیسا کہ دلیلِ دوم میں بھی گذرا ہے اور یسعیاہ باب ۵۳ کی آیات میں بھی آیا ہے جس کے متعلق مسیحی حضرات کا دعویٰ ہے کہ یہ پیشینگوئی حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ہے اور وہ عبارت یہ ہے ”نہ اسکی کوئی شکل وصورت ہے نہ خوبصورتی اور جب ہم اس پر نگاہ کریں تو کچھ حسن و جمال نہیں کہ ہم اسکے مشتاق ہوں وہ آدمیوں میں حقیر و مردود، مردِ غم ناک اور رنج کا آشنا تھا الخ (یسعیاہ باب ۵۳ آیت ۲) اور حضرت مسیح علیہ السلام کے صاحبِ تلوار ہونے کا تو کیا ذکر وہ اپنے پیروکاروں کو بھی تلوار اٹھانے سے منع کرتے ہیں چنانچہ پطرس حواری نے آنجناب کی گرفتاری کے وقت جب مخالفین پر تلوار اٹھائی تو آنجناب علیہ السلام نے فرمایا ”یسوع نے اس سے کہا اپنی تلوار کو میان میں کر لے کیونکہ جو تلوار کھینچتے ہیں وہ سب تلوار سے ہلاک کیے جائینگے“ (متی باب ۲۶ آیت ۵۲) آنجناب علیہ السلام کے عروجِ آسمانی تک صرف ایک سو بیس کے قریب کمزور اور مسکین لوگ انکے حلقہ اطاعت میں داخل ہوئے تھے جیسا کہ اعمال باب ۱ میں مذکور ہے۔ آنجناب علیہ السلام نے شادی بھی نہیں کی، سلاطین کی بیٹیوں کا انکے حرم میں داخل ہونے اور انکے بیٹوں کے بادشاہ ہونے کا تو کوئی تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ کسی دولت

مند شخص یا بادشاہ نے انکو کوئی تحفہ بھی نہیں بھیجا بلکہ اسکے برعکس یہودیوں کی کوشش سے انکے عہد کے بادشاہ وحکام انکی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے حتی کہ انکو کوڑے تک مارے جیسا کہ یوحنا باب ۱۹میں صراحت ہے اور اپنے لشکروں کے ذریعہ انکی ذاتِ گرامی کا بے حد مذاق بھی اڑایا جیسا کہ لوقا باب ۲۳ آیت ۱۱میں صراحت ہے اور صحفِ اربعہ کے مطابق بالآخرانہوں نے آنجناب علیہ السلام کو قتل کر کے سولی چڑھادیا۔

پانچویں دلیل

زبور ۷۲ میں ہے ''اے خدا! بادشاہ کو اپنے احکام۔اور شاہزادہ کو اپنی صداقت عطا فرما۔وہ صداقت سے تیرے لوگوں کی اور انصاف سے تیرے غریبوں کی عدالت کریگا۔ان لوگوں کیلئے پہاڑوں سے سلامتی کے اور پہاڑیوں سے صداقت کے پھل پیدا ہونگے۔وہ ان لوگوں کے غریبوں کی عدالت کریگا۔وہ محتاجوں کی اولاد کو بچایگا اور ظالم کو ٹکڑے ٹکڑے کرڈالیگا۔جب تک سورج اور چاند قائم ہیں۔لوگ نسل در نسل تجھ سے ڈرتے رہینگے۔وہ کٹی ہوئی گھاس پر مینہ کی مانند اور زمین کو سیراب کرنے والی بارش کی طرح نازل ہوگا۔اُسکے ایام میں صادق برومند ہونگے اور جب تک چاند قائم ہے خوب امن رہیگا۔اُسکی سلطنت سمندر سے سمندر تک اور دریائے فرات سے زمین کی انتہا تک ہوگی۔بیابان کے رہنے والے اسکے آگے جھکیں گے اور اسکے دشمن خاک چاٹیں گے۔ترسیس کے اور جزیروں کے بادشاہ نذریں گذرانیں گے۔سبا اور سیبا کے بادشاہ ہدیے لائینگے۔بلکہ سب بادشاہ اسکے سامنے سرنگوں ہونگے،کُل قومیں اسکی مطیع ہونگی۔کیونکہ وہ محتاج کو جب وہ فریاد کرے۔اور غریب کو جسکا کوئی مددگار نہیں چھڑائیگا وہ غریب اور محتاج پر ترس کھائیگا اور محتاجوں کی جان کو بچائیگا وہ فدیہ دیکر انکی جان کو ظلم اور جبر سے چھڑائیگا اور انکا خون اسکی نظر میں بیش قیمت ہوگا۔وہ جیتے

رہینگے اور سبا کا سونا اسکو دیا جایگا۔لوگ برابر اسکے حق میں دعا کرینگے۔وہ دن بھر اسے دعا دینگے۔زمین میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر اناج کی افراط ہوگی۔اسکا پھل لبنان کے درختوں کی طرح جھومیگا اور شہر والے زمین کی گھاس کی مانند ہرے بھرے ہونگے۔اسکا نام ہمیشہ قائم رہیگا۔جب تک سورج ہے اسکا نام رہیگا‘‘

تشریحِ عبارت

اِن آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام اس پیغمبر کے درج ذیل اوصاف کی خبر دیتے ہیں کہ وہ حاکم ہوگا‘ دشمن کے ٹکڑے ٹکڑے کردیگا‘ مخلوق ہمیشہ اس سے ڈریگی اسکی حکومت سمندر سے سمندر تک اور دریا سے لیکر انتہاء زمین تک ہوگی‘ بیابان کے رہنے والے اسکے آگے جھکیں گے‘ دشمن خاک چاٹیں گے‘ سلاطین و بادشاہ اسے تحائف پیش کریں گے‘ کل قومیں اسکی مطیع ہونگی‘ لوگ برابر اسکے حق میں دعا کریں گے‘ اسکا نام رواج پاکر ابدالآباد تک قائم رہے گا‘ لوگ اسکے وسیلے سے برکت پائیں گے اور خوش نصیب ہونگے۔ظاہر ہے کہ یہ تمام اوصاف حضرت مسیح علیہ السلام میں نہ تھے دوسری جانب جنابِ رسالتِ پناہ ﷺ میں یہ تمام اوصاف بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں کیونکہ آپکی حکومت قائم ہے‘ ظالموں نے سزائی پائی ہے‘ انکے دین میں مشروعیتِ جہاد کی وجہ سے لوگ ہمیشہ ڈرتے رہینگے‘ آنجناب ﷺ اور آپکے غلاموں کی حکومت زمین کی انتہاء تک ہوئی اہلِ عرب جیسے بیابانوں اور پہاڑوں کے رہنے والے انکے آگے جھکے‘ انکے دشمن برباد ہوئے‘ حبشہ کے بادشاہ سابقہ عیسائی نے مسلمان ہوکر اور دیگر سلاطین نے تحائف بھیجے‘ مختلف قوموں کے لاکھوں لوگوں کا مطیع ہوکر آپکے زمانہ حیات میں ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہونا محتاجِ بیان نہیں۔کروڑوں آدمی پنج وقتہ نماز میں ان پر درود بھیجتے ہیں‘ لاکھوں لوگ اذان میں کلمہ شہادت زبان پر لاتے ہیں چنانچہ یہ تمام امور

تفصیل کیساتھ چوتھی دلیل کے ذیل میں گذر چکے ہیں۔

چھٹی دلیل

زبور ۱۱۲ میں ہے ”خداوند کی حمد کرو۔ مبارک ہے وہ آدمی جو خداوند سے ڈرتا ہے اور اسکے حکموں میں خوب مسرور رہتا ہے اسکی نسل زمین پر زور آور ہوگی۔ راستبازوں کی اولاد مبارک ہوگی۔ مال و دولت اسکے گھر میں ہے اور اسکی صداقت ابد تک قائم ہے۔ راستبازوں کیلئے تاریکی میں نور چمکتا ہے۔ وہ رحیم و کریم اور صادق ہے۔ رحمدل اور قرض دینے والا آدمی سعادتمند ہے۔ وہ اپنا کاروبار راستی سے کریگا۔ اسے کبھی جنبش نہ ہوگی۔ صادق کی یادگار ہمیشہ رہیگی۔ وہ بری خبر سے نہ ڈریگا۔ خداوند پر توکل کرنے سے اسکا دل قائم ہے۔ اسکا دل برقرار ہے۔ وہ ڈرنے کا نہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے مخالفوں کو دیکھ لیگا۔ اس نے بانٹا اور محتاجوں کو دیا۔ اسکی صداقت ہمیشہ قائم رہیگی۔ اسکا سینگ عزت کیساتھ بلند کیا جائیگا۔ شریر یہ دیکھے گا اور کڑھیگا۔ وہ دانت پیسے گا اور گھلیگا۔ شریروں کی مراد نابود ہوگی“

پیشینگوئی کی وضاحت

اس زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام ممدوح شخصیت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ مبارک ہے، وہ خداوند سے ڈرتا ہے، احکامِ الٰہی کی اطاعت میں مسرور رہتا ہے، مال و دولت اسکے گھر میں ہے، وہ راستبازوں کیلئے تاریکی میں نور کی طرح چمکتا ہے، وہ مہربان و رحم، صادق اور سخی ہے، اپنا مال محتاجوں پر خرچ کرتا ہے، قرضِ حسنہ دیتا ہے، اپنا کام غور و صلاح سے کریگا، لوگ اسکو ہمیشہ یاد کریں گے، وہ بری خبریں سن کر مرعوب نہیں ہوگا، اپنے دشمنوں پر فتح حاصل کریگا، خدا پر توکل کرتا ہے، مضبوط دل کا مالک ہے، شریر اور دشمن لوگ رنج و غم اٹھائیں گے، انکی خواہش ناتمام رہے گی۔ میں کہتا ہوں کہ اس خبر کا مصداق حضرت محمد ﷺ

کی ذاتِ گرامی ہے کیونکہ آپ میں یہ تمام اوصاف حسنہ بدرجہ کمال پائے جاتے ہیں۔

آنجناب ﷺ کا مبارک ہونا

اس ہستی کی برکات کا کیا اندازہ جس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِن اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی الایۃ (۱) کروڑوں آدمی دن رات پانچ نمازوں میں ان پر درود بھیجتے ہیں جیسا کہ چوتھی دلیل میں معلوم ہوا۔

آنجناب ﷺ کا خداترس ہونا

آنحضرت ﷺ کے خوفِ خدا کا یہ عالم تھا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ فرماتے تھے "جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جان لو تو بہت کم ہنسو گے اور زیادہ روؤ گے" (۲) اور ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ آپ ﷺ سب سے زیادہ اللہ کو جاننے اور پہچاننے والے تھے یقیناً جو اس طرح ہو وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا فرمانبرداری کرنے والا ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ الملائکہ میں فرماتے ہیں اِنما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (۳) "خدا سے تو اسکے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحبِ علم ہیں"

آنجناب ﷺ کا اطاعتِ الٰہی میں مسرور رہنا

آنحضرت ﷺ کا اطاعتِ الٰہی میں مشغول رہنا اِس حد تک تھا کہ مشرکینِ عرب کی

---

(۱) سورۃ الاحزاب آیت ۵۶

(۲) یہ حدیث صحیح بخاری کے علاوہ صحیح مسلم میں بھی آئی ہے۔ بحوالہ ریاض الصالحین، مؤلفہ امام یحییٰ بن شرف النووی، ص ۱۶۴، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی۔

(۳) سورہ فاطر آیت ۲۸۔ اس سورۃ کا نام سورۃ الملائکہ اس لئے ہے کہ سورۃ کے شروع میں فرشتوں کے متعلق مضمون ہے۔

بے حد ایذاء رسانی کے باوجود کبھی دعوتِ حق کو نہیں چھوڑا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ عبادت میں اس قدر دوام اور استقلال رکھتے تھے کہ تم میں سے کوئی بھی اسکی طاقت نہیں رکھتا۔(۱)

آنحضرت ﷺ کا غنا و ثروت:

ابتداءِ عمر میں عبد المطلب اور ابو طالب کے ذریعے آپ مالدار رہے۔ پھر پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا مال و دولت آپکے قدموں میں آ پڑا۔ اسی طرح حضرت ابوبکر، عثمان رضی اللہ عنہما او دیگر اہلِ ثروت انصار نے اپنا مال آپ ﷺ پر نثار کیا۔ فتوحات کے بعد آپ مالِ غنیمت کے ذریعے ہمیشہ مالدار رہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اسکے متعلق ارشاد فرماتے ہیں ووجدك عائلاً فاغنى ''اور آپکو تنگ دست پایا تو غنی کر دیا''(۲)

آپ ﷺ کا نور ہونا

عرب میں ہر طرف کفر کے اندھیرے تھے کوئی شخص خدائے واحد کی عبادت نہ کرتا تھا پھر آپ ﷺ کا آفتابِ رسالت اس آب و تاب کیساتھ طلوع ہوا کہ کفر، ظلمت و ضلالت کا نشان تک مٹ گیا اور دوسرے ممالک میں بھی یہ روشنی پہنچی چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ المائدہ میں فرماتے ہیں قد جاء كم من الله نور و كتاب مبين (۳) ''بے شک تمہارے پاس خدا کی طرف سے نور اور روشن کرنے والی کتاب آچکی ہے جو خود بھی روشن ہے'' نور سے مراد

---

(۱) کتب سیرت میں آنحضرت ﷺ کی اطاعت و عبادت کے عنوان پر مستقل ابواب قائم کرکے ذخیرۂ روایات کو جمع کیا گیا ہے نمونہ کے طور پر سیرۃ النبی، مؤلفہ علامہ شبلی نعمانیؒ اور سید سلیمان ندویؒ، ج ۲، ص ۶۰۷ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲ سورۃ الضحیٰ آیت ۸۔

(۳) سورۃ المائدہ آیت ۱۵۔

آنحضرت ﷺ ہیں اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ تفسیر جلالین میں ہے قد جاء کم من الله نور هو النبی و کتاب قرآن مبین بینٌ ظاهر" انتہٰی یا نور و کتاب دونوں سے مراد قرآنِ کریم ہے جیسا کہ امام بیضاوی کا مختار قول یہی ہے۔

شفقتِ نبوی ﷺ

آپ ﷺ کی مہربانی، رحم دلی اور شفقت کا یہ عالم تھا کہ اللہ تعالیٰ آپکی توصیف کرتے ہوئے سورۃ توبہ میں فرماتے ہیں لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم (۱) ''تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں تمہاری تکلیف انکو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی (اسلام قبول کرنے) کے بہت خواہشمند ہیں اور مؤمنوں پر نہایت شفقت کرنے والے مہربان ہیں'' اسی طرح آپ ﷺ نے اپنے امتیوں کو بھی رحم نرمی وشفقت کی خوب تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں لاتنزع الرحمة الّا من شقی ''رحمت سے وہی محروم کیا جاتا ہے جو بدبخت ہو'' (۲)

آنحضرت ﷺ کا صادق وامین ہونا

آپ ﷺ کے صادق وامین ہونے کا یہ عالم تھا کہ نبوت سے قبل بھی ہر چھوٹے بڑے کو اسکا اعتراف تھا۔ آپ ﷺ تمام عرب میں ''الامین'' کے لقب سے مشہور تھے۔ ابو سفیان اپنے زمانہ کفر میں تجارتی سفر کے سلسلہ میں روم گئے وہاں ھرقل کے بادشاہ نے ان سے یہ بھی سوال کیا ''کیا تم نے اس شخص پر دعویٔ نبوت سے قبل کبھی جھوٹ کا تجربہ کیا؟ ابو سفیان نے کہا لا واللہ! نہیں! انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ ھرقل نے کہا جو مخلوق سے سچ بولے وہ خدا پر کیسے جھوٹ باندھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپکے اس وصف کی مدح کرتے

(۱) سورۃ التوبہ آیت ۱۲۸۔ (۲) اس مضمون کی قرآنی آیات اور نبوی ارشادات کثرت سے ہیں۔

ہوئے فرماتے ہیں:

بل جاء بالحق وصدق المرسلین (سورۃ الصافات آیت:۳۷)

نہیں بلکہ وہ حق لیکر آئے ہیں اور (پہلے) پیغمبر انکو سچا کہتے ہیں۔

جود وسخاءِ نبوی ﷺ

آپ ﷺ کے جود وسخا کا یہ عالم تھا کہ اہل سیر وتاریخ کی زبان پر یہ جملہ جاری ہے کان یستوی عندہ الحجر والذھب "آپکے ہاں سونا کنکر برابر تھے" بخاری میں ہے حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے مروی ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی شخص نے آپ سے سوال کیا ہو اور آپ نے جواب میں "لا" کہا ہو (صحیح البخاری کتاب الجھاد باب فرض الخمس)

چنانچہ فرزدق شاعر کہتا ہے:

ماقال لا قط الّا فی تشھدہ   لولا التشھد کانت لاءہ نعم

اِس شعر کو فارسی شاعر نے اس طرح ترجمہ کیا ہے

نرفت لا برزبان مبارکش ہرگز   مگر در اشھد ان لا الٰہ الّا اللہ

بخاری ومسلم میں حضرت انس ؓ سے روایت ہے آپ ﷺ سب سے زیادہ خوبصورت، سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ سخی تھے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ سورۃ الضحیٰ میں یہ حکم دیتے ہیں واما السائل فلا تنھر "اور سائل کو مت جھڑکنا"

آنحضرت ﷺ کا قرضِ حسنہ دینا

قرضِ حسنہ دینے پر آپ ﷺ کی شریعت میں اجرِ عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے۔ بعض مفسرین کے مطابق اللہ تعالیٰ سورۃ بقرۃ میں اسی کے متعلق فرماتے ہیں:

من ذاالذی یقرض اللہ قرضاً حسناً فیضاعفہ اضعافاً کثیرۃ

(سورۃ البقرۃ آیت:۲۴۵)

کون ہے کہ خدا (یعنی اسکے محروم بندوں) کوقرضِ حسنہ دے کہ وہ اسکے

بدلہ اسکوئی حصے زیادہ دیگا۔

سورۃ مزمل میں ارشاد ہے:۔

اقرضوا اللہ قرضاً حسناً (سورۃ المزمل آیت:۲۰)

خداتعالیٰ کوقرضِ حسنہ دو۔

مشاورتِ نبوی ﷺ

اگرچہ آنحضرت ﷺ کامل العقل شخصیت تھے تاہم حکمِ خداوندی:

وشاورھم فی الامر (سورۃ آل عمران آیت:۱۵۹)

کی اتباع اور امت کی تعلیم وتربیت کیلئے اِن تمام امور میں مشورہ کرتے تھے جنکے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی قطعی حکم صادر نہ ہوا ہو اور غور فرماتے تھے رائے لیتے تھے۔ صحابہ کرام ؓ نے بھی اِس خوبی کو خوب جذب کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اِن حضرات کی اس صفت پر مدح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

امرھم شوری بینھم (سورۃ الشوریٰ آیت:۳۸)

انکے معاملات باھم مشاورت سے ہوتے ہیں

رفعتِ ذکرِ نبوی ﷺ

آنحضرت ﷺ کے ذکرِ مبارک اور یادگاری کا اونچا وعام ہونا محتاجِ بیان نہیں۔ لاکھوں لوگ دن رات میں پانچ مرتبہ باآوازِ بلند کہتے ہیں اشھد ان محمدا رسول

الــلّــــہ اِس طرح کروڑوں نمازی لاکھوں زاہدین ہزاروں خطباء واعظین آپ ﷺ کا نامِ مبارک ذکر کرتے ہوئے درود بھیجتے ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک اِسی طرح ہوگا۔

آپ ﷺ دشمنوں سے نہ ڈرتے تھے بلکہ بہت پر سکون اور مطمئن دل تھے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا آپکی حفاظت کا پکا وعدہ تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

والله يعصمك من الناس (سورة المائده آيت:٦٧)

اللہ تعالیٰ آپکی لوگوں کے شر سے حفاظت کریگا اور کسی کا ہاتھ آپکے قتل کو نہ بڑھے گا۔

آپ ﷺ کی دشمنوں پر فتح وظفر

آپ ﷺ دشمنوں پر کامیابی پاتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ فتح میں وعدہ فرمایا ہے انا فتحنا لك فتحاً مبينا "ہم نے آپکو فتح دی فتح بھی صریح وصاف" اِس آیت میں فتح مکہ کا وعدہ ہے مگر اسکے یقینی وقوع کو بتانے کیلئے ماضی سے تعبیر کیا ہے یا اس میں فتح خیبر وفدک کی طرف اشارہ ہے اِسی سورۃ میں فرماتے ہیں:

وينصرك الله نصراً عزيزا (سورة الفتح آيت:٣)

اللہ تعالیٰ آپکی ایسی مدد کریگا جس میں عزت وغلبہ ہو

یعنی آپ نصرت الٰہی کے ذریعے قاہر وغالب ہونگے۔

توکّلِ نبوی ﷺ

آنحضرت ﷺ کے توکل علی اللہ کا یہ عالم تھا کہ ہر ہر بات میں اللہ ہی پر بھروسہ کرتے تھے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ سورۃ آلِ عمران میں آپکے متعلق فرماتے ہیں:

فاذا عزمت فتوكل على الله إن الله يحب المتوكلين

(سورة آل عمران آيت:۱۵۹)

جب آپ عزم کرلیں تو اللہ پر توکل کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اسی سورۃ میں اور سورۃ توبہ وتغابن میں ارشاد فرماتے ہیں:

وعلى الله فليتوكل المؤمنون

(آل عمران آیت: ۱۶۰، التوبہ آیت ۵۱، التغابن آیت:۱۳)

ایمان والوں کو تو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیئے

اور سورۃ توبہ میں فرماتے ہیں:

فان تولّو فقل حسبي الله لا اله الّا هو عليه توكلت وهو رب العرشِ العظيم (سورة التوبہ آيت:۱۲۹)

پھر اگر یہ لوگ (منافقین) پھر جائیں کہ خدا مجھے کفایت کرتا ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں اسی پر بھروسہ ہے اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔

اسی طرح اور بھی مقامات پر اسکا ذکر آیا ہے۔

کفار کی مراد کا نابود ہونا

کفار واشرار دینِ محمدی ﷺ کی ترقی پر شدید رنج وغم اور بے انتہا یاس وحسرت میں رہتے تھے اور آج تک رہتے ہیں لیکن انہیں حرماں نصیبی کے علاوہ نہ کچھ حاصل ہوا ہے اور نہ ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وإذا خلو عضو عليكم الانامل من الغيظ قل موتوا بغيظكم إن الله عليم بذات الصدور (سورة آل عمران آيت:۱۱۹)

جب ایک دوسرے سے خلوت میں ملتے ہیں تو تم پر غصے کے سبب انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں (ان سے) کہہ دو کہ (بدبختو) غصے میں مرجاؤ! خدا تمہارے دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے

اور سورۃ توبہ میں فرماتے ہیں:

یریدون لیطفوا نور الله بافواھھم ویأبی الله الّا ان یتم نوره ولو کره الکافرون (سورة التوبه آیت:۳۲)

یہ (کوشش کرنے والے ڈرانے والے) چاہتے ہیں کہ خدا کے نور کو اپنے منہ سے (پھونک مارکر) بجھادیں اور خدا اپنے نور کو پورا کئے بغیر رہنے کا نہیں اگرچہ کافروں کو برا ہی لگے۔

بقول شاعر

؎ چراغی را کہ ایزد برفروزد ہر آنکہ تف زند ریشش بسوزد (۱)

خلاصہ گفتگو

الحاصل میری نگاہ سے یہ نہیں گزرا کہ کسی نے زبور کی ان آیات کو حضرت مسیح علیہ السلام سے جوڑا ہو۔ اس سے قطع نظر یہ امر بھی واضح ہے کہ اس زبور میں جو اوصاف ذکر ہوئے ہیں وہ سب حضرت مسیح علیہ السلام پر صادق نہیں آتے کیونکہ وہ انتہائی مسکنت وغربت

---

(۱) شعر کا معنی یہ ہے: جس چراغ کو اللہ تعالیٰ روشن کرے جو شخص بھی اس پر تھوکے گا اُسکی داڑھی جل جائیگی۔ اسی کے ہم معنی اردو شعراء کا کہنا ہے

؎ فانوس بن کر جسکی حفاظت خدا کرے وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

؎ نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

کیساتھ رہے۔ مال و دولت کبھی انکے گھر نہیں آیا جیسا کہ دلیلِ دوم میں معلوم ہوگیا۔ چونکہ عیسائیوں کے اعتقاد کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام اور ذاتِ خدا میں اتحادِ محض ہے لہٰذا آنجناب علیہ السلام کا خدا سے ڈرنے' توکل کرنے کا حقیقی معنوں میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آنجناب علیہ السلام اپنے رفع آسمانی تک اپنے دشمن یہود سے ہراساں رہے بالآخر صحفِ اربعہ کے مطابق عاجز ہوکر انکے ہاتھوں مصلوب ہوئے اپنے دشمنوں پر فتح نہ پاسکے اسی طرح آپکے دشمنوں کی تمنا نامراد نہیں ہوئی بلکہ وہ بامراد ہوئے اور آپکو مصلوب کر کے خوشی سے بغلیں بجاتے رہے۔

ساتویں دلیل

زبور ۱۴۹ میں ہے "خداوند کی حمد کرو۔ خداوند کے حضور نیا گیت گاؤ اور مقدسوں کے مجمع میں اسکی مدح سرائی کرو۔ اسرائیل اپنے خالق میں شادمان رہے۔ فرزندانِ صیون اپنے بادشاہ کے سبب سے شادمان ہوں۔ وہ ناچتے ہوئے اسکے نام کی ستائش کریں۔ وہ دف اور ستار پر اسکی مدح سرائی کریں۔ کیونکہ خداوند اپنے لوگوں سے خوشنود رہتا ہے۔ وہ حلیموں کو نجات سے زینت بخشیگا۔ مقدس لوگ جلال پر فخر کریں۔ وہ اپنے بستروں پر خوشی سے نغمہ سرائی کریں۔ انکے منہ میں خدا کی تمجید اور ہاتھ میں دودھاری تلوار ہوتا کہ قوموں سے انتقام لیں اور اُمتوں کو سزا دیں۔ انکے بادشاہوں کو زنجیروں سے جکڑیں اور انکے سرداروں کو لوہے کی بیڑیاں پہنائیں تاکہ انکو وہ سزا دیں جو مرقوم ہے۔ اسکے سب مقدسوں کو یہ شرف حاصل ہے۔ خداوند کی حمد کرو۔

تشریحِ عبارت

اِس زبور میں مقدسوں' پاک لوگوں اور پیغمبر کے فرمانبرداروں کی مدح کی گئی ہے۔

جبکہ انکے پیغمبر کو بادشاہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور وہ مدح اس طرح ہے کہ خدا اُن سے راضی ہوگا' وہ اپنے بستروں پر یادِ حق میں مشغول ہونگے' انکے منہ خدا کی تمجید سے تر رہینگے' انکے ہاتھ میں دو دھاری تلوار ہوگی تاکہ دشمنوں سے انتقام لیں اور قوموں کو سزا دیں اور انکے بادشاہوں اور سرداروں کو زنجیروں سے جکڑ دیں تاکہ یہ سب مقدس لوگ خدا کے ہاں شرف حاصل کریں۔

یہود بھی اس پیشگوئی کو حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد کسی نبی کے متعلق قرار دیتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام اس پیشگوئی کا مصداق نہیں ہوسکتے کیونکہ انکی سلطنت اپنے والد کی سلطنت سے زیادہ وسیع نہیں ہوسکی نیز اہلِ کتاب کے اعتقاد کے مطابق وہ آخر عمر میں بت پرستی میں مبتلا ہوگئے تھے جیسا کہ مقدمہ کتاب میں فائدہ اول کے تحت گذر چکا۔ میں کہتا ہوں کہ اس خبر کا مصداق حضرت محمد ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں اور ملتِ احمدی ﷺ میں انکے یہ تمام احوال نصوص میں وارد ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ النساء میں فرماتے ہیں:

فاذکروا اللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبکم (سورۃ النساء آیت: ۱۰۳)

تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حالت میں) خدا کو یاد کرو

اسی طرح اٹھتے بیٹھتے' بستر پر لیٹتے وقت اور دیگر اوقات کے وظائف بھی مقرر ہیں۔ حصنِ حصین اور دیگر کتبِ حدیث میں بڑی تفصیل کیساتھ مذکور ہیں اور اصحابِ محمد ﷺ ان میں مشغول رہ کر اپنے منہ ذکرِ الٰہی سے تر رکھتے تھے۔ وہ اپنے ہر کام میں' لیل ونہار کی عبادت میں اخلاص اور صرف رضاءِ الٰہی کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔ وہ خدا کے فرمانبرداروں کیلئے تواضع ورحمت کا پیکر تھے اور کفار وفجار کیلئے اپنے ہاتھ میں دودھاری تلوار رکھتے تھے یہاں تک کہ راہِ خدا میں جہاد کرتے کرتے دنیا کے اکثر حصے کو شرک سے اس طرح پاک کردیا کہ بت اور بت پرستی کا نام ونشان تک نہ رہا۔ لوگوں کی زبانوں اور دلوں پر شرک کی

بجائے توحیدِ خداوندی نے جگہ پکڑلی۔ کافرملکوں کے بادشاہ اور سردار انکے ہاتھوں مقتول وگرفتار ہوئے اِسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کلامِ مجید میں متعدد مقامات پر ان سے اظہارِ خوشنودی فرمایا ہے اور انکو "رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ" کا خطاب دیا۔ سورۃ فتح میں انکی توصیف اِس طرح آئی ہے:

والزمھم کلمۃ التقوی وکانوا احق بھا واھلھا (سورۃ الفتح آیت:۲۶)

اور اللہ نے انکو پرہیزگاری کی بات پر جمائے رکھا اور وہ اسی کے مستحق اور اہل تھے۔

اِسی سورۃ میں آگے فرماتے ہیں:

محمدٌ رسول اللہ والذین معہ اشدآء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من اللہ ورضواناً سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود (سورۃ الفتح آیت:۲۹)

محمدؐ خدا کے پیغمبر ہیں اور جولوگ انکے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل (اے دیکھنے والے) تو انکو دیکھتا ہے کہ (خدا کے آگے) جھکے ہوئے سربسجود ہیں اور خدا کا فضل اور اسکی خوشنودی طلب کررہے ہیں کثرتِ سجود کے اثر سے انکی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔

الغرض جس طرح کفار نے انبیاء کرام علیہم السلام اور انکے پیروکاروں کو گوناگوں تکالیف پہنچائی تھیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے اِن نیک بندوں کے ذریعے ان سے انتقام لے لیا اور بدکار قوموں کو سزادی جیسا کہ زبور میں مرقوم تھا اور سورۃ توبہ میں بھی انکے متعلق اِس طرح ارشاد ہے:

قاتلوھم یعذبھم اللہ بأیدیکم ویخزھم وینصرکم علیھم
ویشفِ صدور قومٍ مؤمنون ویذھب غیظ قلوبھم
(سورۃ التوبہ آیت:۱۴،۱۵)

ان سے (خوب) لڑو خدا انکو تمہارے ہاتھوں عذاب میں ڈالیگا اور
رُسوا کریگا اور تم کو ان پر غلبہ دیگا اور مؤمن لوگوں کے سینوں کو شفا بخشیگا
اور انکے دلوں سے غصہ و رنج دور کریگا۔

ایک وہم کا ازالہ

اِس پیشگوئی کا مصداق حضرت عیسٰی علیہ السلام نہیں ہو سکتے کیونکہ اِس زبور کا مضمون سراسر نعرہ جہاد بلند کرتا ہے اور ملتِ مسیحی میں نہ تو تمام اوقات کے وظائفِ ذکر مقرر ہیں اور نہ جہاد مشروع ہے۔ اسی طرح حواریوں یا قرنِ اول بلکہ ثانی بلکہ ثالث کے لوگوں کے ہاتھوں کوئی کافر بادشاہ یا سردار مقتول یا گرفتار نہیں ہوا بلکہ یہ لوگ اکثر و بیشتر بادشاہوں اور فاسق لوگوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر کوڑے کھاتے رہے بعض سنگسار کر کے قتل کر دیئے گئے۔

آٹھویں دلیل

زبور اول آیت ۶ میں ہے ’’کیونکہ خداوند صادقوں کی راہ جانتا ہے پر شریروں کی راہ نابود ہو جائیگی‘‘ زبور ۵ آیت ۵،۶ میں ہے ’’تجھے سب بدکرداروں سے نفرت ہے۔ تو انکو جو جھوٹ بولتے ہیں ہلاک کریگا خداوند کو خونخوار اور دغاباز آدمی سے کراہیت ہے‘‘ جب یہود نے حواریوں کو قتل کرنے کا مشورہ کیا تو فریسیوں میں سے ایک بڑے عالم اور معزز شخص (۱)

---

(۱) یہ گملی ایل نام کا ایک فریسی عالم ہے۔ مسیحیوں کے پولوس رسول لکھتے ہیں کہ میری تربیت انکے قدموں میں ہوئی۔ (اعمال ۲۲:۳) کہا جاتا ہے کہ یہ شخص خفیہ طور پر عیسائی ہو چکا تھا۔

نے اِس طرح کہا ’’اے اسرائیلیو! اِن آدمیوں کیساتھ جو کچھ کیا چاہتے ہو ہوشیاری سے کرنا کیونکہ ان دنوں سے پہلے تھیودا اس نے اٹھ کر دعویٰ کیا تھا کہ میں بھی کچھ ہوں اور تخمیناً چار سو آدمی اسکے ساتھ ہو گئے تھے مگر وہ مارا گیا اور جتنے اسکے ماننے والے تھے سب پراگندہ ہوئے اور مٹ گئے۔ اس شخص کے بعد یہوداہ گلیلی اِسم نویسی کے دنوں میں اٹھا اور اس نے کچھ لوگ اپنی طرف کر لئے۔ وہ بھی ہلاک ہوا اور جتنے اسکے ماننے والے تھے سب پراگندہ ہو گئے۔ پس اب میں تم سے کہتا ہوں کہ ان آدمیون سے کنارہ کرو اور اِن سے کچھ کام نہ رکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا سے بھی لڑنے والے ٹھہرو کیونکہ یہ تدبیر یا کام اگر آدمیوں کی طرف سے ہے تو آپ برباد ہو جائیگا۔ لیکن اگر خدا کی طرف سے ہے تو تم ان لوگوں کو مغلوب نہ کر سکو گے‘‘ (اعمال باب ۵ آیت ۳۵ تا ۳۹) زبور ۳۷ آیت ۲۸ میں ہے ’’کیونکہ خداوند انصاف کو پسند کرتا ہے وہ اپنے مقدسوں کو ترک نہیں کرتا وہ ہمیشہ کیلئے محفوظ ہیں پر شریروں کی نسل کاٹ ڈالی جائیگی‘‘

غور فرمایئے! اِن عبارات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ گناہگار نیست و نابود ہوتے ہیں۔ جیسا کہ یہوداہ گلیلی اور دیگر یہود نیست و نابود ہو گئے۔ خدا شریروں کی نسل کاٹ ڈالتا ہے بدکار‘ دغاباز اور جھوٹے سے نفرت کرتا ہے اور دشمن رکھتا ہے۔ خدا تعالیٰ انصاف کو پسند کرتا ہے اپنے مقدسوں کو ترک نہیں کرتا۔ کوئی تدبیر یا کام خدا کی طرف سے ہے تو وہ کبھی مغلوب نہ ہو سکے گا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر علیٰ سبیل الفرض والمحال حضرت محمد ﷺ جھوٹے ہوتے تو انکا طریقہ نیست و نابود کر دیا جاتا‘ انکا دین ترقی نہ کر پاتا مگر وہ تیرہ سو سال سے آج تک قائم ہے اور بفضلہ تعالیٰ روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ انکی ملت کا آفتاب شرق سے غرب تک چمکتا ہے اِس مذہب کے حامل لوگوں کا اقتدار یورپی ممالک اسپین‘ یونان‘ ہنگری‘ بلغاریہ وغیرہ تک قائم ہوا۔ آج بھی یہ دین زندہ ہے اور اسکے پیروکار اس قدر ہیں کہ کسی نبی

کو بھی اتنے پیروکار میسّر نہیں آئے۔(۱)

نویں دلیل

زبور ۱۵ میں ہے ”اے خداوند تیرے خیمہ میں کون رہیگا؟ تیرے کوہ مقدس پر کون سکونت کریگا؟ وہ جو راستی سے چلتا اور صداقت کا کام کرتا اور دل سے سچ بولتا ہے۔ وہ جو اپنی زبان سے بہتان نہیں باندھتا اور اپنے دوست سے بدی نہیں کرتا اور اپنے ہمسایہ کی بدنامی نہیں سنتا۔ وہ جسکی نظر میں رذیل آدمی حقیر ہے پر جو خداوند سے ڈرتے ہیں اُنکی عزت کرتا ہے۔ وہ جو قسم کھا کر بدلتا نہیں خواہ نقصان ہی اٹھائے۔ وہ جو اپنا روپیہ سود پر نہیں دیتا اور بے گناہ کے خلاف رشوت نہیں لیتا۔ ایسے کام کرنے والا کبھی جنبش نہ کھائیگا“ زبور ۲۴ آیت ۳ میں ہے ”خداوند کے پہاڑ پر کون چڑھیگا اور اسکے مقدس مقام پر کون کھڑا ہوگا؟ وہی جسکے ہاتھ صاف ہیں اور جسکا دل پاک ہے۔ جس نے بطالت پر دل نہیں لگایا اور مکر سے قسم نہیں کھائی۔ وہ خداوند کی طرف سے برکت پائیگا۔ ہاں اپنے نجات دینے والے خدا کی طرف سے صداقت یہی اسکے طالبوں کی پشت ہے۔ یہی تیرے دیدار کے خواہاں ہیں یعنی یعقوب“ زبور ۶۹ آیت ۳۵،۳۶ میں ہے ”کیونکہ خداوند صیّون کو بچائیگا اور یہوداہ کے شہروں کو بنائیگا اور وہ وہاں بسیں گے اور اسکے وارث ہونگے اسکے بندوں کی نسل بھی اسکی مالک ہوگی اور اسکے نام سے محبت رکھنے والے اس میں بسیں گے“

تشریحِ عبارت

ان آیات میں حضرت داوٗد علیہ السلام صاف ارشاد فرما رہے ہیں کہ یروشلیم میں وہ لوگ

(۱) یہ دلیل مزید تفصیل اور حواشی کیساتھ ملاحظہ ہو ”بائبل سے قرآن تک“ ج ۳، ص ۴۱۷

رہیں گے جو سچے کردار و گفتار والے ہونگے' غیبت نہ کریں گے' ہمسایہ کو تکلیف نہ دیں گے' قسم کھائیں گے تو پوری کریں گے' سود نہ لیں گے' رشوت نہ لیں گے' انکا دل پاک ہوگا' انکے دلوں میں بے ہودگی اور باطل نہیں ہوگا' وہ خدا کے نام سے عشق و محبت رکھنے والے ہونگے' خدا اِن کیساتھ ہوگا' خدا کا ان پر فضل ہوگا۔

میں کہتا ہوں کہ بیت المقدس فتح ہونے سے لیکر آج ساڑھے بارہ سو سال گزرنے کے بعد بھی مسلمانوں کے قبضہ میں ہے اِس دوران جو چند روز مسیحیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کیا تو اسکا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ صلاح الدین ایوبیؒ کے پے در پے حملوں اور مسلسل جہاد کی وجہ سے عیسائی اِس عرصہ میں بے حد پریشان رہے اور قبضہ کے باوجود انکے دن نہایت اضطراب سے گذرے۔ بالآخر انہوں نے چھوڑ دیا اور اہلِ اسلام نے اس پر قبضہ کیا اور کمالِ اطمینان کیساتھ رہ رہے ہیں اور انشاءاللہ رہیں گے اور یہ حکمت اسلام کے سچا ہونے کی دلیل ہے۔ کیا آپکو معلوم نہیں کہ جب تک یہود کفر کے مرتکب نہ ہوئے تھے تو بیت المقدس انکے قبضہ میں تھا پھر جب انہوں نے بت پرستی اور دیگر برے کام کیے تو بختِ نصر بادشاہ بابل کے ہاتھوں مقتول و قید ہوئے وہاں سے جلاوطن کیے گئے۔ پھر جب وہ اپنے کرتوتوں پر نادم ہوئے اور راہِ شریعت اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے پھر اپنے فضل سے انکو واپس وہاں آباد کر دیا۔ پھر جب ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ نبوت میں انکا انکار کر کے کفر اختیار کیا تو پھر وہ دوبارہ جلاوطن ہوئے اور عیسائیوں کا وہاں قبضہ ہو گیا اور حضرت محمد ﷺ کی بعثت تک عیسائی وہاں قابض رہے۔ نبوتِ محمدی ﷺ کے زمانہ ظہور تک دینِ مسیحی واجب التسلیم تھا اور اسکا انکار کفر تھا۔ پھر جب ان لوگوں نے بھی یہود کی طرح نبوتِ محمدی ﷺ کا انکار کیا تو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ یہ لوگ بھی یہود کی طرح اس وادیِ مقدس سے نکال باہر کیے گئے اور اہلِ اسلام کا اس جگہ قبضہ ہو گیا۔ عیسائیوں نے لاکھ کوشش کی مگر دوبارہ قابض نہ ہو سکے

چنانچہ بارہویں اور تیرہویں صدی میں تمام مسیحی بادشاہوں نے جمع ہو کر لاکھوں آدمیوں کے لشکر کیساتھ متعدد بار جنگ کی اور بے حد جانثاری کا مظاہرہ کیا حتیٰ کہ اِس جنگ میں چالیس لاکھ فرنگی مقتول ہو کر فلسطین میں دفن ہوئے۔ اِس جنگ کی تاریخی تفصیل کو ڈاکٹر ٹیلر نے اپنی تاریخ میں درج کیا ہے اور ان جنگوں کو ''جنگِ مقدس'' کا نام دیا ہے۔ اِس سے صاف معلوم ہوا کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ نبی برحق ہیں اور مسلمان خدا کے نزدیک پاک دل، اللہ سے محبت کرنے والے اور اسکی ذات و مہربانی کے طالب ہیں اور حقیقت بھی اسی طرح ہے کہ یہ تمام امور جنکا ذکر حضرت داوٗد علیہ السلام نے کیا ہے ان سب پر شریعتِ محمدی ﷺ میں نصوص وارد ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ سورۃ النسآء میں فرماتے ہیں:

واعبدوا اللہ ولا تشرکوا به شیئاً وبالوالدین احساناً وبذی القربی والیتمی والمساکین والجار ذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وماملکت ایمانکم ان اللہ لایحب من کان مختالاً فخوراً۔

اور خدا کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ، قرابت والوں، یتیموں محتاجوں، رشتہ دار ہمسایوں، اجنبی ہمسایوں اور رفقاء پہلو (یعنی پاس بیٹھنے والوں) اور مسافروں اور جو لوگ تمہارے قبضے میں ہوں سب کے ساتھ احسان کرو بے شک اللہ تکبر کرنے والے اور بڑائی مارنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔

(سورۃ النسآء آیت ۳۶)

سورۃ الحجرات میں ارشاد ہے:

یاایها الذین آمنوا اجتنبوا کثیراً من الظنّ إن بعض الظن اثم

ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا (سورۃ الحجرات آیت ۱۲)

اے اہلِ ایمان! بہت سے گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔

سورۃ البقرہ میں ارشاد ہے:

احل اللہ البیع وحرم الرّبا (سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۵)

اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام قرار دیا۔

پھر اسی سورۃ میں تھوڑا آگے چل کر فرماتے ہیں:

ومن عاد فاولئك اصحب النار ھم فیھا خالدون

اور پھر (سود) لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہینگے۔

سورۃ البقرہ میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۹)

یعنی اگر سود ترک نہ کروگے تو تم خدا اور اسکے رسول سے جنگ کرنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔

سورۃ المائدہ میں ارشاد ہے:۔

واحفظوا ایمانکم۔ (سورۃ المائدہ آیت ۸۹)

اپنی قسموں کی (توڑنے سے) حفاظت کرو۔

سورۃ النحل میں ارشاد ہے:

ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدھا وقد جعلتم اللہ علیکم کفیل (سورۃ النحل آیت ۹۱)

اور نہ توڑو قسموں کو پکا کرنے کے بعد اور تم نے مقرر کیا اللہ کو اپنا ضامن

اسی طرح دیگر آیاتِ بیّنات میں بھی یہ مضمون آیا ہے اور حدیث شریف میں بھی وارد ہے:

علیکم بالصدق فان الصدق یھدی الی البر وان البر یھدی الی الجنة

سچ کو لازم پکڑو کیونکہ نیکی کی راہ بتاتا ہے اور نیکی بلاشبہ راہِ جنت بتاتی ہے۔

(باب الصدق، ریاض الصالحین، ص ۴۵، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی)

نیز حدیث میں آیا ہے:

الغیبة اشد من الزنا

غیبت زنا سے سخت تر ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغیبة والشتم، الفصل الثالث، نیز ریاض الصالحین، ص ۴۴۵، باب تحریم الغیبة)

اسی طرح آیا ہے:۔

واللہ لایؤمن، واللہ لایؤمن، واللہ لایؤمن قیل من یا رسول اللہ قال الذی لایامن جارہ بوائقه (یہ حدیث بخاری اور مسلم میں بھی آئی ہے۔ بحوالہ ریاض الصالحین، ص ۱۳۲، باب حق الجار والوصیة به)

خدا کی قسم وہ شخص کامل مؤمن نہیں، خدا کی قسم وہ شخص کامل مؤمن نہیں، خدا کی قسم وہ شخص کامل مؤمن نہیں لوگوں نے عرض کیا کون یا رسول اللہ؟ فرمایا جسکے پڑوسی اس سے امن میں نہ ہوں۔

اِسی طرح آیا ہے:

من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليحسن الى جاره

''جو شخص اللہ اور روزِ جزا پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ پڑوس سے حسنِ سلوک کرے،

آنحضرت ﷺ نے اپنے ارشادات میں مطلق وعدہ خلافی کو نفاق کی قسم قرار دیا ہے چہ جائیکہ وہ وعدہ جسے قسم سے مؤکد بھی کر دیا جائے۔اور ربا کے متعلق فرماتے ہیں:

درهم الربا ياكله الرجل وهو يعلم اشد من ستته وثلثين زنيةً۔ (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الربوا، الفصل الثالث)

جو شخص جان بوجھ کر سود کا ایک درہم کھاتا ہے تو یہ چھتیس بار زنا سے بدتر ہے۔

دسویں دلیل

زبور ۱۳۷ آیت ۸ میں ہے''اے بابل کی بیٹی! جو ہلاک ہونے والی ہے وہ مبارک ہوگا جو تجھے اس سلوک کا جو تو نے ہم سے کیا بدلہ دے وہ مبارک ہوگا جو تیرے بچوں کو لیکر چٹان پر پٹک دے'' اور یسعیاہ باب ۱۳ میں ہے''بابل کی بابت بارِ نبوت جو یسعیاہ بن آموص نے رویا میں پایا...... میں نے اپنے مخصوص لوگوں کو حکم کیا میں نے اپنے بہادروں کو جو میری خداوندی میں مسرور ہیں بلایا کہ وہ میرے قہر کو انجام دیں پہاڑوں میں ایک ہجوم کا شور ہے گویا بڑے لشکر کا! مملکتوں کی قوموں کے اجتماع کا غوغا ہے! رب الافواج جنگ کیلئے لشکر جمع کرتا ہے وہ دور ملک سے آسمان کی انتہاء سے آتے ہیں ہاں خداوند اور اسکے قہر کے ہتھیار تاکہ تمام ملک کو برباد کریں اب تم واویلا کرو کیونکہ خداوند کا دن نزدیک ہے وہ قادرِ

مطلق کی طرف سے بڑی ہلاکت کی مانند آئے گا اس لئے سب ہاتھ ڈھیلے ہونگے اور ہر ایک کا دل پگھل جائیگا .... اور بابل جو مملکتوں کی حشمت اور کسدیوں کی رونق ہے سدوم اور عمورہ کی مانند ہو جائیگا جنکو خدا نے الٹ دیا وہ ابد تک آباد نہ ہوگا اور پشت در پشت اسمیں کوئی نہ بسے گا۔ وہاں ہرگز عرب خیمے نہ لگائینگے اور وہاں گڈریے گلوں کو نہ بٹھائینگے پر بن کے جنگلی درندے وہاں بیٹھیں گے اور انکے گھروں میں الو بھرے ہونگے۔ وہاں شتر مرغ بسیں گے اور چھگمانس وہاں ناچیں گے اور گیدڑ انکے عالی شان مکانوں میں اور بھڑیے انکے رنگ محلوں میں چلائیں گے اسکا وقت نزدیک آپہنچا ہے اور اسکے دنوں کو اب طول نہیں ہوگا'' (یسعیاہ باب ۱۳ آیت ۱، ۳ تا ۷، ۱۹ تا ۲۲) یسعیاہ باب ۱۴ آیت ۲۲ تا ۲۴ میں ہے ''کیونکہ رب الافواج فرماتا ہے میں انکی مخالفت کو اٹھوں گا اور میں بابل کا نام مٹاؤں گا اور انکو جو باقی ہیں بیٹوں اور پوتوں سمیت کاٹ ڈالوں گا یہ خداوند کا فرمان ہے رب الافواج فرماتا ہے میں اسے خارپشت کی میراث اور تالاب بنادونگا اور میں اسے فنا کے جھاڑو سے صاف کر دونگا۔ رب الافواج قسم کھا کر فرماتا ہے کہ یقیناً جیسا میں نے چاہا ویسا ہی ہو جائیگا اور جیسا میں نے ارادہ کیا ہے ویسا ہی وقوع میں آئیگا'' یسعیاہ باب ۲۱ آیت ۶ میں ہے ''کیونکہ خداوند نے مجھے یوں فرمایا کہ جا نگہبان بٹھا وہ جو کچھ دیکھے سو بتائے اس نے سوار دیکھے جو دو دو آتے تھے اور گدھوں اور اونٹوں پر سوار اور اس نے بڑے غور سے سنا تب اس نے شیر کی سی آواز سے پکارا اے خداوند! میں اپنی دیدگاہ پر تمام دن کھڑا رہا اور میں نے ہر رات پہرے کی جگہ پر کاٹی اور دیکھ سپاہیوں کے غول اور اسکے سوار دو دو کر کے آتے ہیں پھر اس نے یوں کہا کہ بابل گر پڑا گر پڑا اور اسکے معبودوں کی سب تراشی ہوئی مورتیں بالکل ٹوٹی پڑی ہیں .... ادوم اور سعیر کی بابت بار نبوت الخ .... عرب اور بنی قیدار کی بابت بار نبوت'' الخ (یسعیاہ باب ۲۱ آیت ۶ تا ۹، ۱۱، ۱۳) یہاں بائبل کے فارسی مترجم نے خدا

تعالیٰ سے بے خوف ہو کر اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے تحریف کا ارتکاب کیا ہے اور اس جملہ ’’ادوم اور سعیر کے بارے میں نبوت‘‘ کی وجہ لکھا ہے ’’ادوم کی بابت بارِ نبوت‘‘ اِس طرح اس جملہ ’’عرب اور بنی قیدار کی بابت بارِ نبوت‘‘ کی جگہ لکھا ہے ’’عرب کی بابت بارِ نبوت‘‘ (۱) نیز حضرت یسعیاہ نے اپنی کتاب کے باب ۴۷ میں بابل کی تباہی کے متعلق خبر دی ہے۔ یرمیاہ باب ۵۰ میں ہے ’’اس لئے رب الافواج اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ دیکھ میں شاہِ بابل اور اسکے ملک کو سزا دونگا...... تیر اندازوں کو بلا کر اکٹھا کرو کہ بابل پر جائیں سب کمانداروں کر ہر طرف سے اسکے مقابل خیمہ زن کرو وہاں سے کوئی بچ نہ نکلے اسکے کام کے موافق اسکو بدلہ دو۔ سب کچھ جو اس نے کیا اس سے کرو کیونکہ اس نے خداوند اسرائیل کے قدوس کے حضور بہت تکبر کیا اس لئے اسکے جوان بازاروں میں گر جائینگے اور سب جنگی مرد اس دن کاٹ ڈالے جائینگے خداوند فرماتا ہے...... اس لئے دشتی درندے گیدڑوں کیساتھ وہاں بسیں گے اور شتر مرغ اس میں بسیرا کرینگے اور وہ پھر ابد تک آباد نہ ہوگی پشت در پشت کوئی اس میں سکونت نہ کریگا جس طرح خدا نے سدوم اور عمورہ اور انکے آس پاس کے شہروں کو الٹ دیا خداوند فرماتا ہے اسی طرح کوئی آدمی وہاں نہ بسے گا نہ آدم زاد اس میں رہیگا‘‘ (یرمیاہ باب ۵۰ آیت ۱۸، ۲۹، ۳۰، ۳۹، ۴۰) یرمیاہ باب ۵۱ آیت ۳۷ میں ہے ’’اور بابل کھنڈر ہو جائیگا اور گیدڑوں کا مقام اور حیرت اور سسکار کا باعث ہوگا اور اس میں کوئی نہ بسے گا‘‘ مکاشفہ یوحنا باب ۱۸ آیت ۱، ۲ میں ہے ’’اِن باتوں کے بعد میں نے ایک اور فرشتہ کو آسمان پر سے اترتے دیکھا جسے بڑا اختیار تھا اور زمین اسکے جلال سے روشن ہوگئی اس نے بڑی آواز سے چلا کر کہا کہ گر پڑا۔ بڑا شہر بابل گر پڑا اور شیاطین کا مسکن اور ہر ناپاک روح کا اڈا اور ہر ناپاک اور مکروہ پرندہ کا اڈا ہو گیا...... اے آسمان اور اے مقدسو

(۱) موجودہ اردو، فارسی، عربی، انگریزی تراجم میں یہی محرف عبارت چلی آرہی ہے۔

اور رسولو اور نبیو! اس پر خوشی کرو کیونکہ خدا نے انصاف کر کے اس سے تمہارا بدلہ لے لیا پھر ایک زور آور فرشتہ نے بڑی چکی کے پاٹ کی مانند ایک پتھر اٹھایا اور یہ کہہ کر سمندر میں پھینک دیا کہ بابل کا بڑا شہر بھی اسی طرح زور سے گرایا جائیگا اور پھر کبھی اسکا پتہ نہ ملیگا۔ اور بربط نوازوں اور مطربوں اور بانسلی بجانے والوں اور نرسنگا پھونکنے والوں کی آواز پھر کبھی تجھ میں نہ سنائی دیگی۔ اور کسی پیشہ کا کاریگر تجھ میں پھر کبھی پایا نہ جائیگا اور چکی کی آواز تجھ میں پھر کبھی نہ سنائی دیگی۔ اور چراغ کی روشنی تجھ میں پھر کبھی نہ چمکیگی اور تجھ میں دلہے اور دلہن کی آواز پھر کبھی نہ سنائی دیگی'' (مکاشفہ باب ۱۸ آیت ۱'۲' ۲۰ تا ۲۳) مکاشفہ باب ۱۹ آیت ۱ تا ۳ میں ہے ''اِن باتوں کے بعد میں نے آسمان پر گویا بڑی جماعت کو بلند آواز سے یہ کہتے سنا کہ ہللویاہ! نجات اور جلال اور قدرت ہمارے خدا ہی کی ہے کیونکہ اسکے فیصلے راست اور درست ہیں اس لئے کہ اس نے بڑی کسبی کا انصاف کیا جس نے اپنی حرامکاری سے دنیا کو خراب کیا تھا اور اس سے اپنے بندوں کے خون کا بدلہ لیا پھر دوسری بار انہوں نے ہللویاہ کہا اور اسکے جلنے کا دھواں ابد الآباد تک اٹھتا رہےگا'' نیز جب آپ ﷺ کی ولادت کے وقت ایوانِ کسریٰ میں حرکت ہوئی اسکے چودہ کنگرے گر پڑے ساوہ کا خوب پانی رکھنے والا تالاب خشک ہوگیا اور وادی سماوہ کا دریا جو ہزاروں سال سے خشک پڑا تھا رواں ہوگیا اور فارس کا آتش کدہ جو ہزار سال سے مسلسل روشن تھا وہ بجھ گیا نوشیرواں اس حالت کو دیکھ کر گھبرا گیا اور شہر کے قاضی القضاۃ جسکو موبذ یا موبذان کہا جاتا تھا اس نے خواب دیکھا کہ سخت اونٹ عربی گھوڑوں کو کھینچے لے جارہے ہیں اور دریائے دجلہ سے پار ہوکر تمام ممالک میں پھیل گئے۔ نوشیرواں نے اس معاملہ کی تحقیق کیلئے لوگوں کو کاہنوں کے پاس بھیجا خاص طور سطیح کے پاس جو علمِ کہانت میں مشہور تھا روانہ کیا۔ جب نوشیرواں کے قاصد سطیح کے پاس پہنچے تو وہ نزع کی حالت میں تھا۔ یہ احوال سن کر کانپ اٹھا اور کہا:

اذا ظھر التلاوۃ وبعث صاحب الھراوہ وفاض وادی السماوۃ وغاضت بحیرۃ ساوہ وخمدت نیران فارس لم یکن بابل للنفوس مقاماً ولا الشام للسطیح مناما۔

جب کلامِ الٰہی کی تلاوت ہونے لگے اور صاحبِ عصا پیغمبر مبعوث ہو، وادی سماوہ جاری ہو جائے اور دریاءِ ساوہ خشک ہو جائے اور فارس کی آگ بجھ جائے تو بابل اہل فارس کیلئے جاءِ قیام اور شام سطیح کیلئے جاءِ منام نہ رہیگا۔

یہ کہتے ہوئے سطیح نے اپنا رختِ سفر عالمِ فنا سے عالمِ بقاء کی طرف باندھ لیا۔(۱)

تجزیہ مصنفؒ

غور فرمایئے! حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک ہزار قبلِ مسیح بابل کے گر پڑنے کی خبر دی تھی اس کے بعد یسعیاہ نے آٹھ سو سال قبلِ مسیح کے یہی خبر دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ بابل کو سدوم وعمورہ کی طرح نیست ونابود کرونگا اور اسکے بتوں کو ریزہ ریزہ کرونگا وہ اسکے بعد کبھی آباد نہ ہوگا پشت در پشت اس میں کوئی نہ بسے گا وہ درندوں کا مسکن ہوگا وہاں شتر مرغ، اُلو، جھگمانس، گیدڑ اور دیگر وحشی درندے ہونگے وہ خار پشت (جنگلی چوہا) کی میراث ہوگا اور اللہ تعالیٰ یقیناً اپنا ارادہ وقوع میں لائیگا اس لئے سب ہاتھ ڈھیلے ہونگے اور ہر ایک کا دل پگھل جائیگا۔ اسکے بعد حضرت یرمیاہ نے پانچ سو اسّی سال قبلِ مسیح بابل کے تباہ ہونے کی خبر دی اور فرمایا کہ بابل سدوم وعمورہ کی طرح ویران ہو جائیگا اور دشتی درندے گیدڑوں کیساتھ وہاں بسیں گے اور شتر مرغ اس میں بسیرا کرینگے اور پھر وہ ابد تک

(۱) سیرۃ المصطفیٰ، مصنفہ مولانا ادریس کاندھلویؒ، ج ۱، ص ۵۶۔

آباد نہ ہوگا پشت در پشت اس میں کوئی سکونت نہ کریگا کوئی آدمی وہاں نہ بسے گا اور نہ آدم زاد وہاں رہیگا۔

اِن انبیاء کرام علیہم السلام کی پیشگوئیوں کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ تک بابل کی تباہی ظہور میں نہ آئی یوحنا حواری نے حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کے پچانوے سال بعد اِن تمام خبروں کے سچا ہونے کی الہامِ ربانی سے تصدیق کی اور کہا کہ بلاشبہ ان انبیاء کرام کی یہ پیشگوئی سچی ہے بارگاہ الٰہی کے بزرگوں اور مقدسوں کا خون رایگاں نہیں جائیگا یقیناً اللہ تعالیٰ انکا انتقام لیگا اور انکے بدلہ میں انبیاء کرام علیہم السلام کی خبر کے مطابق بلاشبہ بابل کو گرادیگا اور کھنڈر بنا کر شیاطین کا مسکن اور ہر ناپاک روح اور ہر مکروہ پرندے کا اڈا بنادیگا وہ ہمیشہ ویران رہیگا اور بربط نوازوں اور مطربوں اور بانسلی بجانے والوں اور نرسنگا پھونکنے والوں کی آواز پھر سنائی نہ دیگی اور چراغ کی روشنی پھر کبھی نہ چمکے گی۔ پھر اسکے بعد سطیح کاہن نے حضرت مسیح علیہ السلام کے پانچ سو چوالیس سال بعد نوشیرواں کے زمانہ میں خبر دی کہ اب بابل کی تباہی کے دن قریب آگئے ہیں اور تمام علامات ظاہر ہوگئی ہیں اور اب بابل یقیناً تباہ ہوگا۔ اس شہر کو تباہ کر کے فتح کرنے والوں کے متعلق حضرت داؤد علیہ السلام نے ''مبارک بندہ'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حضرت یسعیاہ علیہ السلام نے انکے متعلق فرمایا ہے کہ خدا کے برگزیدہ ہونگے جلالِ خداوندی میں مسرور ہونگے' بڑا لشکر ہونگے' دور ملک سے آسمان کی انتہاء سے آئینگے۔ حضرت یرمیاہؑ نے انکو تیر انداز اور کماندار فرمایا ہے۔

تفصیلِ بالا سے صاف معلوم ہوا کہ یوحنا حواری کے زمانہ تک جس طرح حضرت یسعیاہ و یرمیاہ علیہما السلام نے خبر دی تھی اس طرح بابل ویران نہیں ہوا تھا ورنہ وہ کبھی آباد نہ ہوتا اور یوحنا بابل کے ماضی میں تباہ ہونے کی خبر کیسے دے سکتے ہیں جبکہ انکے زمانہ میں تو ایک بہت بڑا آباد شہر تھا اور فارسیوں کا دارالحکومت تھا۔ آبادی' خزانوں سے مالا مال ہونے

میں دوسرے شہر اسکے مقابلہ میں کچھ بھی نہ تھے جیسا کہ مکاشفہ کے باب ۱۸ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے اور یوحنا حواری کے زمانہ سے لیکر سطیح کاہن کے زمانہ تک جو تقریباً پانچ سو سال کا عرصہ ہے بابل ویران نہیں ہوا اور نہ وہ حضرت یسعیاہ و یرمیاہ علیہما السلام اور یوحنا کے بقول دوبارہ آباد نہ ہوتا بلکہ وہ بالکل ویران ہی رہتا اور دشتی درندوں وحشی جانوروں کا مسکن رہتا حالانکہ نوشیرواں کے زمانے تک بابل دار الحکومت رہا اور نہایت آباد و شاداب رہا۔ معلوم ہوا کہ بابل کی اُس طرح ویرانی جس کی خبر انبیاء کرام علیہم السلام نے دی وہ سطیح کاہن کے بعد ظاہر ہوئی اور بابل کو گرانے والے خدا کے مبارک و برگزیدہ اور اسکی خوشنودی کے طالب بندے' فوج کا بڑا لشکر اور تیر و کمان والے ہونگے وہ دور کے ملک سے آئینگے اور کتبِ تاریخ سے یہ بات بڑی صراحت سے ثابت ہے کہ خلافتِ فاروقی ﷺ کے زمانہ میں ہجرتِ نبوی ﷺ کے سولہویں سال بابل بیت المقدس اور دیگر شہر فتح ہوئے اور بابل اس روز سے ویران ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ اوصاف ان مجاہدین کے حق میں خاص طور حضرت عمر ﷺ کے حق میں ثابت ہوتے ہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہی لوگ ان اوصاف کے حامل ہیں یعنی خدا کے مبارک و برگزیدہ بندے' اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضاء کے طالب اور عظیم لشکرِ جرار کے حامل جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۃ المجادلہ میں انکی تعریف وستائش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اولٓئك كتب فی قلوبهم الایمان وایدهم بروح منه
ویدخلهم جنٰت تجری من تحتها الانهار خالدین فیها
رضی الله عنهم ورضوا عنه اولٓئك حزب الله الا انّ حزب
الله هم المفلحون۔ (سورۃ المجادلہ آیت ۲۲)

یہ وہ لوگ ہیں جنکے دلوں میں خدا نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کردیا ہے اور فیضِ غیبی سے انکی مدد کی ہے اور وہ انکو بہشتوں میں جنکے

نیچے نہریں بہ رہی ہیں داخل کریگا ہمیشہ ان میں رہینگے خدا اُن سے خوش اور وہ خدا سے خوش یہی گروہ خدا کا لشکر ہے اور سن رکھو کہ خدا ہی کا لشکر مراد حاصل کرنے والا ہے۔

اور سورۃ الحج میں فرماتے ہیں:

وجاهدوا فی الله حق جهادہٖ هو اجتبکم (سورۃ الحج آیت ۷۸)

اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ اسکا حق ہے اس نے تم کو (اپنے دین کی نصرت کیلئے) چن لیا ہے۔

اور حقِ جہاد ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ صاف دل اور خالص نیت کیساتھ ظاہری دشمنوں مثلاً مشرکین واہلِ باطل اور باطنی دشمنوں ہواءِ نفس وغیرہ سے جہاد کریں اور مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ تبوک سے واپسی پر ارشاد فرمایا رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر یعنی ہم جہادِ اصغر (اہل کفر وطغیان) سے جہادِ اکبر (نفس وہواءِ شیطانی سے مقابلہ) کی طرف لوٹ رہے ہیں۔ امام قشیریؒ فرماتے ہیں کہ ”حق جہاد یہ ہے کہ ایک لحہ کیلئے بھی مجاہدۂ نفس سے غفلت نہ ہو کیونکہ اس سے کوئی امن نہیں ہوسکتا اور کبھی اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

یہ لشکرِ اسلام حرمین سے گیا جو کوہستانی علاقہ ہے اور اسرائیلی شہر بیت المقدس، کنعان وغیرہ یہاں سے سینکڑوں میل دور ہیں اور تیرانداز سے مراد بھی یہی لوگ ہیں کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانہ سے انہوں نے اس فن میں کمال پیدا کیا ہے اور ملتِ اسلام میں تیراندازی مسنون ہے بلکہ آپ ﷺ کا ارشاد بطورِ وعید نقل ہوا کہ جس نے تیراندازی سیکھ کر ترک کردی وہ ہمارے طریقہ پر نہیں جیسا کہ چوتھی دلیل میں تفصیلاً معلوم ہوا۔ الغرض اِن بندگانِ خدا اور تیر وکمان والے سپاہیوں کے ہاتھوں بابل ہمیشہ کیلئے اِس طرح

برباد ہوا کہ دوبارہ آباد نہ ہوسکا اور اسکے بت پاش پاش ہوگئے۔ ان مقدس ہستیوں کے خون کا بدلہ انہی مجاہدین کے ہاتھوں لیا گیا۔ جب ان لوگوں کا اوصاف مذکورہ سے متصف ہونا ثابت ہوگیا تو انکے مقتداء وپیشوا یعنی حضرت خاتم النبیین ﷺ کی نبوت اور امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کی خلافت کا حق ہونا تو بطریقِ اولیٰ ثابت ہوگیا۔ حضرت عیسیٰؑ خرسوار تھے جنکی نبوت شعیر وادوم تک تھی اور شتر سوار حضرت محمد ﷺ ہیں کیونکہ اونٹ کی سواری عرب میں غایت درجہ مروّج ہے اور فی الحقیقت یہ جملہ کہ ''عرب اور بنی قیدار کی بابت بارِ نبوت'' رسالتِ محمدی ﷺ پر ایسی نصِ صریح ہے کہ محتاج بیان نہیں کیونکہ قیدار حضرت اسماعیلؑ کے بیٹے کا نام ہے جیسا کہ پیدائش باب ۲۵ آیت ۱۳ سے واضح ہے۔

یادر ہے کہ یسعیاہ باب ۲۱ کی پیشگوئی رسالتِ محمدی ﷺ کے اثبات میں ایک مستقل دلیل اور نصِ جلی ہے اس وجہ سے بعض علماء اسکو مستقل دلیل بنا کر علیحدہ ذکر کرتے ہیں اور ''صاحبِ عصا'' سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں جنکے متعلق زبور و مکاشفہ میں آیا ہے کہ وہ قوموں کو لوہے کے عصا سے ریزہ ریزہ کردیگا اور شریعتِ محمدی ﷺ میں عصا ہاتھ میں لینا مستحب ہے اور کہانت کا سلسلہ آپ ﷺ کے عہدِ طفولیت میں ہی یکسر ختم ہوگیا۔ الحاصل یہ دلیل نبوت محمدی ﷺ اور خلافتِ فاروقی ؓ کے حق ہونے کیلئے نصِ صریح ہے۔

گیارہویں دلیل

یسعیاہ باب ۴۲ میں ہے ''اور میں نئی نئی باتیں بتاتا ہوں۔ اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں۔ اے سمندر پر گذرنے والو اور اسمیں بسنے والو! اے جزیرو اور انکے باشندو خداوند کیلئے نیا گیت گاؤ۔ زمین پر سرتاسر اُسی کی ستائش کرو۔ بیابان اور اسکی بستیاں قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں۔ سلع کے بسنے والے گیت گائیں۔ پہاڑوں

کی چوٹیوں پر سے للکاریں۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں اور جزیروں میں اسکی ثنا خوانی کریں۔ خداوند بہادر کی مانند نکلے گا۔ وہ جنگی مرد کی مانند اپنی غیرت دکھائیگا۔ وہ نعرہ ماریگا۔ ہاں وہ للکاریگا۔ وہ اپنے دشمنوں پر غالب آئیگا۔ میں بہت مدت سے چپ رہا۔ میں خاموش ہو رہا اور ضبط کرتا رہا پر اب میں دردِ زہ والی کی طرح چلاؤنگا۔ میں ہانپونگا اور زور زور سے سانس لونگا۔ میں پہاڑوں اور ٹیلوں کو ویران کرڈالونگا اور انکے سبزہ زاروں کو خشک کرونگا اور انکی ندیوں کو جزیرے بناؤنگا اور تالابوں کو سُکھا دونگا۔ اور اندھوں کو اُس راہ سے جسے وہ نہیں جانتے لے جاؤنگا۔ میں انکو ان راستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلونگا۔ میں انکے آگے تاریکی کو روشنی اور اُونچی نیچی جگہوں کو ہموار کردونگا۔ میں ان سے یہ سلوک کرونگا اور انکو ترک نہ کرونگا۔ جو کھودی ہوئی مورتوں پر بھروسا کرتے اور ڈھالے ہوئے بتوں سے کہتے ہیں تم ہمارے معبود ہو وہ پیچھے ہٹیں گے اور بہت شرمندہ ہونگے'' (یسعیاہ باب ۴۲ آیت ۹ تا ۱۷)

تشریحِ مصنفؒ

اِس عبارت کی آیت نمبر ۹ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت یسعیاہؑ بطورِ پیشگوئی آئندہ زمانہ کے متعلق ایک تازہ خبر دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اسی باب کی آیت تیئیس (۲۳) میں فرماتے ہیں ''تم میں کون ہے جو اس پر کان لگائے؟ جو آئندہ کی بات توجہ سے سنے'' ''خداوند کیلئے نیا گیت گاؤ'' سے ایک نئے طرز عبادت کی طرف اشارہ ہے جس سے مراد شریعتِ مصطفوی ﷺ ہے اور ''زمین میں سرتاسر ستائش کرنے سمندر' جزائر' بیابان' گاؤں اور بستیوں میں آواز بلند کرنے'' سے آنحضرت ﷺ کی آفاقی نبوت اور عموم بعثت کی طرف اشارہ ہے۔ آپ ﷺ کی شریعت کی پیروی کرنا ہر شخص پر واجب الاتباع ہے اور لفظِ ''قیدار'' سلع اور اسکے پہاڑوں کی چوٹیوں کا لفظ کس قدر کھلے طور بہانگِ دھل اعلان کرتے ہیں کہ

اِس بشارت کا مصداق بنی اسماعیلؑ ہیں (۱) کیونکہ ''قیدار'' حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے کا نام ہے۔ مکہ اور اسکے گردونواح کا علاقہ پہاڑی زمین ہے اور ''پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکارنے'' سے اس عبادت کی طرف اشارہ ہے کہ جو ایامِ حج میں لاکھوں لوگ بلند آواز کے ساتھ ''لبیك اللھم لبیك '' کہتے ہیں اور ''جزیروں میں اسکی ثناخوانی کریں'' سے ملتِ محمدی ﷺ کی عبادتِ نماز کی طرف اشارہ ہے کہ پانچوں وقت لاکھوں لوگ بلند آواز سے اللہ اکبر اللہ اکبر الیٰ آخرہ سے حق سبحانہ وتعالیٰ کی ثناخوانی کرتے ہیں اور آیت ۱۳ میں کس قدر خوبصورتی کیساتھ جہاد کے مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے کہ بہادر جنگی مرد غازی و پہلوان نعرہ مارنے والے حملہ آور جو حقیقت میں نبی آخر الزمان ﷺ اور انکے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں مگر اللہ تعالیٰ انکے اِن کاموں کو اپنا فعل قرار دیتے ہیں۔ اِس میں اس بات کی طرف صاف اشارہ ہے کہ وہ پیغمبر اور انکے پیروکاروں کا جہاد خالص اطاعتِ ربانی ہوگا اور نفسانی خواہشات سے خالی ہوگا اور حقیقت بھی اسی طرح ہے جیسا کہ دوسری دلیل میں معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ (۲) اور مولانا رومیؒ اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں کہ ایک غزوہ میں کفار و مشرکین کی صفوں کو چیرنے والے شیرِ خدا امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کسی کافر پر بڑی کوشش کے بعد غلبہ پا کر اسکے سینے پر چڑھ بیٹھے اور ارادہ کیا کہ تلوار سے اسکا سر تن سے جدا کر دیں۔ اِس دوران اس نے آپ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر تھوک دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فوراً اُسے چھوڑ کر الگ ہو گئے اور اسکے قتل کا ارادہ ترک کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر وہ کافر شخص حیرت میں ڈوب گیا اور ان سے وجہ پوچھی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمارا جہاد وقتال صرف رضاءِ الٰہی کیلئے ہوتا ہے جب تم نے مجھ پر تھوکا تو میری طبیعت پر ناگوار گذرا۔

(۱) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ''بائبل سے قرآن تک'' ج ۳، ص ۲۸۱۔

(۲) سورۃ الحج آیت ۷۸۔

اب اگر میں تمہیں قتل کرتا تو یہ خالص اللہ کی رضا کیلئے نہ رہتا ہے بلکہ اپنے انتقام کا عنصر بھی شامل ہو جاتا۔ اس پر وہ کافر شخص فوراً ایمان لے آیا اور اسکے پچاس رشتہ دار بھی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ الغرض تمام صحابہ کرام ؓ کا جنگی معرکوں میں یہی جذبہ اخلاص رہا۔ اور آیت ۱۴ میں شریعتِ محمدی ﷺ میں جہاد کی حکمت و مشروعیت کی طرف اشارہ ہے کہ سرکشوں نے بہت نافرمانی کر لی میرے احکام کی اطاعت نہ کی کب تک انکو زبانی سمجھایا جائیگا لہٰذا میں جہاد کو جاری کرتا ہوں تا کہ اپنے کیے کی سزا پائیں اور زبانی تقریر اور عملی تلوار کے ذریعے دونوں طرح سے انکی فہمائش ہو جائے۔ اور آیت ۱۶ میں اہلِ عرب کی حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو احکام الٰہی سے بالکل ناواقف تھے شرک و بت پرستی کے علاوہ کوئی عبادت نہ جانتے تھے جاہلیت کی رسومِ قبیحہ میں گرفتار تھے۔ اللہ تعالیٰ انکے متعلق فرماتے ہیں:

وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین (سورۃ الجمعہ آیت ۲)

اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

آیتِ بشارت میں انکو ''اندھوں'' سے تعبیر کیا گیا ہے اور شریعت کو سیدھا راستہ اور کفر کو تاریکی اور ایمان کو روشنی فرمایا گیا ہے۔ اور ''ان کو ترک نہ کرونگا'' سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ امت امتِ مرحومہ ہوگی اور ان کیلئے شریعت دائمی و آفاقی ہوگی اور آیت ۷ میں وعدہ فرماتے ہیں کہ اُس وقت بت پرست پیچھے ہٹیں گے اور بہت شرمندہ ہونگے۔ اسی قسم کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کیساتھ اپنے رسول ﷺ کی وساطت اس وقت کیا جب وہ مکہ میں مغلوب تھے اور کفار کے ہاتھوں تکلیف اٹھا رہے تھے چنانچہ سورۃ القمر میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

سیھزم الجمع ویولون الدبر (سورۃ القمر آیت ۴۵)

عنقریب یہ جماعت شکست کھائیگی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ

جائینگے۔

جیسا کہ اس باب کی فصل دوم میں اعتراضِ ششم کے جواب میں گذر چکا۔ پھر اسی طرح ہوا کہ کفارِ عرب نے نورِ محمدی ﷺ کے بجھانے میں ہر چند کوشش کی مگر سب بے سود ہوا اور جب وعدۂ الٰہی کفار کو ہزیمت وندامت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ آخر کار بت اور بت پرستوں کا نام ونشان تک نہ رہا۔ اکثر ملکوں میں تو شرک و بت پرستی بالکل ختم ہوگئی اور بعض جگہوں پر اختتام کے قریب ہوگئی۔ اُس جگہ توحیدِ الٰہی کا نور چمکنے لگا۔ یاد رہے کہ حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ جو یہود کے ایک بڑے عالم تھے اور یروشلیم میں رہتے تھے اسی طرح کی پیشگوئیوں کی بناپر اسلام لائے تھے وہ فرماتے ہیں کہ کتبِ سماویہ میں نبی آخر الزمان ﷺ کی اسی طرح مدح ومنقبت آئی ہے جس طرح انکی امت انکے متعلق تعریف کرتی ہے اور کرتی رہیگی اور سفر کی ہر منزل پر انکی تعظیم بجالاتی رہیگی اور ہر بلند چوٹی پر کھڑے ہوکر آواز دیتی رہیگی کہ اے انسانو! خیر ونجات کی طرف آجاؤ۔ واقعی یسعیاہ کا یہ باب اور دیگر پیشگوئیاں اسی حقیقت کو ظاہر کرتی ہیں۔ ہاں ہاں! امتِ محمدیہ ﷺ کے صلحاء بالخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالکل انہی اوصاف کے حامل تھے اور ہیں اللہ تعالیٰ اس امت کے قرنِ اول کے لوگ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ (سورۃ توبہ:۱۲)

گناہوں سے توبہ کرنے والے، حق تعالیٰ کی پُر خلوص عبادت کرنے والے روزہ رکھنے والے نماز میں رکوع وسجدہ کرنے والے ایمان واطاعت کا حکم دینے والے کفر ومعصیت وبدعت سے منع کرنے

والے احکامِ خدا کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

نوٹ

یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ کتب سماویہ میں اکثر جگہ(۱) آقائے نامدار ﷺ کی مدح ومنقبت اِس حوالے سے آئی ہے کہ اس نبی برحق کی شریعت میں جہاد ہوگا۔ چنانچہ مُخَیریق جو ایک بڑے یہودی عالم تھے اور بہت مال ودولت رکھتے تھے رسولِ اقدس ﷺ کی نبوتِ حقہ کے معترف تھے اور اپنی قوم کو سمجھاتے رہتے تھے جب جنگِ اُحد کا دن آیا تو فرمایا۔ اے یہودیو! تمہیں معلوم ہے کہ محمد ﷺ کی نصرت وحمایت تم پر فرض ہے(۲) لہٰذا آگے بڑھو اور انکی مدد کرتے ہوئے سعادتِ دارین حاصل کرو۔ انہوں نے کہا کہ آج سبت کا دن ہے(۳) انہوں نے فرمایا سبت کچھ نہیں(۴) پھر اپنا اسلحہ ہاتھ میں لیا باہر آئے اور علی رؤس الا شہاد اعلان کرتے ہوئے ایمان لائے اور وصیت فرمائی کہ اگر میں آج شہید ہو جاؤں تو میرا سارا مال حضرت محمد ﷺ کا ہوگا وہ جو چاہیں کریں اور جسے چاہیں دیں۔ پھر مشرکوں سے لڑتے لڑتے شہید ہوگئے رضی اللہ عنہ اور انکا مال آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپکے اکثر صدقات اسی مال سے ہوتے تھے۔(۵)

---

(۱) جیسا کہ زبور اور یسعیاہ کے متعدد حوالے گذرے ہیں۔

(۲) کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی آخرالزمان ﷺ کی بعثت کا کتب سماویہ میں وعدہ کیا گیا ہے۔

(۳) جو قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عہد توڑے اور جہاد سے روگردانی کرتے ہوئے گستاخانہ انداز سے کہے اذھب انت وربك فقاتلا انا ھھنا قاعدون وہ یہاں بھی یہی عذر بنائینگی۔

(۴) کیونکہ وہ حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے حق ہونے کا اعتراف کرتے ہیں اور شریعت محمدی ﷺ میں تعظیم سبت کی کوئی حیثیت نہیں لہٰذا یہ عذر نا معقول ہے۔

(۵) مصنفؒ کے ذکر کردہ واقعہ کا ماٰخذ معلوم نہیں ہو سکا۔

بارھویں دلیل

یسعیاہ باب ۵۲ آیت ۱۳ میں ہے ”دیکھو میرا خادم اقبالمند ہوگا۔ وہ اعلیٰ و برتر اور نہایت بلند ہوگا۔ جس طرح بہتیرے تجھکو دیکھ کر دنگ ہوگئے (اُسکا چہرہ ہر ایک بشر سے زائد اور اسکا جسم بنی آدم سے زیادہ بگڑ گیا تھا) اُسی طرح وہ بہت سی قوموں کو پاک کریگا۔ اور بادشاہ اسکے سامنے خاموش ہونگے کیونکہ جو کچھ اُن سے کہا نہ گیا تھا وہ دیکھیں گے اور جو کچھ انہوں نے سنا نہ تھا وہ سمجھیں گے“

تشریحِ عبارت

یہاں ”خادم“ سے مراد حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے اور آپکی دانائی واقبالمندی موافق ومخالف سب کو تسلیم ہے ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ جو شخص بھی آپکی صفاتِ حمیدہ، افعالِ جمیلہ، جامع ارشادات، انوکھے واقعات، سیرت، قائدانہ سیاست، احکامِ الٰہی کا نفاذ، آداب کی تفاصیل، ضرب الامثال اور آپکے حالات پر نظر کریگا وہ اس بات کو یقین کے درجے میں جان لیگا کہ آنجناب ﷺ کس قدر کمالِ عقل کے مرتبہ پر فائز تھے کہ اُمّی محض جس نے تعلیم وتعلّم کا اشتغال نہیں رکھا، کتابوں اور اہلِ علم سے کوئی صحبت نہیں اٹھائی بلکہ انتہائی جہّال کالانعام کے درمیان پرورش پائی تو وہ تعلیمِ خداوندی اور فیضانِ الٰہی کے بغیر ان امور کو حاصل نہیں کرسکتا چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وعلّمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيماً۔

(سورۃ النساء آیت: ۱۱۳)

اور تمہیں وہ باتیں سکھائی ہیں جو تم جانتے نہیں تھے اور تم پر خدا کا بڑا فضل ہے۔

آپ ﷺ کا علوِ مرتبت تو محتاجِ بیان نہیں کہ ایک یتیم شخص بلندی کے اس مرتبے تک پہنچا کہ بڑے بڑے لوگوں کی بڑائیاں اسکے سامنے پست ہوگئیں اسی طرح ''اعلیٰ و برتر' نہایت بلند' سرفراز'' کے کلمات بعینہ لفظ ''محمد'' کا ترجمہ ہیں۔ چنانچہ فراھی نصاب الصبیان میں کہتے ہیں ؎ محمد ستودہ متین استوار اور ''بہتیرے تجھ کو دیکھ کر دنگ رہ گئے'' اس وجہ سے فرمایا کہ ایک اُمّی محض اس درجے کو پہنچا۔ اُس ہستی کے چہرہ و جسم کا متغیر ہونا اس وجہ سے تھا کہ عرب کے کفار و مشرکین جو انتہائی جاہل اور سخت کافر تھے ان کے ہاتھوں سے سخت تکالیف اٹھائیں چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے ما اوذی نبی مثل ما اوذیت ''کسی نبی کو اتنی ایذاء نہیں پہنچائی گئی جتنی مجھے پہنچائی گئی'' علاوہ ازیں چونکہ سرورِ انبیاء ﷺ کی لطافتِ مزاج' نزاکتِ طبع بغایت درجہ تھی تو اس اعتبار سے تھوڑی سی تکلیف بھی آپکے مزاج شریف پر بڑی گزرتی ہوگی اور ''بادشاہ اسکے سامنے خاموش ہونگے'' سے اُن بادشاہوں کے خوف کھانے سے کنایہ ہے۔ انکا حیرت زدہ و خاموش رہ جانا اس سبب سے تھا کہ کسی کو یہ گمان یا خیال تک نہ تھا کہ اہلِ عرب سے جن کو بادشاہاں بہت حقیر جانتے تھے انہی سے ایک غریب یتیم شخص اِس قدر بلند مرتبہ پالیگا۔ یہی وجہ ہے کہ جب امیر المؤمنین خلیفہ برحق حضرت عمر ؓ نے فارس پر لشکر کشی کی تو وہاں کے بعض اکابر سے اس طرح منقول ہے: ؎

زشیر و شکر خوردن سوسمار عرب رابجای رسیدہ است کار
کہ تاج کیان را کنند آرزو تفو برتو اے چرخ گردن تفو (۱)

یہ پیشگوئی حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں نہیں ہوسکتی انکے حضور میں بلکہ ملتِ مسیحی کے پہلے تینوں ادوار میں بادشاہ انکے سامنے خاموش اور زیر نہیں ہوئے بلکہ اسکے برعکس وہ

---

(۱) سوسمار و گوہ کو شیر و شکر کی طرح کھانے والے عرب اس حد تک پہنچ گئے کہ کیان یعنی ایران کے بڑے بادشاہوں کے تاج کی آرزو کرتے ہیں۔ اے گھومنے والے آسمان اُتف ہے تم پر۔

آنجناب' آپکے حواری اور حواریوں کے تابعین کا مذاق اڑاتے رہے کوڑے مارے بلکہ اناجیلِ اربعہ کے مطابق بادشاہ نے انکو مصلوب کیا' حواریوں اور انکے پیروکاروں کیساتھ بھی یہی سلوک کیا' ان میں سے اکثر کو قتل کیا۔ علاوہ ازیں اس باب کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یروشلیم کیلئے اس طرح وعدہ مذکور ہے "کیونکہ آگے کو کوئی نامختون یا ناپاک تجھ میں کبھی داخل نہ ہوگا" لغوی معنی اور ظاہری مفہوم کے اعتبار سے مسیحی حضرات بھی ان "نامختونوں" میں داخل ہیں۔ اسکا تقاضا تو یہ ہے کہ اسی زمانے سے ان لوگوں کا یروشلیم میں داخلہ ممنوع ہو جائے اور وہ زمانہ اسلام ہے جیسا کہ نویں دلیل میں مفصل گذر چکا۔

تیرہویں دلیل

کتاب یسعیاہ باب ۵۴ میں ہے "اے بانجھ تو جو بے اولاد تھی نغمہ سرائی کر! تو جس نے ولادت کا درد برداشت نہیں کیا خوشی سے گا اور زور سے چلا کیونکہ خداوند فرماتا ہے کہ بیکس چھوڑی ہوئی کی اولاد شوہر والی کی اولاد سے زیادہ ہے۔ اپنی خیمہ گاہ کو وسیع کر دے ہاں اپنے مسکنوں کے پردے پھیلا۔ دریغ نہ کر۔ اپنی ڈوریاں لمبی اور اپنی میخیں مضبوط کر۔ اس لئے کہ تو دہنی اور بائیں طرف بڑھیگی اور تیری نسل قوموں کی وارث ہوگی اور ویران شہروں کو بسائیگی۔ خوف نہ کر کیونکہ تو پھر پشیمان نہ ہوگی۔ تو نہ گھبرا کیونکہ تو پھر رُسوا نہ ہوگی اور اپنی جوانی کا ننگ بھول جائیگی اور اپنی بیوگی کی عار کو پھر یاد نہ کریگی۔ کیونکہ تیرا خالق تیرا شوہر ہے۔ اُسکا نام رب الافواج ہے اور تیرا فدیہ دینے والا اسرائیل کا قدوس ہے۔ وہ تمام روی زمین کا خدا کہلائیگا۔ کیونکہ تیرا خدا فرماتا ہے کہ خداوند نے تجھ کو متروکہ اور دل آزردہ بیوی کی طرح ہاں جوانی کی مطلوقہ بیوی کی مانند پھر بلایا ہے۔ میں نے ایک دم کیلئے تجھے چھوڑ دیا لیکن رحمت کی فراوانی سے تجھے لے لونگا۔ خداوند تیرا نجات دینے والا فرماتا ہے کہ قہر کی

شدت میں میں نے ایک دم کیلئے تجھ سے منہ چھپایا پر اب میں ابدی شفقت سے تجھ پر رحم کرونگا۔ کیونکہ میرے لئے یہ طوفانِ نوح کا سا معاملہ ہے کہ جس طرح میں نے قسم کھائی تھی کہ پھر زمین پر نوح کا سا طوفان کبھی نہ آئیگا اُسی طرح اب میں نے قسم کھائی ہے کہ میں تجھ سے پھر کبھی آزردہ نہ ہونگا اور تجھ کو نہ گھڑکونگا۔ خداوند تجھ پر رحم کرنے والا یوں فرماتا ہے کہ پہاڑ تو جاتے رہیں اور ٹیلے ٹل جائیں لیکن میری شفقت کبھی تجھ پر سے جاتی نہ رہیگی اور میرا صلح کا عہد نہ ٹلیگا۔ اے مصیبت زدہ اور طوفان کی ماری اور تسلی سے محروم! دیکھ میں تیرے پتھروں کو سیاہ ریختہ میں لگاؤنگا اور تیری بنیاد نیلم سے ڈالونگا۔ میں تیرے کنگروں کو لعلوں اور تیرے پھاٹکوں کو شب چراغ اور تیری ساری فصیل بیش قیمت پتھروں سے بناؤنگا۔ اور تیرے سب فرزند خداوند سے تعلیم پائینگے اور تیرے فرزندوں کی سلامتی کامل ہوگی۔ تو راستبازی سے پایدار ہو جائیگی۔ تو ظلم سے دور رہیگی کیونکہ تو بے خوف ہوگی اور دہشت سے دور رہیگی کیونکہ وہ تیرے قریب نہ آئیگی۔ ممکن ہے کہ وہ کبھی اکٹھے ہوں پر میرے حکم سے نہیں۔ جو تیرے خلاف جمع ہونگے وہ تیرے ہی سبب سے گر ینگے۔ دیکھ میں نے لُہار کو پیدا کیا جو کوئلوں کی آگ دھونکتا اور اپنے کام کیلئے ہتھیار نکالتا ہے اور غارت گر کو میں ہی نے پیدا کیا کہ لوٹ مار کرے۔ کوئی ہتھیار جو تیرے خلاف بنایا جائے کام نہ آئیگا اور جو زبان عدالت میں تجھ پر چلیگی تو اسے مجرم ٹھہرائیگی۔ خداوند فرماتا ہے یہ میرے بندوں کی میراث ہے اور اُنکی راستبازی مجھ سے ہے۔''

تشریحِ عبارت

پہلی آیت میں ''بانجھ عورت'' سے مراد کعبہ معظمہ ہے کیونکہ وہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دور کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا اور نہ کوئی کتاب نازل ہوئی جبکہ

دوسری جانب بیت المقدس میں سینکڑوں انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ان پر وحی نازل ہوئی اور ''بیکس چھوڑی ہوئی'' (متروکہ دل آزردہ زنِ مطلوقہ) سے مراد حضرت ہاجرہ علیہا السلام ہیں جو حضرت سارہ علیہا السلام کی باندی تھیں اور اُسے گھر سے نکال دیا گیا تھا(۱) اور ''شوہر والی'' سے مراد حضرت سارہؓ ہیں۔ گویا خدا تعالیٰ سرزمینِ مکہ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نغمہ سرائی کر! کیونکہ ہاجرہ باندی کی اولاد کو سارہ کی اولاد پر فضیلت حاصل ہوگئی اور اس فضیلت کے ذریعے تجھے بھی فضیلت حاصل ہوگی۔ اسی طرح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہؓ کی اولاد سے حضرت محمد ﷺ کو مکہ معظمہ میں مبعوث فرمایا۔ پھر انکے ذریعے اولادِ ہاجرہؓ کو اِس قدر رفعت بخشی کہ بنی اسرائیل کا تو کیا ذکر زمانہ بھر کے سلاطین انکے سامنے حقیر وذلیل پڑ گئے۔

اِس باب کی آیت ا تا ۴ میں جو وعدے فرمائے گئے ہیں بالکل اُسی انداز میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے قرآن مجید کی سورۃ نور، سورۃ الفتح اور سورۃ الصف میں وعدے فرمائے ہیں جیسا کہ اِس باب کی فصل دوم میں اعتراضِ ششم کے جواب میں معلوم ہو چکا اور تقریباً تیس سال کے عرصہ میں اکثر وعدے عملاً پورے ہوگئے اور اِن وعدوں کا ایفاءِ تمام حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے عہدِ کرامت میں ہوجائیگا اور آیتِ دوم کے مفاد کے مطابق کعبہ معظمہ نے اتنی وسعت پیدا کرلی کہ اسکا اپنا تو کیا حساب اسکے آس پاس ملحقہ حصہ بھی سینتیس میل (۳۷) کا فاصلہ تک ''حرم'' قرار پاگیا کہ از راہِ تعظیم حدودِ حرم کے اندر کسی پرندے یا جانور کا شکار کرنا، پکڑنا، سایہ وپانی سے بھگانا، اِذخر کے سوا کوئی گھاس یا درخت کاٹنا، پتوں کا جھاڑنا جائز نہیں۔

(۱) جیسا کہ بائبل کی کتاب ''پیدائش'' باب ۱۶ میں اسکی تفصیل موجود ہے۔

مکہ معظمہ مقامِ امن

اس بقعہ مبارکہ بڑی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ لوگوں نے بار ہا حدودِ حرم کے اندر درندوں اور ہرن جیسے جانوروں کو باہم مانوس ایک ساتھ چرتے دیکھا۔ اب بھی اگر جانور مثلاً بھیڑیا شیر چیتا کسی جانور کا تعاقب کرے اور وہ جانور بھاگتا ہوا حرم میں داخل ہوجائے تو اسکے حرم میں داخل ہوتے ہی وہ درندہ واپس لوٹ جاتا ہے اور حرم میں اسکا بالکل پیچھا نہیں کرتا۔ یہی حال پرندوں کا ہے کہ جب وہ اڑتے اڑتے خانہ کعبہ کے بالمقابل آتے ہیں تو اسکے اوپر نہیں گزرتے بلکہ دائیں بائیں سے گذر جاتے ہیں یہ منظر تو ہر وقت لوگوں کے سامنے ہوتا ہے جب کعبۃ اللہ کی تعظیم وتکریم کے حوالے سے پرندوں اور جانوروں کا یہ حال ہے تو انسانوں کی تعظیم کا کیا عالم ہوگا۔ یہ علاقہ سنگ لاخ ریگستان اور نمکینیِ آب کی وجہ سے بالکل قابلِ زراعت نہیں کنواں کھودنا بے حد دشوار ہے اسکا تقاضا تو یہ ہے کہ وہاں کے باشندوں پر پانی وغلہ کا ہر وقت قحط رہے کوئی اس طرف کا رخ نہ کرے اور نہ قیام وسکونت کا خیال دل میں لائے پھر وہاں گرمی بھی شدت کی پڑتی ہے اور طوفانی ہوائیں چلتی ہیں مگر بابِ مذکور کی آیت ۵ تا ۸ کے مضمون کے مطابق حق سبحانہ وتعالیٰ نے اِس وادیِ مقدس کی محبت لوگوں کے دلوں میں اس طرح ڈال دی ہے کہ لاکھوں لوگ اِس خانہ معظمہ کی زیارت کیلئے دور دراز سے برّ وبحر کی مشقتیں برداشت کر کے انتہائی شوق کیساتھ رختِ سفر باندھتے ہیں اور ہر سال ایامِ حج میں لاکھوں قربانیاں کی جاتی ہیں۔ اِس طرح کا اکرام واعزاز بیت المقدس کو زمانہ سابق میں کبھی بھی نصیب نہیں ہوا جو کعبہ معظمہ کو حاصل ہوا اور آج تک برقرار ہے اور ہر طرف سے غلہ وسبزی' میوے وپھل اٹھا کر وہاں لائے جاتے ہیں اور مصر وبصرہ' ہندوسندھ اور ایران وفارس سے ہر قسم کی چیزوں کے جہاز لائے جاتے ہیں اور خالی لوٹتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس شہر میں ہر ملک کی نفیس مصنوعات ملتی ہیں اور زبیدہ خاتون

نے اِس کے اردگرد میٹھے پانی کی نہر کھدوا کر پانی پہنچا دیا' کنویں کھدوائے اسی طرح دیگر ملکوں کے روٗسا نے کیا اور آج تک کر رہے ہیں اور آیت ۹ اور ۱۰ کے مضمون کے مطابق انشاء اللہ علی الدوام اسکی عظمتِ شان برقرار رہیگی اور ''پہاڑ تو جاتے رہیں ٹیلے ٹل جائیں'' مگر اِس مکانِ مقدس کے متعلق وعدہ الٰہی ہمیشہ ثابت رہیگا اور آیت ۱۱' ۱۲ میں کیے گئے وعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اِس خانہ معظمہ کو مزید مزیّن بھی فرمایا چنانچہ ظہورِ اسلام کے بعد سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے تعمیرِ کعبہ کے دوران گارے کی جگہ پر ورس کی خوشبو سے مخلوط گچ استعمال فرمایا۔ ۶۴ھ میں تعمیری کام ہوا اور بعد از فراغت کعبہ کا اندر اور باہر سے مشک وعنبر کیساتھ لیپ کیا گیا اور ایک قیمتی غلاف سے اسکو ڈھانکا گیا پھر ۷۲ھ میں حجاج بن یوسف نے عمارت میں قدرے تغیر کیا اور کعبہ کی تزئین وآرائش میں پہلے سے اضافہ کر دیا پھر ۱۰۴۰ھ میں والیِ روم سلطان مرادؒ نے خانہ کعبہ کی تعمیرِ جدید میں خوب اہتمام کیا وہی عمارت آج بھی موجود ہے اور ہر مملکتِ اسلامی کے سلاطین اِن مقاماتِ مقدسہ کی تعمیر وتزئین میں کوشاں رہے ہیں اور رہتے ہیں (۱) اور اِس بقعہِ مبارکہ کی تعظیم بجالانے والے خدا تعالیٰ سے تعلیم یافتہ ہیں چنانچہ ارشاد ہے:

فاذا امنتم فاذكروا الله كما علمكم مالم تكونوا تعلمون
(سورۃ البقرۃ آیت: ۲۳۹)

جب امن ہو جائے تو اِس طرح نماز یا شکر ادا کرو جس طرح خدا نے تمہیں آدابِ نماز یا شرائطِ شکر سکھائے ہیں جنکو تم پہلے نہ جانتے تھے۔

اور آیت ۱۴ کے وعدہ کے مطابق یہ بقعہ مبارکہ وحشت وظلم سے محفوظ رہیگا۔ ٹھیک

(۱) ہمارے زمانے میں سعودی حکومت کے آلِ سعود خاندان نے حرمین شریفین کی قابلِ فخر خدمت کی ہے ان دنوں بھی حرمین کی توسیع کا بہت بڑا پروجیکٹ جاری ہے۔

اسی طرح قرآنِ مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے اِسکے مامون ومحفوظ ہونے کا وعدہ فرمایا ہے اور آیت ۱۵ کے مطابق لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمان اقوام کے لوگ ابتداءِ اسلام سے لیکر آج تک اِس بقعہ مبارکہ کی محبت میں اپنے خاندان کو ترک کر کے اِس مکانِ مقدس کے پڑوس میں پڑاوٗ ڈالتے ہیں اور آئندہ بھی ایسا ہوتا رہیگا اور جو شخص وہاں سکونت اختیار نہ کر سکے اسے بھی اسکی تمنا ضرور رہتی ہے اور اسی کو اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتے ہیں۔ اور آیت ۱۷ کے مطابق جو بھی خانہ کعبہ کی مخالفت میں اٹھا تو مجرم ٹھہرا اور سزاءِ کامل پائی جیسا کہ اصحاب فیل کیساتھ ہوا کہ ابرہہ نامی ایک حبشی جو شاہ حبشہ کی طرف سے صوبہ یمن کا حکمران تھا خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کیلئے بھاری فوج اور بارہ جنگی ہاتھیوں کیساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب مکہ کے قریب پہنچا تو جدہ کی جانب سے سبز رنگ کے پرندے جوق در جوق آ جمع ہوئے اور اس بدبخت کے لشکر کی جانب متوجہ ہوگئے۔ ہر پرندے کی چونچ میں ایک پتھر اور دو کنکریاں دونوں پنجوں میں تھیں جو مسور کے دانے سے بڑی اور چنے سے چھوٹی تھی۔ انہوں نے اِس لشکر پر کنکریاں برسانا شروع کیں انسان یا جانور جس پر وہ کنکر گرتا تو وہ بدن کو جلاتے ہوئے دوسری جانب سے نکل جاتا اِس طرح پورا لشکر ہاتھیوں سمیت برباد ہوگیا چنانچہ اللہ تعالیٰ اِس واقعہ کے متعلق فرماتے ہیں:

وارسل علیھم طیراً ابابیل ترمیھم بحجارۃ من سجیل فجعلھم کعصف مأکول (سورۃ الفیل آیت:۳)

یعنی اِن پر اڑنے والے پرندے بھیجے جو جوق در جوق آتے تھے اور لشکر والوں کو سجیل کے کنکر سے مارتے تھے پھر انکو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔

یہ واقعہ ولادتِ نبوی ﷺ سے پچپن دن قبل پیش آیا۔ کتبِ تفسیر میں اس مقام پر

اِس واقعہ کی پوری تفصیل مذکور ہے۔یہی حال دیگر ظالم لوگوں کا ہوا جس نے بھی اِس مبارک جگہ کیساتھ بُرا اِرادہ کیا تو ہلاک ہوا اور وعدہٗ الٰہی کے مطابق قیامت تک اِسی طرح ہوتا رہیگا(۱) احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے کہ دجّال بھی اِس بقعہ مبارکہ میں داخل نہ ہو سکے گا اور فرشتوں کا پہرہ دیکھ کر بھاگ جائیگا اور ایسا کیوں نہ ہو درحقیقت یہ دعاءِ ابراہیمی کا ثمر ہے:

ربِّ اجعل ھذا بلداً اٰمناً وّارزق اھلہ من الثمرات
(سورۃ البقرۃ آیت۱۲۶)

اے میرے پروردگار اس صحرائے لق ودق کو آباد شہر بنادے اور اس شہر کے رہنے والوں کو طرح طرح کے پھلوں کا رزق دے۔

چودھویں دلیل

یسعیاہ باب ۶۰ میں ہے ’’اٹھ منور ہو کیونکہ تیرا نور آگیا اور خداوند کا جلال تجھ پر ظاہر ہوا۔ کیونکہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائیگی اور تیرگی اُمتوں پر لیکن خداوند تجھ پر طالع ہوگا اور اسکا جلال تجھ پر نمایاں ہوگا۔ اور قومیں تیری روشنی کی طرف آئینگی اور سلاطین تیرے طلوع کی تجلّی میں چلیں گے۔ اپنی آنکھیں اُٹھا کر چاروں طرف دیکھ۔ وہ سب کے سب اِکٹھے ہوتے ہیں اور تیرے پاس آتے ہیں۔ تیرے بیٹے دور سے آئینگے اور تیری بیٹیوں کو گود میں اٹھا کر لائینگے۔ تب تو دیکھے گی اور منور ہوگی ہاں تیرا دل اُچھلے گا اور کشادہ ہوگا کیونکہ سمندر کی فراوانی تیری طرف پھریگی اور قوموں کی دولت تیرے پاس فراہم ہوگی۔ اُونٹوں کی قطاریں اور مِدیان اور عیفہ کی سانڈنیاں آکر تیرے گرد بے شمار ہونگی۔ وہ سب سبا سے آئینگے اور سونا اور لُبان لائینگے اور خداوند کی حمد کا اعلان کرینگے۔ قیدار کی سب بھیڑیں

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو’’ تاریخ المکۃ المکرمہ، مصنفہ مولانا عبدالمعبود، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

تیرے پاس جمع ہونگی۔ نبایوت کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہونگے۔ وہ میرے مذبح پر مقبول ہونگے اور میں اپنی شوکت کے گھر کو جلال بخشونگا۔ یہ کون ہیں جو بادل کی طرح اڑے چلے آتے ہیں اور جیسے کبوتر اپنی کابک کی طرف؟ یقیناً جزیرے میری راہ دیکھیں گے اور ترسیس کے جہاز پہلے آئینگے کہ تیرے بیٹوں کو اُنکی چاندی اور اُنکے سونے سمیت دور سے خداوند تیرے خدا اور اسرائیل کے قدوس کے نام کیلئے لائیں کیونکہ اُس نے تجھے بزرگی بخشی ہے۔ اور بیگانوں کے بیٹے تیری دیواریں بنائینگے اور انکے بادشاہ تیری خدمت گذاری کرینگے۔ اگرچہ میں نے اپنے قہر سے تجھے مارا پر اپنی مہربانی سے میں تجھ پر رحم کرونگا۔ اور تیرے پھاٹک ہمیشہ کھلے رہیں گے۔ وہ دن رات کبھی بند نہ ہونگے تا کہ قوموں کی دولت اور انکے بادشاہوں کو تیرے پاس لائیں۔ کیونکہ وہ قوم اور وہ مملکت جو تیری خدمت گذاری نہ کریگی برباد ہو جائیگی۔ ہاں وہ قومیں بالکل ہلاک کی جائینگی لُبنان کا جلال تیرے پاس آئیگا۔ سرو اور صنوبر اور دیودار سب آئینگے تا کہ میرے مقدس کو آراستہ کریں اور میں اپنے پاؤں کی کرسی کو رونق بخشونگا۔ اور تیرے غارتگروں کے بیٹے تیرے سامنے جھکتے ہوئے آئینگے اور تیری تحقیر کرنے والے سب تیرے قدموں پر گرینگے اور وہ تیرا نام خداوند کا شہر اسرائیل کے قدوس کا صیون رکھیں گے۔ اس لئے کہ تو ترک کی گئی اور تجھ سے نفرت ہوئی ایسا کہ کسی آدمی نے تیری طرف گذر بھی نہ کیا۔ میں تجھے ابدی فضیلت اور پشت در پشت کی شادمانی کا باعث بناؤنگا۔ تو قوموں کا دودھ بھی پی لیگی۔ ہاں بادشاہوں کی چھاتی چوسیگی اور تو جانیگی کہ میں خداوند تیرا نجات دینے والا اور یعقوب کا قادر تیرا فدیہ دینے والا ہوں۔ میں پیتل کے بدلے سونا لاؤنگا اور لوہے کے بدلے چاندی اور لکڑی کے بدلے پیتل اور پتھروں کے بدلے لوہا اور میں تیرے حاکموں کو سلامتی اور تیرے عاملوں کو صداقت بناؤنگا۔ پھر کبھی تیرے ملک میں ظلم کا ذکر نہ ہوگا اور نہ تیری حدود کے اندر خرابی یا بربادی کا بلکہ تو اپنی

دیواروں کا نام نجات اور اپنے پھاٹکوں کا حمد رکھے گی۔ پھر تیری روشنی نہ دن کو سورج سے ہوگی نہ چاند کے چمکنے سے بلکہ خداوند تیرا ابدی نور اور تیرا خدا تیرا جلال ہوگا۔ تیرا سورج پھر کبھی نہ ڈھلیگا اور تیرے چاند کو زوال نہ ہوگا کیونکہ خداوند تیرا ابدی نور ہوگا اور تیرے ماتم کے دن ختم ہو جائینگے۔ اور تیرے لوگ سب کے سب راستباز ہونگے۔ وہ ابد تک ملک کے وارث ہونگے یعنی میری لگائی ہوئی شاخ اور میری دستکاری ٹھہرینگے تاکہ میرا جلال ظاہر ہو۔ سب سے چھوٹا ایک ہزار ہو جائیگا اور سب سے حقیر ایک زبردست قوم۔ میں خداوند عین وقت پر یہ سب کچھ جلد کرونگا''

تشریحِ عبارت

پہلی آیت میں مکہ کی طرف خطاب ہے اور ''نور'' سے مراد یا تو رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارک ہے یا قرآن مجید ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ میں اسے نورِ مبین سے تعبیر کیا ہے اور اسکی وضاحت چھٹی دلیل میں گذر چکی ہے۔ جی ہاں ذاتِ محمدی ﷺ یا قرآن ایسا نور ہیں کہ انہوں نے اپنے ظاہر ہوتے ہی اہلِ عرب کے صدیوں کے کفر و شرک کے اندھیروں کو زائل کر دیا اور دیگر علاقوں میں اسی طرح ہوا کہ ہجرت کے بعد صرف تیس سال کے عرصے میں یہ نور شرق و غرب تک پھیل گیا اور ان ملکوں سے کفر والحاد' بدعت ومعصیت کے اندھیروں کو مٹا دیا اور مختلف قبائل' متفرق گروہ اس نور کی روشنی میں چلنے لگے۔

چوتھی آیت کے مضمون کے مطابق غلبہ اسلام کے روزِ اول سے لیکر آج تک اسی طرح رہا ہے کہ روم و مغرب' فارس و کاشغر' چین و ہند و سندھ وغیرہ کے بحری و برّی راستوں کے ذریعے مشقت اٹھاتے ہوئے لاکھوں مسلمان پیادہ و سوار امیر و غریب اِس شہرِ محترم کے پاس حج کی نیت سے اور بعض حج و اقامت کی نیت آتے تھے' آرہے ہیں اور آتے

رینگنے جس طرح بادل تیزی سے چلتے ہیں اور پرندے اپنے آشیانوں کی طرف چہچہاتے ہوئے جاتے ہیں اسی طرح وہ لوگ دیوانہ وار اس مکانِ مقدس کی زیارت کیلئے کشاں کشاں کھینچے چلے جاتے تھے اور جاتے رہیں گے۔

آیت پنجم کے مضمون کے مطابق لاکھوں روپے وہاں پہنچتے تھے پہنچتے ہیں اور رہیں گے اور اہلِ اسلام کے سلاطین ہر سال اپنے ملک سے زرّ و جواہر کے وہاں بھجوانے کو سعادت سمجھتے تھے' آج تک سعادت خیال کرتے ہیں اور آئندہ اسی طرح کریں گے چنانچہ واثق باللہ ہر سال بھاری رقم وہاں بھجواتے تھے اور شاہ جہاں بادشاہِ ہند نے ایک مرتبہ پانچ لاکھ روپے بھجوائے تھے یہی حال دوسرے شاہانِ ہند اکبر و عالمگیر وغیرہ کا تھا۔

آیت ششم تو حقیقت میں نصِ صریح ہے کہ یہ پیشینگوئی کعبہ معظمہ کے متعلق ہے کیونکہ اونٹوں کی فراوانی عرب اور لواحِ مکہ میں اس قدر ہے کہ کسی دوسرے ملک میں نہیں۔ عربوں کا تمام کاروبار اونٹوں پر ہے جیسا کہ اہلِ ہند کا تمام کام کاج بیل کے ذریعے ہے اور ایران والوں کا کام خچروں سے ہے۔ مدیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں جو حضرت قطورہ کے بطن سے ہیں اور مدائن شہرانہی کا آباد کردہ ہے اور عیفہ جنکا ذکر آیا ہے یہ مدیان کے بیٹے ہیں نبایوت حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بڑا بیٹا ہے اور قیدار دوسرا بیٹا ہے جیسا کہ پیدائش باب ۲۵ میں صراحت ہے۔ پھر اسی طرح ہوا کہ اہلِ مدائن اور سبا کے گردونواح کے لوگ اور تمام اولادِ اسماعیل علیہ السلام مشرف بہ اسلام ہوئی۔ پھر یہ لوگ ہر سال قربانی کے اور سواری کے ہزار ہا اونٹ اور تیز رفتار اونٹنیاں لیکر وہاں پہنچ جاتے ہیں اور میقات سے احرام باندھتے ہوئے حمدِ الٰہی کا نغمہ لبیک اللھم لبیک بلند آواز سے کہتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ اس سفر کے دوران خصوصی طور پر نماز کے بعد اس تلبیہ کو وردِ زبان بناتے ہیں اسی طرح دوسرے سوار سے ملاقات کے وقت' بلند جگہ پر چڑھتے ہوئے' پست جگہ کی طرف

اترتے، صبح کا آغاز کرتے وقت، نیند سے بیدار ہونے کے وقت اِس پسندیدہ عمل کو وظیفہء بندگی سمجھتے ہیں چونکہ وہ ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں ہوتے ہیں لہٰذا بیابانوں اور وادیوں میں ہر طرف سے حمدِ الٰہی، مدحِ ربانی کے سوا کوئی آواز سنائی نہیں دیتی اور بنو نبایوت، بنو قیدار کے اعرابیوں کے بکری، دنبہ، بھیڑ اور مینڈھے کے ریوڑ لاکھوں قربانیوں کیلئے وہاں پہنچ جاتے ہیں پھر قربانی کرنے والے خواہ عرب ہوں یا عجم بصد خوشی اُن سے خرید کر عبادت کی نیت کیساتھ قربانی کرتے ہیں۔ بائبل کی اِن آیات کے مضمون کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے:

واذن فى الناس بالحج يأتوك رجالاً وعلى كل ضامر يأتين من كل فجٍ عميق ليشهدو منافع لهم ويذكر اسم الله على مارزقهم من بهيمة الانعام (سورۃ الحج آیت ۲۶،۲۷)

اور لوگوں میں حج کیلئے ندا کردو کہ تمہاری طرف پیدل اور دُبلے دُبلے اونٹوں پر جو دور دراز رستوں سے چلے آتے ہوں (سوار ہوکر) چلے آئیں تاکہ اپنے فائدے کے کاموں کیلئے حاضر ہوں اور جو چوپائے اللہ نے انہیں دیے ہیں اُن پر مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں۔

آیت نہم کے مفاد کے مطابق اس گھر کی عظمت، تزئین و زیبائش انتہاء درجہ کو پہنچی جیسا کہ تیرہویں دلیل میں معلوم ہو چکا۔ دسویں آیت کے مضمون کے مطابق مختلف اقوام کے ہزاروں بادشاہ جو خدا تعالیٰ سے ناآشنا تھے مشرف بہ اسلام ہوئے اور ظہورِ اسلام سے لیکر آج تک لاکھوں روپے اِس بقعہ مبارکہ کی خدمت و تزئین کیلئے بھیجتے رہے۔ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ خاتون نے لاکھوں روپے صَرف کرکے میٹھے پانی کی نہر کھدوائی، کنویں اور حوض تیار کرائے اور ہمیشہ کی نیک نامی حاصل کی۔ اسی طرح دیگر امراء و سلاطین

اِس راہِ خدمت پر گامزن رہے۔ آج بھی سلاطینِ روم یعنی ترک اپنے زمانہ سلطنت میں اِس ارضِ مقدس کی خدمت، تعمیر وتزئین کو اپنا نصب العین سمجھتے ہیں۔ حرمین کی اس خدمت کی وجہ سے وہ خادم الحرمین الشریفین کے لقب سے ملقب ہوئے اور وہ خود بھی اِس لقب کو اپنے لئے باعثِ صد افتخار جانتے ہیں اگرچہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد انکی اولاد میں بت پرستی کی وجہ سے یہ مبارک جگہ کچھ عرصہ کیلئے متروک رہی مگر رحمتِ الٰہی شاملِ حال ہوگئی۔

آیت گیارہ کے مطابق اِس مبارک جگہ پر مکمل امن ہوا چنانچہ تیرہویں دلیل میں معلوم ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ومن دخله كان آمنا (سورۃ آلِ عمران آیت ۹۷۔)

یعنی جو شخص اِس گھر آ گیا وہ ہر طرح قتل وظلم وغیرہ سے مامون ہو گیا

اور سورۃ التین میں اِس شہر مبارک کی قسم اٹھائی گئی ہے ارشاد ہے

وهذا البلد الامين (سورۃ التین آیت ۴۔)

یعنی اس امن والے شہر کی قسم۔

واقعی رات دن اسکے دروازے کھلے رہتے ہیں ہر وقت مرد وعورت اس گھر کا طواف کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں خاص طور پر رمضان المبارک میں تو منظر ہی اور ہوتا ہے۔

آیت تیرہ کے مطابق لبنان جو دیارِ شام میں ایک معروف پہاڑ ہے اسکا فخر وجلال مکہ کے حصے میں آجائیگا کیونکہ حرمِ مکہ میں نباتات واشجار کا کاٹنا یا جھاڑنا جائز نہیں جیسا کہ تیرہویں دلیل میں گذرا۔ چنانچہ مکہ کے گرد ونواح کے علاقے ہر وقت ہر موسم میں طرح

طرح کے درختوں اور رنگ رنگ کے نباتات سے ہرے بھرے رہتے ہیں گویا ''لبنان کا جلال'' اس سرسبزی وشادابی سے کنایہ ہے۔ اِس صورت میں آیت ۱۳ کے جملہ ''سرو اور صنوبر اور دیودار سب آئینگے'' کو جملہ سابقہ کی تاکید کہا جائیگا اور اگر دونوں جملوں کو مستقل کریں تو پہلے جملے کا تو وہی مطلب ہے جو بیان ہوا اور دوسرے جملے کا معنی یہ ہے کہ جب ملکِ شام انبیاء کرام علیہم السلام کا مسکن ومستقر ہونے کی وجہ سے ایک فخر وجلال رکھتا تھا پھر نبوتِ اسرائیل منقطع ہوئی تو وہاں کا فخر وجلال موقوف ہوا اور مکہ معظمہ جو نبی آخر الزمان ﷺ کا مسکن ومستقر ہے اسے جلال وفخر عطا ہوگیا۔

آیت چودہ کے مضمون کے مطابق ابتداءِ اسلام سے لیکر آج تک مختلف علاقوں کے لاکھوں بلکہ کروڑوں مجوس' اہل کتاب اور مشرکین وغیرہ جو کعبہ کو پہچانتے بھی نہ تھے یا نفرت کرتے تھے آج وہ اسکے قدموں میں سجدہ ریز ہیں اور صیّون جس طرح یروشلیم کے ایک پہاڑ کا نام ہے اِسی طرح اس مقدس شہر کا نام بھی صیّون ہے چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی کتاب مدارج النبوۃ کی جلدِ اول باب چہارم میں فرماتے ہیں ''صیّون نام مکہ است''

آیت پندرہ تا بیس تک کے مضمون کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حرم اور حدودِ حرم کو ہر طرح کی خرابی وشکستگی سے مامون اور ابد الآباد تک معزز رکھا ہے۔ لوگ اسکا نام بیت الحمد والنجاۃ رکھتے ہیں۔ اِسکی ترقی کا آفتاب اور اسکی عظمت کا ماہتاب کبھی غروب نہ ہوگا اور غروب ونقصان کیسے ہوسکتا ہے جب کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ خود ہی اس مبارک جگہ کا ابدی نور اور جلال ہے۔

آیت اکیس کے مطابق ''اسکے لوگ'' یعنی اہلِ اسلام نیکوکار' راست باز ہونگے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جا بجا انکے تقویٰ وطہارت' صداقت ونیکی کی تعریف کی ہے جیسا کہ

دلیل نمبر ۱۰،۱۱ میں کچھ فوائد معلوم ہو چکے اسی طرح ارشادِ خداوندی ہے:

کنتم خیر امة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله (سورۃ آل عمران آیت ۱۱۰)

تم سب امتوں میں سے بہتر ہو جو لوگوں کیلئے بھیجی گئی اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

اسی آیت اکیس میں کیے گئے وعدہ کے مطابق جسکا ذکر سورۃ نور میں:

وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحات الخ

(سورۃ النور آیت ۵۵)

کے تحت بھی آیا ہے۔ وہ نیکو کار لوگ اس سرزمین کے وارث ہوئے جیسا کہ اس باب کی فصل دوم میں اعتراضِ ششم کے ذیل میں گذر چکا اور آج بھی ہیں اور انشاء اللہ حضرت مہدی ؑ کے عہدِ کرامت میں پھر تمام دنیا کے وارث ہونگے اور کفر و شرک کے نام کو صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالینگے اور کعبہ معظمہ کی تعظیم نہ کرنے والے اکثر اوقات برباد ہی ہوئے چنانچہ تیرہویں دلیل میں معلوم ہو چکا اور انشاء اللہ آیت ۱۲ کے مفاد کے مطابق اس وقت مکمل تباہ ہو نگے اور آیت ۲۲ کے مضمون کے مطابق اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا اسے پورا فرما دیا اور ان حقیر لوگوں کو جو ایک باندی کی اولاد سے تھے ایک عظیم قوم بنایا اور کس کس مرتبے تک پہنچایا۔ والحمد لله علىٰ ذالك

پندرہویں دلیل

یسعیاہ باب ۶۵ آیت ۱ میں ہے ’’جو میرے طالب نہ تھے میں انکی طرف متوجہ ہوا۔ جنہوں نے مجھے ڈھونڈا نہ تھا مجھے پالیا۔ میں نے ایک قوم سے جو میرے نام سے نہیں کہلاتی تھی فرمایا دیکھ میں حاضر ہوں۔ میں نے سرکش لوگوں کی طرف جو اپنی فکروں کی

پیروی میں بُری راہ پر چلتے ہیں ہمیشہ ہاتھ پھیلائے۔ ایسے لوگ جو ہمیشہ میرے رُوبرُو باغوں میں قربانیاں کرنے اور اینٹوں پر خوشبو جلانے سے مجھے برافروختہ کرتے ہیں۔ جو قبروں میں بیٹھتے اور پوشیدہ جگہوں میں رات کاٹتے اور سُوأر گوشت کھاتے ہیں اور جنکے برتنوں میں نفرتی چیزوں کا شوربا موجود ہے۔ جو کہتے ہیں تو الگ ہی کھڑا رہ۔ میرے نزدیک نہ آ کیونکہ میں تجھ سے زیادہ پاک ہوں۔ یہ میری ناک میں دھوئیں کی مانند اور دن بھر جلنے والی آگ کی طرح ہیں۔ دیکھو میرے آگے یہ قلمبند ہوا ہے۔ پس میں خاموش نہ رہونگا بلکہ بدلہ دونگا''

تشریحِ عبارت

اس عبارت میں پہلی قوم سے مراد عرب ہیں۔ ایک زمانہ ایسا تھا کہ وہ ذات وصفاتِ الٰہی کے متعلق کچھ خبر نہ رکھتے تھے لات ومنات وغیرہ بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ''میں انکی طرف متوجہ ہوا'' ''دیکھ میں حاضر ہوں'' سے مراد اس قوم کا معزز ہوکر صاحبِ شریعت ہونا مراد ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لقد منّ الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولاً من انفسهم يتلوا عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وان كانوا من قبل لفي ضلال مبين (سورۃ آل عمران آیت ۱۶۴)

بے شک اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان پر احسان کیا جب ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اسکی آیات تلاوت کرتا ہے (یا توحید کی نشانیاں دکھاتا ہے) اور انکو نفسانی آلودگیوں سے پاک کرتا ہے اور انکو کتاب وحکمت سکھاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس رسول کی بعثت سے قبل وہ سب لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔

جیسا کہ شاعر نے کہا: ؎

تاریک بود زظلمتِ باطل ہمہ جہاں عالم ز رای روشنِ او نورِ حق گرفت (۱)

آیت دوم وسوم میں ذکر کردہ اوصاف نصاریٰ اور خاص طور پر یہود پر خوب چسپاں ہوتے ہیں اور اس جملہ ''جو قبروں میں بیٹھتے اور پوشیدہ جگہوں میں رات کاٹتے ہیں'' کا مصداق ہونے میں دونوں برابر ہیں کیونکہ یہ دونوں طبقے اکثر اوقات اپنے انبیاء کی قبروں پر عبادت کیلئے وقوف کرتے تھے اسی وجہ سے حدیثِ نبوی ﷺ میں وارد ہے:

لعن اللہ الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجد (۲)

اللہ تعالیٰ یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

اور اس جملے ''سور کا گوشت کھاتے ہیں اور جنکے برتنوں میں نفرتی چیزوں کا شوربہ موجود ہے'' کا مصداق خاص طور پر نصاریٰ ہیں یہود نہیں کیونکہ انکے مذہب میں سور کا گوشت حرام ہے بلکہ انکے نزدیک تو مردار سور کو ہاتھ لگانا بھی منع ہے۔ ہاں البتہ عیسائی سور' دیگر درندوں اور حرام پرندوں کا گوشت بلاتکلف نوشِ جان فرماتے ہیں اور ان چیزوں کو حلال قرار دینے میں حضرت پولوس نے بہت جولانی وتندہی دکھائی ہے۔ کبھی یوں فرماتے ہیں ''کوئی چیز بذاتِ خود حرام نہیں ہے انہیں کیلئے حرام ہے جو حرام سمجھتے ہیں'' کبھی فرماتے ہیں ''پاکوں کیلئے ہر چیز حلال اور پاک ہے اور بے ایمانوں کیلئے کوئی چیز بھی پاک نہیں'' سبحان اللہ! پاکی اور ایمان کا کیا کہنا۔ اور پاکوں کیلئے ہر چیز کا پاک ہونا بھی کیا خوب ہے کہ ان پاک چیزوں میں سے بعض تو وہ ہیں کہ جنکو اللہ تعالیٰ بطورِ مذمت فرماتے ہیں کہ ''سور کا

---

(۱) سارا جہاں ظلمتِ باطل سے تاریک تھا عالم نے انہی کی فکرِ روشن سے حق کی روشنی لی۔

(۲) سنن النسائی، کتاب الجنائز، باب اتخاذ القبور مساجد۔

گوشت کھاتے ہیں اور جنکے برتنوں میں نفرتی چیزوں کا شوربا موجود ہے'' خدا تعالیٰ کی ناپسندیدہ اور قابلِ نفرت چیزوں کا اس طرح ''پاکیزہ وحلال'' ہونا اِس فرقے کے علاوہ خدا کسی کے نصیب میں نہ کرے۔ نہیں نہیں غلط کہا دعا تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس فرقے کو بھی ان نجاسات سے نجات دے۔ یاد رہے کہ پہلی قوم سے مراد یونان کے لوگ نہیں ہو سکتے جیسا کہ دوسری دلیل میں جان لیا۔

سولہویں دلیل

بختِ نصر بادشاہ نے اپنے زمانہ میں ایک خواب دیکھا مگر اسے بھول گیا۔ حضرت دانیالؑ کو بذریعہ وحی وہ خواب معلوم ہوا۔ انہوں نے وہ خواب مع تعبیر بادشاہ کے سامنے ذکر کیا جو اس طرح ہے ''اے بادشاہ تو نے ایک بڑی مورت دیکھی۔ وہ بڑی مورت جسکی رونق بے نہایت تھی تیرے سامنے کھڑی ہوئی اور اسکی صورت ہیبت ناک تھی۔ اس مورت کا سر خالص سونے کا تھا اسکا سینہ اور اسکے بازو چاندی کے۔ اسکا شکم اور اسکی رانیں تانبے کی تھیں۔ اسکی ٹانگیں لوہے کی اور اسکے پاؤں کچھ لوہے کے اور کچھ مٹی کے تھے۔ تو اُسے دیکھتا رہا یہاں تک کہ ایک پتھر ہاتھ لگائے بغیر ہی کاٹا گیا اور اس مورت کے پاؤں پر جو لوہے اور مٹی کے تھے لگا اور انکو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تب لوہا اور مٹی اور تانبا اور چاندی اور سونا ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے اور تابستانی کھلیہان کے بھوسے کی مانند ہوئے اور ہوا اُنکو اُڑا لے گئی یہاں تک کہ انکا پتہ نہ ملا اور وہ پتھر جس نے اس مورت کو توڑا ایک بڑا پہاڑ بن گیا اور تمام زمین میں پھیل گیا۔ وہ خواب یہ ہے اور اسکی تعبیر بادشاہ کے حضور بیان کرتا ہوں۔ اے بادشاہ تو شاہنشاہ ہے جسکو آسمان کے خدا نے بادشاہی و توانائی اور قدرت و شوکت بخشی ہے۔ اور جہاں کہیں بنی آدم سکونت کرتے ہیں اس نے میدان کے چرندے اور ہوا کے پرندے

تیرے حوالہ کر کے تجھ کو ان سب کا حاکم بنایا ہے۔ وہ سونے کا سر تو ہی ہے۔ اور تیرے بعد ایک اور سلطنت برپا ہوگی جو تجھ سے چھوٹی ہوگی اور اسکے بعد ایک اور سلطنت تانبے کی جو تمام زمین پر حکومت کریگی۔ اور چوتھی سلطنت لوہے کی مانند مضبوط ہوگی اور جس طرح لوہا توڑ ڈالتا ہے اور سب چیزوں پر غالب آتا ہے ہاں جس طرح لوہا سب چیزوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا اور کچلتا ہے اُسی طرح وہ ٹکڑے ٹکڑے کریگی اور کچل ڈالیگی۔ اور جو تو نے دیکھا کہ اسکے پاؤں اور انگلیاں کچھ تو کمہار کی مٹی کی اور کچھ لوہے کی تھیں سو اس سلطنت میں تفرقہ ہوگا مگر جیسا کہ تو نے دیکھا کہ اس میں لوہا مٹی سے ملا ہوا تھا اس میں لوہے کی مضبوطی ہوگی۔ اور چونکہ پاؤں کی انگلیاں کچھ لوہے کی اور کچھ مٹی کی تھیں اس لئے سلطنت کچھ قوی اور کچھ ضعیف ہوگی۔ اور جیسا تو نے دیکھا کہ لوہا مٹی سے ملا ہوا تھا وہ بنی آدم سے آمیختہ ہونگے لیکن جیسے لوہا مٹی سے میل نہیں کھاتا ویسے ہی وہ بھی باہم میل نہ کھائینگے۔ اور ان بادشاہوں کے ایام میں آسمان کا خدا ایک سلطنت برپا کریگا جو تا ابد نیست نہ ہوگی اور اسکی حکومت کسی دوسری قوم کے حوالہ نہ کی جائیگی بلکہ وہ ان تمام مملکتوں کو ٹکڑے ٹکڑے اور نیست کریگی اور وہی ابد تک قائم رہیگی۔ جیسا تو نے دیکھا کہ وہ پتھر ہاتھ لگائے بغیر ہی پہاڑ سے کاٹا گیا اور اس نے لوہے اور تانبے اور مٹی اور چاندی اور سونے کو ٹکڑے ٹکڑے کیا خدا تعالیٰ نے بادشاہ کو وہ کچھ دکھایا جو آگے کو ہونے والا ہے اور یہ خواب یقینی ہے اور اسکی تعبیر یقینی‘‘

(دانی ایل باب ۲ آیت ۳۱ تا ۴۵)

تشریحِ عبارت

میں کہتا ہوں کہ پہلی سلطنت سے مراد بخت نصر کلدانی (۱) کی سلطنت ہے اور

---

(۱) کلدانی وہ قوم ہے جسے بائبل میں ’’کسدی‘‘ کہا گیا ہے۔

دوسری سلطنت سے مراد میدیان (۱) کی سلطنت ہے جو بلشاصر ن بختِ نصر کے قتل ہونے کے بعد اسکے ہاتھ لگی جیسا کہ باب پنجم کے آخر میں اسکا ذکر ہے اور اس سلطنت کی قوت کلدانیوں کی سلطنت کی بنسبت کم تھی۔ تیسری سلطنت سے مراد کیانیوں (۲) کی سلطنت ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے ۵۳۸ سال قبل حضرت دانیالؑ کے زمانہ میں بہمن بن اسفندیار شاہِ ایران نے بابل پر قبضہ کرلیا۔ یہ شخص دارا کا ہم عصر ہے جسے بعض مسیحی مؤرخ کورش اور بعض کورس سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی قبضہ کے دن بابل کیانیوں کا دار الحکومت ہوگیا اور کیانی چونکہ بڑے عظیم بادشاہ گذرے گویا کہ وہ پوری روئے ارض پر حکومت کرتے تھے اور چوتھی سلطنت جو لوہے کی طرح مضبوط تھی وہ سکندر بن فیلفوس کی سلطنت تھی جو یونان وروم کا بادشاہ تھا اس سے کیانیوں کے دورِ اقتدار کے دوسواٹھ سال بعد اور حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے ۳۳۰ سال قبل دارا ابن داراب شاہِ ایران کے مقابل میں کامیابی حاصل کر کے پورے ملکِ فارس پر قبضہ کرلیا۔ چنانچہ جس طرح لوہا ہر چیز کو توڑ دیتا ہے اسی طرح اس طاقتور بادشاہ نے اپنے مخالفین کو مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پھر آخر زمانہ میں ارسطاطالیس کی صواب دید کے مطابق تمام ملکِ فارس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے چند سلاطین میں تقسیم کردیا۔ پھر طوائف الملوکی شروع ہوگئی ایک زمانہ تک یہ سلطنت متفرق رہی یہاں تک کہ ساسانیوں نے ترقی کر کے تسلط حاصل کرلیا اور غالب آگئے لہٰذا یہ سلطنت کچھ مضبوط اور کچھ کمزور رہی چنانچہ شاہ نامہ سے یہ احوال تفصیلاً معلوم ہوتے ہیں۔ پھر اسکے بعد نوشیرواں کے زمانے میں پروردگارِ عالم نے حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور انکی

---

(۱) میدیان کا نام مادِیّن آیا ہے صوبہ مادی ایک علاقہ ہے جہاں مشہور بادشاہ دارا نے حکومت کی اُسی نے بابل پر حملہ کر کے قبضہ بھی کیا تھا جیسا کہ بائبل سے معلوم ہوتا ہے۔

(۲) کیان فارس کے بادشاہ کا لقب ہے کیانیوں کی حکومت فارس کی پہلی بادشاہت کہلاتی ہے۔

ظاہری و باطنی سلطنت کو شرق و غرب میں پھیلا دیا اور خلیفہ دوم سیدنا فاروقِ اعظم ؓ نے روم و فارس وغیرہ کی سلطنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نام و نشان تک مٹا دیا بلکہ انہیں بھوسے کا ڈھیر بنا کر زوال و فنا کی بادِ سموم کے سپرد کر دیا اور اپنی عظیم سلطنت کو اس قدر محکم مضبوط کر دیا کہ یہ علاقے ملتِ اسلامی کے ہاتھ سے نکل کر کسی دوسری قوم کے قبضے میں نہ جائینگے اور یہ حکومت ابدالآباد تک قائم رہیگی سوائے اسکے کہ حضرت مہدی ؑ کے ظہور سے کچھ عرصہ قبل سلطنتِ روم میں ضعف و تزلزل آئیگا اور ایک مسیحی فرقے کے قبضے میں یہ سلطنت چلی جائیگی مگر کچھ ہی عرصے بعد حضرت امام ہمام ظاہر ہو کر روم کو اس فرقے کے تسلط سے چھڑا لیں گے اور اس فرقہ کو بلکہ اسلام کے سوا دیگر تمام مذاہب و فرق کو مٹا ڈالیں گے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد پورا ہو جائے گا:

هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کلّه

(سورۃ الفتح آیت ۲۸)

اور ہر چھوٹے بڑے قریب و بعید پر حقیقت کھل جائے گی۔ لہٰذا نصاریٰ کے روم پر اس مختصر عرصہ کے تسلط کی کوئی حقیقت نہیں۔ اور دانی ایل باب دوم آیت ۴۵ کے مطابق اللہ نے باشاہ پر خواب میں جن پیش آنے والے واقعات کو ظاہر کیا تھا وہ سب اوقاتِ معینہ میں ظاہر ہو گئے بلاشبہ یہ خواب یقینی تھا اور اسکی تعبیر بھی یقینی تھی۔ والحمد لله علیٰ ذالك

سترہویں دلیل

یسعیاہ باب ۴۰ آیت ا میں ہے ”تسلی دو تم میرے لوگوں کو تسلی دو۔ تمہارا خدا فرماتا ہے۔ یروشلیم کو دلاسا دو اور اسے پکار کر کہو کہ اسکی مصیبت کے دن جو جنگ و جدل کے تھے گذر گئے۔ اسکے گناہ کا کفارہ ہوا اور اس نے خداوند کے ہاتھ سے اپنے سب گناہوں کا بدلہ

دو چند پایا۔ پکارنے والے کی آواز! بیابان میں خداوند کی راہ درست کرو۔ صحرا میں ہمارے خدا کیلئے شاہراہ ہموار کرو۔ ہر ایک نشیب اونچا کیا جائے اور ہر ایک پہاڑ اور ٹیلا پست کیا جائے اور ہر ایک ٹیڑھی چیز سیدھی اور ہر ایک ناہموار جگہ ہموار کی جائے۔ اور خداوند کا جلال آشکارا ہوگا اور تمام بشر اسکو دیکھے گا کیونکہ خداوند نے اپنے منہ سے فرمایا ہے" لوقا نے مذکورہ آیات کو اپنے وعظ کے دوران حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے حوالے سے نقل کیا ہے چنانچہ وہ کہتا ہے "جیسا یسعیاہ نبی کے کلام کی کتاب میں لکھا ہے کہ بیابان میں پکارنے والے کی آواز آتی ہے کہ خداوند کی راہ تیار کرو اسکے راستے سیدھے بناؤ' ہر ایک گھاٹی بھر دی جائیگی اور ہر ایک پہاڑ اور ٹیلہ نیچا کیا جائیگا اور جو ٹیڑھا ہے سیدھا اور جو اونچا نیچا ہے ہموار رستہ بنے گا اور ہر بشر خدا کی نجات دیکھے گا" (لوقا باب ۳ آیت ۴،۵)

تشریحِ عبارت

یسعیاہ باب ۴۰ آیت ۲۱ کے مضمون کے مطابق اللہ تعالیٰ حضرت یسعیاہؑ سے فرماتے ہیں کہ اپنی امت کو تسلی دیجئے کہ آخر زمانہ میں یروشلیم اور اسکے باشندوں کو امن بخشا جائیگا اور اپنے گناہوں کی دوگنی سزا پا کر اس وقت نجات پائینگے۔ واقعی یہ سب حقیقت یہ ہے کہ پہلی مرتبہ جب یہود بُت پرستی اور دیگر کبائر کا ارتکاب کر کے نافرمان ہوئے تو بختِ نصر نے اپنی تخت نشینی کے انیسویں سال یروشلیم کو فتح کیا۔ یہوداہ بادشاہ کو اندھا کر دیا' اسکے بیٹوں اور وزیروں کو تہ تیغ کیا' بیت المقدس شاہِ یہوداہ کا گھر اور دیگر تمام بزرگوں کے مکانات کو جلا ڈالا' یروشلیم کی دیواروں کو منہدم کر دیا اور اس نابینا بادشاہ کو دیگر یہودیوں سمیت قید کر کے لے گیا۔ پھر جب دوسری مرتبہ نافرمانی میں تجاوز کرنے لگے خاص طور پر جناب مسیح علیہ السلام کی تکذیب و بے ادبی اور حواریوں پر ظلم کا ارتکاب کیا تو ۷۰ء میں قیصر کے

ہاتھوں یروشلیم کی بربادی اور اسکے گردونواح کے باشندوں کو اس قدر سزا ملی کہ تیرہ لاکھ ستاون ہزار، چار سونوے یہود ایک ہی بار قتل ہوئے اور ستانوے ہزار لوگ قید ہوئے جیسا کہ باب سوم کی فصل دوم میں بشارت نہم کے ذیل میں گذر چکا۔ بعثتِ محمدی ﷺ تک یہی صورتِ حال رہی۔ جب امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے فتح کیا تب جا کر امن ہوا جیسا کہ گذر چکا اور انشاء اللہ جب حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کے عہدِ کرامت میں جب وہ ملکِ شام کو دارالحکومت بنائینگے تو اس خطے کے امن وخوشحالی کی کیفیت ہی اور ہوگی۔

باب مذکور کی آیت ۳ تا ۵ میں حضرت یحییٰ علیہ السلام اور انکے وعظ کی طرف اشارہ ہے جب انہوں نے اپنی بعثت کے بعد دریائے اردن کے کنارے یہی کلام بطور وعظ ارشاد فرمایا اور انکے قول ''بیابان میں خداوند کی راہ درست کرو الخ'' سے مراد مکہ ویروشلیم کا درمیانی راستہ ہے کیونکہ یروشلیم تو صحراء وبیابان میں واقع نہیں ہے اور انکے قول ''ہر ایک نشیب اونچا کیا جائے'' میں دیہات اور ساحلی علاقوں کے ان غرباء جہال اور باشندوں کی طرف اشارہ ہے کہ جو ذاتِ خداوندی اور احکام شرعی سے بالکلیہ غافل وناواقف تھے اور ''اونچا ہونے سے'' مراد انکا ایمان وعرفان کی چوٹیوں کو پالینا ہے۔ اور انکے قول ''ہر ایک پہاڑ اور ٹیلہ پست کیا جائے'' میں روم وفارس وغیرہ کے ظالم وجبار لوگوں کی طرف اشارہ ہے اور پست ہونا کنایہ ہے کہ وہ قبولِ اسلام کرتے ہوئے احکامِ شریعت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرینگے اور انکے قول ''ہر ایک ٹیڑھی چیز سیدھی اور ہر ایک ناہموار جگہ ہموار کی جائے'' سے یونان وغیرہ کے فلاسفہ کی طرف اشارہ ہے جو اپنے مصنوعی فلسفہ اور تخیلات کی اتباع کی وجہ سے شریعت ووحی کی پیروی سے گردن کشی اور پہلوتہی کرتے تھے اور انکے قول ''ہر ایک ناہموار جگہ ہموار کی جائے'' سے عرب کی طرف اشارہ ہے جو انتہائی جہالت، تعصب اور رسومِ جاہلیت کی اندھی تقلید کی وجہ سے قبولِ حق سے اعراض کرتے تھے اور ''ہموار ہونے'' سے مراد ان لوگوں

کا شریعت کے تابع ہو جانا ہے اور انکے قول ’’اور خداوند کا جلال آشکارا ہوگا‘‘ سے مراد حضرت مہدی ﷺ ہیں جو نو سال کے مختصر عرصے میں کفر و شرک کو مٹا کر پوری دنیا میں توحید کا جھنڈا لہرا دینگے پھر تمام نوعِ انسانی اس جلالِ الٰہی اور قدرتِ لامتناہی کو دیکھے گی اور انکے قول ’’کیونکہ خداوند نے اپنے منہ سے فرمایا ہے‘‘ سے اشارہ ہے کہ اِن باتوں کا واقع ہونا لازمی امر ہے جیسا کہ اس باب کی آیت ۸ میں ہے ’’خدا کا کلام ابد تک قائم ہے‘‘یعنی اسمیں کوئی تغیر یا تخلف نہیں ہوسکتا۔

ایک شبہ کا ازالہ

یاد رہے کہ لوقا کے کلام سے یہ مستنبط نہیں ہوتا کہ یہ خبر حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ہو جسکی وجہ سے مسیحی حضرات جوشِ تعصب دکھائیں اور خواہ مخواہ اس کا مصداق حضرت مسیح علیہ السلام کو قرار دیں کیونکہ انکے کلام کا حاصل یہی ہے کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام بیابان میں ظاہر ہوئے اور اس کلام کیساتھ وعظ و منادی کرنے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ پیشگوئی حضرت خاتم النبیین ﷺ کے حق میں ہے کیونکہ اِس عبارت کے تمام الفاظ اپنے صحیح مطالب پر بڑی خوبی کیساتھ درست بیٹھتے ہیں۔ الغرض جس طرح یہود کا اِس پیشگوئی کو اپنے مسیح موہوم کے حق میں قرار دینا عدمِ انطباق کی وجہ سے باطل اور نا قابلِ التفات ہے اسی طرح مسیحیوں کا اس خبر کو مسیحِ معلوم کے حق میں قرار دینا بھی اُسی وجہ سے باطل اور غیر مسموع ہے۔

اٹھارویں دلیل

متی باب ۱۳ آیت ۳ میں ہے ’’دیکھو ایک بونے والا بیج بونے نکلا۔ اور بوتے وقت کچھ دانے راہ کے کنارے گرے اور پرندوں نے آکر اُنہیں چُگ لیا۔ اور کچھ پتھریلی زمین پر گرے جہاں انکو بہت مٹی نہ ملی اور گہری مٹی نہ ملنے کے سبب سے جلد اُگ آئے۔ اور جب

سورج نکلا تو جل گئے اور جڑ نہ ہونے کے سبب سے سوکھ گئے۔ اور کچھ جھاڑیوں میں گرے اور جھاڑیوں نے بڑھ کر انکو دبا لیا۔ اور کچھ اچھی زمین میں گرے اور پھل لائے۔ کچھ سو گنا کچھ ساٹھ گنا کچھ تیس گناہ جسکے کان ہوں وہ سن لے'' (نیز مرقس باب ۴ آیت ۴، لوقا باب ۸ آیت ۵) متی باب ۱۳ آیت ۹ کے مضمون کو لوقا باب ۸ آیت ۸ میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے
''یہ کہہ کر اس نے پکارا جس کے سننے کے کان ہوں وہ سن لے''

تشریحِ عبارت

پس ''بیج بونے والے'' سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام ہیں جنکی وساطت سے اللہ کا کلام انسانوں تک پہنچتا ہے یا اِس سے مراد خود ذاتِ خداوندی ہے جیسا کہ مرقس باب ۴ آیت ۱۴ میں ہے ''بونے والا کلام بوتا ہے'' اور بیج سے مراد'' کلامِ خداوند'' ہے جیسا کہ لوقا باب ۸ آیت ۱۱ میں ہے ''بیج خدا کا کلام ہے''

پہلی قسم سے مراد یونان کے حکماء اور انکے متبعین ہیں کہ جب احکامِ شرائع انکی سوچ کے خلاف ہوئے تو انکے دلوں میں جاگزیں نہ ہوئے بلکہ جب انہوں نے اِن احکام کو سنا تو فوراً ہی شیطان نے انکے دلوں میں وسوسے ڈال کر محو کر دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایمان لا کر نجات پا جائیں جیسا کہ بیج راہ کے کنارے گرے تو پرندے اسے چُگ لیتے ہیں۔

دوسری قسم سے مراد یہود ہیں کہ انکے دل پتھر سے زیادہ سخت تھے مضبوط ایمان کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی احکامِ شرع سن کر فی الفور بخوشی قبول کرتے تھے اور قساوتِ قلبی کی وجہ سے بطورِ امتحان ذرا سی آزمائش و تکلیف پہنچنے پر ڈگمگا جاتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور سے ان لوگوں کا یہی حال تھا جیسا کہ عہد نامہ قدیم کے ناظرین سے مخفی نہیں ہے اسکا کچھ تذکرہ باب سوم کی فصل اول میں گذر بھی چکا ہے چنانچہ اِن سنگدل لوگوں

نے تھوڑا بہت شریعت کو قبول کیا مگر جب حضرت عیسی علیہ السلام کا آفتاب نبوت طلوع ہوا اور ان لوگوں کیلئے پورا وقتِ امتحان آیا تو وہی قساوتِ قلبی آڑے آگئی اور یہ لوگ دولتِ ایمان سے بہرہ ور نہ ہو سکے۔ یہ لوگ محض اس وجہ سے ایمان نہیں لائے کہ کہیں حضرت عیسی علیہ السلام کے پیروکار بڑھ نہ جائیں اور وہ انکے اور انکی قوم کی عزت کے مالک نہ ہو جائیں اور کوئی تکلیف یا مالی نقصان نہ پہنچ جائے پھر علماءِ یہود کی تو یہ صورت ہوئی کہ معجزاتِ عیسوی کا مشاہدہ کرنے کے باوجود ایمان لانے کے بجائے انکے قتل کا مشورہ کرنے لگے جیسا کہ یوحنا باب ۱۱ میں صراحت ہے اور حضرت عیسی علیہ السلام کو طرح طرح سے تکالیف پہنچاتے' بے ادبی سے پیش آتے۔ باب سوم کی فصل اول میں اجمالی طور پر اسکا تذکرہ آچکا ہے. جی ہاں! زمانہ قدیم سے یہ رسم ہے کہ سنگدل دنیا کے حقیر نفع کی خاطر آخرت کو داؤ پر لگا دیتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ میں متعدد جگہوں پر ان یہود کی شرارتوں کو ذکر فرمایا ہے جیسا کہ ناظرین پر مخفی نہیں۔ ایک جگہ انکی مذمت کرتے ہوئے ارشاد ہے فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ ''اُنکے دل پتھر کی طرح ہیں یا اُس سے بھی زیادہ سخت''

تیسری قسم سے مراد نصاریٰ ہیں کہ انکے دلوں میں شریعت کا بیج تو پڑ گیا مگر توہمات اور اشتباہات کے کانٹوں نے ان میں وجود پانا شروع کر دیا اور یہ توہمات ایک تو حضرت مسیح علیہ السلام کے مشتبہ اقوال وافعال کی وجہ سے پیدا ہوئے اور دوسرا افکارِ دنیاوی' لذاتِ نفسانی نے انکے دلوں میں راہ پالی۔ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ حقیقت ومجاز اور اصل ونقل میں امتیاز نہ کر سکے مزید یہ کہ امور معاش میں ایسے منہمک ہوئے کہ معاد کا خیال ہی پس پشت ڈال دیا پھر نجات کیلئے حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان ہی کو کافی سمجھا۔ ان کانٹوں نے شریعت کے درخت کو اس طرح دبایا اور خشک کیا کہ اسکا پھل کمال تک نہ پہنچا۔

چوتھی قسم سے مراد اہل عرب ہیں کہ انکے دل فلسفیانہ خیالات اور ہر طرح کے

اشتباہات سے خالی تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شریعت کا بیج انکے دلوں میں گہرا اور گہرا ہوتا گیا پھر حسب مراتب بڑی خوبی کیساتھ پھل لایا کہ بعض کا پھل سَو گنا تھا بعض کا ساٹھ گنا اور بعض کا تیس گنا۔ باب مذکور کی آیت ۹ اور لوقا باب ۸ آیت ۸ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ جنکا شجرِ ایمان بہترین طریق مذکور پر پھلدار ہو وہ لوگ اِس وقت بالفعل موجود نہیں کہ تم انہیں دیکھ سکو بلکہ جس کے سننے کے کان ہوں وہ سن لے سن کر محفوظ کرے اور لوگوں کو تحریراً تقریراً پہنچائے یہاں تک کہ اِس کلام کا مصداق ظاہر ہو جائے اور لوقا کے اِس جملہ ''یہ کہہ کر اس نے پکارا'' میں اِس بات کو یاد رکھنے کیلئے زیادہ تاکید و اہتمام کی طرف اشارہ ہے۔

اُنیسویں دلیل

متی باب ۱۳ آیت ۳۱' مرقس باب ۴ آیت ۳۱ میں ہے ''آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لیکر اپنے کھیت میں بو دیا۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اسکی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں''

تشریحِ عبارت

پس بیج بونے والا خدا ہے اور کھیت سے مراد دنیا ہے۔ رائی کا دانہ سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں جو بظاہر تمام دانوں سے چھوٹے تھے کیونکہ تمام مخلوق اہل عرب کو دیہاتی اور ان پڑھ ہونے کی وجہ سے اور لذاتِ جسمانی' آرائشِ ظاہری سے ناواقف ہونے کی بنا پر حقیر جانتے تھے۔ بالخصوص یہود انکو اولادِ ہاجرۃ میں سے ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ حقیر سمجھتے تھے اور وہ دانہ جب بڑھا تو اس قدر بلندی پر پہنچا کہ دیگر تمام ترکاریوں یعنی جمیع انبیاء

علیہم السلام سے بڑا ہو گیا کہ اسکی رسالت تمام انسانیت کیلئے عالمگیر ہے اور اسکی شریعت ابدالآباد کیلئے ہے اور ہوا کے پرندوں کا اسکی ڈالیوں پر بسیرا کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ جو اس سے قبل کسی شریعت کے تابع نہ تھے وہ اس شریعت کے تابع ہونگے۔ اسی مضمون کو حق جل وعلیٰ سورۃ سبا میں ارشاد فرماتے ہیں:

وما ارسلنٰك الّا كافة للناس بشيراً ونذيراً ولكن اكثر الناس لايعلمون (سورۃ سبا آیت ۲۸)

اور ہم نے آپکو تمام لوگوں کیلئے ہی خواہ وہ عرب ہوں یا عجم خوشخبری دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ آپکے فضائل کو نہیں جانتے۔

اور جہلِ مرکب میں مبتلا ہو کر آپکی مخالفت پر اتر آتے ہیں۔ ناظرین! اسعد کم اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح میں اصحابِ نبوی ﷺ کی توصیف میں وہی مضمون ذکر کیا ہے جو انجیل میں انکے متعلق مذکور ہے چنانچہ ارشاد ہے:

كزرعٍ اخرج شطأه فآزره فاستغلظ فاستوىٰ على سوقه يعجب الزرّاع (سورۃ الفتح آیت ۲۹)

اور انکی مثال انجیل میں اُس کھیت سے دی گئی ہے جس نے اپنی بالی نکالی' پھر اُسے مضبوط کیا' پھر موٹا ہوا' پھر اپنی ٹہنیوں پر کھڑا ہوا کھیت والوں کو مسرور اور خوش کر رہا ہے۔

پس ظاہر یہ ہے کہ قرآن کے اس مضمون کو انجیل کی اس عبارت پر بھی منطبق کر سکے جسکا ذکر درخت کا سو گنا پھل لانا دلیل نمبر ۱۸ میں آیا کہ دانہ انتہائی ضعف سے کمال قوت کو پہنچ کر سو گنا' ساٹھ گنا اور تیس گنا پھل لایا۔ اور یہ بھی ممکن کہ دانہ سے مراد حضرت محمد ﷺ اور

انکے صحابہ ﷺ ہوں اور آیتِ مذکورہ کے مضمون کو انجیل کی اس عبارت پر منطبق کر دیا جائے جو زیرِ بحث (دلیل نمبر ۱۹) بشارت میں مذکور ہے کیونکہ انجیل میں ہے ''مگر جب بڑھتا ہے'' اور قرآن میں ہے اخرج شطأہ فآزرہ انجیل میں ہے ''سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا'' اور قرآن میں ہے فاستغلظ فاستوی علی سوقہ انجیل میں ہے ''ہوا کے پرندے آکر اسکی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں'' اور قرآن مجید میں اسکا لازمی معنی ذکر کیا گیا کھیتی کرنے والے کا خوش ہونا اس وجہ سے ہے کہ وہ کھیتی اس درجے کو پہنچ گئی۔ الغرض دونوں صورتوں میں اصحابِ نبوت کو کھیتی کیساتھ اس وجہ سے تشبیہ دی گئی کہ جس طرح دانہ ابتداء میں چھوٹا اور کمزور ہوتا ہے بالخصوص رائی کا دانہ (براحتمال دوم) پھر بعد میں اس میں انتہائی قوت، موٹائی، لمبائی اور خوبروئی آجاتی ہے اسی طرح اصحابِ محمد ﷺ ابتداءِ اسلام میں کمزور و کم تعداد تھے پھر دن بدن بڑھتے گئے اور مضبوط ہوتے گئے اور کمالات و دینداری میں اس قدر بڑھ گئے کہ تمام دنیا تعجب کرتی رہ گئی۔

بیسویں دلیل

متی باب ۲۰ آیت ۱ میں ہے ''کیونکہ آسمان کی بادشاہی اس گھر کے مالک کی مانند ہے جو سویرے نکلا تاکہ اپنے تاکستان میں مزدور لگائے۔ اور اس نے مزدوروں سے ایک دینار روز ٹھہرا کر انہیں اپنے تاکستان میں بھیج دیا۔ پھر پہر دن چڑھے کے قریب نکل کر اس نے اوروں کو بازار میں بیکار کھڑے دیکھا۔ اور ان سے کہا تم بھی تاکستان میں چلے جاؤ۔ جو واجب ہے تم کو دونگا۔ پس وہ چلے گئے۔ پھر اس نے دوپہر اور تیسرے پہر کے قریب نکل کر ویسا ہی کیا۔ اور کوئی ایک گھنٹہ دن رہے پھر نکل کر اوروں کو کھڑے پایا اور ان سے کہا تم کیوں یہاں تمام دن بیکار کھڑے رہے؟ انہوں نے اس سے کہا اس لئے کہ کسی نے ہم کو مزدوری

پر نہیں لگایا۔ اس نے ان سے کہا تم بھی تاکستان میں چلے جاؤ۔ جب شام ہوئی تو تاکستان کے مالک نے اپنے کارندہ سے کہا کہ مزدوروں کو بلا اور پچھلوں سے لیکر پہلوں تک انکی مزدوری دیدے۔ جب وہ آئے جو گھنٹہ بھر دن رہے لگائے گئے تھے تو انکو ایک ایک دینار ملا۔ جب پہلے مزدور آئے تو انہوں نے یہ سمجھا کہ ہم کو زیادہ ملیگا اور انکو بھی ایک ہی ایک دینار ملا۔ جب ملا تو گھر کے مالک سے یہ کہ کر شکایت کرنے لگے کہ۔ ان پچھلوں نے ایک ہی گھنٹہ کام کیا ہے اور تو نے انکو ہمارے برابر کر دیا جنہوں نے دن بھر کا بوجھ اٹھایا اور سخت دھوپ سہی۔ اس نے جواب دیکر ان میں سے ایک سے کہا میاں میں تیرے ساتھ بے انصافی نہیں کرتا۔ کیا تیرا مجھ سے ایک دینار نہیں ٹھہرا تھا؟ جو تیرا ہے اُٹھالے اور چلا جا۔ میری مرضی یہ ہے کہ جتنا تجھے دیتا ہوں اس پچھلے کو بھی اُتنا ہی دوں۔ کیا مجھے روا نہیں کہ اپنے مال سے جو چاہوں سو کروں؟ یا تو اس لئے کہ میں نیک ہوں بری نظر سے دیکھتا ہے؟ اِسی طرح آخر اول ہو جا ئینگے اور اول آخر''

تشریحِ عبارت

''گھر کے مالک'' سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور مزدوروں سے مراد اُمتیں ہیں تاکستان (باغ) سے مراد شریعت ہے۔ پہلے مزدوروں سے مراد پہلی امتیں ہیں' دوسرے مزدوروں سے مراد یہود ہیں' تیسرے مزدوروں سے مراد نصاریٰ ہیں اور چوتھے سے مراد اہلِ اسلام ہیں' شام سے روزِ جزا مراد ہے ''دینار'' سے مراد ثواب ہے اور دینار دینے سے مراد ثواب عطا کرنا ہے۔ پس قیامت کے روز سب سے پہلے امتِ محمدیہ ﷺ کو اعمال کا بدلہ و ثواب دیا جائیگا جنہوں نے چھوٹی عمروں کے باوجود دیگر امتوں کی بنسبت زیادہ اعمال احسن طریقے

پر کیے ہونگے انکے بعد دوسری امتوں کا حساب ہوگا(۱) چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے نحن الآخرون السابقون (۲) ”ہم پیچھے آنے والے سبقت کرنے والے ہیں“ حضرت عمرؓ سرورِ کائنات ﷺ سے روایت کرتے ہیں انّ الجنة حرمت علی الانبیاء کلھم حتی ادخلھا وحرمت علی الامم حتی تدخلھا امتی (۳) ”جنت تمام پیغمبروں کیلئے اُس وقت تک حرام کردی گئی ہے جب تک میں داخل نہ ہوجاؤں اور تمام امتوں پر حرام کردی جائیگی جب تک اس میں میری امت داخل نہ ہوجائے“ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ ”بہت سے اول آخر ہوجائیں گے اور آخر اول“ (۴) اور ”اس طرح آخر اول ہوجائیں گے اور اول آخر“ (۵) سے مقصود ملتِ محمدی ﷺ کی اتباع وشمولیت کیلئے انتہائی ترغیب وتحریص کرنا ہے (خدا تعالیٰ سب کو یہ سعادت نصیب فرمائے) اور انکا قول ”کیونکہ بلائے ہوئے بہت ہیں مگر برگذیدے تھوڑے“ (۶) سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ کی رسالت عام ہوگی تو انکی امتِ دعوت تو بہت ہوگی مگر امتِ اجابت نسبتاً کم ہوگی۔

متی باب ۲۱ آیت ۳۳ میں ہے ”ایک گھر کا مالک تھا جس نے تاکستان لگایا اور اسکی چاروں طرف احاطہ گھیرا اور اس میں حوض کھودا اور برج بنایا اور اسے باغبانوں کو ٹھیکے پر دیکر پردیس چلا گیا۔ اور جب پھل کا موسم قریب آیا تو اس نے اپنے نوکروں کو باغبانوں کے

---

(۱) بائبل کی مذکورہ عبارت میں جو بشارت مذکور ہے بالکل اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے امتِ محمدیہ ﷺ کی مثال ذکر فرمائی ہے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ”صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلوة، باب من ادرک رکعةً من العصر“

(۲) سنن النسائی، کتاب الجمعه، باب ایجاب الجمعه یہ حدیث دیگر کتب حدیث میں بھی آئی ہے۔

(۳) رواہ الدار قطنی عن عمر بن الخطاب، بحوالہ ”اظہار الحق عربی، ج ۴، ص ۱۱۷۸۔

(۴) متی باب ۱۹ آیت ۳۰۔ (۵) متی باب ۲۰ آیت ۱۶۔ (۶) متی باب ۲۲ آیت ۱۴۔

پاس اپنا پھل لینے کو بھیجا۔ اور باغبانوں نے اسکے نوکروں کو پکڑ کر کسی کو پیٹا اور کسی کو قتل کیا اور کسی کو سنگسار کیا۔ پھر اس نے اور نوکروں کو بھیجا جو پہلوں سے زیادہ تھے اور انہوں نے انکے ساتھ بھی وہی سلوک کیا۔ آخر اس نے اپنے بیٹے کو انکے پاس یہ کہ کر بھیجا کہ وہ میرے بیٹے کا تو لحاظ کرینگے۔ جب باغبانوں نے بیٹے کو دیکھا تو آپس میں کہا یہی وارث ہے۔ آؤ اِسے قتل کر کے اسکی میراث پر قبضہ کرلیں۔ اور اسے پکڑ کر تاکستان سے باہر نکالا اور قتل کر دیا۔ پس جب تاکستان کا مالک آئیگا تو ان باغبانوں کیساتھ کیا کریگا؟ انہوں نے اس سے کہا ان بدکاروں کو بری طرح ہلاک کریگا اور تاکستان کا ٹھیکہ دوسرے باغبانوں کو دیگا جو موسم پر اسکو پھل دیں۔ یسوع نے ان سے کہا کیا تم نے کتابِ مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا۔ وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے؟ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائیگی اور اس قوم کو جو اسکے پھل لائے دیدی جائیگی۔ اور جو اس پتھر پر گریگا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا لیکن جس پر وہ گریگا اسے پیس ڈالیگا'' (نیز مرقس باب ۱۲ آیت ۱' لوقا باب ۲۰ آیت ۹) اور لوقا باب ۲۰ میں تمثیل کی آخری آیات (۱۶ تا ۱۸) اِس طرح ہیں ''وہ آکر ان باغبانوں کو ہلاک کریگا اور تاکستان اوروں کو دے دیگا انہوں نے یہ سن کر کہا خدا نہ کرے اس نے انکی طرف دیکھ کر کہا پھر یہ کیا لکھا ہے کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا جو کوئی اس پتھر پر گریگا اسکے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائینگے لیکن جس پر وہ گریگا اسے پیس ڈالیگا'' انتہٰی

تشریحِ عبارت

اِن آیات میں ''گھر کے مالک'' سے مراد اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ باغ سے مراد اسکی

شریعت ہے ’’چاروں طرف گھیرنے اور برج بنانے‘‘ سے مراد محرمات ومحسنات اوامرونواہی کی تفصیل ہے۔ حوض کھودنے سے عبادت واطاعتِ الٰہی کے فوائد مراد ہیں کہ ان پر اطلاع پاکر سعادت کی حلاوت حاصل کرلیں۔ باغبانوں سے مراد بنی اسرائیل کی سرکش قوم ہے جنکی سرکشی ضرب المثل ہے جیسا کہ باب سوم کی فصل اول میں معلوم ہو چکا۔ اِس معنی کے مراد ہونے پر ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ جب علماءِ یہود نے اِس مثال کو سنا تو جان گئے کہ ہمارے متعلق بات ہورہی ہے اور ہماری خاطر اس مثال کو ذکر کررہے ہیں یہی وجہ ہے کہ انہوں نے آنجناب علیہ السلام کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا چنانچہ اس تمثیل کے بعد تینوں صحائف میں ہے کہ انہی سرکشوں نے بہت سے پیغمبروں کو قتل کیا اور بہت سوں کو طرح طرح سے تکالیف پہنچائیں چنانچہ زکریا بن یہویدع کاہن کو گھر کے صحن میں سنگسار کیا جسکی تفصیل تواریخ دوم باب ۲۴ میں مذکور ہے۔ حضرت یحیٰی بن زکریا علیہ السلام کا سرتن سے جدا کردیا جسکا تذکرہ متی باب ۱۴، مرقس باب ۶ میں مذکور ہے۔ اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کیساتھ اکثر وبیشتر گوناگوں ایذاء رسانیوں کیساتھ پیش آئے جیسا کہ تواریخ دوم باب ۳۶ آیت ۱۶ میں مذکور ہے اور ان سرکشوں کو ایک جگہ اس طرح خطاب ہے ’’اے گردن کشو اور دل اور کان کے نامختونو! تم ہر وقت روح القدس کی مخالفت کرتے ہو جیسے تمہارے باپ دادا کرتے تھے ویسے ہی تم بھی کرتے ہو۔ نبیوں میں سے کس کو تمہارے باپ دادا نے نہیں ستایا؟ انہوں نے تو اس راستباز کے آنے کی پیش خبری دینے والوں کو قتل کیا‘‘ (رسولوں کے اعمال باب ۷ آیت ۵۱) اسی طرح پولوس لکھتے ہیں ’’جنہوں نے خداوند یسوع کو اور نبیوں کو بھی مارڈالا اور ہم کو ستا کر نکال دیا وہ خدا کو پسند نہیں آتے اور سب آدمیوں کے مخالف ہیں‘‘ (تھسلنیکیوں کے نام پہلا خط باب ۲ آیت ۱۵) اللہ جلّ جلالہ سورۃ البقرۃ میں انکے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

افکلما جآء کم رسول بما لاتھوی انفسکم استکبرتم ففریقاً کذبتم وفریقاً تقتلون (سورۃ البقرۃ آیت:۸۷)

جب بھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسی باتیں لیکر آئے جن کو تمہارا جی نہیں چاہتا تھا تو تم سرکش ہوجاتے رہے اور ایک گروہ (انبیاء) کو تو جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔

''نوکروں'' سے بنی اسرائیل کے انبیاء مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام کے زمانے تک پے درپے آتے رہے ''بیٹے'' سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جنکو نصاریٰ حقیقتاً ابن اللہ مانتے ہیں جبکہ اہلِ اسلام بھی انکوابن اللہ بمعنی عزیز و برگزیدۂ خدا قرار دیتے ہیں کیونکہ دلائلِ عقلی و نقلی کے موافق یہی بات درست ہے جیسا کہ اسکی پوری تحقیق باب دوم کی فصل دوم میں دلیل دوم کے جواب کے تحت معلوم ہوچکی۔ پھر دوسرے باغبان جنکو باغ سپرد کیا گیا اس سے مراد حضرت خاتم النبیین ﷺ کے پیروکار ہیں اور جس پتھر کو معماروں نے رد کیا اس سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں کہ لوگوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور انکی اولاد کو چھوڑ دیا تھا حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی سارہ کی استدعاء کے مطابق انکو اپنے دنیاوی مملوکہ مال سے بھی محروم کردیا پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ کونے کے سرے کا پتھر ہوگئے یعنی نبوت کے اونچے درجے تک پہنچے۔ چونکہ زاویہ (کونہ) دوخطوں کی انتہاء و ملتقی پر ہوتا ہے اِس طرح اس سے آپ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا بھی مفہوم ہوتا ہے اور وہ اِسی طرح تھے کہ جو اس پتھر پر گرا ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور جس پر وہ پتھر گرا تو اسے پیس ڈالا کیونکہ وہ اور انکے پیروکاروں کو حکمِ خداوندی اِس طرح دیا گیا کہ جو کفار و فجار انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کریں اور انہیں کسی طرح تکلیف پہنچائیں تو انہیں سزا دینے کیلئے جہاد کریں اور کفار و فجار سے جذیہ لیں۔ اِس اعتبار سے دیکھا جائے تو وہ پتھر ایسا ہے کہ جو اس پر

گرے اور بے ادبی سے جنگ کا ارادہ کرے تو وہ اپنی جان اور دنیا و آخرت کو بربادی کے سپرد کرتا ہے اور جس پر وہ گرتا ہے تو اسے پیس کر اس طرح مطیع کر لیتا ہے کہ یا تو وہ اسلام قبول کرتا ہے یا ذمی بن کر جزیہ دیتا ہے۔ جی ہاں یہ وہی پتھر ہے جسکا تذکرہ صحیفہ دانی ایل باب ۲ آیت ۳۴'۳۵ میں خواب کے ذیل میں آیا ہے اور اسی باب کی آیت ۴۴'۴۵ میں تعبیر کے ذیل میں بھی اسکا تذکرہ ہے جیسا کہ دلیل نمبر ۱۶ میں معلوم ہو چکا۔ خود آنحضرت ﷺ کا بھی ارشاد ہے:

مثلی ومثل الانبیاء کمثل قصرٍ احسن بنیا نه ترك منه موضع لبنة فطاف به النظار یتعجبون من حسن بنیانه الاموضع تلك اللبنه ختم بی البنیان وختم بی الرسل ۔(۱)

میری اور دوسرے انبیاء کی مثال اس محل کی سی ہے کہ جسکی عمارت بڑی خوبصورت ہے مگر اسکے کسی حصہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے دیکھنے والے آتے ہیں اور حسنِ عمارت کی تکمیل مجھ سے ہوئی اور مجھ پر رسولوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

اور اللہ تعالیٰ سورۃ الاحزاب میں فرماتے ہیں:

ولکن رسول الله وخاتم النبیین (سورۃ الاحزاب آیت: ۴۰)

یعنی وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کی مہر ہیں کہ جنکے ذریعے سے نبوت پر مہر ہو گئی اور پیغمبروں کی نبوت کو ان پر ختم کر دیا۔

(۱) رواہ البخاری فی کتاب الانبیاء ومسلم فی الفضائل یہ حدیث سنن ترمذی اور مسندِ احمد وغیرہ میں بھی آئی ہے۔

خلاصہ تمثیل

مثالِ مذکور کا خلاصہ ولب لباب یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل نے سرکشی کی اور انبیاء علیہم السلام کے متعلق انتہائی کج روی دکھائی اور حضرت مسیح علیہ السلام جو ایک عظیم الشان پیغمبر اور خدا کے محبوب وبرگزیدہ اور بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے اپنے زعم کے مطابق انکو بھی قتل کیا تو بدیہی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں سزا دیگا اور نبوت وشریعت کا اعزاز ان سے چھین لیگا اور کوئی دوسری قوم جو اللہ تعالیٰ کی مطیع ہوگی اسے برگزیدہ وصاحبِ شریعت بنائیگا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم وہاجرہ علیہما السلام سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق اس طرح کا وعدہ فرمارکھا تھا جیسا کہ دلیلِ اول میں جان لیا وہ وعدہ الٰہی اس طرح ہے ''اور اسماعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی دیکھ میں اسے برکت دونگا اور اسے آبرومند کرونگا اور اسے بہت بڑھاؤنگا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہونگے اور میں اسے بڑی قوم بناؤنگا'' (پیدائش باب ۱۷ آیت ۲۰) لہٰذا یہود ان بنی اسماعیل کی بزرگی پر تعجب کرتے تھے جو مدتِ دراز سے نبوت ورسالت کے اعزاز سے محروم تھے اور یہود آپ ﷺ کو ایک باندی ہاجرہ کی اولاد سمجھ کر انتہائی حقیر جانتے تھے اور خود کو عظیم المرتبت خیال کرتے تھے اسی وجہ سے انہوں نے ازراہِ حسد کہا ''خدا نہ کرے'' اس پر آنجناب علیہ السلام غضبناک ہوکر فرماتے ہیں کہ کیوں تعجب کرتے ہو اور میری بات نہیں مانتے ہو کیا حضرت داؤد علیہ السلام اور یسعیاہ جنکو تم نبی مانتے ہو انہوں نے بھی مجھ سے قبل وحیِ الٰہی کے مطابق ایسے امور کی خبر نہیں دی؟

یہاں صاحب عقل وانصاف آدمی کو غور کرنا چاہیئے کہ کیسے احسن انداز میں سوال وجواب ہوا اور سامعین اس بات کو کس قدر مستبعد جانتے تھے۔ باقی رہا حضرت داؤد و یسعیاہ کا قول جسے جنابِ مسیح علیہ السلام ''پھر کیا لکھا ہے کیا تم نے کتابِ مقدس میں کبھی نہیں پڑھا''

سے تعبیر فرماتے ہیں وہ یہ ہیں۔ حضرت داوٗد علیہ السلام کا ارشاد ہے ''جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہوگیا یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے'' (زبور ۱۱۸ آیت ۲۲) حضرت یسعیاہ کا ارشاد ہے ''اس لئے خداوند یوں فرماتا ہے دیکھو میں صیون میں بنیاد کیلئے ایک پتھر رکھونگا آزمودہ پتھر، محکم بنیاد کیلئے کونے کے سرے کا قیمتی پتھر جو کوئی ایمان لاتا ہے قائم رہیگا'' (یسعیاہ باب ۲۸ آیت ۱۶) پس یہ آزمودہ پتھر، محکم بنیاد کیلئے کونے کے سرے کا قیمتی پتھر حضرت محمد ﷺ کی ذات ہے جو قصرِ نبوت کے کونے پر واقع ہوا جیسا کہ معلوم ہوا اور جوان پر ایمان لائیگا ناکام نہیں ہوگا بلکہ اونچے مراتب تک پہنچے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

انّ الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا فلا خوف علیھم ولاھم یحزنون اولٰئک اصحاب الجنۃ خالدین فیھا جزاءً بما کانوا یعملون (سورۃ الاحقاب آیت:۱۳)

جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار خدا ہے پھر وہ اس پر قائم رہے تو انکو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہونگے یہی لوگ اہلِ جنت ہیں ہمیشہ اس میں رہینگے یہ بدلہ ہے اسکا جو وہ کیا کرتے تھے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہاں ''پتھر'' سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہوسکتے جسکی چند وجوہ ہیں۔

پہلی وجہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس ''پتھر'' اور ''خدا کے بیٹے'' میں مغایرت ہے اگر خدا کا بیٹا کوئی اور ہو اور پتھر سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں تو

مسیحیوں کے زعم کے مطابق لازم آتا ہے کہ اقانیم چار ہوں۔ اب' ابن' روح القدس اور پتھر جو حضرت عیسی علیہ السلام سے عبارت ہے اور یہ متحد بالذات ہوں پھر یہ تو وحدت فی التثلیث کی بجائے وحدت فی التربیع کا اعتقاد رکھنا ہوگا۔

دوسری وجہ

چونکہ حضرت عیسی علیہ السلام بنی اسرائیل سے تھے اور یہود تو انتہائی قلبی مسرت سے کہا کرتے تھے کہ مسیح حضرت داؤد کی اولاد سے ہوگا اور صاحب لشکر و فوج ہوگا اور ہماری قوم کو اسکے عہد میں غلبہ واقتدار ملے گا۔ مگر حضرت مسیح علیہ السلام مسکنت کے لباس میں مبعوث ہوئے اور کبھی اقتدار' جاہ وتخت کو قبول نہ فرمایا۔ پس یہود کی جانب سے انکی تحقیر وترک کا سلسلہ بعثت کے بعد ہوا پہلے سے نہیں (پہلے تو وہ منتظر تھے) دوسری جانب حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ کے حوالے سے دیکھیں کہ انکی تحقیر کو بنی اسماعیل کے ضمن میں بہت پہلے عہد موسوی سے چلی آرہی تھی اور بنی اسرائیل انکے آباؤاجداد کو حقیر جانتے تھے اور آج تک جانتے ہیں پھر ماضی کا صیغہ ''رد کیا'' جو زبور اور اناجیل میں واقع ہے اس سے بھی اس پر ظاہراً دلالت ہو رہی ہے کہ وہ شخص قبل از ظہور نبوت متروک ہوا خواہ اپنی ذات کی وجہ سے خواہ آباؤاجداد کی وجہ سے۔

تیسری وجہ

زبور اور اناجیل کی عبارت میں واقع ہے ''یہ خدا کی طرف سے ہوا'' یعنی یہ واقعہ اللہ کی جانب سے واقع ہوا۔ اب اگر پتھر سے مراد حضرت عیسی علیہ السلام ہوں تو وہ تو بنی اسرائیل میں سے ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد اور انکا لخت جگر ہیں تو اس پتھر کا کونے کے پتھر ہونے (اور معزز رتبہ پا جانے) سے حضرت داؤد علیہ السلام کو کیونکر تعجب ہو سکتا ہے؟ بلکہ وہ تو خود زبور میں حضرت عیسی علیہ السلام کی عظمت ومدحت کے نغمے گاتے ہیں جیسا کہ مسیحی حضرات کا

دعویٰ ہے۔ ہاں اگر حضرت محمد ابن عبداللہ ﷺ کے حوالے سے دیکھا جائے تو چونکہ وہ بنی اسماعیل میں سے تھے اور بنی اسماعیل کے کسی شخص کا اس مرتبہ عظمت کو پالینا یقیناً باعثِ تعجب ہوسکتا ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا۔

چوتھی وجہ

اُس پتھر کا وصف بتاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ جو اس پتھر پر گریگا ٹکڑے ہو جائیگا اور جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالیگا۔ یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر صادق نہیں آتی کیونکہ آنجناب علیہ السلام تو اپنے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ خدا نے بیٹے کو دنیا میں اس لئے نہیں بھیجا کہ دنیا پر سزا کا حکم کرے اور نیز یہ فرماتے ہیں کہ جو مجھے نہیں مانتا اور میری باتوں کو قبول نہیں کرتا میں اس پر حکم نہیں کرتا کیونکہ میں جہاں میں اس لئے نہیں آیا کہ جہان والوں پر حکم کروں جیسا کہ یوحنا باب ۳، ۱۲ میں صراحت ہے۔ اسی طرح حضرت یسعیاہؑ اپنے صحیفہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا یوں ذکر کرتے ہیں ''وہ آدمیوں میں حقیر و مردود، مرد غمناک اور رنج کا آشنا تھا لوگ اس سے گویا روپوش تھے اسکی تحقیر کی گئی اور ہم نے اسکی کچھ قدر نہ جانی''

(یسعیاہ باب ۵۳ آیت ۳)

غور فرمایئے! پتھر کا مذکورہ بالا وصف انکی ذاتِ گرامی پر کیسے صادق آسکتا ہے؟ بلکہ انہوں نے رفعِ آسمانی سے قبل یہود اور حکامِ وقت کے ہاتھوں طرح طرح سے تکلیف اٹھائی، کوڑے کھائے اور صحفِ اربعہ کے مطابق مقتول و مصلوب ہوئے۔

بائیسویں دلیل

یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۵ میں ہے ''اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کرونگا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشیگا کہ ابد تک

تمہارے ساتھ رہے یعنی سچائی کا روح جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی اور نہ جانتی ہے تم اسے جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے اور تمہارے اندر ہوگا'' اسی باب کی آیت ۲۵ میں ہے ''میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں کو سب باتیں سکھائیگا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائیگا'' پھر آیت ۲۹ میں ہے ''اور اب میں نے تم سے اسکے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے تاکہ جب ہو جائے تو تم یقین کرو'' بائبل مترجم عربی مطبوعہ ۱۸۲۱ء لندن میں آیت ۱۶ اور ۲۶ اس طرح ہے: ''انا اطلب من الاب فیعطیکم فارقلیط آخر لیثبت معکم الی الابد .... والفارقلیط روح القدس الذی یرسلہ الاب باسمی'' یوحنا باب ۱۵ آیت ۲۶ میں اس طرح ہے ''لیکن جب وہ مددگار آئیگا جسکو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجونگا یعنی سچائی کا روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دیگا'' عربی ترجمہ میں اس طرح ہے:

فاما اذا جاء الفارقلیط الذی اُرسلہ انا الیکم من الاب روح الحق الذی من الاب ینبثق ھو یشھد لاجلی۔

اور یوحنا باب ۱۶ آیت ۷ میں ہے ''لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئیگا لیکن اگر جاؤنگا تو اسے تمہارے پاس بھیج دونگا۔ اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائیگا۔ گناہ کے بارے میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ راستبازی کے بارے اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے۔ عدالت کے بارے میں اس لئے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا ہے۔ مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم انکی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئیگا تو

تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائیگا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہیگا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دیگا۔ وہ میرا جلال ظاہر کریگا۔ اس لئے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دیگا'' مذکورہ باب کی آیت ۷، ۸ عربی ترجمہ میں اس طرح واقع ہے:

اقول لکم الحق انه خیرلکم ان انطلق لانی ان لم انطلق لم یأتکم الفارقلیط فاما ان انطلقت اُرسلته الیکم فاذا جاء ذاك فهو یوبخ العالم علی خطیئةٍ وعلی برٍو علی حکمٍ" (۱)

تجزیہ مصنفؒ

جاننا چاہیئے کہ فارقلیط معرّب لفظ ہے جسکا معنی ہے ''شفیع وکیل، تسلی دینے والا، برگذیدہ'' ماضی میں جو عیسائی حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے ہیں انکا کہنا ہے کہ حضرت مسیح ؑ کی بشارت و پیشگوئی آنحضرت ﷺ کے متعلق ہے۔ اہلِ اسلام بھی اسکو من جملہ ان بشارات سے قرار دیتے ہیں جو انجیل میں مذکور ہیں مگر جو عیسائی رحمتِ عالم ﷺ پر ایمان لانے کی سعادت سے محروم ہیں، حضرت مسیح ؑ کی سچی اطاعت سے بہت دور ہیں اور انکے احکام

---

(۱) حضرت عیسیٰ ؑ کا یہ ارشادِ گرامی نبی کریم ﷺ کے بارے میں بڑی اہم بشارت اور آپ ﷺ کی رسالت پر مضبوط دلیل ہے۔ قرآن کریم میں سورۃ الصف میں خصوصیت کیساتھ یہ مضمون آیا ہے۔ علماءِ اسلام نے بائبل میں مذکور بشاراتِ نبوی ﷺ پر بحث کے دوران اس بشارت پر بڑا سیر حاصل کلام کیا ہے۔ خود مصنفؒ نے بھی اپنی کتاب اظہار الحق میں اس پر مفصل گفتگو کی ہے بحوالہ بائبل سے قرآن تک، ج ۳، ص ۳۲۱ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔

۱۔ کتاب الاستفسار، مصنفہ سید آل حسن موہانی، ص ۴۷۲۔
۲۔ سیرۃ النبی، مصنفہ علامہ شبلی نعمانیؒ و سید سلیمان ندویؒ، ج ۳، ص ۲۶۳۔
۳۔ سیرۃ المصطفیٰ، مصنفہ مولانا ادریس کاندھلویؒ، ج ۳، ص ۵۲۵۔
۴۔ بشارتِ عیسیٰ، مصنفہ مولانا بشیر احمد حسینی، مطبوعہ اسلامی کتب خانہ مِیاری بازار شورکوٹ جھنگ۔

دارشادات پر غور و فکر نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ فارقلیط سے مراد وہ فیضان (روح) ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے صعودِ آسمانی کے پچاسویں دن حواری وغیرہ اس سے مستفیض ہوئے تھے اس سے مراد حضرت محمد ﷺ نہیں ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ فارقلیط سے مراد فیضانِ الٰہی (روح) لینا چند وجوہ سے غلط ہے۔

پہلی وجہ

چونکہ روح القدس اور ذاتِ الٰہی متحد ہے تو جناب مسیح علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ سے انکو مانگنا' خدا تعالیٰ کا انکو بھیجنا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام انکو ''دوسرا مددگار'' کہنا جیسا کہ یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۶ میں ہے یہ سب بے معنی ہو کر رہ جائینگے۔

دوسری وجہ

وکیل اور شفیع ہونا جو منصب نبوت ہے یہ اسکے حق میں کس طرح صادق آسکتا ہے؟

تیسری وجہ

حضرت مسیح علیہ السلام اسکے متعلق یہ بھی فرماتے ہیں کہ وہ ابد تک تمہارے ساتھ رہیگا اور تمہیں سب باتیں سکھائیگا اسکا تقاضا یہ ہے کہ روح القدس اِس زمانہ میں بھی عیسائیوں کیساتھ ہو اور روح القدس کے فیضان کی تاثیر یوم الدار (۱) کو تو یہ ہوئی تھی کہ فیض پانے والے کو ہر زبان میں گفتگو کرنے' غیب کی خبر دینے' مریض کو شفا دینے' صاحبِ کشف و کرامات ہونے کی قوت حاصل ہوگئی تھی (۲) اب اگر عیسائی عوام کو روح کی معیت کی وجہ

---

(۱) یعنی عیدِ پینتکست کا دن جب سب لوگ ایک گھر میں جمع تھے (رسولوں کے اعمال باب ۲ آیت ۱)

(۲) رسولوں کے اعمال باب ۲' ۴' ۱۰' ۱۱ میں اسکے متعدد حوالے موجود ہیں۔

سے مذکورہ صفات حاصل ہونگی اور انکے خواص یعنی پادری صاحبان وغیرہ کوتو بدرجہ اولیٰ یہ صفات حاصل ہونگیں حالانکہ آفتابِ نبوتِ محمدی ﷺ کے طلوع کے بعد آپ ﷺ پر ایمان نہ لانے والوں میں سے کوئی ایک بھی خارقِ عادت کرامت ظاہر نہیں کرسکا۔ اگرکسی نے ایسی خرقِ عادت چیزیں ظاہر کی ہوتیں تو تاریخ میں ضرور اسکا تذکرہ ہوتا۔ ہمارے زمانے کے پادری جنکا ہم مشاہدہ کرتے ہیں انکا تو کیا کہنا کہ سوائے روحِ شیطانی کے اور کوئی چیز انکے ہمراہ نظر نہیں آتی۔ سالہا سال تک ہندوستانی زبان (اردو) سیکھنے کیلئے محنت اٹھاتے ہیں مگر اہلِ زبان کے محاورہ کے مطابق گفتگو کی استعداد حاصل نہیں ہوتی۔ اسکے علاوہ کوئی بھی کرامت یا خرقِ عادت چیز انکو حاصل نہیں۔ اب وہ روح القدس جو ہر وقت انکے ساتھ ہے وہ کہاں گئی؟ ہوسکتا ہے کہ ہمارے زمانے کے مسیحی زعماء کی کرامات' خرقِ عادت چیزیں اور اخبار بالغیب یہ ہوں کہ پیٹ بھر کر کھانا' شراب پی کر مست ہوجانا' بوقتِ ضرورت بول وبراز کرنا' شراب کے نشہ میں زبان سے بے ہودہ گوئی کی جائے۔ مگر اسکا کیا کریں کہ یہ تمام چیزیں تعلیماتِ مسیح علیہ السلام سے بالکل متضاد ہیں۔ انکا ارشاد ہے "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو مجھ پر ایمان رکھتا ہے یہ کام جو میں کرتا ہوں وہ بھی کریگا بلکہ ان سے بھی بڑے کام کریگا" (یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۲) کیونکہ جناب مسیح علیہ السلام کے کام اس طرح کی خرافات نہ تھے بلکہ پیغمبرانہ معجزات تھے لہٰذا روح القدس کے فیضان کے باقی نہ رہنے اور خرقِ عادت چیزیں ظاہر نہ ہونے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان ہی نہیں رکھتے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جس طرح علماءِ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد محض حبِّ جاہ ومال کی وجہ سے آنجناب علیہ السلام پر ایمان لانے کی سعادت سے محروم رہے اور جان بوجھ کر حق سے نگاہیں پھیر لیں اسی طرح بعثتِ محمدی ﷺ کے بعد بھی ان لوگوں نے اور مسیح المذہب پادریوں نے بھی صرف حبِّ جاہ کی وجہ سے اور ان حقیر نذرانوں کی وجہ سے جو

اپنے اہلِ مذہب سے حاصل کرتے تھے اور کرتے ہیں سرورِ عالم ﷺ پر ایمان لانے سے محروم رہے اور محروم ہی رہیں گے۔ یہ لوگ دیدہ دانستہ حق سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور لوگوں کو گمراہ کرنے پر کمر بستہ رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سورۃ توبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

یاایھا الذین ان کثیراً من الاحبار والرھبان لیأکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل الله (سورۃ التوبہ آیت: ۳٤)

اے ایمان والو (اہلِ کتاب کے) بہت سے عالم اور مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور انکو راہِ خدا سے روکتے ہیں۔

چوتھی وجہ

حضرت مسیح علیہ السلام اسکے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ وہ میری گواہی دیگا تو یوم الدار کو روح نے آنجناب علیہ السلام کے متعلق کس کے سامنے گواہی دی؟ کیونکہ اس روز لوگ حضرت مسیح علیہ السلام سے پوری طرح واقف تھے اور کسی قسم کا کوئی شک نہیں رکھتے ہیں تو ان ماننے والوں کے سامنے گواہی دینے کا کیا فائدہ؟ گواہی تو انکار کرنے والوں اور عدمِ اعتقاد رکھنے والوں کے سامنے دینی چاہیئے پھر یہ ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے اسکی آواز بھی نہیں سنی۔

پانچویں وجہ

حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہوگا اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئیگا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا مخلوق کے درمیان ہونا انکی آمد کے منافی ہے حالانکہ عیسائی یوم الدار کو نازل ہونے والی روح کو ایک نامعلوم تعلق بنا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیساتھ متحد بالذات ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ لہٰذا حضرت مسیح علیہ السلام کا مخلوق کے درمیان ہونا بعینہٖ

اس روح کا موجود ہونا ہے پھر منافات کیسے ہوئی؟ اور اسکی آمد جناب مسیح علیہ السلام کے جانے پر کیسے موقوف ہوئی اور نیز اس لئے بھی کہ زمانہ سابق میں جب آپ علیہ السلام نے حواریوں کو مخلوق کی تعلیم کیلئے بھیجا تھا تو اُس وقت روح القدس سے مستفیض فرمایا تھا جیسا کہ متی باب ۱۰ میں تفصیلاً مذکور ہے۔

چھٹی وجہ

عربی بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فارقلیط دنیا کو ملامت کریگا۔ فارسی تراجم میں ہے کہ وہ جہان والوں کو الزام دیگا(۱) کہ اسکا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے منکرین پر بھی ظاہر ہوانکو ملامت وتوبیخ کرے اور الزام دے۔ ظاہر ہے کہ یوم الدار کو نازل ہونے والی روح نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لانے والوں پر کوئی توبیخ وملامت، الزام وتہدید نہیں کی بلکہ اس روح کے نزول سے قبل صرف چند لوگ جو ایمان لائے تھے انکے سوا کسی نے روح کی آواز بھی نہیں سنی۔ پس دیکھئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرنے والوں کو کہاں الزام دیا اور کس کو ملامت کی؟ صاحب دافع البہتان خلاصہ صولۃ الضیغم کے مصنف (۲) پر رد کرتے ہوئے اردو زبان میں لکھتے ہیں "ملامت کرنے کے الفاظ نہ تو انجیل میں موجود ہیں اور نہ ہی انجیل کے کسی ترجمہ میں ہیں بلکہ اسکو مدعی نے محض اس لئے بڑھا دیا کہ یہ بشارت محمد ﷺ پر

(۱) موجودہ اردو تراجم میں ہے "قصوروار ٹھہرائیگا" بحوالہ یوحنا باب ۱۶ آیت ۸۔

(۲) فاضل عباس علی جاجموی ہندی نے عیسائیوں کے رد میں ایک بڑی کتاب "صولۃ الضیغم علی اعداء ابن مریم" کے نام سے تصنیف کی تھی، پھر انہوں نے پادری ویٹ اور پادری ولیم سے شہر کانپور میں مناظرہ کیا جس میں دونوں پادریوں کو لاجواب اور قائل ہونا پڑا پھر اپنی کتاب کا خلاصہ بنام "خلاصہ صولۃ الضیغم" تصنیف کیا۔ یہ مناظرہ مصنفِ میزان الحق کے مناظرہ سے جو اکبرآباد میں ہوا تھا۔ بائیس قبل ہوا ہے۔ خلاصہ صولۃ الضیغم کا رد کرتے ہوئے پادری رانگلین نے "دافع البہتان" نامی کتاب لکھی۔

صادق آجائے کیونکہ محمد ﷺ نے ملامت اور دھمکی بہت دی ہے مگر اس قسم کا مغالطہ دینا اور دھوکہ وہی مومنین اور اللہ سے ڈرنے والوں کی شان سے بعید ہے" حقیقت یہ ہے کہ پادری صاحب کے اِس اعتراض کا منشاء یا تو ایمان داری اور خوفِ خدا نہ ہونے کی وجہ سے ہے یا جہالت کی وجہ سے ہے کیونکہ بائبل مترجمِ عربی میں صاف مذکور ہے "یوبخ العالم" اور فارسی ترجمہ میں لفظ "الزام دینے" کا لفظ موجود ہے۔

ساتویں وجہ

حضرت عیسی علیہ السلام نے فرمایا کہ "مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم برداشت نہیں کر سکتے جب وہ یعنی سچائی کا روح آئیگا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائیگا" اب اگر روح القدس مراد ہو تو یوم الدار کے فیضان کے وقت حضرت مسیح کے بیان فرمودہ احکام کے سوا اور کون سے بہت سے احکام ظاہر کیے ہیں۔

آٹھویں وجہ

چونکہ مسیحی حضرات یوم الدار کو نازل ہونے والی روح کو عینِ خدا سمجھتے ہیں تو حضرت عیسی علیہ السلام کا یہ قول اس پر کیسے صادق ہوگا کہ "وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا بلکہ جو کچھ سنے گا وہی کہے گا" کیونکہ خدا کس دوسرے کا محتاج ہے جو اپنی طرف سے نہ کہے بلکہ دوسرے سے سن کر کہے؟

اصلِ حقیقت

الغرض مذکورہ بالا وجوہ سے صاف ظاہر ہوگیا کہ فارقلیط کو یوم الدار کو فیضان کرنے والی روح قرار دینا کمالِ تعصب اور انتہائی ناانصافی ہے بلکہ حقیقتِ واقعہ یہ ہے کہ حضرت

مسیح علیہ السلام نے اپنے عروجِ آسمانی سے پہلے ہی اپنے حواریوں کو روح القدس یعنی فیضانِ الٰہی سے مستفیض کیا تھا جیسا کہ عنقریب معلوم ہو جائیگا نیز دوسری مرتبہ بھی آپ علیہ السلام نے انکے مستفیض ہونے کا وعدہ کیا تھا جسکا ذکر لوقا نے اعمال باب ا میں کیا اُسی وعدے کے مطابق یوم الدار کو نازل ہونے والی روح القدس جسکا فیض آتشی زبانوں کی صورت میں نازل ہوا تھا اس سے ملتِ مسیحی کے اِن بزرگوں نے قوت حاصل کی اسکے بعد یہ روح القدس کی معیت باقی نہ رہی مگر فیض کی تاثیر انکی زندگیوں میں باقی رہی جبکہ فارقلیط اور چیز ہے اور اسکا الگ سے ایک وعدہ ہے جسکا مصداق حضرت محمد ﷺ ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے پیغمبرانہ فراست سے یہ بھانپ لیا تھا کہ فارقلیط کی آمد کے وقت میری امت کی اکثریت گمراہی کی راہ اختیار کریگی اس وجہ سے انہوں نے انتہائی تاکید کیساتھ فرمایا ''اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے'' تاکہ اسکے بعد جو حکم دے رہے ہیں اسکا انتہائی اہم اور واجب العمل ہونا سمجھ لیں۔ اِس طرح یوحنا باب ۱۴ آیت ۲۹ کا ارشاد خالص تاکید پر مبنی ہے (۱) اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر فارقلیط سے مراد ''روح'' تھی تو اس جملے کی بالکل کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں آنجناب علیہ السلام کو کوئی اندیشہ نہ تھا کہ وہ اسکا انکار کرینگے (۲) الغرض انتہائی تاکیدی کلام کے بعد فارقلیط کے آنے کا وعدہ فرمایا اور فارقلیط کا لفظ اپنے تمام معانی کے اعتبار سے حضرت محمد ﷺ پر بہت بہتر طور پر صادق آتا ہے۔ بالخصوص ''برگزیدہ'' کے معنی کے اعتبار سے جو بعینہ لفظِ محمد ﷺ کے مترادف ہے۔ پس اس فارقلیط سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں اور مذکورہ اوصاف آپ ﷺ میں موجود ہیں کیونکہ جب وہ اللہ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف بھیجا ہوا ہونا، وکیل اور

---

(۱) یعنی ''اب میں نے تم سے اسکے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے تاکہ جب ہو جائے تو تم یقین کرو''

(۲) کیونکہ اس سے تو وہ پہلے بھی فیض یاب ہو چکے تھے۔

شفیع ہونا منصبِ رسالت کے بالکل مناسب ہے یہ اوصاف ان پر بخوبی صادق آتے ہیں۔ چونکہ انکی شریعت عام ہے اور نبوت عالمگیر ہے اس اعتبار سے انکی شریعت ابدی ہے اور یہی مطلب ہے حضرت مسیح علیہ السلام کے اس ارشاد کا کہ وہ ابد تک تمہارے ساتھ رہیگا۔ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی رسالت کی گواہی دی اور انکی عظمتِ شان کو خوب بیان کیا ہے بلکہ حضرت مریم علیہا السلام کی عفت و عصمت، پاکدامنی وطہارت کو بھی بدرجہ غایت بیان کیا ہے۔ قرآن کریم میں یہ دونوں مضمون بڑی خوبی کیساتھ جابجا موجود ہیں۔

دوسری بات یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا دنیا میں موجود رہنا حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے منافی ہے کیونکہ بیک وقت دو مستقل صاحبِ شریعت پیغمبر مبعوث نہیں ہوئے ہاں البتہ ایسا ہوا ہے کہ ایک نبی دوسرے نبی کی شریعت کے تابع ہو جیسے حضرت یوشع وہارون علیہما السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ تمام نبی ایک صاحبِ شریعت رسول کے تابع ہوں جیسے تمام انبیاءِ بنی اسرائیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے وہ سب شریعتِ موسوی کے احکام کی اتباع کرتے تھے اور ایک زمانے میں چار چار بلکہ اس سے بھی زائد ہوتے تھے۔ بہرحال اس صورت میں ایک نبی کا وجود دوسرے نبی کے بعثت کے منافی نہیں ہے ہاں البتہ دو نبی جو مستقل صاحبِ شریعتِ عامہ ہوں یا ایک صاحبِ شریعتِ عامہ اور دوسرا صاحبِ شریعتِ خاصہ ہو تو وہ ایک زمانہ میں جمع نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام فرمارہے ہیں کہ میرا جانا تمہارے لئے مفید ہے یعنی جو کچھ ہدایت رسانی اور تبلیغ احکام میں نصیحتِ دینی میرے متعلق تھی میں اسکی ذمہ داری سے فارغ ہو چکا اور دیگر احکام جنکی تبلیغ پر میں مامور نہیں انکی تبلیغ فارقلیط کریگا اور انکا مستقل نبی ہوکر آنا میرے ہوتے ہوئے نہیں ہوسکتا لہٰذا میرا جانا فائدہ مند ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے منکرین کو حضرت محمد ﷺ کا تنبیہ وملامت کرنا اور الزام دینا محتاجِ بیان نہیں اور زمانہ آخر میں انکے فرزندِ سعید خلف الرشید حضرت مہدی رضی اللہ عنہ جناب مسیح علیہ السلام کی رفاقت میں دجال لعین جسکو نصاری ابن الہلاک کہتے ہیں کیساتھ جنگی مہم میں شریک ہونگے اور دجال کے پیروکاروں کو قتل کرینگے اور قیدی بنائینگے جیسا اسکی تفصیلات کتبِ حدیث میں مشروح ہیں۔ پھر بہت سے وہ احکام جو عہدِ مسیح علیہ السلام میں نہ تھے اور بعثتِ محمدی ﷺ سے قبل ملتِ مسیحی ان احکام کی متحمل نہ ہوسکتی تھی جیسے جہاد وغیرہ جنابِ رسول اللہ ﷺ وہ احکام لائے۔ نبی ﷺ نے جن احکام کی تبلیغ فرمائی وہ سب من جانب اللہ تھے کہ وہ بذریعہ وحی اللہ تعالی سے سن کر ارشاد فرماتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وما ينطق عن الهوىٰ ان هو الا وحي يوحى (سورة النجم آيت: ۳، ۴

یاد رہے کہ اِن عبارات میں جو لفظ ''روحِ حق، روح القدس اور سچائی کی روح'' آیا ہے یہ آنحضرت ﷺ کے منافی نہیں جیسا کہ شبہ پنجم کے جواب میں آرہا ہے۔

اب اِس بشارت کے متعلق مسیحیوں کے چند شبہات کا جائزہ لیتے ہیں۔

شبہ اول

اِن عبارت میں حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ وہ تمہیں سب باتیں سکھائیگا تمہارے درمیان رہیگا، آئندہ کی خبریں دیگا اور ابد تک تمہارے ساتھ رہیگا۔ یہ سب خطاب حواریوں سے ہورہا ہے لہذا ضروری ہے کہ فارقلیط آ کر حواریوں کو نصیحت کرے انہیں آئندہ کی خبریں دے کیونکہ فارقلیط کی آمد کا مقصدِ وحید حواریوں کو نصیحت کرنا اور خبر دینا ہے۔ ظاہر ہے کہ محمد ﷺ حواریوں کے زمانہ میں نہیں آئے اس لئے اِس بشارت سے وہ کیونکر مراد ہوسکتے ہیں۔

جواب

اس شبہ کی بنیاد یہ ہے کہ خطاب کی صورت میں جو بات مذکور ہوتی ہے تو اس زمانے کے مخاطبین کیلئے اسکا ثابت ہونا ضروری ہے۔ یہ نہایت لچر اور بے حد کمزور ہے اور اس غلط بنیاد کے ابطال کے دلائل بائبل میں بکثرت موجود ہیں جیسا کہ ناظرین سے مخفی نہیں مثلاً جب کاہنوں کے سردار نے حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے بعد ان سے پوچھا کہ کیا تو خدا کا بیٹا مسیح ہے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا ''تو نے خود کہہ دیا ہے بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اسکے بعد تم ابنِ آدم کو قادرِ مطلق کی دہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے'' (متی باب ۲۶ آیت ۶۴) غور فرمایئے! حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ ارشاد کاہنوں کے سردار اور حاضرینِ مجلس سے ہے کہ تم اِس طرح دیکھو گے حالانکہ آج انکو مرے ہوئے اٹھارہ سو سال سے زائد عرصہ گذر چکا ہے اور انہوں نے نزولِ مسیح علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا اور ابھی تک حضرت مسیح علیہ السلام نازل بھی نہیں ہوئے آگے بھی دیکھا جائیگا کہ وہ کب نازل ہونگے۔ جس طرح ''تم'' کے مخاطب سے مراد وہ مخصوص لوگ نہیں ہیں اِسی طرح ہماری زیرِ بحث آیت میں مخصوص حواری مراد نہیں ہیں بلکہ جس طرح وہاں حضرت مسیح علیہ السلام کے مخاطب سے مراد وہ لوگ ہیں جو انکے نزول کے وقت موجود ہونگے اسی طرح یہاں بھی وہ لوگ مراد ہیں جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں موجود ہونگے۔

مسیحی دوستوں کا یہ کہنا کہ فارقلیط کی آمد کا مقصد حواریوں کو نصیحت کرنا اور آئندہ کی خبر دینا ہے یہ بھی صریحاً غلط ہے کیونکہ یہ تو وہ لوگ تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صحبتِ فیض اثر سے توحیدِ الٰہی، رسالتِ مسیح علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے اور ذات وصفاتِ الٰہی کی معرفت، احکامِ شریعت کا علم حاصل کر چکے تھے۔ امراض سے شفا بخشنے، بدروحوں کو نکالنے کی صلاحیت ایک عرصے سے انکو میسر تھی جیسا کہ متی باب ۱۰ میں تفصیلاً مذکور ہے۔ معلوم نہیں کہ فارقلیط

سے روح القدس مراد لینے کی صورت میں اسکے تا ابد ساتھ ہونے کے متعلق مسیحی حضرات کیا عذر بنائینگے؟ کیونکہ زمانہ حال کے پادری و بشپ کیساتھ تو شیطانی روح کے علاوہ کوئی ہم نشین نہیں ہے۔

شبہ دوم

حضرت مسیح علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائیگا، وہ میرا اجلال ظاہر کریگا اس لئے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دیگا۔ اب اگر اس فارقلیط موعود سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں تو اسکا تقاضا یہ ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بیان فرمودہ احکام ونصائح کے علاوہ کچھ نہ کہتے۔ حالانکہ اس طرح نہیں کیونکہ محمد ﷺ نے بہت سے دوسرے احکام بھی ظاہر کیے ہیں، آنجناب علیہ السلام کی الوہیت کا بھی انکار کر دیا ہے اور انکی تعظیم نہیں کی۔

جواب

یہ اعتراض پہلے اعتراض سے بھی زیادہ لغو ہے کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے خود فرمایا ہے کہ بہت سے احکام ہیں کہ فارقلیط آ کر انکی تبلیغ کریگا(۱) جیسا کہ معلوم ہو چکا اس لحاظ سے ضروری ہے کہ فارقلیط کی شریعت میں دوسرے احکام بھی ہوں ماقبل میں باب دوم کی فصل اول میں بخوبی معلوم ہو چکا ہے کہ آنجناب علیہ السلام اپنی دنیاوی زندگی میں صعود آسمانی سے قبل آخر وقت تک اپنے آپکو اللہ کا بندہ اور رسول کہتے رہے بلکہ اپنے آپکو نیکوکار کہلانے سے منع کر دیا چہ جائیکہ اپنے آپکو خدا کہلواتے اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اپنی رسالت

(۱) یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۲۔

پر اعتقاد کو نجاتِ ابدی کہتے تھے۔ حضرت محمد ﷺ اور اہلِ اسلام بھی یہی اعتقاد رکھتے ہیں اسی وجہ سے الوہیتِ مسیح علیہ السلام کے قائل کو کافر کہتے ہیں۔ رہا معترض کا یہ کہنا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم نہیں کی یہ بدترین بہتان اور سیاہ ترین جھوٹ ہے کیونکہ کلامِ مجید میں جابجا آنجناب علیہ السلام کی مدح و تعریف کی گئی ہے بلکہ انکی والدہ محترمہ کی عفت و عصمت، تقویٰ و طہارت کا تفصیل سے ذکر ہے۔

شبہ سوم

حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے اس قول کہ "میں اسے تمہارے پاس بھیجونگا" (۱) میں وہ بھیجنے کی نسبت اپنی طرف فرما رہے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ فارقلیط حضرت مسیح علیہ السلام کا رسول ہو اور رتبہ میں ان سے کم تر ہو جبکہ مسلمانوں کے نزدیک حضرت محمد ﷺ کو مسیح علیہ السلام پر فضیلت حاصل ہے تو فارقلیط سے محمد ﷺ کیونکر مراد ہو سکتے ہیں۔

جواب

یہ اعتراض بھی بے حقیقت ہے کیونکہ اگر بھیجا جانا کم مرتبہ ہونے کو مستلزم ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ روح القدس بھی حضرت مسیح علیہ السلام کا رسول اور کم مرتبہ ہو حالانکہ نصاریٰ کے عقیدے کے مطابق وہ اقنومِ ثالث ہے اور عینِ خدا ہے۔ پھر روح القدس کے رسولِ مسیح علیہ السلام اور کم تر از مسیح علیہ السلام ہونے کا اعتقاد رکھنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی انسانیت کا قول کیا جائے جیسا کہ نفس الامر میں حق بات یہی ہے اس صورت میں یہ اعتقاد کفر ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آنجناب علیہ السلام کی الوہیت کا قول کیا جائے جیسا کہ اکثر عیسائیوں کا عقیدہ ہے پھر روح القدس کے کم مرتبہ ہونے کا کیا

(۱) یوحنا باب ۱۵ آیت ۲۶۔

مطلب ہے؟ کیونکہ اگر تینوں کو مستقل علیحدہ علیحدہ خدا کہا جائے یا تینوں کو خدا کا جز کہا جائے اور بعض کی بعض پر فضیلت کا اعتقاد رکھا جائے تو یہ باتفاق فریقین کفر ہے لہٰذا بعض کی بعض پر فضیلت متصور نہیں ہو سکتی۔ علاوہ ازیں جب حضرت مسیح ؑ نے یہ بھی فرمایا ہے ''اور میں باپ سے درخواست کرونگا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا الخ'' لہٰذا انکے دوسرے قول میں کہ ''میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجونگا'' اس میں بھیجنے کی نسبت اپنی طرف کرنا مجازاً ہے(۱) اور حقیقتاً بھیجنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور حضرت مسیح ؑ تو سفیر محض اور درخواست ودعا کرنے والے ہیں اور معترض کی آنکھوں پر کیسی گمراہی کی پٹی بندھ گئی ہے کہ اس نے باب ۱۶ کی آیت ۷ سے بالکل آنکھیں بند کر لی ہیں تا کہ یہ معلوم کر سکے کہ حضرت مسیح ؑ فارقلیط کی آمد کو اپنے جانے پر معلق فرمارہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئیگا۔ یہ عبارت صاف دلالت کرتی ہے کہ آنے والا ان سے الگ ایک دوسری ہستی ہے(۲) جیسا کہ تفصیل سے معلوم ہو گیا۔

شبہ چہارم

فارقلیط کے حق میں حضرت مسیح ؑ نے اس طرح فرمایا ہے کہ اسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی اور نہ جانتی ہے تم اسے جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے اور تمہارے اندر ہوگا۔ اب اس وصف کا مصداق حضرت محمد ﷺ کیسے ہو سکتے ہیں کیونکہ ایک تو وہ عظیم بادشاہی رکھتے تھے، مشہور بین الانام تھے، سب لوگ انہیں دیکھتے اور جانتے تھے۔ ثانیاً یہ کہ جناب مسیح ؑ کے حوارین بارہ تھے لہٰذا ضروری ہے کہ حضرت محمد ﷺ بارہ روحوں کا مجموعہ ہوں تا کہ ہر ایک حواری کے اندر موجود ہوں اور اگر آپ ﷺ ایک روح ہوں

(۱) علاقہ مجاز ''دعا کرنا'' ہے کہ میں دعا کرونگا تو اسکے سبب سے باپ بھیجے گا۔

(۲) نہ انکا تابع اور رسول ہو۔

اور سب میں موجود ہوں تو آپکا خدا ہونا لازم آئیگا اور یہ بالاتفاق کفر ہے۔

جواب

حقیقت یہ ہے کہ اگر فارقلیط سے مراد روح القدس لیا جائے جو عینِ خدا ہے تو اس صورت میں بھی یہ دو استحالے لازم آتے ہیں بلکہ زیادہ

شدت کیساتھ لازم آتے ہیں کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ خدا کو سارا جہاں حضرت محمد ﷺ سے زیادہ جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی شہرت حضرت محمد ﷺ کی شہرت سے زائد تر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان وجگہ سے پاک ہے اسکی مخلوقات میں سے کوئی چیز اسکے لئے ظرف نہیں ہوسکتی جیسا کہ باب دوم کی فصل اول میں پولوس کے اقوال سے معلوم ہوا لہٰذا یہاں تاویل کی ضرورت ہوگی ورنہ جس طرح فارقلیط سے مراد حضرت محمد ﷺ لینا بظاہر درست نہیں بیٹھتا اِسی طرح روح القدس مراد لینا بھی ممکن نہیں۔ اگر تاویل کی راہ اختیار کی جائے تو لفظِ فارقلیط حضرت محمد ﷺ پر زیادہ بہتر طور پر صادق آتا ہے یہ مجاز حقیقتِ عرفی کے درجہ میں ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے کلام میں اسکی بہت مثالیں ملتی ہیں مثلاً متی باب ۱۱ آیت ۲۷ میں ہے ''اور کوئی بیٹے کو نہیں جانتا سوا باپ کے'' اسی طرح آنجناب علیہ السلام کا یہود کے متعلق ارشاد ہے ''اگر تم موسیٰ کا یقین کرتے تو میرا بھی یقین کرتے اس لئے کہ اس نے میرے حق میں لکھا ہے لیکن جب تم اسی کے نوشتوں کا یقین نہیں کرتے تو میری باتوں کا کیونکر یقین کروگے'' (یوحنا باب ۵ آیت ۴۶) اِسی طرح یوحنا باب ۸ آیت ۱۹ میں یہود سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے ''نہ تم مجھے جانتے ہو نہ میرے باپ کو اگر مجھے جانتے تو میرے باپ کو بھی جانتے'' اور اسی باب کی آیت ۵۵ میں ہے ''تم نے اسے نہیں جانا لیکن میں اسے جانتا ہوں'' اِسی طرح یوحنا باب ۱۷ آیت ۲۵ میں انکا ارشاد ہے ''اے عادل باپ!

دنیا نے تو مجھے نہیں جانا مگر میں نے تجھے جانا'' اِسی باب کی آیت ۱۴،۱۶ میں ہے ''جس طرح میں دنیا کا نہیں وہ بھی دنیا کے نہیں'' حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ یہود موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے ہیں اور آج تک اپنے آپکو امتِ موسوی کہلاتے ہیں انکے علماء توحید وذات وصفاتِ باری تعالیٰ اسی طرح دیگر اوامر ونواہی سے حسب بیان توریت وصحفِ سابقہ بخوبی واقف ہیں بلکہ جنابِ مسیح علیہ السلام خود لوگوں اور اپنے شاگردوں سے فرماتے تھے ''فقیہ اور فریسی موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں پس جو کچھ وہ تمہیں بتائیں وہ سب کرو اور مانو'' (متی باب ۲۳ آیت ۲) اِسی طرح اکثر اہلِ جہاں اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں اور آنجناب علیہ السلام اور انکے حواری اہلِ جہاں میں سے ہی تھے لیکن کسی ہستی پر کامل ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اسکی کامل اطاعت کی جائے اور خدا تعالیٰ کی کامل پہچان یہ ہے کہ اسکے احکام اور رسولوں کو پہچانے چونکہ یہود اور دوسرے اکثر لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو درحقیقت سچے رسول تھے ایمان نہ لائے تھے اور رسولِ خدا کو نہیں پہچانتے تھے گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی ایمان نہ لائے اور خدا کو بھی نہ پہچانا۔ اِسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انکے حواری دیگر لوگوں کی طرح اس حقیر دنیا کے طالب نہ تھے گویا وہ اس دنیا کے نہیں تھے۔ ٹھیک اِسی طرح زیرِ بحث آیت میں بھی انکے ارشاد ''دنیا اسے حاصل نہیں کرسکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے الخ'' کا مطلب یہ ہے کہ دنیا انکو قبول کرنے سے انکار کریگی کیونکہ وہ اپنے خیال میں انکو اس مرتبے کے لائق نہ سمجھے گی جیسا کہ مشرکینِ عرب کہا کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ کو اس یتیمِ ابو طالب کے سوا اور کوئی شخص رسول بنانے کیلئے نہیں ملا۔ اِسی طرح ابوجہل اور اسکے لوگوں کا کہنا تھا کہ ہم بنی عبدِ مناف کیساتھ ہر طرح کے شرف واعزاز میں برابر شریک ہیں لیکن اب وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے درمیان ایک پیغمبر ہے تو ہم راضی نہیں کہ وہ ہمارے اوپر وحی لائے۔ ولید بن مغیرہ نے آنحضرت ﷺ سے کہا اگر نبوت حق ہے تو میں اسکا زیادہ مستحق ہوں کیونکہ میں عمر میں، مال میں آپ سے

بڑھ کر ہوں۔ دوسری جانب مدینہ و خیبر کے یہود بھی آپ کو اولادِ اسماعیل علیہ السلام میں سے ہونے کی بنا پر حقیر خیال کرتے تھے بعض حسد کی وجہ سے اور بعض جہالت کی وجہ سے ان پر ایمان لانے کو عار سمجھتے تھے یہی حال دوسری قوموں کا تھا۔

یاد رہے کہ یہ الفاظ کہ ''دنیا نہ اسے دیکھتی ہے' نہ جانتی ہے تم اسے جانتے ہو وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے'' اگرچہ سب حال کے صیغے ہیں مگر مستقبل کے معنی میں ہیں کیونکہ اگر یہ زمانہ حال پر محمول ہوں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلام میں تضاد ولازم آیگا کیونکہ انکا ایک قول ہے ''اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار (فارقلیط) تمہارے پاس نہ آیگا'' اور دوسرا قول ہے کہ ''وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے'' اب قولِ اول صریح ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام جائینگے تو فارقلیط آیگا اور قولِ ثانی میں فارقلیط کا پہلے سے موجود ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مستقبل کے وقائع کو حال و قُرب سے تعبیر کرنا بلکہ بعض اوقات صیغہ ماضی سے تعبیر کرنا کتب سماویہ میں کثرت سے وارد ہے بالخصوص آنجناب علیہ السلام کے کلام میں تو انکی بہت مثالیں ہیں جیسا کہ باب دوم کی فصل دوم میں دلیل ششم کے ذیل میں تفصیلاً معلوم ہوا تاہم مزید چند مثالیں نذرِ قارئین ہیں۔

(۱) انجیل مترجمِ فارسی کے یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۹ میں اس طرح مرقوم ہے ''اندکی دیگر ہست کہ جہاں مرانمی بیند اما شمارا می بیند'' یعنی ''تھوڑ دیر باقی ہے کہ دنیا مجھے پھر نہیں دیکھتی ہے مگر تم مجھے دیکھتے ہو''

(۲) یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۳ میں ہے ''نزد پدر خود مے روم وشمارا دیگر نمی بیند'' یعنی ''میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے نہیں دیکھتے ہو''(۱)

(۱) موجودہ نسخوں میں یہ عبارت نہیں ہے۔

(۳) اسی باب ۱۶ کی آیت ۱۶ میں ہے ''اندک مدتی شمارانمی بیند باز اندک دیگر مراخواہید دید زیرا کہ نزد پدرے روم'' یعنی ''تھوڑی دیر میں تم مجھے نہیں دیکھتے ہو اور پھر تھوڑی دیر میں مجھے دیکھو لوگے اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں''(۱)

(۴) آیت ۱۷ میں ہے ''از آنجا کہ نزد پدرے روم'' یعنی ''اس لئے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں''

(۵) آیت ۱۹ میں ہے ''من گفتم اندکی دیگر شمارانمی بیندو باز اندک مراخواہید دید'' یعنی ''میں نے کہا تھوڑی دیر میں تم مجھے نہ دیکھتے ہو اور پھر تھوڑی دیر میں مجھے دیکھ لوگے''

اِن تمام عبارات میں صیغہ حال استعمال ہوا مگر مستقبل کے معنی میں ہوکر مطلب یہ ہے کہ تم مجھے نہیں دیکھوگے۔

شُبہ پنجم

یوحنا باب ۱۵ آیت ۲۶ میں جناب مسیح علیہ السلام نے خود فارقلیط کی وضاحت روح الحق (سچائی کی روح) کیساتھ کی اور باب ۱۴ آیت ۲۶ میں اسکی وضاحت روح القدس کیساتھ کی ہے۔اور روح القدس سے مراد اقنوم ثالث ہوتا ہے جو کہ عینِ خدا ہے۔اب اسکا مصداق حضرت محمد ﷺ کیسے ہو سکتے ہیں؟ وہ اپنے لچر اعتراضات میں سے اسکو سب سے بڑا اعترض سمجھتے ہیں۔

جواب

اگر اِن حضرات کا یہ دعویٰ ہے کہ روح القدس سے اقنومِ ثالث مراد ہونا قاعدہ کلیہ

(۱) موجودہ نسخوں میں عبارت کا آخری حصہ نہیں ہے۔

ہے اور ہر جگہ پر اقنومِ ثالث ہی مراد ہوتا ہے تو یہ بالکل غلط ہے اور اگر انکا یہ کہنا ہے کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ امرِ جزئی ہے یعنی بعض جگہ روح القدس بول کر اقنومِ ثالث مراد ہوتا ہے اور بعض جگہ ایسا نہیں تو ہم تسلیم کرتے ہیں مگر یہ صورت ہمارے مقصود کے منافی نہیں اور انکے مدعا کیلئے مفید نہیں۔ اگر آپ اس مسئلہ کی مکمل تحقیق چاہتے ہیں تو سنیئے!

لفظِ روح القدس، روحِ حق وغیرہ کی تحقیق

روح القدس، روحِ حق، روحِ خدا، سچائی کی روح، روح فم اللہ (روح دہنِ خدا) ان سب الفاظ کا مصداق و مفہوم ایک ہے اور کتبِ سماویہ میں ہر ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال ہوئے ہیں اور درست ہے مگر مسیحی علماء اپنے عوام کو دھوکہ دینے کیلئے اکثر رسائل میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مذکورہ الفاظ سے مراد صرف اقنومِ ثالث ہوتا ہے مثلاً پادری فنڈر اپنی کتاب حل الاشکال بجواب کشف الاستار میں لکھتے ہیں ''جس شخص کو بھی توریت وانجیل سے ذرا بھی مناسبت اور شعور ہوگا اسکو معلوم ہے کہ روح القدس، روح الحق اور روح فم اللہ وغیرہ یہ سب الفاظ روح اللہ کے معنی میں ہیں اس لئے میں نے اسکو ثابت کرنا ضروری نہیں سمجھا'' انتہیٰ میں کہتا ہوں کہ ان تمام الفاظ کا مصداق و مطلب تو ایک ہے لیکن اس بات کو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ ہر جگہ اس سے مراد خدا (اقنومِ ثالث) ہو اور پادری صاحبان کے اقوال کو تعصب پر محمول کرتے ہیں بلکہ میں بھی پادری موصوف ہی کا قول تھوڑے تغیر کیساتھ کہتا ہوں کہ جو شخص توریت وانجیل سے ذرا بھی مناسبت اور شعور رکھتا ہے اسکو معلوم ہے کہ الفاظِ مذکورہ بول کر ہر جگہ ذاتِ خدا مراد نہیں ہوتی اور مسیحیوں کا کُلّیت کا دعویٰ کرنا غلط ہے اس لئے اسکو ثابت کرنا ضروری نہیں مگر ہوسکتا ہے کہ کوئی میرے اس دعویٰ کو مسیحیوں کی طرح دعویٰ محض سمجھے اس لئے نمونہ کے طور پر چند شواہد نقل کرتا ہوں اور جو شخص مزید دلائل کا طالب ہو

اسے چاہیئے کہ عہد نامہ قدیم وجدید کا بنظرِ غائر مطالعہ کرے انشاء اللہ اسے بہت سے شواہد مل جائینگے۔

پہلا معنی

جاننا چاہیئے کہ کبھی کبھی لفظِ روح اور مذکورہ بالا الفاظ بول کر اس سے مراد وہ روح لی جاتی ہے جو جسم کیساتھ مخلوط ہوتی ہے اور اسکا بدن سے تعلق ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ایک قوم جسکی بوسیدہ ہڈیوں کو معجزۂ حزقی ایلؑ کی وجہ سے زندہ کیا تھا ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''روحِ خود را در شما خواہم نہاد تا زندہ شوید و شمارا در وطنِ مالوف ساکن خواہم گردانید الخ''(۱) (حزقی ایل باب ۳۷ آیت ۱۴) اردو بائبل میں اس طرح ہے ''اور جب میں اپنی روح تم میں رکھونگا اور تم جیو گے الخ''(۲) صاف ظاہر ہے کہ یہاں روح کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور اِس سے مراد وہی روح ہے جو بدنِ انسانی سے تعلق رکھتی ہے۔

دوسرا معنی

کبھی کبھی لفظِ روح نیک وپاک شخص کیلئے بھی آتا ہے چنانچہ یوحنا باب ۳ آیت ۶ فارسی بائبل میں اس طرح ہے ''آنچہ از جسم متولد شدہ جسم است وآنچہ از روح متولد شدہ روح است''(۳) ہندی (اردو) ترجمہ فارسی کے موافق ہے اور عربی ترجمہ میں اس طرح ہے:

ان المولود من الجسد جسدٌ والمولود من الروح روح۔

---

(۱) موجودہ فارسی نسخہ میں اس طرح ہے ''و روح خود را در شما خواہم نہاد تا زندہ شوید و شمارا در زمین خود تان مقیم خواہم ساخت''

(۲) موجودہ اردو ترجمہ کتاب مقدس میں اس طرح ہے ''اور میں اپنی روح تم میں ڈالونگا اور تم زندہ ہو جاؤ گے''

(۳) موجودہ فارسی بائبل میں اس طرح ہے ''آنچہ از جسم مولود شد جسم است وآنچہ از روح مولود گشت روح است''

تیسرا معنی

کبھی کبھی لفظِ روح واعظ اور پیغمبر کے معنی میں آتا ہے یہی وجہ ہے کہ لفظ روح اللہ روحِ حق وغیرہ پیغمبر صادق اور واعظ صادق کیلئے استعمال ہوا اور اسکے مقابلے لفظِ روح الضلالہ، روح گمراہی، روح بدوغیرہ فاسق، واعظِ بد اور پیغمبرِ کاذب کیلئے استعمال ہوا ہے چنانچہ یوحنا اپنے پہلے خط میں باب ۴ آیت ا میں بحوالہ بائبل مترجم فارسی لکھتا ہے ''ای محبوبان ہر روح را بیاز مائید کہ آیا از خدا است یا نہ چہ پیغمبران کاذب در دنیا پیدا شدہ اند ازیں جاے شناسیم روح خدا را کہ ہر روحی کہ اقرارے نماید کہ یسوع مسیح مجسم شدہ است از خدا است وہر روحی کہ اعتراف نہ نماید کہ یسوع مسیح تجسم یافتہ است از خدا نیست وہمیں است آنروح مخالف مسیح کہ شنیدہ اید وحی آید والحال در جہاں است وچو ما از خدا ئیم آنکس کہ بخدا عارف است از ما مے شنود وآنکس کہ نمی شنود از ما واز خدا نیست وبہ ہمیں روح راستی وروح گمراہی را تمیز میدہیم'' انتہٰی

بائبل مترجم عربی میں اس طرح ہے:

ایھا الاحباء لا تؤمنوا بکل روح بل جرّبوا الارواح ھل ھی من اللہ وذالک انّ کذبۃ الانبیاء قد ظھروا فی ھذا العالم وکثروا وبھذا یعرف روح اللہ ان کل روح یعترف ان یسوع المسیح قد جاء بالجسد فھو من اللہ وکل روح ینکر یسوع فلیس ھو من اللہ وھو المسیح الکذاب الذی سمعتم بانہ یاتی وھو آلآن فی العالم واما نحن فمن قبل اللہ ومن یعرف اللہ فانہ یسمع منا ومن لیس ھو من قبل

الله فليس يسمع لنا فبهذا نعرف روح الحق وروح الضلالہ۔

بائبل مترجم ہندی (اردو) میں ہے ''اے پیارو! تم ہر ایک واعظ پر اعتقاد نہ کرو بلکہ واعظوں کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں کہ نہیں کیونکہ بہت سے جھوٹے پیغمبر دنیا میں آئے ہیں۔ کون واعظ خدا ہے تم اسی سے جانو کہ ہر ایک واعظ جو اقرار کرتا ہے کہ یسوع مسیح جسم میں ظاہر ہوا خدا سے ہے اور ہر ایک واعظ جو اقرار نہیں کرتا کہ یسوع مسیح جسم میں آیا ہے خدا کی طرف سے نہیں۔ یہی مسیح کا دشمن ہے جسکی خبر تم نے سنی کہ آتا ہے اور وہ اب دنیا میں ہے ہم خدا کے ہیں جو خدا کو پہچانتا ہے ہماری سنتا ہے اور جو خدا کا نہیں ہماری نہیں سنتا ہم اسی سے سچے واعظ اور بہلانے والے واعظ کو جان لیتے ہیں''

ملاحظہ فرمایئے! کہ عربی وفارسی مترجمین نے پہلی آیت میں روح وارواح دوسری وتیسری آیت میں روحِ خدا' ہر روح' روح اللہ اور کل روح سے ترجمہ کیا ہے جبکہ ہندی مترجمین نے پہلی آیت میں واعظ اور واعظوں اور دوسری وتیسری آیت میں واعظِ خدا' ہر ایک واعظ سے ترجمہ کیا ہے۔ اسی طرح تیسری آیت میں فارسی مترجم نے روحِ مخالف ذکر کیا تو عربی مترجم نے اسی کا ترجمہ مسیحِ کذاب سے کیا اور اردو مترجم نے دشمنِ مسیح سے تعبیر کیا۔ اسی طرح چھٹی آیت میں فارسی وعربی مترجمین نے روح راستی' روح گمراہی' روح الحق اور روح الضلالہ کا لفظ استعمال کیا ہے ہندی مترجمین نے اسکو واعظِ صادق اور واعظِ غیر صادق سے تعبیر کیا ہے۔

مذکورہ بالا کلام سے صاف ظاہر ہوگیا کہ مطلق لفظِ روح کا اطلاق کبھی نیک وپاک آدمی پر ہوتا ہے اور کبھی مطلق واعظ پر ہوتا ہے خواہ صادق ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح لفظِ روح اللہ' روح الحق' روحِ خدا' روح راستی کا اطلاق واعظ وپیغمبر صادق پر آتا ہے جب مسیحی علماء کا

اعتراف ہے کہ روح اللہ، روح القدس، روح الحق وغیرہ جیسے الفاظ کا مصداق ایک ہے اسی طرح ان میں سے ایک کا دوسرے کی جگہ پر استعمال بھی صحیح ہے لہٰذا شخصِ مذکور (فارقلیط) پر لفظِ روح کا اطلاق بھی بلاریب صحیح ہے اور مسیحیوں کا کلیت کا دعویٰ بالکل غلط ہے۔

چوتھا معنیٰ

کبھی لفظِ روح اس نفسِ ناطقہ کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے جو کامل ادراک اور وافر روشنی رکھتی ہو، اچھی باتوں اور عجائبات کا مصدر ہو۔ اسکے مقابلے میں روحِ زنا، روحِ خواب آلودہ وغیرہ جیسے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق پیدائش ۴۱ آیت ۳۸ میں ہے ''فرعون بخادمان گفت آیا مثل ایں شخص بہم رسد کہ دروے روح خدا باشد'' ہندی ترجمہ اسکے موافق ہے(۱) اسی طرح حضرت دانیالؑ کے متعلق بادشاہ بابل کے کلام میں خطاب وغائب کے صیغے کیساتھ اس طرح مذکور ہے ''روح خدایان مقدس دروے است'' ''روح خدایان مقدس درتست'' عربی ترجمہ میں لفظِ خدا مفرد واقع ہے عبارت اس طرح ہے ''روح الله القدوس فيك'' اسی صحیفہ کے باب ۵ آیت ۱۱'۱۴ میں اس طرح ہے ''درو روح خدایان مقدس است...... روح خدایان درتست'' عربی ترجمہ میں یہاں بھی لفظ خدا مفرد واقع ہے۔ ان آیات کا ہندی ترجمہ فارسی کے موافق ہے۔ ہوسیع باب ۴ آیت ۱۲ میں بنی اسرائیل کی مذمت کرتے ہوئے آیا ہے ''روح زنا ایشاں را گمراہ کردہ است'' ہندی ترجمہ اسکے مطابق ہے اور عربی ترجمہ میں اس طرح ہے ''ضلوا بروح الزنا'' رومیوں کے نام خط باب ۱۱ آیت ۸ میں ہے ''خدا آنہا را روح خواب آلودہ دادہ است وچشمانِ نابینا وگوش ہا ناشنوا وچنیں است تا امروز'' یسعیاہ باب ۲۹ آیت ۱۰ میں ہے ''زیرا

(۱) موجودہ اردو ترجمہ بحوالہ کتابِ مقدس اس طرح ہے ''سو فرعون نے اپنے خادموں سے کہا کہ کیا ہم کو ایسا آدمی جیسا یہ ہے جس میں خدا کی روح ہے مل سکتا ہے؟''

کہ خداوند روح خواب گراں بر شمار یختہ است وچشم ہائے شمار ابستہ است‘‘(۱)

پانچواں معنی

کبھی لفظِ روح کا اطلاق اس ’’فیضان ورحمت‘‘ پر کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکے نیک بندوں پر نازل کیا جاتا ہے۔ یہی فیضان الہام کا ماخذ ہو جاتا ہے جیسا کہ لوقا باب ۱ آیت ۱۵ میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق مذکور ہے ’’اور وہ اپنی ماں کے پیٹ ہی سے روح القدس سے بھر جائیگا‘‘ اسی باب کی آیت ۴۱ میں ہے ’’الیشبع روح القدس سے بھر گئی‘‘ پھر آیت ۶۷ میں ہے ’’اور اسکا باپ زکریاہ روح القدس سے بھر گیا اور نبوت کی راہ سے کہنے لگا کہ‘‘ پھر آیت ۸۰ میں ہے ’’اور وہ لڑکا بڑھتا اور روح میں قوت پاتا گیا‘‘ خروج باب ۳۱ آیت ۱ میں ہے ’’پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا دیکھ میں نے بضلی ایل بن اوری بن حور کو یہوداہ کے قبیلہ میں سے نام لیکر بلایا ہے اور میں نے اسکو حکمت اور فہم اور علم اور ہر طرح کی صنعت میں روح اللہ سے معمور کیا ہے‘‘ خروج باب ۳۵ آیت ۳۰ میں ہے ’’اور موسیٰ نے بنی اسرائیل سے کہا دیکھو خداوند نے بضلی ایل بن اوری بن حور کو جو یہوداہ کے قبیلے میں سے ہے نام لیکر بلایا ہے اور اس نے اسے حکمت اور فہم اور دانش اور ہر طرح کی صنعت کیلئے روح اللہ سے معمور کیا ہے‘‘ گنتی باب ۱۱ آیت ۱۶، ۲۳ میں ہے ’’خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ بنی اسرائیل کے بزرگوں میں سے ستر مرد جن کو تو جانتا ہے کہ قوم کے بزرگ اور انکے سردار ہیں میرے حضور جمع کر اور انکو خیمہ اجتماع کے پاس لے آتا کہ وہ تیرے ساتھ وہاں کھڑے ہوں اور میں اتر کر تیرے ساتھ وہاں باتیں کرونگا اور میں اس روح میں سے جو تجھ میں ہے کچھ لیکر

(۱) اس آیت کی عبارت موجودہ تمام تراجم میں مختلف ہے مثلاً اردو ترجمہ میں اس طرح ہے ’’کیونکہ خداوند نے تم پر گہری نیند کی روح بھیجی ہے اور تمہاری آنکھوں یعنی نبیوں کو نابینا کر دیا اور تمہارے سروں یعنی غیب بینوں پر حجاب ڈال دیا‘‘

ان میں ڈال دونگا کہ وہ تیرے ساتھ قوم کا بوجھ اٹھائیں تا کہ تو اسے اکیلا نہ اٹھائے.........
تب موسیٰ نے باہر جا کر خداوند کی باتیں ان لوگوں کو کہہ سنائیں اور قوم کے بزرگوں میں سے ستر شخص اکٹھے کر کے انکو خیمہ کے گرداگرد کھڑا کر دیا تب خداوند ابر میں ہو کر اترا اور اس نے موسیٰ سے باتیں کیں اور اس روح میں سے جو اس میں تھی کچھ لیکر اسے ان ستر بزرگوں میں ڈالا چنانچہ جب روح ان میں آئی تو وہ نبوت کرنے لگے لیکن بعد میں پھر کبھی نہ کی پر ان میں سے دو شخص لشکر گاہ ہی میں رہ گئے ایک کا نام الداد اور دوسرے کا میداد تھا ان میں بھی روح آئی“

ان آیات میں روح القدس‘ روحِ خدا اور روح بمعنی فیضان ہے ورنہ ذاتِ احدیت جل جلالہ جو مکان و تجزیہ سے پاک ہے اسکے پُر ہونے‘ بھر جانے‘ کسی شے میں ٹھہر جانے یا لیکر دوسرے کو بخش دینے کا کوئی مطلب نہیں بلکہ اسکا اعتقاد کفر و گمراہی ہے اور توریت کا اردو ترجمہ تو ہمارے دعویٰ کو نہایت بلیغ طریقے سے ثابت کرتا ہے(۱) یہاں ان الفاظ کو اقنومِ ثالث عینِ خدا کے معنی میں لینا انصاف کا خون کرنا ہے۔ ہمارے قول کی تائید پطرس حواری کے اقوال سے بھی ہوتی ہے اعمال باب ۸ آیت ۱۸ میں ہے ”جب شمعون نے دیکھا کہ رسولوں کے ہاتھ رکھنے سے روح القدس دیا جاتا ہے تو انکے پاس روپے لا کر کہا کہ مجھے بھی یہ اختیار دو کہ جس پر میں ہاتھ رکھوں وہ روح القدس پائے پطرس نے اس سے کہا تیرے روپے تیرے ساتھ غارت ہوں اس لئے کہ تو نے خدا کی بخشش کو روپیوں سے حاصل کرنے کا خیال کیا“ عربی ترجمہ میں اس طرح ہے:

فقال له بطرس فضتك معك للهلاك من اجل انك ظننت ان هو موهبة الله تقتنى بفضة

(۱) مولانا کی عبارت فارسی تھی یہاں آخر میں اردو ترجمہ کا حوالہ دیا مگر ہم سابقاً اردو ترجمہ ہی نقل کر آئے ہیں اور وہ مدعا پر صریح ہے۔

اعمال باب ۱۱ آیت ۱۵ ؍ ۱۷ میں ہے ”جب میں کلام کرنے لگا تو روح القدس ان پر اس طرح نازل ہوا جس طرح شروع میں ہم پر نازل ہوا تھا........ پس جب خدا نے انکو بھی وہی نعمت دی جو ہم کو خداوند یسوع مسیح پر ایمان لا کر ملی تھی تو میں کون تھا کہ خدا کو روک سکتا؟ یہی آیت ۱۷ عربی بائبل مترجم میں اس طرح ہے:

فان كان الله كان اعطاهم مساواة الموهبة مثل ما لنا الخ

اعمال باب ۱۵ آیت ۸ میں ہے ”اور خدا نے جو دلوں کی جانتا ہے انکو بھی ہماری طرح روح القدس دیکر انکی گواہی دی“ عربی ترجمہ اس طرح ہے:

والله عالم القلوب شهد اذا اعطاهم روح القدس كمثل ما لنا۔

الحاصل پطرس حواری اِن اقوال میں روح القدس کو خدا کا انعام بتاتے ہیں نہ کہ عینِ خدا۔ ظاہر ہے کہ اِس طرح کا فیض اللہ تعالیٰ کا انعام، موہبت اور بخشش ہے۔ انعام دینے والے اور انعام میں تغایر کا ہونا انتہائی بدیہی امر ہے۔ روح القدس وغیرہ جیسے الفاظ کا استعمال اسی معنی میں عہدِ عتیق و جدید میں کثرت سے ہوا ہے بالخصوص ابواب ”اعمال“ میں یہی معنی بہت سی جگہوں پر مراد ہے بلکہ اعمال میں بہت کم ایسی جگہیں ہیں کہ یہ لفظ بول کر یہی معنی مراد نہ ہو جیسا کہ ناظرین پر مخفی نہیں ہے۔ یاد رہے کہ چوتھا معنی کے ذیل میں جو مثالیں آئی ہیں ان میں اگر یہی پانچواں معنی یعنی فیضان لیا جائے تو بھی صحیح ہے مگر چوتھا معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے۔

چھٹا معنی

کبھی لفظِ روح وغیرہ ذاتِ خدا کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے چنانچہ اعمال باب ۵ آیت ۳، ۴ میں ہے ”مگر پطرس نے کہا اے حننیاہ! کیوں شیطان نے تیرے دل میں

یہ بات ڈال دی کہ تو روح القدس سے جھوٹ بولے..............تو نے کیوں اپنے دل میں اس بات کا خیال باندھا؟ تو آدمیوں سے نہیں بلکہ خدا سے جھوٹ بولا'' دیکھئے! تیسری آیت میں جس ذات کو روح القدس سے تعبیر کیا چوتھی آیت میں اسی ذات کو خدا سے تعبیر کیا۔

جب یہ تفصیل آپ کو معلوم ہوگئی تو میں کہتا ہوں کہ لفظِ روح القدس' روح الحق وغیرہ متعدد معانی کیلئے آتے ہیں اور ان جیسے الفاظ کا اطلاق نیک و پارسا شخص' واعظِ صادق پر بھی درست طور پر ہوا ہے۔ اب کوئی متعصب و معاند شخص ہی کہہ سکتا ہے کہ اس لفظ کا اطلاق افضل المرسلین خاتم النبیین ﷺ پر بعید ہے۔ وباللہ التوفیق ومنہ الوصول الی التحقیق

تیئیسویں دلیل

مکاشفہ یوحنا باب ۲ آیت ۲۶ میں ہے ''جو غالب آئے اور جو میرے کاموں کے موافق آخر تک عمل کرے میں اسے قوموں پر اختیار دونگا اور وہ لوہے کے عصا سے ان پر حکومت کریگا جس طرح کہ کمہار کے برتن چکنا چور ہو جاتے ہیں (۱) چنانچہ میں نے بھی ایسا اختیار اپنے باپ سے پایا ہے اور میں اسے صبح کا ستارہ دونگا جسکے کان ہوں وہ سنے کہ روح کلیسیاؤں سے کیا فرماتا ہے''

تشریحِ عبارت

ان آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاف فرماتے ہیں کہ کامیاب و غالب کو میں قبائل پر اقتدار اور لوہے کا عصا دونگا کہ جس کے ذریعے سے وہ ان قبائل پر حکومت کریگا اور

---

(۱) اردو ترجمہ کلامِ مقدس میں اس طرح ہے ''اور وہ کمہار کے برتنوں کی مانند چکنا چور ہو جائینگے''

میں اسے صبح کا ستارہ دونگا۔ یہ بات ظاہر ہے کہ وہ غالب و کامیاب شخصیت حضرت عیسی علیہ السلام کے علاوہ ہیں۔ یوحنا نے اپنے خواب میں جو کچھ دیکھا ہے اسکا کامل ظہور ہونا چاہیئے۔ پس میں کہتا ہوں وہ کامیاب و غالب ہستی حضرت محمد ﷺ ہیں کیونکہ یوحنا کے بعد حضرت محمد ﷺ کے علاوہ کوئی صاحب السیف پیغمبر ایسا نہیں گذرا کہ جس نے مختلف اقوام پر غلبہ پایا ہو اور امتوں پر اپنے جلال و جمال کو ظاہر کیا ہو اور یہ اوصاف و علامات حضرت محمد ﷺ پر بخوبی صادق آتی ہیں کیونکہ وہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے مظفر و منصور ہوئے چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ الفتح میں

فرماتے ہیں انا فتحنا لك فتحاً مبیناً دوسری جگہ ارشاد ہے:

وینصرك الله نصراً عزیزاً۔ (سورۃ الفتح آیت:۱،۳)

اور صاحب السیف، صاحب القضیب، صاحب الہراوہ آپ ﷺ کے اسماء مبارکہ میں سے ہیں چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب مدارج النبوہ کے باب ے میں تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''صراح میں ہے کہ قضیب درخت کی شاخ کو کہتے ہیں اور ہراوہ لاٹھی و لکڑی کو کہتے ہیں'' سطیح کاہن نے آپ ﷺ ہی کے وجود منبع جود کو صاحب الہراوہ سے تعبیر کیا ہے۔ آپ ﷺ نے کفار و فجار کو کما حقہ تنبیہ کی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ توبہ میں فرماتے ہیں:

قاتلوھم یعذبھم الله بایدیکم ویخزھم وینصر کم علیھم

(سورۃ التوبہ آیت:۱٤)

''ان سے خوب لڑو خدا انکو تمہارے ہاتھوں سے عذاب میں ڈالیگا اور رسوا کریگا اور تم کو ان پر غلبہ دیگا'' اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو راہِ حق میں جان و مال لٹانے والے تھے اور کفار

سے کماحقہ قتال کرتے تھے اللہ تعالیٰ انکو ”اولئك حزب الله “فرماتے ہیں۔ مذکورہ آیات کے مطالب پر گذشتہ دلائل میں گفتگو ہو چکی۔ صبح کے ستارہ سے مراد قرآن کریم ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان پر نازل ہوا اور متعدد جگہ اپنے کلام پاک میں اسے نور سے تعبیر فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں:

وانزلنا الیکم نوراً مبینا (سورۃ النساء آیت:۱۷۴)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فامنوا بالله ورسوله والنور الذی انزلنا (سورۃ التغابن آیت:۸)

یا صبح کے ستارہ سے مراد حضرت مہدی ؓ ہیں جو آخر زمانہ میں کفر وشرک ظلمت وضلال کو صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالیں گے جیسا کہ ستارۂ سحر آخر شب میں ظاہر ہو کر اندھیرے کو بھگا دیتا ہے۔

ایک واقعہ

خلاصہ صولۃ الضیغم کے مصنف لکھتے ہیں کہ ”میں نے پادری ویٹ اور پادری ولیم سے کہا کہ یہ لوہے کے عصا والے اور جہاد کرنے والے حضرت محمد ﷺ ہیں یہ بات سنتے ہی دونوں پادری گھبرا گئے اور کہنے لگے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے یہ پیشگوئی تھواتیرہ کے کلیسیا کے سامنے کی ہے لہٰذا اس شخص کا ظہور تھواتیرہ میں ہونا چاہیئے حالانکہ حضرت محمد ﷺ کو وہاں جانے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا میں نے ان سے کہا کہ تھواتیرہ کہاں واقع ہے؟ انہوں نے کتابوں سے دیکھ کر کہا یہ مقام استنبول کے قریب روم کے علاقہ میں ہے میں نے ان سے کہا کہ صحابہ کرام ؓ میں سے حضرت عمر ؓ اور انکے ساتھیوں نے اِن تمام علاقوں کو فتح کیا ہے۔ ۲۱ھ میں روم کا مسیحی المذہب بادشاہ قسطنطنین جو تثلیث کے پجاریوں کا زبردست حامی تھا مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل ومغلوب ہو کر بالآخر قتل ہوا جیسا کہ تاریخ شاہد ہے۔ صحابہ

کرام ﷺ کے بعد بھی اس جگہ پر مسلمانوں کی حکومت رہی درمیان میں کچھ عرصے کیلئے مسیحیوں کا بیت المقدس پر قبضہ رہا پھر انہوں نے شکست کھائی اور چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ سلاطینِ عثمانیہ نے ان تمام علاقوں پر قبضہ کیا اور آج تک انہی کے زیرِ تصرف ہے۔ یہ پیشگوئی حضرت محمد ﷺ کے حق میں صریح ہے"

تنبیہ

ویٹ اور ولیم وہی دو پادری ہیں جنہوں نے لوگوں کے انتہائی اصرار و تحریض پر صولۃ الضیغم کے مصنف سے بالمشافہ گفتگو (مناظرہ) کی اور شکستِ فاش کھائی بالآخر انکے وہ ساتھی جو مسیحی ہوگئے تھے انہوں نے حقانیتِ اسلام کا یقین کیا اور مسلمان ہوگئے چنانچہ مصنفؒ نے اپنی کتاب کے آخر میں اس تمام تفصیل کو لکھا ہے۔ والحمد لله علی ذالك اور آیت ۲۹ میں آنحضرت ﷺ کے اتباع پر تحریض و تاکید ہے۔

تتمہ بحث

قارئین کرام ارشدکم اللہ! اگر آپ اس موضوع پر مزید دلائل کے خواہشمند ہوں تو "بروقِ لامعہ" ملاحظہ کریں اور فن کی دیگر کتابوں کی طرف رجوع کریں۔(۱) جو شخص بھی بشاراتِ محمدی ﷺ کا بشاراتِ مسیحی سے تقابل کریگا تو اس پر یہ حقیقت کھل جائیگی یہ آپ ﷺ کی بشارات بشاراتِ مسیحی سے زیادہ مضبوط ہیں۔ بعثتِ نبوی ﷺ سے قبل یہود و نصاری کے احبار و رھبان آنحضرت ﷺ کی بعثت کی خبر دیتے تھے اور اسکا اعتراف و اظہار کرتے تھے مگر انکی بعثت کے بعد یہود و نصاریٰ کے وہ خوش نصیب افراد جو سعادتِ ابدی سے بہرہ ور تھے اور انکے دل پر الحق احق بالاتباع کا نقش مرتسم تھا وہ مشرف بہ اسلام ہوگئے چنانچہ

(۱) بروقِ لامعہ تو مفقود ہے فن کی دیگر کتابوں کی طرف ہم نے کچھ اشارات کردیے ہیں۔

جب کفار نے صحابہ کرام ﷺ کو ایذاء پہچانے میں حد کر دی تو نبوت کے پانچویں سال صحابہ کرام ﷺ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان دنوں وہاں کا بادشاہ اصحمہ نامی مسیحی المذہب تھا۔ مسلمانوں نے وہاں پہنچ کر سکون کا سانس لیا تو کفارِ مکہ کو اس پر بڑا حسد ہوا۔ چنانچہ انہوں نے عمرو بن العاص کو تحائف وہدایا دیکر روانہ کیا۔ یہ لوگ بادشاہ کے دربار میں پہنچ کر سجدہ ریز ہوئے اور تحائف پیش کیے اور ان مسلمانوں کو دیارِ حبشہ سے نکالنے کی استدعا کی۔ اسلام اور مسلمانوں کی اسکے سامنے خوب برائی کی۔ بادشاہ نے سن کر کہا یہ مناسب نہیں کہ پناہ گیر لوگوں کو بلاثبوتِ جرم انکے دشمنوں کے حوالہ کر دیا جائے چنانچہ حکم دیا کہ مسلمانوں کو بلایا جائے نیز مسیحی علماء پادریوں اور درویشوں کو بھی جمع کیا۔ اہلِ اسلام بادشاہ کے دربار میں آئے مگر سجدہ نہ کیا بادشاہ کے مصاحبوں نے اسکی وجہ پوچھی تو مہاجرین میں سے حضرت جعفر بن ابی طالب ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے پیغمبر نے خدا کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنے سے منع کیا پھر دینِ اسلام کی تعلیمات ذکر فرمائیں جن کو سن کر بادشاہ کے دل میں اسلام کی محبت گھر کر گئی اور کہا کہ اُن پر جو کلام نازل ہوا ہے اس میں سے کچھ سناؤ۔ حضرت جعفر ﷺ نے سورۃ مریم پڑھی سن کر بادشاہ اور پادری وراہب رو پڑے اور کہا خدا کی قسم! یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا ایک ہی شمعدان سے نکلے ہوئے ہیں پھر بادشاہ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور وہی پیغمبر ہیں جنکے آنے کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے پھر بادشاہ کے ساتھ ہی اکثر اہلِ حبشہ اور پادری وراہب حضرات بھی مشرف بہ اسلام ہو گئے (۱) چنانچہ اللہ تعالیٰ اس واقعہ کے متعلق سورۃ المائدہ میں فرماتے ہیں:

---

(۱) سیرۃ المصطفیٰ مصنفہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، ج ۱ ص ۲۵۰۔

ولتجدن اقربھم مودۃ للذین آمنوا الذین قالو انا نصاری ذالك بان منھم قسسین ورھبانا وانھم لایستکبرون واذا سمعوا ما انزل الی الرسول ترٰی اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق یقولون ربنا آمنا فاکتبنا مع الشھدین۔

(سورۃ المائدہ آیت ۸۲،۸۳)

اے پیغمبر تم دیکھو گے کہ مؤمنوں کیساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں اور دوستی کے لحاظ سے مؤمنوں سے قریب تر اُن لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس لئے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی اور وہ تکبر نہیں کرتے اور جب اس (کتاب) کو سنتے ہیں جو پیغمبر پر نازل ہوئی تو تم دیکھتے ہو کہ انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے حق بات پہچان لی اور وہ دعا مانگتے ہیں اے پروردگار ہم ایمان لے آئے تو ہم کو ماننے والوں میں لکھ لے۔

پھر جس وقت حضرت جعفرؓ حبشہ سے واپس لوٹے تو حبشہ کے راہبوں اور پادریوں کے ستر نفوس پر مشتمل وفد آنخضرتﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپﷺ نے انکے سامنے سورۃ یٰس پڑھی وہ سن کر بہت روئے اور مسلمان ہو گئے۔ بعض مفسرین نے آیتِ مذکورہ کا مصداق اِن لوگوں کو قرار دیا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جارود مسیحی جو ایک پادری تھا آپﷺ کی صحبت میں آنے جانے کی وجہ سے مسلمان ہوا اور کہا "اس خدا کی قسم جس نے آپکو حق

کیساتھ بھیجا ہے میں نے آپکی بشارت کو انجیل میں پالیا ہے اور ابن بتول (حضرت مریم کے بیٹے عیسیٰؑ) نے تمہارے ہی متعلق بشارات دی ہیں۔ اسی طرح یہود کے وہ علماء وعوام جنکا نصیب نے ساتھ دیا وہ بھی سعادتِ ایمان سے بہرہ ور ہوئے مثلاً یہود کے اجل علماء حضرت عبداللہ بن سلام، کعب احبار، مخریق وغیرہم ﷺ جنکی تفصیل دلائلِ سابقہ میں گذر چکی اور انکے علاوہ بھی بہت سے علماء وعوام مشرف بہ سلام ہوئے چنانچہ اللہ تعالیٰ اہلِ کتاب میں سے رسولِ ختمی مرتبت ﷺ پر ایمان لانے والے انہی لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں:

فساکتبھا للذین یتقون ویؤتون الزکوۃ والذین ھم بایٰتنا یؤمنون الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التوراۃ والانجیل یامرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر ویحل لھم الطیّبٰت ویحرم علیھم الخبٰئث ویضع عنھم اصرھم والاغلل التی کانت علیھم

(سورۃ الاعراف آیت ۱۵۶، ۱۵۷)

میں اس رحمت کو ان لوگوں کیلئے لکھ دونگا جو پرہیزگاری کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں وہ جو (محمد رسول اللہ) کی جو نبی امی ہیں پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو انکے لئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو اُن پر تھے اتارتے ہیں۔

البتہ وہ یہودی وعیسائی جنہوں نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی وہ ایمان نہ لائے جیسا کہ اس قسم کے یہودی علماء وعوام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہدِ کرامت میں بھی اسی وجہ سے

ایمان نہ لائے تھے حالانکہ وہ انکو نبی برحق سمجھتے تھے جیسا کہ عبداللہ بن صوریا کا تذکرہ دلیلِ دوم کے ذیل میں ہو چکا۔ یہی حال نجران کے نصاریٰ کا ہے جب وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اعتراض کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اے محمد! آپ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بندہ کہہ کر گالی دیتے ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ کہنا گالی دینا ہے؟ نعوذ باللہ وہ لوگ انتہائی غضبناک ہو کر الجھنے لگے تو یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی:

فمن حاجك فيه من بعد ماجائك من العلم فقل تعالوا ندع ابنائنا وابنآئكم ونسآئنا ونسآئكم ثم نبتهل فنجعل لعنت الله على الكاذبين۔ (سورۃ ال عمران آیت ۶۲)

پھر اگر یہ لوگ عیسیٰ کے بارے میں تم سے جھگڑا کریں اور تم کو حقیقتِ حال تو معلوم ہو ہی چلی ہے تو اُن سے کہنا کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں اور تم خود بھی آؤ اور پھر دونوں فریق دعا والتجا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت بھیجیں۔

اِس آیت کے نزول کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس قدر میں دلائل پیش کرتا ہوں تم اسی قدر عناد و نزاع اختیار کرتے ہو اب آؤ مباہلہ سے فیصلہ کرتے ہیں کہ سچا جھوٹے سے ممتاز ہو جائے۔ انہوں نے کہا کہ مشورہ کے بعد ہم اسکا جواب دینگے۔ جب واپس ہوئے اور مشورہ کرنے لگے تو ان میں ایک سمجھدار آدمی نے کہا کہ خدا کی قسم تم انکے نبی ہونے کو جانتے ہو اور جس قوم نے بھی اپنے نبی کے ساتھ مباہلہ کیا ہلاک ہو گئی۔ اگر تم اپنے باپ دادا کی پیروی کو عزیز رکھتے ہو اور قبولِ اسلام سے کتراتے ہو تو ان سے رخصت لیکر اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ دوسرے دن آنجناب ﷺ نے حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو

اٹھایا' حضرت فاطمہؓ ساتھ تھیں حضرت علیؓ بھی پیچھے روانہ ہوگئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تم آمین کہنا۔ نجران کے یہ عیسائی اپنے مشورہ کے برعکس سامنے صف باندھ کر کھڑے ہوئے تو انکے سردار نے جب ان برگذیدہ ومقربانِ الٰہی کے چہروں کو دیکھا تو کہنے لگا اے دوستو! ان لوگون سے مباہلہ کرنے سے بچو خدا کی قسم میں ان کے چہروں کو دیکھتا ہوں خدا تعالیٰ چاہے تو پہاڑوں کو بھی انکے کہنے پر ہٹادے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ تم نے مباہلہ کیا تو ایک بھی عیسائی روئے ارض پر زندہ نہیں رہیگا پھر انہوں نے اس پر صلح کی کہ سالانہ دو ہزار حلہ ادا کرینگے' ایک ہزار صفر کے مہینہ میں اور ایک ہزار رجب میں اور تیس گھوڑے' تیس زرہیں' تیس اونٹ اور دیگر اسلحہ کی ہر چیز تیس کے عدد کیساتھ دینگے۔ ان شرائط پر صلح نامہ لکھ کر وہ اپنے گھروں کو لوٹے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ مباہلہ کرلیتے تو اللہ تعالیٰ انکے چہروں کو مسخ کردیتے ان پر آسمان سے آگ برستی اور تمام اہلِ نجران حتیٰ کہ گھروں کی چھتوں پر اڑنے والے پرندے تک ہلاک ہوجاتے۔ یہ واقعہ کھلی دلیل ہے کہ یہ نصاریٰ نبوتِ محمدی ﷺ کو حق جانتے تھے مگر آباؤ اجداد کی تقلید نے اسلام لانے سے روک دیا۔

مدینہ وخیبر کے یہود جب عرب بت پرستوں قبیلہ بنو عطفان بنو اسد وغیرہ سے جنگ کرتے اور شکست کھاتے تو لاچار اپنے علماء کی طرف رجوع کرتے اور انکے تعلیم دینے پر بوقتِ جنگ اس طرح فتح ونصرت کیلئے دعا مانگتے:

اللھم ربنا انا نسئلك بحق احمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجه لنا فی آخر الزمان وبکتابك الذی تنزل علیه آخر ما تنزل ان تنصرنا علی اعدائنا

اللہ تعالیٰ اس دعا کی برکت سے انکی نصرت فرماتے اسی کے متعلق سورۃ البقرہ میں

یوں خبر دی گئی ہے:

وکانوا من قبل یستفتحون علی الکفروا فلما جآئھم ماعرفوا کفروا بہ فلعنۃ اللہ علی الکافرین

اور پہلے کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے تو جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے جب انکے پاس آپہنچی تو اُس سے کافر ہو گئے پس کافروں پہ خدا کی لعنت۔

ابونعیم بیہقی' احمد وطبرانی نے سلمہ بن قیسؓ سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہمارا محلّہ جو محلّہ بنی عبدالاشہل کہلاتا ہے اس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ ایک دن وہ اپنے گھر سے نکل کر بنی عبدالاشہل کی اجتماع گاہ میں آیا اور بلند آواز سے کہا اے بت پرستو! کیا تم نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ ہم نے کہا تم بتاؤ کیا ہونے والا ہے اس نے کہا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر لوگ اپنے اعمال کی جزا پائیں گے۔ ہم نے کہا کہ کیا بعید از عقل بات کر رہے ہو! اس نے کہا خدا کی قسم اگر مجھے وہاں کی آگ کے بدلے اِس دنیا کے کسی تنور کی آگ میں ڈال دیا جائے اور اس آگ سے نجات دے دی جائے تو یہ میری تمنا کے عین مطابق ہے۔ ہم نے کہا اپنے دعویٰ کی صداقت پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ اس نے کہا یہی دلیل کافی ہے کہ مکہ و یمن کے قریب سے ایک پیغمبر یہاں پہنچے گا جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ تم پر ثابت کر دکھائیگا۔ ہم نے کہا وہ پیغمبر کب آئیگا؟ اس یہودی نے مجلس میں موجود دائیں بائیں لوگوں پر نظر ڈالی۔ چونکہ ان دنوں میں چھوٹی عمر کا تھا تو میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ اگر زندگی نے اِس لڑکے کا ساتھ دیا تو یہ اس پیغمبر کا زمانہ پائیگا۔ اس واقعہ کو زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ کے دعویٰ نبوت کی خبر پھیل گئی۔ پھر جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ہم نے انکی اتباع کی اور مسلمان ہو گئے

مگر وہ یہودی ایمان نہ لایا ہم اسے ملامت کرتے اور کہتے کہ تمہیں کیا ہو گیا حالانکہ تم نے اس طرح باتیں کی تھیں اب خود کفر پر اڑے ہوئے ہو؟ اس نے کہا ہاں مجھے سب یاد ہے لیکن یہ وہ پیغمبر نہیں جنکا میں نے ذکر کیا تھا۔

حضرت ابو سعید خدری حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں بنو عبد الاشہل کے ہاں گیا تا کہ انکے ہاں بیٹھوں اور بات چیت کروں یہ یہود اور ہمارے درمیان صلح کے دن تھے۔ وہاں میں نے دیکھا کہ یوشع یہودی بیٹھا لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ محمد نامی پیغمبر کے ظہور کا دور قریب ہے وہ حرم سے آئینگے اور یہ شہر انکی ہجرت گاہ ہوگا میں اس پر سخت متعجب ہو کر اپنی قوم کے پاس آیا اور اس واقعہ کا تذکرہ کیا تو ایک شخص نے کہا کہ یوشع یہودی اکیلا یہ بات نہیں کہتا بلکہ یثرب کے سارے یہودی یہ کہتے ہیں جب میں بنی قریضہ کے ہاں اسکی تحقیق کیلئے گیا تو سب نے اسکا اعتراف کیا اور یہود کے ایک سردار ''زبیر بن ماطا'' نے کہا سرخ ستارہ طلوع ہو چکا ہے اور کسی پیغمبر کی بعثت پر ہی طلوع ہوتا ہے اور سلسلہ انبیاء میں احمد ﷺ کے سوا کوئی پیغمبر نہیں رہا یہ شہر اسکی ہجرت گاہ بنے گا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ سے روایت ہے کہ میں مقوقس کے پاس آیا اس نے مجھ سے کہا کہ محمد ﷺ نبی و رسول ہیں اگر وہ قبطیوں یا رومیوں میں آئیں تو ضرور انہیں قبول کر کے اسلام لائینگے۔ اسکے بعد میں اسکندریہ میں ہی ٹھہر گیا اور ہر گرجا میں جاتا اور لاٹ پادری سے حضرت محمد ﷺ کی بشارت کا پوچھتا۔ وہاں ایک بزرگ ترین پادری تھا جسے عیسائی نہایت مقدس سمجھتے تھے۔ اپنے بچوں کو شفاء کی امید سے بغرض علاج اسکے پاس لاتے۔ میں اسکے پاس گیا اور اس سے کہا مجھے بتائیے کیا کوئی نبی باقی ہے جو ابھی تک ظاہر نہیں ہوا؟ اس نے کہا کہ ہاں ایک نبی باقی ہے کہ اسکے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور وہ نبی آخر الزمان ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیں تاکید کی ہے کہ ہم اسکی اتباع کریں

اور وہ نبی عربی و اُمی ہے جسکا نام احمد ﷺ ہے وہ نہ دراز ہیں اور نہ کوتاہ قد نہ انکی دو آنکھوں میں سرخی ہے' رنگ میں سفید ہونگے' بال مبارک گھنے ہونگے' موٹے کپڑے پہنیں گے' جو کھانا پینا میسر ہو اسی پر قناعت کرینگے' تلوار انکے کندھے پر ہے اور آنے والے مسائل پر کوئی ڈر نہیں رکھیں گے' اپنی وجہ سے کسی سے کوئی انتقام نہ لیں گے اور جو اپنے آپکو ان پر فدا کرینگے وہ اسکے ساتھی ہونگے اور اپنے باپ بیٹوں سے زیادہ اس سے پیار کرینگے اور ایک حرم سے باہر آکر دوسرے حرم میں ہجرت کرینگے' اسکی ہجرت گاہ شور یلی اور کھجوروں والی زمین ہوگی۔ اسی طرح دوسری صفات بھی بیان کیں مغیرہ نے اِن باتوں کو سن کر اپنے دل میں محفوظ کرلیا اور جب سفر سے واپس آئے تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر ایمان لے آئے اور لوگوں کے سامنے اِن تمام احوال کو ذکر کیا۔

حضرت سعید بن زید ؓ روایت کرتے ہیں کہ میرے والد زید بن عمرو بن نفیل تلاشِ دین میں باہر نکلے۔ موصل میں ایک راہب کے پاس پہنچے اس نے پوچھا کہاں سے آئے ہو انہوں نے کہا ابراہیم کے گھر سے۔ راہب نے پوچھا کیا چاہتے ہو انہوں نے کہا دین۔ راہب نے کہا واپس چلے جاؤ جو تم چاہتے ہو وہ عنقریب تمہاری سرزمین میں ظاہر ہوگا۔

حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ جب اہلِ مدینہ نے تبع کے بیٹے کو دھوکے سے قتل کرایا تو تبع مدینہ کو تباہ کرنے کے ارادے سے آپہنچا مگر یہود کے بڑے بڑے علماء جمع ہوکر اسکے پاس گئے اور کہا کہ آپ یہ جرأت نہ کریں کیونکہ یہ شہر پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی جائے ہجرت ہے اور انکے متعلق اپنی کتب سے بشارات دکھائیں۔ اس نے سن کر اپنا اردہ موقوف کردیا اور آپ ﷺ کے نام ایک خط تحریر کیا اس میں اپنے ایمان لانے کی شھادت ثبت کی اور ''یثامول'' جو اس وقت کا سب سے بڑا یہودی عالم تھا اسکے سپرد کیا اور وصیت کی

کہ آنحضرت ﷺ کا زمانہ پائے تو یہ خط ان تک پہنچائے ورنہ اسی طرح اپنی اولاد کو وصیت کر دے پھر اسی کی نسل سے اکیسویں پشت میں حضرت ابو ایوب انصاری ؓ ہوئے جنہوں نے یہ خط آنحضرت ﷺ کی خدمتِ عالیہ میں پیش کیا اور ایمان لائے۔

حضرت طلحہ بن عبداللہ ؓ سے مروی ہے کہ میں ایک مرتبہ بصریٰ گیا اور وہاں ایک راہب کو دیکھا کہ جو اپنے صومعہ میں حاضرین سے پوچھ رہا تھا کہ تم میں سے کوئی مکہ کا رہنے والا ہے؟ میں نے کہا میں ہوں اس نے پوچھا آیا مکہ میں ''احمد'' ظاہر ہو گیا ہے؟ احمد کون ہے؟ اس نے کہا ابن عبدالمطلب اور انکے مبعوث ہونے کے دن یہی ہیں اور وہ آخری نبی ہیں حرم انکے نکلنے کی جگہ ہے اور پتھریلی کھجوروں والی یثرب کی زمین انکی ہجرت گاہ ہے اسکی بات میرے دل میں گھر کر گئی جب میں واپس مکہ آیا تو میں نے پوچھا کہ کوئی نیا واقعہ ہوا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ محمد ابن عبداللہ امین نے دعویٰ نبوت کیا ہے اور ابن ابی قحافہ اس پر ایمان لا چکا ہے چنانچہ میں حضرت ابوبکر ؓ کے پاس گیا اور راہب کی بات انکو بتائی اور ان سے پوچھا کہ کیا آپ ان پر ایمان لا چکے ہیں انہوں نے کہا ہاں۔ تو میں حضرت ابوبکر ؓ کیساتھ سرورِ کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مشرف بایمان ہو گیا۔

حضرت جبیر بن مطعم ؓ سے مروی ہے جب آپ ﷺ کی دعوت مکہ کے اطراف میں پھیل گئی ان دنوں میں شام کے سفر پر تھا جب ''بصریٰ'' مقام پر پہنچا تو نصاریٰ کی ایک جماعت نے میری وضع قطع سے پہچان کر پوچھا کہ کیا آپ مکہ کے رہنے والے ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ انہوں نے پوچھا ان بزرگ کی صورت کو جانتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور گرجے میں لے گئے جہاں بہت مورتیاں اور تصاویر رکھی ہوئی تھیں اور پوچھا ان میں کوئی انکی شکل کی ہے میں نے کہا نہیں وہ اس سے بڑے گرجا گھر میں مجھے لے گئے وہاں بھی اسی طرح تصاویر وتماثیل بہت بڑی تعداد میں تھیں پھر وہی سوال دہرایا

میں نے دیکھا تو اچانک ایک صورت نظر آئی جو آپ ﷺ کی صورت پر تھی اور ایک صورت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نظر آئی جو انکے زانو پکڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پہچان لیا میں نے کہا ہاں مگر میں نے ان پر ظاہر نہیں کیا کہ کون سے ہیں تا کہ میں وہ دیکھوں کہ وہ لوگ خود سے پہچانتے ہیں یا نہیں پھر انہوں نے آنحضرت ﷺ کی صورت نشان زد کی تو میں نے کہا ہاں یقیناً یہی ہیں۔ انہوں نے سوال کیا اس شخص کو جانتے ہو جو انکا زانو پکڑے ہوئے ہیں میں نے کہا ہاں۔ انہوں نے کہا یہ انکے دوست اور انکے بعد ہونے والے خلیفہ ہیں۔ میں نے کہا کہ قریش انکو قتل کر دیں گے انہوں نے کہا واللہ ہر گز نہیں کر سکیں گے اللہ کی قسم یہ تو نبی آخر الزمان ہیں اور اللہ تعالیٰ انکو سب پر غالب کر دیگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مکہ کے قریب ایک جگہ جسے وادی فاطمہ کہتے ہیں وہاں عیص نام کا ایک شامی راہب قیام پذیر تھا وہ کہتا تھا کہ اے اہلِ عرب عنقریب تم میں ایک لڑکا پیدا ہوگا عرب و عجم اسکی اطاعت کریں گے پھر مکہ میں جس بچے کا تولد ہوتا تو اسکے احوال دریافت کرتا۔ پھر جب آپ ﷺ کی ولادت با کرامت ہوئی تو آپ ﷺ کے جد امجد عبدالمطلب نے اس بارے میں اسکو خبر دی اس نے کہا یہی وہ بچہ ہے جسکا میں ذکر کرتا تھا۔ نام کیا رکھا ہے؟ عبدالمطلب نے کہا ''محمد'' اس نے کہا واللہ میں نے تین علامات کے تحقق کیساتھ اسے پہچان لیا۔ ا۔ اسی شب میں سرخ ستارے کا طلوع ہونا۔ ۲۔ پیر کے روز ولادت ہونا۔ ۳۔ انکا اسم گرامی محمد ہونا۔

ابونعیم نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت سات یا آٹھ سال کا بچہ تھا اور آج بھی وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ میں نے دیکھا کہ ایک یہودی چیخ رہا تھا اس کی قوم نے اس سے پوچھا کیوں چلا رہے ہو؟ اس نے کہا احمد کا ستارہ طلوع ہوا اور وہ پیدا ہو چکے۔

یہ بھی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ بارہ سال کے تھے کہ اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ ملکِ شام کے سفر پر تشریف لے گئے۔ جب بصرہ پہنچے تو وہاں ایک صومعہ (چرچ) میں بحیرا راہب رہتا تھا جس کا اصل نام ''جرجیس'' تھا وہ اپنے زمانہ میں ورع وتقویٰ زہد و پرہیزگاری میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ وہ ایک مدت سے وہاں پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی بعثت کے انتظار میں اپنی زندگی کے دن گذار رہا تھا۔ جب قریش کا کوئی قافلہ وہاں آتا تو اپنے چرچ سے باہر آتا اور آخری نبی ﷺ کی جو علامات اسے معلوم تھیں انکی حامل شخصیت کو تلاش کرتا اور نہ پانے کی صورت میں اپنے گرجا واپس لوٹ جاتا۔ جس بار آنحضرت ﷺ قافلہ قریش کے ہمراہ گئے تو یہ راہب باہر آیا اور دیکھا کہ بادل کا ایک ٹکڑا اُن پر سایہ فگن ہو کر انکے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ جب قافلہ گرجا کے قریب پہنچا تو یہی پڑاؤ کی جگہ ٹھہری۔ ابو طالب آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے بیٹھے تو بادل کا ٹکڑا اس درخت پر آ گیا۔ بحیرا اس صورتِ حال پر بہت متعجب ہوا اور پورے قافلے کی چرچ میں ضیافت کی۔ ابو طالب نے آنحضرت ﷺ کو بغرضِ حفاظت اسی جگہ درخت کے نیچے چھوڑ دیا۔ بحیرا نے جب دیکھا کہ بادل کا ٹکڑا اسی درخت پر رکا ہوا ہے تو اس نے کہا اے قافلہ والو! آپ میں سے جو صاحب یہاں تشریف نہیں لاتے اور اپنی جاءِ نزول پر ٹھہرے ہوئے ہیں انہیں بھی بلا لو اور حفاظت کے حوالے سے کوئی ڈر نہ رکھو چنانچہ آنحضرت ﷺ کو بھی بلا لیا۔ آنحضرت ﷺ کے آتے ہی وہ بادل کا ٹکڑا بھی آنحضرت ﷺ کے سر مبارک پر سایہ کرتے ہوئے چلتا آیا جب آپ ﷺ پہاڑ کی گھاٹی سے باہر آئے تو ہر شجر و حجر سے آواز آئی۔ السلام علیک یا رسول اللہ بحیرا نے جب یہ آواز سنی اور غور کیا تو آنحضرت ﷺ کے کندھوں کے درمیان اسی کیفیت کیساتھ مہر نبوت کو دیکھا جو اس نے سابقہ آسمانی کتب میں پڑھ رکھی تھی۔ اس نے مہر نبوت کو چوما اور ایمان لے آیا۔ بحیرا اُن چند نفوس میں سے ہیں جو آنحضرت ﷺ پر دعویٰ

نبوت سے قبل ایمان لائے۔ اسی سفر میں روم کے سات آدمی نبی ﷺ کو شہید کرنے کی غرض سے آئے۔ نعوذ باللہ بحیرا نے بڑے واضح دلائل کیساتھ انہیں بتایا وہ آخر الزمان پیغمبر جنکی آمد کا وعدہ کیا گیا تھا وہ یہی ہستی ہیں اور انکو اِس برے ارادہ سے روکا اور کہا کہ یہ وہ ہستی ہے جنکے ذکرِ خیر کو تم نے توریت انجیل و زبور میں پڑھا ہے۔ نیز کہا کہ جس چیز کا خدا تعالیٰ ارادہ فرمائے پھر اسے تبدیل کرنے والا کون ہے؟ پھر ابو طالب کو وصیت کی کہ نبی ﷺ کی خوب حفاظت رکھیں اور انہیں اپنے ہمراہ شام نہ لے جائیں کیونکہ تمام یہود اِنکے سخت دشمن ہیں۔ چنانچہ ابو طالب نے اپنا تمام سامانِ تجارت بصریٰ ہی میں فروخت کیا اور مکہ واپس چلے آئے۔ اِسی طرح جب آنحضرت ﷺ پچیس برس کی عمر میں دوسری مرتبہ بغرضِ تجارت شام تشریف لے گئے اور اِس سفر میں بصریٰ بھی پہنچے تو اِن دنوں وہاں نسطورا راہب کا کلیسا تھا۔ آنحضرت ﷺ وہاں ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے وہ درخت بالکل خشک تھا مگر آپ ﷺ کے وہاں تشریف فرما ہونے کی برکت ہوئی کہ درخت سر سبز و پھلدار ہوگیا اور اسکے ارد گرد بھی سبزہ ہوگیا۔ نسطورا نے جب یہ منظر دیکھا تو آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور کہا میں آپکو لات وعزیٰ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ اپنا نام بتاؤ۔ آپ ﷺ اِس قسم کو سن کر غضبناک ہوئے اور فرمایا ثکلتك امك (تجھے تیری ماں کھودے) مجھ سے دور ہو جاؤ۔ نسطورا نے اپنے ہاتھ میں موجود صحیفہ میں نگاہ کی اور کہا کہ اس خدا کی قسم جس نے انجیل کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا یہ وہی نبی موعود ہیں۔

حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد میں تجارت کے ارادہ سے شام گیا۔ ان دنوں ہرقل بیت المقدس آیا ہوا تھا اور اسکے پاس نبی پاک ﷺ کا مکتوب گرامی پہنچ چکا تھا۔ ہرقل نے خط پڑھا اور ہمیں اپنے دربار میں طلب کیا۔ ہم چند لوگ دربار میں چلے گئے۔ ترجمان نے اسکے اشارے کے مطابق ہم سے پوچھا۔ تم میں سے انکا زیادہ قریبی

رشتہ دار ہے؟ میں نے کہا میں ہوں کیونکہ میں اسکا چچازاد بھائی ہوں۔ اس نے مجھے اپنے سامنے آگے بٹھایا اور باقی سب کو پیچھے بٹھا دیا تا کہ اگر میں غلط کہوں تو وہ میری تردید کر دیں اسکے بعد ہرقل نے مجھ سے دس سوالات کیے۔

(۱) تمہارے درمیان انکا نسب کیسا ہے؟ میں نے کہا وہ بڑے شریف النسب ہیں۔

(۲) کیا ان سے پہلے کسی نے اس طرح کا دعویٰ کیا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔

(۳) کیا انکے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ بھی ہوا؟ میں نے کہا نہیں۔

(۴) کیا انکے معتقدین اور پیروکار دن بدن بڑھتے جارہے ہیں یا نہیں؟ میں نے کہا بڑھتے جارہے ہیں۔

(۵) کیا انکے معتقدین میں سے کسی نے مرتد ہو کر اس دین کو چھوڑا بھی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔

(۶) وہ عہد شکنی بھی کرتے ہیں یا نہیں؟ میں نے کہا نہیں۔

(۷) کیا تم لوگوں نے انکو دعویٰ نبوت سے پہلے کبھی جھوٹ بولتے پایا ہے؟ میں نے کہا نہیں واللہ! انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

(۸) تمہارے اور انکے درمیان کبھی کوئی معاہدہ طے ہوا ہے؟ میں نے کہا آج کل ہمارے اور انکے درمیان ایک معاہدہ صلح طے پایا ہے معلوم نہیں وہ اسکو نبھاتے ہیں یا نہیں۔

(۹) کبھی تمہاری ان سے لڑائی بھی ہوئی ہے میں نے کہا ہاں اس نے کہا کیسی رہی؟ میں نے کہا کبھی وہ غالب آئے جیسا کہ بدر میں ہوا اور کبھی ہم غالب ہوئے جیسا کہ احد میں ہوا۔

(۱۰) وہ تم کو کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟ میں نے کہا وہ یہ کہتے ہیں کہ خدائے واحد کی عبادت کرو، اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، رسوم جاہلیت چھوڑ دو

اسی طرح نماز و زکوٰۃ، پاکدامنی و صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔

آخر میں ہرقل نے کہا میں نے تم سے انکے نسب کے متعلق پوچھا تو تم نے کہا کہ عالی نسب ہیں۔ بے شک انبیاء و رسل ایسے ہی ہوتے ہیں۔ میں نے تم سے پوچھا کہ ان سے پہلے انکی

قوم میں سے کسی نے دعوی نبوت تو نہیں کیا تم نے کہا نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ انکی پیروی میں یہ دعوی کیا ہے۔ میں نے پوچھا کہ انکے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ ہوا ہے تم نے کہا نہیں۔ اگر اس طرح ہوتا تو میں سمجھتا یہ اپنے باپ دادا کا گیا ہوا ملک حاصل کرنا چاہتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ انکے متبعین میں سے کسی نے انکے دین سے بیزاری ظاہر کی ہے تم نے کہا کہ نہیں۔ بے شک ایمان کا یہی حال ہے کہ جو شخص اسکی حلاوت پالیتا ہے پھر اسی طرح ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ انکے پیروکار بڑھتے جارہے ہیں یا نہیں تم نے کہا بڑھ رہے ہیں۔ ایمان کا معاملہ اسی طرح ہوتا ہے یہاں تک کہ حدِ کمال کو پہنچ جائے۔ میں نے پوچھا کہ کبھی اُس پر دروغ گوئی کا الزام آیا ہے تم نے کہا کہ نہیں۔ پس یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ مخلوق کیساتھ سچ کے سوا کچھ نہ بولیں اور خدا پر جھوٹ طوفان باندھ دیں۔ میں نے پوچھا کہ انہوں نے بدعہدی کی ہے یا نہیں تم نے کہا نہیں۔ بے شک پیغمبروں کی یہی شان ہوتی ہے۔ میں نے پوچھا کہ تمہارے اور انکے درمیان لڑائی کی کیا صورت رہی تم نے کہا کہ کبھی وہ غالب ہوئے ہیں اور کبھی ہم۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا یہی معاملہ ہوتا ہے لیکن انجام کار غلبہ اور فتح انہیں کو ہوتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ وہ کس چیز کا حکم دیتے ہیں تم نے کہا کہ خدا تعالیٰ کی عبادت، شرک سے برأت، نماز وصدقہ، صلہ رحمی وغیرہ کا حکم کرتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں جو تم نے بیان کی ہیں یہ سب انبیاء کرام علیہم السلام کی صفات ہیں۔ اگر یہ چیزیں جو تم نے بیان کی ہیں درست ہیں تو قریب ہے کہ وہ اس ملک کے مالک ہوجائیں۔ مجھ کو معلوم تھا کہ یہ نبی ظاہر ہونے والے ہیں لیکن یہ گمان نہ تھا کہ تم میں سے ظاہر ہونگے۔ اگر مجھ سے ہوسکا کہ انکی خدمت میں پہنچ جاؤں تو ضرور حاضر ہونگا۔ اسی طرح دیگر احبار ورھبان اور عیسائی علماء کے واقعات بھی ہیں مگر ہم نے طوالت کے ڈر سے اسی پر اکتفاء کیا ہے۔

خاتمۃ الکتاب

اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ ۱۲۶۷ھ کو بندہ سراپا گناہ امیدوار مغفرت منان رحمۃ اللہ بن خلیل الرحمٰن غفر لہما اللہ الحنان وادخلہما دار الجنان ان چند اوراق کے لکھنے سے فارغ ہوا اور اس نسخہ کی ترتیب وتالیف مکمل ہوئی۔ یہ نسخہ سائل کے اس کشکول کی طرح ہے جسے گداگری کر کے ایسے

مختلف ٹکڑوں سے بھر دیا ہے جو مسیحی علماء کے شبہات واستدلال کی بھوک کے مٹانے کیلئے کافی ہو سکے۔ یہ بندۂ عاجز تو ایک گوشہ نشین گمنام شخص ہے حقیقت یہ ہے کہ نہ تو وہ علماء وفضلاء کے زمرہ میں شمار ہوتا ہے اور نہ ہی ان چند اوراق کے لکھنے پر نام وجاہ کا طالب ہے نہ اس بارے میں اسے انفرادیت ویکتائی کا دعویٰ ہے بلکہ اسکا حال یہ ہے کہ تمام علوم میں اپنی ہیچ مدانی ونارسائی کا اعتراف کرتا ہے لہٰذا علماءِ اہلِ اسلام اور فضلاءِ کرام سے درخواست ہے کہ اس شخص کی لغزشوں اور کوتاہیوں کو ہدف طعن نہ بنایا جائے جسے خود اپنی کج فہمی کوتاہ فکری کا اعتراف ہے بلکہ عذرِ مسطور کی بنا پر چشم پوشی کی جائے اور نیک دعاؤں میں ہمیشہ یاد فرمایا جائے۔(۱)

چند ضروری گذارشات

آخر میں تمام مسیحی حضرات بالخصوص عیسائی علماء اور پادری صاحبان کی خدمت میں یہ ضروری گذارشات کی جاتی ہیں۔

(۱) جانتے بوجھتے چشمِ انصاف بند نہیں کرنی چاہیئے کہ اسکا نتیجہ آخرت کے دائمی خسران کے علاوہ کچھ نہیں اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا عقلمندوں کا شیوہ نہیں۔مزید یہ کہ حضرت خیر البشر ﷺ کے زمانہ کے یہود کے متعلق سورۃ الصف میں مذکور ارشادِ باری تعالیٰ خوب یاد رکھنا چاہیئے:

یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون

”وہ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ کی پھونکوں سے خدا تعالیٰ کے نور کو بجھا دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے اگرچہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔پس اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد واللہ متم نورہ الخ کو خوب ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

(۲) وہ پانچ باتیں جنکا مقدمہ کتاب میں ذکر ہوا ہے پوری کتاب کے مطالعہ میں ان امور کو ملحوظ رکھا جائے اور وہ تمام اعتراضات جنکے جوابات عرض کیے گئے ہیں ان پر ناحق لب کشائی

---

(۱) یہ مصنفؒ کی انتہائی تواضع ہے ورنہ اپنے موضوع پر اُنکو جو علمی وتحقیقی شان حاصل ہے وہ روزِ روشن کی طرح واضح ہے عالمِ اسلام نے ہمیشہ اُنکی خدمات کا اعتراف کیا ہے اور عالمِ کفر نے بھی اُنکی عظمت کا لوہا مانا ہے۔باکمال لوگوں کی صفت یہی ہوتی ہے کہ وہ عجز ونیاز تواضع وانکسار کا پیکر ہوتے ہیں بقولِ شاعر

؎ فروتنی است دلیلِ رسیدگانِ کمال کہ چوں سوار بمنزل رسد پیادہ شود

نہ کی جائے اگر کوئی شخص اس کتاب کا رد لکھنا چاہے تو بہت خوب۔ مگر اسے چاہیئے کہ اہل اسلام کی طرح رد لکھتے ہوئے اس کتاب کی پوری پوری عبارت ابواب وفصول کی صورت میں نقل کرے اور پھر اس پر اپنی جرح وقدح لکھے تا کہ ناظرین کو طرفین کی پوری بات سے واقفیت ہو جائے۔ بسا اوقات اس طرح ہوتا ہے کہ قاری کو کتاب کا رد دستیاب ہو جاتا ہے اور اصل متن ہاتھ نہیں آتا جب اسے اصل بات پر پوری اطلاع نہ ہوگی تو یقیناً شبہات باقی رہ جائینگے۔ وجہ یہ ہے کہ ناقد ومعترض نے بعض جملے لیے ہونگے اور بعض چھوڑ دیے ہونگے حالانکہ اسی چھوڑی ہوئی عبارت میں جواب موجود ہوتا ہے۔ یہ اندیشہ نہ کیا جائے کہ اس طرح پوری پوری عبارت کو نقل کرنے سے جواب طویل ہو جائیگا کیونکہ ساری کتاب کا رد لکھنا ضروری نہیں بلکہ جن مباحث کو اہم سمجھا جائے انکا جواب تحریر کر دیا جائے۔

(۳) کتاب میں جہاں جہاں کتب عہد عتیق وجدید کی عبارات بطور الزام لکھی گئی ہیں وہ عبارات اپنے ظاہری مفہوم کے اعتبار سے ہمارے مدعا پر بخوبی دلالت کرتی ہیں۔ مجیب کو چاہیئے کہ ایسے مواقع پر توضیح عبارت میں ایسی معقول توجیہ فرمائیں کہ ہمارا استدلال باقی نہ رہے اور جواب میں یہ نہ ارشاد فرمایا جائے کہ ان کتب کی تفاسیر کو دیکھا جائے کیونکہ پہلی بات یہ ہے کہ اس ملک کے باشندوں کو ان تفاسیر کی زبان سے واقفیت بہت ہی کم ہے اور انکے تراجم بھی نہیں ہوئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بالفرض اگر زبان سے واقفیت ہو بھی جائے تو بھی ان کتابوں کا ہر شخص کو ملنا دشوار ہے۔ علاوہ ازیں اصول مناظرہ کے لحاظ سے بھی یہ بات بہت بعید ہے۔ لہٰذا اگر جواب میں یہی ارشاد فرمایا تو یقیناً تحریر جواب سے عاجز ہونے پر محمول کیا جائیگا۔

(۴) اگر کوئی شخص کتاب کے باب چہارم کا رد لکھنا چاہے تو اسکا فرض ہے کہ اولاً باب سوم کا جواب لکھے جو درحقیقت باب چہارم کا مقدمہ ہے۔ اسی طرح دیگر ابواب میں بھی مقدمہ اور اس جیسے اہم امور کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ الغرض ان چار بنیادی باتوں کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے۔ واللہ یهدیکم الی صراط مستقیم۔

آخر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں بکمالِ عجز وانکساری دعا ہے کہ اس کتاب کو عوام وخواص کے ہاں مقبول بنائے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے طفیل تا حیات صراط مستقیم اور اپنے

پسندیدہ طریقہ پر قائم رکھے۔ اس عاصی پُر معاصی کا خاتمہ ایمان پر کرے اور اس جہان سے حالتِ ایمان پر اٹھائے اور دارین کی ذلت و رسوائی سے محفوظ رکھے۔ اللھم انی اعوذبك من ضیق الدنیا وضیق یوم القیامه آمین آمین آمین (۱)

ابو محمد اسماعیل عارفی غفرلہٗ

---

(۱) مترجم و محشی کتاب اور اُسکے جملہ معاونین کی بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور انتہائی عجز و انکسار کیساتھ یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنکی اس حقیر کاوش کو قبول فرمائے اور مصنفؒ کی دیگر کتب کی طرح اس ہدیہ سنیّہ کو جو اردو کے پیراہن میں تحقیق و تحشیہ کیساتھ جلوہ گر ہے عوام و خواص کے ہاں مقبولِ عام، اکسیر ہدایت بنائے۔ خدا کرے کہ یہ ناچیز کوشش دلوں کے غبار چھٹنے، دماغوں کے پردے کھلنے، تعصب کے اندھیرے ہٹنے کا ذریعہ بن جائے اور بھٹکے ہوئے قافلوں کی فلاح و صلاح کا سامان ہو جنہیں جادۂ منزل کی تلاش ہے اور وہ حق واضح ہو جانے کے بعد اُسکے قبول کرنے میں کوئی ڈر نہیں رکھتے۔ ہم ناچیز بندے بارگاہِ اَحدیت جل جلالہ میں درخواست گذار ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہی اللہ ہمارا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تُو اَحد ہے تیری ذات میں کسی قسم کے تعدد و تکثر کی گنجائش نہیں، تُو صمد ہے تمام خوبیوں کا مالک تمام عیبوں سے پاک، اپنی ذات و صفات میں کامل و بے مثال ہے، نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا، کوئی اُسکا ہمسر نہیں، کوئی اُسکا مقابل و مشابہ نہیں۔ یا اللہ ہمیں اپنے معصوم سفراء کرام، انبیاءِ عظام کے مبارک نقوش قدم پہ چلنے کی توفیق مرحمت فرما، اپنے حبیب سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی اتباع نصیب فرما۔ اے ہمارے ربِّ کریم ہمیں محض اپنے فضل و کرم سے سعادت کی زندگی عطا فرمایئے، شہادت کی موت عطا فرمایئے، ایمان پہ خاتمہ فرمایئے، دارین کی ذلت و خسران سے بچایئے اور مرتے دم تک اپنے دینِ متین کی خدمت کیلئے موفق فرمائے رکھیئے۔ آمین آمین آمین

؎ روزِ قیامت ہر کسے باخویش دارد نامہ — من نیز حاضر می شوم ایں کتاب در بغل

تمام اہلِ اسلام کی خدمت میں جو اس کتاب سے استفادہ کریں یا جن کے مطالعہ میں یہ کتاب آئے نہایت ہی لجاجت اور منت کیساتھ درخواست ہے کہ وہ ناچیز کیلئے حُسنِ خاتمہ اور فلاحِ دارین کی دعا فرمائیں اور اگر یہ کتاب اُنکے ہاتھوں میں ناچیز کے مرنے کے بعد پہنچے تو قبر اور آخرت کی مشکلات کی آسانی اور اُنکی کٹھن منزلوں سے پار ہو کر جنت میں دخولِ اوّلی اور حصولِ رضاءِ مولا کیلئے دعا فرمائیں۔ کیا عجب ہے کہ کسی صاحبِ دل کی دعا ہی نجات کا ذریعہ بن جائے۔ ایسے ہی میرے تمام وہ احباب جنہوں نے اس علمی و دعوتی کام میں میری کسی طرح بھی مدد کی ہے اُنکی طرف سے بھی ناظرین کی خدمت میں یہی درخواست ہے۔

؎ حرفے چند تکلف برطرف — گر قبول افتد زہے عز و شرف

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین و من تبعہم باحسان الیٰ یوم الدین آمین

مصادر و مراجع

عربی کتابیات

١۔ القرآن الکریم
٢۔ الاسلام والنصرانیه، الشیخ محمد عبده، مصر، مطبع محمد علی صبیح، ١٩٥٤
٣۔ المسیحیة نشأتها وتطورها، الشیخ عبدالحلیم محمود، قاهره، دار المعارف، ١٩٨٥
٤۔ الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح، الامام تقی الدین احمد ابن تیمیه، بیروت، المکتبة العلمیه، ٢٠٠٣
٥۔ الجامع الصحیح، الامام محمد بن اسماعیل البخاری، کراتشی، قدیمی کتب خانه
٦۔ اظهار الحق، الشیخ مولانا رحمت الله الکیرانوی الهندی، ریاض، ادارة البحوث العلمیه
٧۔ المناظرة الکبری، الدکتور عبدالقادر خلیل، المکة المکرمه، مطابع الصفا، ١٩٩٠
٨۔ بین الاسلام والمسیحیه، ابوعبیده الخزرجی، قاهره، مکتبه وهبه، ١٩٧٦
٩۔ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم، الامام محمود الآلوسی البغدادی، کوئٹه، مکتبه رشیدیه
١٠۔ التفسیر المنیر فی العقیده والشریعه والمنهج، الاستاذ الدکتور وهبه الزحیلی، کوئٹه، مکتبه رشیدیه
١١۔ حجة الله البالغه، الامام قطب الدین احمد المعروف بولی الله الدهلوی، کراتشی، قدیمی کتب خانه
١٢۔ ریاض الصالحین، الامام یحییٰ بن شرف النووی، کراتشی، قدیمی کتب خانه، ١٩٨٩
١٣۔ سنن النسائی، الامام احمد بن شعیب بن علی النسائی، کراتشی، قدیمی کتب خانه
١٤۔ شرح العقائد النسفیه، سعد الدین التفتازانی، کراتشی، قدیمی کتب خانه
١٥۔ عقیدة الصلب والفداء، رشید رضا المصری، مصر، مطبع المنار، ١٩٣٢
١٦۔ مشکلات القرآن، الشیخ انور شاه الکشمیری، ملتان، اداره تالیفات اشرفیه
١٧۔ مشکوة المصابیح، الامام ولی الدین محمد بن عبدالله، کراتشی، قدیمی کتب خانه
١٨۔ هدایة الحیاریٰ فی اجوبة الیهود والنصاریٰ، الامام محمد بن ابی بکر ابن قیم،

بیروت، دار الکتب العلمیہ

اردو کتابیات

۱۹۔ ازالۃ الشکوک، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مدراس، مطبع مجیدیہ، ۱۹۰۴ء

۲۰۔ اعجاز عیسوی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۸ء

۲۱۔ ایک مجاہد معمار، مولانا محمد سلیم، مکہ مکرمہ، مدرسہ صولتیہ، ۱۹۵۲ء

۲۲۔ انکار حدیث کے نتائج، مولانا سرفراز خان صفدر، گوجرانوالہ، مکتبہ صفدریہ، ۲۰۰۱ء

۲۳۔ آبائے کلیسیا، فیروز خان تارڈ، لاہور، پنجاب ریلیجیس بک سوسائٹی

۲۴۔ آخری نبی اور تورات موسوی، مولانا بشیر احمد حسینی، کراچی، مکتبہ بنوریہ، ۱۹۸۶ء

۲۵۔ بائبل سے قرآن تک، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، کراچی، مکتبہ دار العلوم، ۲۰۰۲ء

۲۶۔ بائبل قرآن اور سائنس، موریس بکائے، کراچی، ادارۃ القرآن ۱۹۹۹ء

۲۷۔ بائبل کا تحقیقی جائزہ، بشیر احمد، راولپنڈی، اسلامک سٹڈی فورم، ۲۰۰۳ء

۲۸۔ بشارت عیسیٰ، مولانا بشیر احمد حسینی، شورکوٹ، اسلامی کتب خانہ، ۱۹۸۶ء

۲۹۔ تفسیر ماجدی، مولانا عبد الماجد دریابادی، کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۹۸ء

۳۰۔ تفسیر حقانی، مولانا ابو محمد عبد الحق حقانی دہلوی، کراچی، میر محمد کتب خانہ

۳۱۔ تفسیر عثمانی، مولانا شبیر احمد عثمانی، لاہور، مکتبہ سید احمد شہید

۳۲۔ تفسیر ثنائی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، لاہور، مکتبہ قدوسیہ، ۲۰۰۲ء

۳۳۔ تفسیر الکتاب، ولیم میکڈونلڈ، لاہور، مسیحی اشاعت خانہ، ۲۰۰۲ء

۳۴۔ تفسیر الکتاب، میتھیو ہینری، لاہور، چرچ فاؤنڈیشن سیمنارز، ۲۰۰۵ء

۳۵۔ تفسیر الکفارہ، رابرٹ ایچ۔ کلیئر، لاہور، مسیحی اشاعت خانہ، ۲۰۰۱ء

۳۶۔ ترجمان السنہ، مولانا بدر عالم، لاہور، ادارہ اسلامیات

۳۷۔ تحریفِ بائبل بزبان بائبل، مولانا عبد اللطیف مسعود، ملتان، مجلس تحفظ ختم نبوت، ۲۰۰۴ء

۳۸۔ تحریف کے مجرم، حافظ اقبال رنگونی، مانچسٹر، ادارۃ الہلال، ۱۹۸۶ء

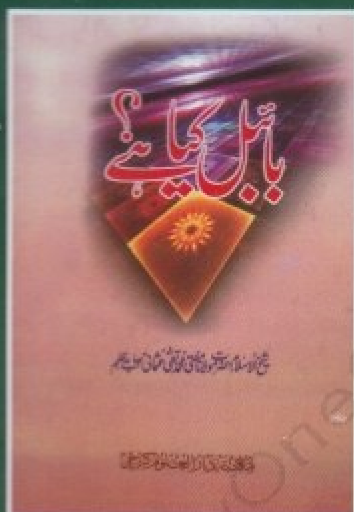
۳۹۔ تطہیر بائبل، اعجاز چوہدری، لاہور، فیتھ پبلشرز

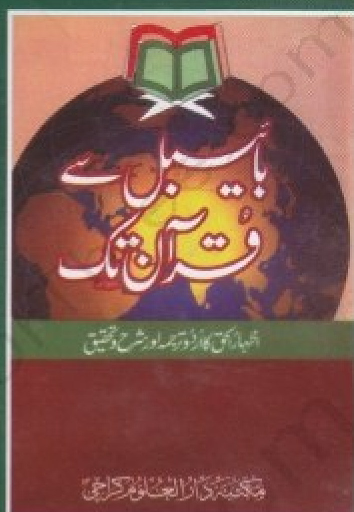
۴۰۔تاریخ کلیسا، جان ۔سی دوائیا، کراچی، کیتھیڈکل سوسائٹی، ۱۹۹۷ء
۴۱۔تاریخ کلیسائے پاکستان، ایس ۔کے ۔داس، حیدرآباد، بشپ ہاؤس، ۲۰۰۱ء
۴۲۔تاریخ اصلاحِ کلیسیا، پادری خورشید عالم، اسلام آباد، کرسچن بک سروس، ۲۰۰۴ء
۴۳۔ترجمہ انجیل برنباس، مولانا محمد حلیم انصاری، کراچی، ادارہ اسلامیات، ۲۰۰۳ء
۴۴۔ترجمہ تالمود، اسٹیفین بشیر، گوجرانوالہ، مکتبہ عناویم، ۲۰۰۳ء
۴۵۔خطباتِ شیخ احمد دیدات، شیخ احمد حسن دیدات، لاہور، جہانگیر بک ڈپو
۴۶۔رحمۃ للعالمین، مولانا سلیمان سلمان منصور پوری، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۸۸ء
۴۷۔روح القدس روحِ حق، پادری برکت ۔اے ۔خان، سیالکوٹ، زمزمہ پرنٹنگ پریس، ۱۹۸۶ء
۴۸۔سیرۃ المصطفیٰ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، دہلی، فرید انٹر پرائزرز، ۲۰۰۱ء
۴۹۔سیرۃ النبیؐ، مولانا شبلی نعمانی وسید سلیمان ندوی، لاہور، الفیصل ناشران
۵۰۔شہادۃ القرآن، مولانا ابراہیم سیالکوٹی، لاہور، نعمانی کتب خانہ، ۲۰۰۱ء
۵۱۔صرف ایک اسلام بجواب دو اسلام، مولانا محمد سرفراز خان صفدر، گوجرانوالہ، مکتبہ صفدریہ، ۲۰۰۲ء
۵۲۔عیسائیت کیا ہے؟ مولانا محمد تقی عثمانی، کراچی، مکتبہ دارالعلوم، ۲۰۰۲ء
۵۳۔عیسائیت کے تعاقب میں، متین خالد، لاہور، علم و عرفان پبلشرز، ۲۰۰۳ء
۵۴۔علاماتِ قیامت اور نزولِ مسیح، مولانا مفتی محمد شفیع، کراچی، مکتبہ دارالعلوم، ۱۹۹۹ء
۵۵۔عہدِ عتیق کا تاریخی سفر، سموئیل جے ۔شلٹز، لاہور، مسیحی اشاعت خانہ، ۲۰۰۵ء
۵۶۔عیسائیت (تجزیہ و مطالعہ) پروفیسر ساجد میر، لاہور، دارالسلام
۵۷۔فیروز اللغات، مولوی فیروز الدین، لاہور، فیروز سنز، ۲۰۰۵ء
۵۸۔قرآن کریم کے لازوال معجزے، اسلم رانا، لاہور، اسلامی مشن سنت نگر
۵۹۔قاموس الکتاب، ایف ۔ایس ۔خیر اللہ، لاہور، مسیحی اشاعت خانہ، ۲۰۰۱ء
۶۰۔قصص القرآن، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، کراچی، دارالاشاعت
۶۱۔قومِ یہود اور ہم، مولانا عبدالکریم پاریکھ، کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۹۸ء
۶۲۔کتابِ مقدس (اردو بائبل) مصنفین، لاہور، پاکستان بائبل سوسائٹی

۶۳۔ کلام مقدس (اردو بائبل) مصنفین، لاہور، ابلاغیات مقدس پولوس، ۱۹۸۵ء
۶۴۔ کلید الکتاب، مصنفین، لاہور، مسیحی اشاعت خانہ، ۱۹۹۸ء
۶۵۔ کتابت حدیث، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی، کراچی، ادارۃ المعارف، ۱۹۹۷ء
۶۶۔ لغات الکتاب، یونس عامر، لاہور، مسیحی اشاعت خانہ، ۲۰۰۳ء
۶۷۔ مسیحیت، متولی یوسف جلبی، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۶ء
۶۸۔ مسلمانوں کا عروج وزوال، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۳ء
۶۹۔ مظاہر حق، مولانا نواب محمد قطب الدین، لاہور، المصباح
۷۰۔ محاضرات قرآنی، ڈاکٹر محمود احمد غازی، لاہور، الفیصل ناشران، ۲۰۰۴ء
۷۱۔ مشکلات القرآن، مولانا انور گنگوہی، ملتان، ادارہ تالیفات اشرفیہ
۷۲۔ معارف الحدیث، مولانا محمد منظور نعمانی، کراچی، دارالاشاعت، ۲۰۰۵ء
۷۳۔ نزول عیسیٰ علیہ السلام، مولانا بدر عالم مہاجر مدنی، ملتان، مجلس تحفظ ختم نبوت، ۲۰۰۱ء
۷۴۔ نوید جاوید، مولانا سید ناصر الدین منصور، کراچی، میر محمد کتب خانہ
۷۵۔ ہماری کتب مقدسہ، جی۔ ٹی۔ مینلی، لاہور، مسیحی اشاعت خانہ، ۱۹۹۸ء
۷۶۔ ہلاک کرنے والی بدعتیں، پادری جوزف دیوان، کراچی، یونیک پرنٹرز، ۲۰۰۱ء

انگریزی کتابیات

Encylopaedia Brittanica (1958)
Good News Bible today English Version
Holy Bible New International Version
Holy Bible King James Version
"Is the Bible God words"Ahmed Dedat
James Hastings Dictionary of Bible
The Holy Bible
The new Catholic Encylopaedia (1967)
The Jewish Encylopaedia





مکتبہ دار العلوم کراچی